

سلسلہ نامور اسلام

UNCOVERED 1909

۱۵۴

NOT TO BE REPRODUCED

الفاروق

یعنی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مفصل سوانح عمری



حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ

جناب شمس العجمی آریزو کا بتلی گمانی

پروفیسر مدرسہ العلوم علی گڑھ ویلیو بیوٹی لکھنؤ

حساب جازت حسین شاہ صاحب اہم تمام احکام و کتب

سید ظہور الحسن مالک اخبار قومی خریق و کارخانہ حسن تجارت دہلی کثرہ نظام الملک کے

(جسٹری محکمہ)

(۱۹۰۸ء)

(ملفوظ پندرہ)

قاری محمد امجد علی صاحب

NOT TO BE REPRODUCED

فہرست مضامین حصہ اول الفارق

صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون	صفحہ نمبر	مضمون
۱	وسیع انداز میں موجود ہوا	۲۷	حضرت عمر کی ولادت	۵۱	حضرت عمر کا اپنی بیویوں کو طلاق دینا
۲	حضرت عمر پر قوم میں موجود ہوا	۲۸	سین رشتہ	۵۲	جنگ جسر
۳	جنگ جسر	۲۹	نسب دانی کی تعلیم	۵۳	عروہ جین
۴	تاریخ کی اسدا	۳۰	فن بیلوئی کی تعلیم	۵۴	فرطاس کے واقعہ کی بحث
۵	سید بنوی سے پہلی تصنیف	۳۱	شہسوار کی تعلیم اور مقرر ہونا	۵۵	سقیفہ بنی ساعدہ حضرت ابو بکر
۶	تاریخ میں	۳۲	لکھنے کی تعلیم	۵۶	خلافت اور حضرت عمر کا استخلا
۷	مذہبی جو تصنیفات آج موجود ہیں	۳۳	نکاح ساش	۵۷	از صفحہ ۵۸ تا صفحہ ۵۹
۸	ماخوذ کا دور	۳۴	تجارت کے لیے سفر	۵۸	سقیفہ بنی ساعدہ
۹	مناظرین نے قدما کی خصوصیتیں	۳۵	قبول اسلام اور صفحہ ۲۷ تا صفحہ ۲۹	۵۹	سقیفہ بنی ساعدہ
۱۰	تاریخ کی توفیق	۳۶	حضرت عمر کی ہجرت	۶۰	خلافت اور حضرت عمر کا استخلا
۱۱	تاریخ کے لیے پانچ چیزیں لازم ہیں	۳۷	حضرت عمر کے ساتھ جن لوگوں کے	۶۱	عراق و شام پر سلامی جگہ کے حساب
۱۲	قدیم تاریخوں کے قصص اور اس کے حساب	۳۸	ہجرت کی	۶۲	فتوحات عراق اور صفحہ ۶۳ تا صفحہ ۶۴
۱۳	واقعات کی صحت کا مستند	۳۹	حضرت عمر نے کہاں قیام کیا	۶۳	عراق و شام پر سلامی جگہ کے حساب
۱۴	روایات	۴۰	ہجرت اور انصار میں اخوت	۶۴	عراق و شام پر سلامی جگہ کے حساب
۱۵	حدیث	۴۱	حضرت عمر کے اسلامی ہستی	۶۵	عراق و شام پر سلامی جگہ کے حساب
۱۶	الفاروق میں قدیم تاریخوں کی کمی کی طرف	۴۲	اولان کا طریقہ حضرت عمر کی رائے	۶۶	واقعہ ابویہب مضا
۱۷	تاریخ کی کمی	۴۳	کے موافق قائم ہوا	۶۷	واقعہ ابویہب مضا
۱۸	کے اصول بنے الفاروق	۴۴	سلسلہ ہجری تا وفات رسول اللہ	۶۸	واقعہ ابویہب مضا
۱۹	تاریخ کی کمی	۴۵	صلحہ اور صفحہ ۲۹ تا صفحہ ۵۹	۶۹	واقعہ ابویہب مضا
۲۰	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۴۶	تقدیر کے سالے میں حضرت عمر	۷۰	حضرت عمر کا
۲۱	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۴۷	کی رائے	۷۱	سعدیہ کی
۲۲	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۴۸	غزوہ سواقی	۷۲	ہجرت کی
۲۳	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۴۹	غزوہ اوس	۷۳	ہجرت کی
۲۴	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۰	حضرت عمر کی واقعہ اوس میں	۷۴	ہجرت کی
۲۵	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۱	پسے کی بحث	۷۵	ہجرت کی
۲۶	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۲	حضرت خضد کا	۷۶	ہجرت کی
۲۷	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۳	کے ساتھ	۷۷	ہجرت کی
۲۸	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۴	واقعہ بنو نضیر	۷۸	ہجرت کی
۲۹	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۵	جنگ خندق اور قراب	۷۹	ہجرت کی
۳۰	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۶	جنگ خندق اور قراب	۸۰	ہجرت کی
۳۱	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۷	جنگ خندق اور قراب	۸۱	ہجرت کی
۳۲	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۸	جنگ خندق اور قراب	۸۲	ہجرت کی
۳۳	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۵۹	جنگ خندق اور قراب	۸۳	ہجرت کی
۳۴	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۰	جنگ خندق اور قراب	۸۴	ہجرت کی
۳۵	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۱	جنگ خندق اور قراب	۸۵	ہجرت کی
۳۶	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۲	جنگ خندق اور قراب	۸۶	ہجرت کی
۳۷	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۳	جنگ خندق اور قراب	۸۷	ہجرت کی
۳۸	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۴	جنگ خندق اور قراب	۸۸	ہجرت کی
۳۹	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۵	جنگ خندق اور قراب	۸۹	ہجرت کی
۴۰	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۶	جنگ خندق اور قراب	۹۰	ہجرت کی
۴۱	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۷	جنگ خندق اور قراب	۹۱	ہجرت کی
۴۲	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۸	جنگ خندق اور قراب	۹۲	ہجرت کی
۴۳	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۶۹	جنگ خندق اور قراب	۹۳	ہجرت کی
۴۴	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۷۰	جنگ خندق اور قراب	۹۴	ہجرت کی
۴۵	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۷۱	جنگ خندق اور قراب	۹۵	ہجرت کی
۴۶	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۷۲	جنگ خندق اور قراب	۹۶	ہجرت کی
۴۷	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۷۳	جنگ خندق اور قراب	۹۷	ہجرت کی
۴۸	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۷۴	جنگ خندق اور قراب	۹۸	ہجرت کی
۴۹	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۷۵	جنگ خندق اور قراب	۹۹	ہجرت کی
۵۰	تاریخ کے بموجب واقعات کی	۷۶	جنگ خندق اور قراب	۱۰۰	ہجرت کی

[illegible]

[illegible]

ردیف	مضمون	ردیف	مضمون	ردیف	مضمون	ردیف	مضمون
۸۸	رسد کا مستقل حکم -	۱۱۵	۴۴	۹۲	۵۲	۴	حضرت عمرؓ کے زمانے کے حکام عظام
۸۹	جوراک اور کٹر اور بھتہ -	۱۱۸	۴۵	۹۳	۵۳	۴	قصا کا اسحاق کے بعد مہر ہونا
۹۰	نخواہ کی تقسیم کا طریقہ -	۱۱۹	۴۶	۹۴	۵۴	۴۵	رتوب سے محمود طرکے کے وسائل
۹۱	نخواہ کی رتی	۱۲۰	۴۷	۹۵	۵۵	۴۶	انصاف میں مساوات -
۹۲	احلاف موسم کے لحاظ سے فوج کی تقسیم	۱۲۱	۴۸	۹۶	۵۶	۴۷	آبادی کے لحاظ سے فتنہ کی تعداد کا کافی
۹۳	بہار کے ٹٹے میں جو حاکم قیام -	۱۲۲	۴۹	۹۷	۵۷	۴۸	ماہرین کی تہاداد
۹۴	آٹ پڑا کا لحاظ -	۱۲۳	۵۰	۹۸	۵۸	۴۹	عدالت کا مکان
۹۵	کوچی کی حالت میں فوج کی آرام کا دن	۱۲۴	۵۱	۹۹	۵۹	۵۰	اقتا از صفحہ ۹۵ تا صفحہ ۹۶
۹۶	رحمت کے قاعدے -	۱۲۵	۵۲	۱۰۰	۶۰	۵۱	محکمہ انسانی صورت -
۹۷	فوج کا لباس	۱۲۶	۵۳	۱۰۱	۶۱	۵۲	حضرت عمرؓ کے زمانے کے معنی
۹۸	فوج میں چراغی و محاسن سرجم	۱۲۷	۵۴	۱۰۲	۶۲	۵۳	برقیں موسے کے کاماز رہتا
۹۹	من گھس رتی -	۱۲۸	۵۵	۱۰۳	۶۳	۵۴	بقوہ جاری اور پولیس از صفحہ ۵۸ تا صفحہ ۵۹
۱۰۰	فوج کے مختلف حصے -	۱۲۹	۵۶	۱۰۴	۶۴	۵۵	جیل کے کی بجائے -
۱۰۱	ہر سہائی کو جو ضروری جس میں ساتھ بھٹی	۱۳۰	۵۷	۱۰۵	۶۵	۵۶	حلا وطنی کی سزا
۱۰۲	بڑی صہیں -	۱۳۱	۵۸	۱۰۶	۶۶	۵۷	بیت المال یا ذخائر از صفحہ ۵۹ تا ۶۰
۱۰۳	قلعہ سک آلات -	۱۳۲	۵۹	۱۰۷	۶۷	۵۸	بیت المال پہلے نہ تھا
۱۰۴	سعر مہا -	۱۳۳	۶۰	۱۰۸	۶۸	۵۹	بیت المال کس سے بن گیا
۱۰۵	حر سانی اور حاسوسی -	۱۳۴	۶۱	۱۰۹	۶۹	۶۰	بیت المال کے اختصار
۱۰۶	پرہیز و بسوں کا انتظام -	۱۳۵	۶۲	۱۱۰	۷۰	۶۱	بیت المال کی عمارتیں
۱۰۷	صیفہ تعلیم صفحہ ۹۶	۱۳۶	۶۳	۱۱۱	۷۱	۶۲	حورسم دار الحکامہ کے حوالے سے
۱۰۸	صیفہ مذہبی از صفحہ ۹۶ تا ۱۱۵	۱۳۷	۶۴	۱۱۲	۷۲	۶۳	بلک رک یا نظارت ناقصہ از صفحہ ۷۱ تا ۷۲
۱۰۹	صیفہ (۱۱۵)	۱۳۸	۶۵	۱۱۳	۷۳	۶۴	حضرت عمرؓ جنہیں مبارک راہیں
۱۱۰	اشاعت اسلام کا طریقہ	۱۳۹	۶۶	۱۱۴	۷۴	۶۵	بہر معصل -
۱۱۱	اشاعت اسلام کے سبب	۱۴۰	۶۷	۱۱۵	۷۵	۶۶	نہر سعد -
۱۱۲	حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو لوگ اسلام لائے -	۱۴۱	۶۸	۱۱۶	۷۶	۶۷	نہر المومنین -
۱۱۳	حضرت عمرؓ سے قرآن مجید کی جمع و تفریق	۱۴۲	۶۹	۱۱۷	۷۷	۶۸	نہر سونیک ہادی کا راوہ -
۱۱۴	قرآن مجید کی حفاظت اور تحت حفاظت	۱۴۳	۷۰	۱۱۸	۷۸	۶۹	حضرت عمرؓ کے عہد میں محکمہ بیتوں کی عمارتیں -
۱۱۵	اعراب کی تدوین	۱۴۴	۷۱	۱۱۹	۷۹	۷۰	دارالامارہ
۱۱۶	قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام	۱۴۵	۷۲	۱۲۰	۸۰	۷۱	دفتر -
۱۱۷	اسکاتیب قرآن	۱۴۶	۷۳	۱۲۱	۸۱	۷۲	خراہ -
۱۱۸	مذہب کو حری تعلیم	۱۴۷	۷۴	۱۲۲	۸۲	۷۳	تقدیر خائے -
۱۱۹	اسکاتیب کی تعلیم	۱۴۸	۷۵	۱۲۳	۸۳	۷۴	مہمان خائے -
۱۲۰	قرآن مجید کا تعلیم قرآن کے لئے دو دروازے	۱۴۹	۷۶	۱۲۴	۸۴	۷۵	سڑکوں کا انتظام

نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون	نمبر شمار	مضمون
۱۳۶	مقامات برصغیر	۱۹۶	عرب کا علامہ بہ ہونیکا	۱۹۶	عرب کا علامہ بہ ہونیکا
۱۳۷	تعلیم قرآن کا طریقہ	۱۹۷	ممالک مغربیہ میں غلامی کو گھٹانا۔	۱۹۷	ممالک مغربیہ میں غلامی کو گھٹانا۔
۱۳۸	بسن کی مسجد میں طلبہ قرآن کی تعداد	۱۹۸	حضرت تہربانو کا قصہ۔	۱۹۸	حضرت تہربانو کا قصہ۔
۱۳۹	بصارت قرآن کے اور مسائل	۱۹۹	اسلامی حادان کے ہسراں جنگ	۱۹۹	اسلامی حادان کے ہسراں جنگ
۱۴۰	حافظوں کی تعداد	۲۰۰	ساتھ برماؤ۔	۲۰۰	ساتھ برماؤ۔
۱۴۱	صحف اربعہ کی مدرسوں	۲۰۱	غلاموں کے ساتھ ملاقات	۲۰۱	غلاموں کے ساتھ ملاقات
۱۴۲	ادب اور عربیت کی تعلیم	۲۰۲	غلاموں کا ایسے غلاموں کا قمار کے حدا	۲۰۲	غلاموں کا ایسے غلاموں کا قمار کے حدا
۱۴۳	حدیث کی تعلیم	۲۰۳	کنا جانا۔	۲۰۳	کنا جانا۔
۱۴۴	فصل	۲۰۴	غلاموں میں اہل کمال کا یہ ایوان	۲۰۴	غلاموں میں اہل کمال کا یہ ایوان
۱۴۵	مسائل فقہ کی اساعت کی مختلف مدریں	۲۰۵	سیاست و تدبیر عدل و انصاف	۲۰۵	سیاست و تدبیر عدل و انصاف
۱۴۶	بہلی مدبر	۲۰۶	از صفحہ ۱۴۴ (۱) تا صفحہ ۱۴۶ (۱)	۲۰۶	از صفحہ ۱۴۴ (۱) تا صفحہ ۱۴۶ (۱)
۱۴۷	دوسری مدبر	۲۰۷	عام سلاطین اور حضرت عمر کے طریق	۲۰۷	عام سلاطین اور حضرت عمر کے طریق
۱۴۸	سیری مدبر	۲۰۸	سیاست میں قرین	۲۰۸	سیاست میں قرین
۱۴۹	چوتھی مدبر	۲۰۹	حکومت کی مشکلات	۲۰۹	حکومت کی مشکلات
۱۵۰	فقہ کی تعلیم کا اسطام	۲۱۰	حکومت کی مشکلات	۲۱۰	حکومت کی مشکلات
۱۵۱	تھاہر کی خواہش	۲۱۱	حکومت کی مشکلات	۲۱۱	حکومت کی مشکلات
۱۵۲	مستقبل فقہ کی رعب شان	۲۱۲	حکومت کی مشکلات	۲۱۲	حکومت کی مشکلات
۱۵۳	پرنسپل فقہ کی تعلیم کا ہمارا نسخہ	۲۱۳	امیر المومنین کا لقب کیوں اہل کمال کا	۲۱۳	امیر المومنین کا لقب کیوں اہل کمال کا
۱۵۴	اماموں اور محدثوں کا تفرق	۲۱۴	سیاست	۲۱۴	سیاست
۱۵۵	حاجوں کی مافیہ سالاری	۲۱۵	عہدہ داران سلطنت کا احباب	۲۱۵	عہدہ داران سلطنت کا احباب
۱۵۶	مساجد کی تعمیر	۲۱۶	کے لاگ عدل و انصاف	۲۱۶	کے لاگ عدل و انصاف
۱۵۷	حرم محرم کی وضع	۲۱۷	قدیم سلطنتوں کے حالات اور نظام	۲۱۷	قدیم سلطنتوں کے حالات اور نظام
۱۵۸	حرم کی تجدید	۲۱۸	سے واقفیت	۲۱۸	سے واقفیت
۱۵۹	مسجد سوئی کی حرمت اور روحت	۲۱۹	واقفیت حالات کے لیے برچیدہ	۲۱۹	واقفیت حالات کے لیے برچیدہ
۱۶۰	مسجد قرین اور روحتی کا نظام	۲۲۰	اور واقعہ ہنگام	۲۲۰	اور واقعہ ہنگام
متفرق انتظامات از صفحہ ۱۱۶ (۱) تا صفحہ ۱۱۸ (۱)		۲۲۱	بہ ہمال کا خیال	۲۲۱	بہ ہمال کا خیال
		۲۲۲	نام کاموں کا وصف بر انجام پانا	۲۲۲	نام کاموں کا وصف بر انجام پانا
۱۶۱	سہ ہجری کا مفر کرنا	۲۲۳	رفا و عام کے کام	۲۲۳	رفا و عام کے کام
۱۶۲	مختلف قسم کے دھڑ	۲۲۴	عرب اور مسلمانین کے روئے	۲۲۴	عرب اور مسلمانین کے روئے
۱۶۳	دفعہ قزاق	۲۲۵	مہاں حاسے	۲۲۵	مہاں حاسے
۱۶۴	میت الماں کے کاغذات کا حساب	۲۲۶	لہواریت شیعہ	۲۲۶	لہواریت شیعہ
۱۶۵	مصارف جنگ کے کاغذات کا حساب	۲۲۷	نیموں کی جبرگری	۲۲۷	نیموں کی جبرگری
۱۶۶	مردم ہساری کے کاغذات	۲۲۸	خط کا نظام	۲۲۸	خط کا نظام
۱۶۷	کاغذات حساب کے گھسے کا طریقہ	۲۲۹	رہا و عام کے متعلق حضرت عمر کے	۲۲۹	رہا و عام کے متعلق حضرت عمر کے
۱۶۸	مسک	۲۳۰	گھسے سنہ	۲۳۰	گھسے سنہ
۱۶۹	مسک	۲۳۱	حریات پر نوچہ	۲۳۱	حریات پر نوچہ
غلامی کا رواج کلم کرنا از صفحہ ۱۳۱ (۱) تا صفحہ ۱۳۲ (۱)		۲۳۲	غلامی کا رواج کلم کرنا از صفحہ ۱۳۱ (۱) تا صفحہ ۱۳۲ (۱)	۲۳۲	غلامی کا رواج کلم کرنا از صفحہ ۱۳۱ (۱) تا صفحہ ۱۳۲ (۱)
		۲۳۳	غلامی کا رواج کلم کرنا از صفحہ ۱۳۱ (۱) تا صفحہ ۱۳۲ (۱)	۲۳۳	غلامی کا رواج کلم کرنا از صفحہ ۱۳۱ (۱) تا صفحہ ۱۳۲ (۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

دیباچہ

الفاروق جسکا غلطہ وجود میں آنے سے پہلے تمام ہندوستان میں بلند ہو چکا ہے
اول اول اُسکا نام زبانوں پر اس تقریب سے آیا کہ الماموں طبع اول کے دیباچہ میں
ضمنا اُس کا ذکر آگیا تھا اس کے بعد اگرچہ مصنف کی طرف سے بالکل سکوت اختیار کیا گیا تاہم
نام میں کچھ ایسی دلچسپی تھی کہ خود بخود پھیلنا کیا یہاں تک کہ اُس کے ابتدائی اجزا بھی طیار
نہیں ہو چکے تھے کہ تمام ملک میں اس سیرے سے اُس سیرے تک الفاروق کا لفظ
بچہ بچہ کی زبان پر تھا۔

اوجھڑ کچھ ایسے اسباب پیش آئے کہ الفاروق کا سلسلہ رک گیا اور اُس کے بجائے دوسرے
دوسرے کام چھڑ گئے چنانچہ اس شان میں متعدد تصنیفیں مصنف کے قلم سے نکلیں اور
شائع ہوئیں۔ لیکن جو نگاہیں فاروق اعظم کے کوکبہ جلال کا انتظار کر رہی تھیں ان کو کسی
دوسرے جلوہ سے سیری نہیں ہو سکتی تھی۔ سو اتفاق یہ کہ مجھ کو الفاروق کی طرف سے پیدا
کے بعض ایسے اسباب پیدا ہو گئے تھے کہ میں نے اس تصنیف سے گویا ہاتھ اٹھالیا تھا۔

لیکن ملک کی طرف سے تقاضے کی صدائیں رہ رہ کر اس قدر بلند ہوتی تھیں کہ میں مجبوراً قلم ہاتھ سے رکھ کر اٹھالیتا تھا۔ بالآخر ۱۸- اگست ۱۹۴۷ء عیسوی کو میں نے ایک قطعی فیصلہ کر لیا اور مستقل اور مسلسل طریقے پر اس کام کو شروع کیا۔ ملازمت کے فرائض و انتظامی سوانح وقتاً فوقتاً اب بھی سببِ راہ ہوتے سببِ یہاں تک کہ تنہا دو دفعہ کئی کئی جینینے کا ناٹھنا پڑا گیا۔ لیکن چونکہ کام کا سلسلہ مطلقاً بند نہیں ہوا اس لیے کچھ نہ کچھ ہوتا گیا یہاں تک کہ آج پورے چار برس کے بعد یہ منزل طے ہوئی اور قلم کے مسافرنے کچھ دنوں کے لیے آرام پایا۔ شکر کہ جہازہ بمنزل رسید۔ زور قیامتِ بندہ باطل رسید۔

یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے۔ پہلے حصہ میں مہتد کے علاوہ حضرت عمر کی ولایت سے وفات تک کے واقعات اور فتوحاتِ ملکی کے حالات ہیں۔ دوسرے حصے میں اُن کے ملکی اور مذہبی انتظامات اور علمی کمالات اور ذاتی اخلاق اور عادات کی تفصیل ہے اور یہی دوسرا حصہ مصنف کی سعی و محنت کا تماشگاہ ہے۔

اس کتاب کی صحتِ طبع میں اگرچہ کچھ کم کوشش نہیں کی گئی کانپیاں میں نے خود دیکھیں اور نہائیں، لیکن متواتر تجربوں کے بعد مجھ کو اس بات کا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ میں اس راوی کا مردِ میدان نہیں۔ کانپیوں کے دیکھنے میں ہمیشہ میری نگاہ سے غلطیاں رہ جاتی ہیں۔ اور میں اُس کی کوئی تدبیر نہیں کر سکتا۔ لیکن اگر صاحبِ طبع اجازت دیں تو اس کہنے کی جرأت کر سکتا ہوں کہ اس جرم کا میں تنہا مجرم نہیں بلکہ کچھ اور لوگ بھی شریک ہیں بہر حال کتاب کے آخر میں ایک غلطنامہ لگا دیا گیا ہے جو کفارہ جرم کا کام لے سکتا ہے۔ اس کتاب میں بعض الفاظ کے املا کا طریقہ نیا نظر آئیگا مثلاً اضافت کی حالت میں ”ملکہ“ اور ”مدینہ“ کے بجائے ”نکمتے“ اور ”مدینے“ اور جمع کی حالت میں ”موقع“ اور ”موجو“

کے بجائے "موتے" اور "مجھے" لیکن یہ میرا طریقِ اِلمانہیں ہے بلکہ کاپی نویس صاحب کا ہے اور وہ اسکے برخلاف عمل کرنے پر کسی طرح رضی نہ ہوئے۔

یہ بھی واضح رہے کہ یہ کتاب سلسلہ آصفیہ کی فہرست میں داخل ہے۔ لیکن پہلے سلسلہ آصفیہ کی ماہیت اور حقیقت سمجھ لینی چاہیے۔

ہمارے معزز اور محترم دوست شمس العلماء مولانا سید علی بلگرامی، جمیع القابہ کو تمام ہندوستان جانتا ہے وہ جس طرح بہت بڑے مصنف، بہت بڑے مترجم، بہت بڑے

زبانِ دہان ہیں اسی طرح بہت بڑے علم دوست اور اشاعتِ علوم و فنون کے بہت بڑے

مرتب اور سرپرست ہیں اس دوسرے وصف نے انکو اس بات پر آمادہ کیا کہ انھوں نے جناب نواب محمد فضل الدین خان سکندر جنگ اقبال الدولہ اقتدار الملک سرو قارا لامرا بہادر کے۔ سی۔ آئی۔ امی۔ مدار المہام دولت آصفیہ علیہ

الہ تعالیٰ کی خدمت میں یہ درخواست کی کہ حضور پر نور تم دورانِ افلاطون زمانِ فلک بارگاہِ پیلا

منظر الممالک فتح جنگ نہر ہائیں نواب میر محبوب علیخان بہادر نظام الملک

آصف جاہ سلطان دکن خلد الملک کے سائے عاطفت میں علمی تراجم و تصنیفات کا

ایک متنقل سلسلہ قائم کیا جائے جو سلسلہ آصفیہ کے لقب سے ملقب ہو اور وابستگانِ دولت

آصفیہ کی جو تصنیفات خلعت قبول پائیں وہ اس سلسلے میں داخل کجائیں۔

جناب نواب صاحب مدوح کو علوم و فنون کی ترویج و اشاعت کی طرف ابتداء سے جو تہفات

و توجہ رہی ہے اور جسکی بہت سی محسوس یادگاریں اسوقت موجود ہیں اُسکے لحاظ سے جناب

مدوح نے اس درخواست کو نہایت خوشی سے منظور کیا۔ چنانچہ کئی برس سے یہ مبارک سلسلہ

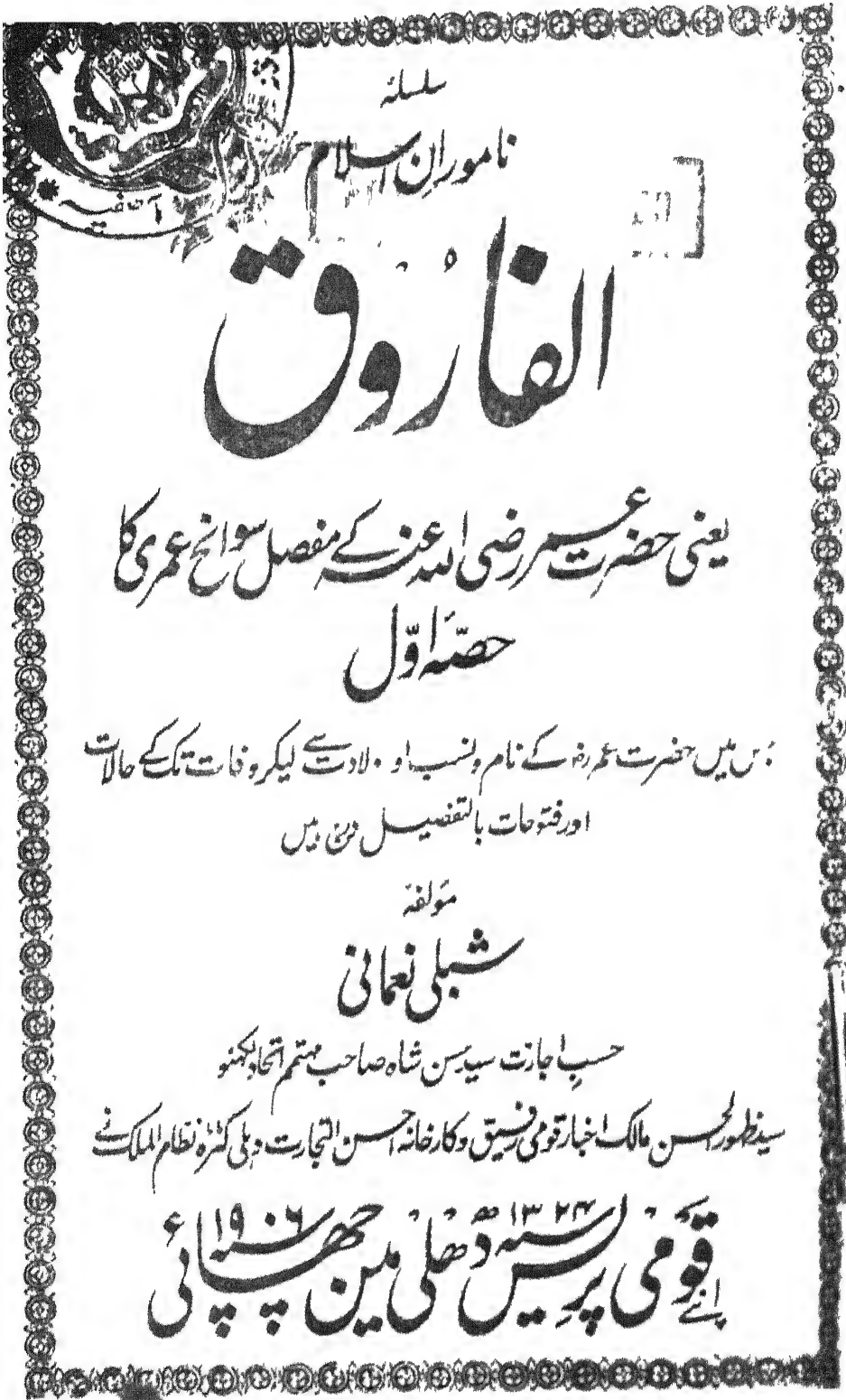
قائم ہے اور ہمارے شمس العلماء کی کتاب تمدنِ عرب جسکی شہرت عالمگیر ہو چکی ہے اسی

سلاک ایک بیش بہا گوہر ہے۔

خاکسار کو ششہ اع میں جناب ابومدوح کی پیشگاہ سے عطیہ ماہوار کی جو نہ عطا ہوئی اس میں یہ بھی برج تھا کہ خاکسار کی تمام آئندہ تصنیفات اس سلسلے میں داخل کی جائیں اسی بنا پر یہ ناچیز تصنیف بھی اس مبارک سلسلے میں داخل ہے جلد اول کے آخر میں اسلامی دنیا کا ایک نقشہ شامل ہے جس میں جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک سے لیکر بنو امیہ کے زمانے تک ہر عہد کی فتوحات کا خاص خاص رنگ دیا گیا ہے جسے دیکھنے سے بیک نظر معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر خلیفہ کے وقت میں دنیا کا کس قدر حصہ اسلام کے حلقہ میں شامل ہو گیا۔ یہ نقشہ اصل میں جرمین کے چند لائق پروفیسروں نے تیار کیا تھا لیکن چونکہ وہ ہماری کتاب کے بیانات سے پورا پورا مطابقت نہیں ہوتا تھا اس لیے ہم نے اصل کتاب کے حاشیہ میں موقع بموقع ان اختلافات کی طرف اشارہ کر دیا ہے۔

نبلی نعمانی

مقام اعظم گڑھ
دسمبر ۱۹۹۸ء



سلسلہ

ناموران اسلام

القاروق

یعنی حضرت سررضی اللہ عنہ کے مفصل سوانح عمری کا
حصہ اول

اس میں حضرت عمرؓ کے نام و نسب اور ولادت کے لیکر وفات تک کے حالات
اور فتوحات بالتفصیل دیئے ہیں

مؤلفہ

شبلی نعمانی

حسب اجازت سید حسن شاہ صاحب مہتمم اتحاد اہل کلمہ
سینٹرل احسن مالک اخبار قومی شریق و کارخانہ احسن التجارت دہلی کٹرہ نظام المملکت

پانچویں پریس ڈسٹریکٹ پبلیکیشنز

حصہ اول

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اسے ہمہ درپردہ نہاں راز تو بے خبر انجام - ز آغاز تو

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ عَلٰی رَسُوْلِهِ مُحَمَّدٍ وَّآلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اٰحْمَدِیْنَ

تمہن کے زمانے میں جو علوم و فنون پیدا ہو جاتے ہیں اُن میں سے اکثر ایسے موتے ہیں جنکا سہولے پہلے سے موجود ہوتا ہے۔ تمہن کے زمانے میں وہ ایک موزوں قالب اختیار کر لیتا ہے اور پھر ایک خاص نام یا لقب سے مشہور ہو جاتا ہے مثلاً استدلال اور اثبات مدعا کے طریقے ہمیشہ سے موجود تھے اور عام و خاص سب اُن سے کام لیتے تھے، لیکن جب ارسطو نے ان جزئیات کو ایک خاص وضع سے ترتیب دیا تو اس کا نام منطق ہو گیا اور وہ ایک مستقل فن بن گیا، تاریخ و تذکرہ بھی اسی قسم کا فن ہے، دنیا میں جہاں کہیں انسانوں کا کوئی گروہ موجود تھا۔ تاریخ و تذکرے بھی ساتھ ساتھ تھے کیونکہ فخر و تزیین کے

موقعوں پر لوگ اپنے اسلاف کے کارنامے خواہ مخواہ بیان کرتے تھے تفریح اور گرمی صحبت کے مجالس میں قہقہے لڑائیوں اور معرکوں کا ذکر ضرور کیا جاتا تھا۔ باپ و اکی تقلید کے یے پرانی عادات و رسوم کی یاد گاریں خواہ مخواہ قائم رکھی جاتی تھیں، اور یہی چیزیں تاریخ و تذکرہ کا سرمایہ ہیں۔ اس بنا پر عرب - عجم - ترک - تاتار - ہندی - افغانی - مصری - یونانی - غرض دنیا کی تمام قومیں فن تاریخ کی قابلیت میں ہمسری کا یکساں دعوے کر سکتی ہیں۔

لیکن اس عموم میں عرب کو ایک خصوصیت خاص حاصل تھی۔ عرب میں بعض خاصہ

باتیں ایسی پائی باقی تھیں بنکو تاریخی سلسلے سے تعلق تھا اور جو اقواموں میں نہیں پائی جاتی تھیں۔
مثلاً انساب کا ہر جہاں کی یہ کیفیت تھی کہ بچہ بچہ اپنے آبا و اجداد کے نام اور ان کے رشتے نامے
دس دس بارہ بارہ پستوں تک محفوظ رکھتا تھا، یہاں تک کہ انسانوں سے گزر کر گھوڑوں اور اونٹوں
کے نسب نامے محفوظ رکھے جاتے تھے یا ایام العرب جسکی بدولت حوکانہ کے سالانہ میلے میں قومی
کا زمانوں کی روایتیں سلسلہ سلسلہ ہزاروں لاکھوں آدمیوں تک پہنچ جاتی تھیں، یا شاعری جسکا
یہ حال تھا کہ اونٹ چرانے والے بدو جنگو کھنے پڑھنے سے کچھ سروکار نہ تھا، اپنی زبان آوری کے
سامنے تمام عالم کو بیچ سمجھتے تھے اور درحقیقت جس سادگی اور صلیت کے ساتھ وہ واقعات اور خبرات
کی تصویر کینچ سکتے تھے دنیا میں کسی قوم کو یہ بات کبھی نصیب نہیں ہوئی۔

اس بنا پر عرب میں جب تمدن کا آغاز ہوا تو سب سے پہلے تاریخی تصنیفات وجود میں آئیں۔ اسلام سے
بہت پہلے باوشائمان حیرق نے تاریخی واقعات قلمبند کر لئے اور وہ مدت تک محفوظ رہے چنانچہ ابن ہشام
نے کتاب البیان میں تصریح کی ہے کہ میں نے ان تالیفات سے فائدہ اٹھایا۔ اسلام کے عہد میں زبانی
روایتوں کا ذخیرہ ابتدا ہی میں پیدا ہو گیا تھا لیکن چونکہ تصنیف تالیف کا سلسلہ عموماً ایک مدت کے بعد
قائم ہوا اس لئے کوئی خاص کتاب اس فن میں نہیں لکھی گئی۔ لیکن جب تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا تو
سب سے پہلی کتاب جو لکھی گئی تاریخ کے فن میں تھی

امیر معاویہ المتوفی ۴۰ھ کے زمانے میں عبید بن شریہ ایک شخص تھا جس نے جاہلیت کا زمانہ دیکھا
تھا، اور اسکو عرب و عجم کے اکثر معرکے یاد تھے۔ امیر معاویہ نے اسکو صنعا سے بلایا، اور کاتب اور محرر
ستین کیے کہ جو کچھ وہ بیان کرتا جائے قلمبند کرتے جائیں۔ علامہ ابن الندیم نے کتاب الفہرست میں اس
کی متحدہ تالیفات کا ذکر کیا ہے جن میں سے ایک کتاب کا نام کتاب الملوک و اخبار المائیں تھا ہے غالباً
یہ وہی کتاب ہے جسکا مسودہ امیر معاویہ کے حکم سے طیار ہوا تھا۔ عبید کے بعد عوانہ بن الحکم المتوفی ۵۰ھ

لکھنا نام ذکر کے قابل ہے جو اخبار و انسب کا بڑا ماہر تھا اس نے عام تاریخ کے علاوہ خاص بنو امیہ اور امیر معاویہ کے حالات میں ایک کتاب لکھی۔ ۱۳۱ھ میں بشام بن عبدالملک کے حکم سے عجم کی مسافت مفصل تاریخ کا ترجمہ پہلوی سے عربی میں کیا گیا، اور یہ پہلی کتاب تھی جو عبرت زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی۔ ۱۳۳ھ میں جب تفسیر حدیث فقہ وغیرہ کی مدون شروع ہوئی تو اور علوم کے ساتھ تاریخ و رجال میں بھی مستقل کتابیں لکھی گئیں۔ چنانچہ محمد بن اسحاق التوفی ۱۳۵ھ نے منصوبہ عباسی کے لیے خاص سیرۃ نبوی پر ایک کتاب لکھی جو آج بھی موجود ہے۔ ہمارے مؤرخین کا دعوئے ہے کہ فن تاریخ کی یہ پہلی کتاب ہے۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ اس سے پہلے موسیٰ بن عقبہ التوفی ۱۳۵ھ نے انحضرت کے مناوی قلم بند کیے تھے۔ موسیٰ نہایت ثقہ اور متراط شخص تھے اور سواہ کا زمانہ پایا تھا اسی نے ان کی یہ کتاب محدثین کے دائرے میں بھی حرز کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے۔

اس کے بعد فن تاریخ نے نہایت ترقی کی اور بڑے بڑے نامور مؤرخ پیدا ہوئے جن میں ابو مخنف کلبی، واقدی، زیادہ مشہور ہیں۔ ان لوگوں نے نہایت عمدہ اور جدید عنوانوں پر کتابیں لکھیں۔ مثلاً کلبی نے انواع اسلام، قریش کے پیشے، قبائل عرب کے مناظرات، جاہلیت اور اسلام کے احکام کا تالوار، ان مضامین پر مستقل رسالے لکھے۔ رفتہ رفتہ اس سلسلے کو نہایت وسعت ہوئی۔ یہاں تک کہ چوتھی صدی تک ایک دوسرے باباں تیار ہو گیا۔ اور بڑی خوبی کی بات یہ تھی کہ ہر صاحب قلم کا موضوع اور عنوان جدا تھا اس دور میں پیشمار مؤرخ گزے۔ ان میں جن لوگوں نے بالخصوص انحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کے حالات میں کتابیں لکھیں انکی مختصر فہرست یہ ہے۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
بہج مدنی	غزوات نبوی	
نصیر مزارحم کوفی	کتاب اہل مہمی حضرت علیؑ اور عائشہؓ کی زندگی کا حال	

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
سیف بن عمر الاسدی	کتاب الفتح الکبیر	نہایت مشہور و نون ہے۔
سحر بن راشد کوفی	کتاب المغازی۔	امام بخاری کے استاد الاستاذ تھے۔
عبداللہ بن سعد زہری المتوفی ۲۴۰ھ	فتوحات خالد بن الولید۔	
ابو بختری و سب بن و سب	کتاب عنقہ ابی سلم و کتاب فضائل الانصار	۳۰۰ھ میں انتقال کیا۔
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ المدائنی۔ المتوفی ۳۵۰ھ		اسے آنحضرت اور خلفائے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث نسرازی	کتاب المغازی۔ اسرار الخلفاء و کتابہم	۵۰۰ھ میں کا شاعر و نسا۔
عبدالرحمن بن عبدہ	مناقب قریش۔	نہایت نادر اور عمدہ مورخ تھا
عمر بن شبہ المتوفی ۲۶۲ھ	کتاب أُمَرَاءِ الْکُوفَةِ۔ کتابہم الریاض	مشہور و نون ہے

اگر یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانہ میں لکھی گئیں، ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔

عبداللہ بن مسلم بن قتیبة السلولی ۳۸۰ھ والمتوفی ۴۰۰ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ مصنفین ہم اُس کے اعتقاد اور اعتبار کے قائل ہیں تاریخ میں اسکی مشہور کتاب معارف ہے جو مسرور وغیرہ میں بچھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن ایسے مفید معلومات میں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔

نام مصنف	تصنیف	کیفیت
سید بن عمر الاسدی	کتاب الفتح الکبیر	نہایت مشہور و نوح ہے۔
سحر بن راشد کوفی	کتاب المغازی۔	امام بخاری کے استاد و استاد تھے۔
عبد اللہ بن سعد زہری المتوفی ۲۴۰ھ	فتوحات خالد بن الولید۔	
ابو بکر بن دہب	کتاب عقد ابنی مسلم و کتاب فضائل الانصار	شہر میں انتقال کیا۔
ابو الحسن علی بن محمد بن عبد اللہ الدرائی المتوفی ۳۰۰ھ		اسے آنحضرت اور خلفائے حالات میں کثرت سے کتابیں لکھیں اور نئے نئے عنوان اختیار کیے۔
احمد بن حارث خستراز	کتاب المغازی۔ اسما الخلفاء و کتابہم	دعائی کا شاگرد تھا۔
عبد الرحمن بن عسہ	منقب قریش	نہایت ثقہ اور قند موع تھا۔
عمر بن شبہ المتوفی ۳۳۰ھ	کتاب امرار الکوفۃ۔ کتابہ اربعہ	مشہور و نوح ہے۔
<p>اگرچہ یہ تصنیفات آج ناپید ہیں لیکن اور کتابیں جو اسی زمانے میں یا اس کے بعد قریب تر زمانے میں لکھی گئیں، ان میں ان تصنیفات کا بہت کچھ سرمایہ موجود ہے چنانچہ ہم ان کے نام ان کے مصنفین کے عنوان سے لکھتے ہیں۔</p> <p>عبد اللہ بن مسلم بن قتیبتہ المولود ۳۰۰ھ و المتوفی ۳۵۰ھ۔ یہ نہایت نامور اور مستند مصنف ہے۔ محدثین کو اس کے اعتماد اور امتبار کے قابل ہیں۔ تاریخ میں اسکی مشہور کتاب معارف ہے جو مسرور وغیرہ میں چھپ کر شائع ہو چکی ہے، یہ کتاب اگرچہ نہایت مختصر ہے لیکن ایسے مفید معلومات میں جو بڑی بڑی کتابوں میں نہیں ملتیں۔</p>		

احمد بن داؤد ابو حنیفہ و بیہری المتوفی ۱۸۰ھ بہ بھی مشہور مصنف ہے۔ تاریخ میں اسکی کتاب کا نام الاخبار الطوال ہے۔ اس میں خلیفہ معتزم باللہ تک کے حالات ہیں، خلفاء راشدین کی فتوحات میں سے عجم کی فتح کو تفصیل سے لکھا ہے۔ یہ کتاب یورپ میں مقام لیدن ۱۲۰۰ء میں چھپی ہے۔

محمد بن سعد کاتب الواقعی المتوفی ۲۰۵ھ نہایت ثقہ اور عمدہ مؤرخ ہے، اگرچہ اسکا اُسٹا و واقعی ضعیف الروایت ہے۔ لیکن خود اس کے ثقہ ہونے میں کسی کو کلام نہیں اُس نے ایک کتاب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ و تابعین و تبع تابعین کے حالات میں نہایت بسط و تفصیل سے دس بارہ جلدوں میں لکھی ہے اور تمام واقعات کو محدثانہ طور پر بہ سند لکھا ہے یہ کتاب طبقات بن سعد کے نام سے مشہور ہے۔ میں نے اسکا قلمی نسخہ دیکھا ہے۔ اب جرمن میں بڑے اہتمام سے چھپ رہی ہے۔

احمد بن ابی یعقوب بن واضح کاتب عباسی یہ تیسری صدی کا مؤرخ ہے۔ مجکو اس کے حالات رجال کی کتابوں میں نہیں ملے۔ لیکن اس کی کتاب خود شہادت دیتی ہے کہ وہ بڑے پایہ کا مصنف ہے چونکہ اسکو ولت عباسیہ کے و بار سے تعلق تھا اسلئے تاریخ کا اچھا سرمایہ مجہم نہ بن سکا ہے۔ اس کی کتاب جو تاریخ یعقوبی کے نام سے مشہور ہے۔ یورپ میں مقام لیدن ۱۲۰۰ء میں چھپی گئی ہے۔

احمد بن یحییٰ البلاذری المتوفی ۲۵۹ھ ابن سعد کا شاگرد اور المتوکل باللہ عباسی کا درباری تھا اس کی وسعت نظر اور صحت روایت۔ محدثین کے گروہ میں بھی تسلیم ہے، تاریخ و رجال میں اسکی دو کتابیں مشہور ہیں۔ فتوح البلدان۔ انساب الاشراف۔ پہلی کتاب کا یہ طرز ہے کہ بلاد اسلامیہ میں سے ہر ہر صوبہ یا ضلع کے نام سے الگ الگ عنوان قائم کیے ہیں، اور ان کے متعلق ابتدائے فتح سے اپنے عہد تک کے حالات لکھے ہیں۔ دوسری کتاب تذکرے کے طور پر ہے جس میں حضرت عمر کے حالات بھی ہیں۔ فتوح البلدان یورپ میں نہایت اہتمام کے ساتھ چھپی ہے۔ اور انساب الاشراف کا قلمی نسخہ قسطنطنیہ میں سیری نظر سے گزرا ہے۔ ابو جعفر محمد بن جریر الطبری المتوفی ۳۲۰ھ یہ حدیث و فقہ میں بھی امام مائے جاتے ہیں چنانچہ ائمہ

کے ساتھ لوگوں نے انکو مجتہدین کے زمرہ میں شمار کیا ہے۔ تاریخ میں انھوں نے ایک نہایت مفصل اور محیط کتاب لکھی جو ضخیم بلدوں میں ہے اور یورپ میں مقام لندن نہایت صحت اور اہتمام کے ساتھ چھپی ہے ابو الحسن علی بن حسین مسعودی المتوفی سنہ ۳۰۸ھ فن تاریخ کا امام ہے۔ اسلام میں آج تک اس کے برابر کوئی وسیع منظر منوع پیدا نہیں ہوا۔ وہ دنیا کی اوز قومن کی تاریخ کا بھی بہت بڑا ماہر تھا۔ اسکی تمام تاریخی کتابیں میں تو کسی اور تصنیف کی کچھ حاجت نہ ہوتی، لیکن انھوں نے کہ قوم کی بد مذاقی سے اس کی اکثر تصنیفات ناپید ہو گئیں پورے بڑی تلاش سے دو کتابیں مہیا کیں ایک مروج الذہب اور دوسری کتاب الاشراف والتبایہ۔ مروج الذہب مصر میں بھی چھپ گئی ہے۔

یہ تصنیفات جس زمانے کی ہیں وہ قدما کا دور کہلاتا ہے۔ پانچویں صدی کے آغاز سے متاخرین کا دور شروع ہوتا ہے جو فن تاریخ کے تشل کا پہلا قدم ہے۔ متاخرین میں اگرچہ بے شمار منوع گزشتے جن میں سے ابن الاثیر، سحافی، ذہبی، ابوالفداء، نویری، سیوطی وغیرہ نے نہایت شہرت حاصل کی لیکن انھوں نے کہ ان لوگوں نے تاریخ کے ساتھ من حیث الفن کوئی حسان نہیں کیا۔ قدما کی جو خصوصیات تھیں، کھودیں اور خود کوئی نئی بات نہیں پیدا کی۔ مثلاً قدما کی ایک خصوصیت تھی کہ ہر تصنیف نئی معلومات پر مشتمل ہوتی تھی تاخرین نے یہ طرز اختیار کیا کہ کوئی قدیم تصنیف سامنے رکھ لی اور بغیر اس کے کہ اسپر کچھ اضافہ کر سکیں بغیر اور اختصار کے ساتھ اسکا قالب بدل دیا، تاریخ ابن الاثیر کو علامہ ابن خلدون نے من خیار التواریخ کہا ہے اور وحقیقت اسکی قبولیت عام نے قدیم تصنیفیں ناپید کر دیں، لیکن جہاں تک زمانے کا اشتراک ہے ایک بات بھی اسیں طہری سے زائد نہیں مل سکتی اسی طرح ابن الاثیر کے بعد جو لوگ پیدا ہوئے انھوں نے اپنی تصنیف کا مدار صرف ابن الاثیر پر رکھا وھلکھجوا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ متاخرین نے قدما کی کتابوں کا جو اختصار کیا اس طرح کیا کہ جہاں جو بات چھوڑ دی، وہی اس تمام واقعہ کی روح تھی، چنانچہ ہماری کتاب کے دوسرے حصے میں اسکی بہت سی مثالیں آئیں گی۔

قد مایں ایک خصوصیت یہ تھی کہ وہ تمام واقعات کو حدیث کی طرح بسند متصل نقل کرتے تھے متاخرین نے یہ التزام بالکل چھوڑ دیا، ایک اور خصوصیت قد مایں یہ تھی کہ وہ اگرچہ کسی عہد کی مٹا شرت و تمدن پر جدا عنوان نہیں قائم کرتے تھے لیکن غمنا ان جزئیات کو کچھ جاتے تھے، جن سے تمدن و معاشرت کا کچھ کچھ پتہ چلتا تھا۔ متاخرین نے یہ خصوصیت بھی قائم نہ رکھی۔

لیکن اس عام نکتہ چینی میں ابن خلدون کا نام شامل نہیں ہے۔ اُس نے فلسفہ تاریخ کا فن ایجاد کیا اور اس پر نہ صرف متاخرین بلکہ مسلمانوں کی کل قوم نادر کر سکتی ہے۔ اسی طرح اُس کا شاگرد علامہ مقرریری بھی نکتہ چینی کے بجائے مدح و ستائش کا مخنی ہے۔

بہر حال الفاروقی کی تالیف کے بیٹے جو سرمایہ کام آ سکتا تھا وہ یہی قدما کی تصنیفات تھیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ تاریخ و تذکرے کے فن نے آج جو ترقی کی ہے اُس کے لحاظ سے یہ بے بہا خزائن بھی خیر کا رآمد نہیں۔ اس اجمال کی تفصیل سمجھنے کے لئے پہلے یہ جاننا چاہیے کہ فن تاریخ کی ماہیت اور حقیقت کیا ہے۔ تاریخ کی تعریف ایک بڑے مصنف نے یہ کی ہے کہ فطرت کے واقعات نے انسان کے حالات میں جو تغیرات پیدا کیے ہیں۔ اور انسان نے عالم فطرت پر جو اثر ڈالا ہے ان دونوں کے مجموعہ کا نام تاریخ ہے۔ ایک اور حکیم نے یہ تعریف کی ہے ”ان واقعات اور حالات کا پتہ لگانا جن سے یہ دریافت ہو کہ موجود زمانہ گزشتہ زمانے سے کیوں بظور نتیجہ کے پیدا ہو گیا ہے“ یعنی چونکہ یہ مسلم ہے کہ آج دنیا میں جو تمدن و معاشرت خیالات۔ مذاہب موجود ہیں۔ سب گزشتہ واقعات کے نتائج ہیں۔ جو خواہ مخواہ اُن سے پیدا ہونے چاہئے تھے ایسے اُن گزشتہ واقعات کا پتہ لگانا اور اُن کو اس طرح ترتیب دینا جس سے ظاہر ہو کہ موجود واقعہ گزشتہ واقعات سے کیوں کر پیدا ہوا“ اسی کا نام تاریخ ہے۔

ان تعریفات کی بنیاد تاریخ کے لئے دو باتیں لازمی ہیں۔

ایک یہ کہ جس عہد کا حال لکھا جائے۔ اُس زمانے کے ہر قسم کے واقعات تسلیم نہ کیے جائیں یعنی تمدن، معاشرت

اخلاق - عادات - مذہب ہر چیز کے متعلق معلومات کا سرمایہ جتایا جائے۔
دوسرے یہ کہ تمام واقعات میں سبب اور مستبک کا سلسلہ تلاش کیا جائے۔

قدیم تاریخوں میں یہ دونوں چیزیں مفقود ہیں۔ رعایا کے اخلاق - عادات - اور تمدن و معاشرت کا تو سب سے
ذکر ہی نہیں آتا۔ فرمانروائے وقت کے حالات ہوتے ہیں لیکن ان میں بھی فتوحات اور خانہ جنگیوں کے
سوا اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ نقص سلطنتی تاریخوں تک محدود نہیں۔ بلکہ کل ایشیائی تاریخوں کا ہی انداز تھا۔ اور ایسا ہونا
مقتضائے اسباب تھا۔ ایشیائی ہمیشہ شخصی سلطنتوں کا رول رہا۔ اور فرمانروائے وقت کی عظمت و اقتدار
کے آگے تمام چیزیں بیچ ہوتی تھیں اسکا لازمی اثر تھا کہ تاریخ کے صفحات میں شاہی عظمت و جلال کے سوا
اور کسی چیز کا ذکر نہ آئے اور چونکہ اس زمانے میں قانون اور قاعدہ جو کچھ تھا بادشاہ کی زبان تھی۔ اس لیے سلطنت
کے اصول اور آئین کا بیان کرنا بھی گویا بے فائدہ تھا۔

واقعات میں سلسلہ اسباب پر توجہ نہ کرنے کا بڑا سبب یہ ہوا کہ فنِ تاریخ ہمیشہ ان لوگوں کے ہاتھ میں رہا
جو فلسفہ اور تعلیمات سے آشنا نہ تھے۔ اس لیے فلسفہ تاریخی کے اصول و نتائج پر ان کی نظر نہیں پڑ سکتی
تھی۔ یہی وجہ ہے کہ احادیث و سیریں روایت کا پلہ ہمیشہ روایت سے بھاری رہا بلکہ انصاف یہ ہے کہ
روایت سے جس قدر کام لیا گیا نہیے جانے کے برابر تھا۔ اخیر اخیر میں ابن خلدون نے فلسفہ تاریخ کو دنیا
والی اور اکیس اصول آئیں منضبط کیے لیکن اسکو اقتدار و فرصت نہ ملی کہ اپنی تاریخ میں ان اصولوں سے کام
لے سکتا۔ اُس کے بعد مسلمانوں میں علمی تشزیل کا ایسا سلسلہ قائم رہا کہ کسی نے پھر اس طرف خیال بھیجی کیا۔
ایک بڑا سبب جسکی وجہ سے تاریخ کا فن نہ صرف مسلمانوں میں بلکہ تمام قوموں میں ناتمام رہا ہے کہ تاریخ
میں جو واقعات مذکور ہوتے ہیں انکو مختلف فنون سے رابطہ ہوتا ہے۔ مثلاً لڑائی کے واقعات فنِ حرب

سے انتظامی امور قانون سے۔ اخلاقی تذکرے علم اخلاق سے تعلق رکھتے ہیں۔ مگر اگر ان تمام علوم کا ماہر
ہو تو واقعات کو علمی حیثیت سے دیکھ سکتا ہے ورنہ اسکی نظر اسی قسم کی سرسری اور سطحی ہوگی جیسی کہ ایک عامی

کی ہو سکتی ہے۔ اسکی مثال یہ ہے کہ اگر کسی عمدہ عمارت پر ایک ایسے واقعہ نگار انشا پر داز کاگز ہو جو انجینیری کے فن سے ناواقف ہے تو گو وہ اس عمارت کا بیان ایسے دلکش پیرائے میں کرے گا جس سے عمارت کی رفعت اور وسعت اور ظاہری حسن و خوبی کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے۔ لیکن اگر اُس کے بیان میں خاص انجینیری کے علمی اصول اور اُس کی باریکیاں ڈھونڈی جائیں تو نمل سکیں گی۔ یہی سبب ہے کہ تاریخوں میں حالات جنگ کے ہزاروں صفحے پڑھ کر بھی فن جنگ کے اصول پر کوئی متنبہ اطلاع نہیں حاصل ہوتی۔ انتظامی امور کے ذرائع قانونی حیثیت کا اسی وجہ سے پتہ نہیں لگتا کہ مؤرخین خود قوانوں و اس نہ گئے۔ اگر خوش قسمتی سے تاریخ کا فن اُن لوگوں کے ہاتھ میں نہ ہو تا جو تاریخ کے ساتھ فن جنگ، اصول قانون اصول سیاست، علم الاخلاق سے بھی آشنا ہوتے تو آج یہ فن کہاں سے کہاں تک پہنچا ہوتا۔

یہ بحث تو اس لحاظ سے عقلی کہ قدیم تاریخوں میں تمام ضروری واقعات مذکور نہیں ہوتے۔ اور جہتہ جوتہ ہیں انہیں اسبابِ عمل کا سلسلہ نہیں ملتا۔ لیکن ان کے علاوہ ایک اور ضروری بحث ہے وہ یہ کہ جو واقعات مذکور ہیں خود اُن کی صحت کہاں تک اعتبار ہو سکتا ہے؟ واقعات کے جانچنے کے صرف دو طریقے ہیں ایک روایت روایت سے یہ مراد ہے کہ جو واقعہ بیان کیا جائے اُس شخص کے ذریعے سے بیان کیا جائے جو خود اُس واقعہ میں موجود تھا اور اُس سے لے کر اخیر راوی تک روایت کا سلسلہ منتقل بیان کیا جائے۔ اسکے ساتھ تمام راویوں کی نسبت تحقیق کیا جائے کہ وہ صحیح الروایۃ اور ضابطہ تھے یا نہیں۔ روایت سے یہ مراد ہے کہ اصول عقلی سے واقعہ کی تنقید کی جائے۔

اس امر پر سلمان بے شبہ فخر کر سکتے ہیں کہ روایت کے فن کے ساتھ انھوں نے جس قدر اعتنا کیا کسی قوم نے کبھی نہیں کیا تھا۔ انھوں نے ہر شتم کی روایتوں میں مسلسل سند کی جستجو کی اور راویوں کے حالات اس شخص اور تلاش سے بہم پہنچائے کہ اسکو ایک مستقل فن بنا دیا جو فنِ رجال کے نام سے مشہور ہے۔ یہ توجہ اور اہتمام اگرچہ اہل میں احادیث نبوی کے لئے شروع ہوا تھا لیکن فن تاریخ بھی اس فیض سے

انتہائی
تاریخ

محمود نربا طبری فتح البلدان - طبقات ابن سعد وغیرہ میں تمام ماضیات بسند متصل مل گئیں اور پہلے فن تاریخ کو کمال کے درجے پر پہنچا دیا ہے لیکن اس خاص امر میں وہ مسلمان موعوں سے بہت پیچھے ہیں اُنکو واقعہ نگار کے شہ اور غیر شہ ہونے کی کچھ پروا نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ جرح و تعدیل کے نام سے بھی آشنا نہیں۔

ولایت کے اصول بھی اگر یہ موجود تھے چنانچہ ابن خرم - ابن القیم خطابی ابن عبدالبر نے متعدد روایتوں کی تائید میں ان اصولوں سے کام لیا ہے لیکن انصاف یہ ہے کہ اس فن کو جس قدر ترقی ہونی چاہیے تھی نہیں ہوتی اور تاریخ میں اس سے بالکل کام نہیں لیا گیا البتہ علامہ ابن خلدون نے چھٹویں صدی ہجری میں گرا ہے جب فلسفہ تاریخ کی بنیاد ڈالی نو روایت کے اصول نہایت مکمل بنی اور باریک بینی کے ساتھ مرتب کیے چنانچہ اپنی کتاب کے دیباچے میں لکھتا ہے

ان الاخبار اذا اسلمد مبها على عهد النفل و	صروں ہیں اگر صرف رواہ رسمہ کر لیا جائے اور
له حكم اصول العادة و فواعل السباسة	عادت کے اصول اور سیاست کے قواعد اور انسانی
وطبعه العمان والاحوال في الاجتماع الانساني	سماجی کے نفس کا لحاظ اچھی طرح نہ کیا جائے
ولا فبس العائب مہما مال الشاهد الحاضر	اور وہ کہ حاضر اور حال کو گدہ مستند پر نہ قیاس کیا
بالاذا هب فو مالہ تو من مبها من العثور	جائے تو اگر عرض ہوگی

علامہ موصوف نے تسریح کی ہے کہ واقعہ کی تحقیق کے لیے پہلے راویوں کی جرح و تعدیل سے بحث نہیں کرنی چاہیے بلکہ یہ دیکھنا چاہیے کہ واقعہ فی نفسہ ممکن بھی ہے یا نہیں، کیونکہ اگر واقعہ کا ہونا ممکن ہی نہیں ہو تو راوی کا ماول ہونا بیکار ہے علامہ موصوف نے یہ بھی ظاہر کر دیا ہے کہ ان موقعوں میں امکان اسے امکان خفی قرار نہیں بلکہ اصول عادت اور قواعد تمدن کے رو سے ممکن ہونا ضروری ہے۔

اسب مکوہ دیکھنا ہے کہ جو نقص قدیم تاریخوں کے متعلق میان کیے گئے ان کی توجہ کہاں تک تلافی کی جاتی ہے۔ فی ہم اپنی کتاب الفاروقی میں کس حد تک اس کمی کو دور کر سکتے ہیں۔

اگرچہ یہ امر بالکل صحیح ہے کہ جو کتنا ہیں حضرت عمرؓ کے حالات میں مستقل حیثیت سے لکھی گئی ہیں ان میں ہر قسم کے ضروری واقعات نہیں ملے لیکن اور قسم کی تصنیفوں سے ایک حد تک اسکی تلافی ہو سکتی ہے مثلاً الاحکام السلطانیۃ لابن الورودی و مقدمہ ابن خلدون و کتاب الحراج سے حضرت عمرؓ کے طریق حکومت و امین انتظام کے متعلق بہت سی باتیں معلوم ہو سکتی ہیں۔ اخبار القضاۃ لمحمد بن خلف الکعبی سے خاص صنفہ قضا کے متعلق انکا طریق عمل معلوم ہوتا ہے۔ کتاب الاوائل لابی ہلال العسكري و بحار الوسائل الی اخبار الاوائل میں انکی اولیات کی تفصیل ہے۔ عقد النرید و کتاب البیان و البتین للبحا خط میں انکے خطبے منقول ہیں۔ کتاب اعمدة لابن شیعہ القیروانی سے انکا شاعرانہ مذاق معلوم ہوتا ہے میدان فی نے کتاب الاستال میں ان کے حکیمانہ مقولے نقل کیے ہیں۔ ابن جوزی نے سیرۃ العمرین میں انکے اخلاق اور عادات کو تفصیل سے لکھا ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ازالۃ الخفایں ان کے عقیدہ اور اجتہاد پر اس مجتہدانہ طریقے سے بحث کی ہے کہ اس سے زیادہ ممکن نہیں۔

یہ تمام تصنیفات میرے پیش نظر ہیں اور میں نے ان سے فائدہ اٹھایا ہے ریاض النظرۃ للعلی الطبری میں بھی حضرت عمرؓ کے حالات تفصیل سے ملتے ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے اسی کتاب کو اپنا ماخذ قرار دیا ہے لیکن اُس میں نہایت کثرت سے موضوع اضعیف روایتیں مذکور ہیں اس لئے میں نے وائستہ اُس سے احتراز کیا۔

واقعات کی تحقیق و تنقید کے لیے وراثت کے اصول سے بہت جبری مدد مل سکتی ہے۔

وراثت کا فن اب ایک مستقل فن بن گیا ہے۔ اور اُس کے اصول و قواعد نہایت خوبی سے مضبوط ہو گئے ہیں ان میں سے جو اصول ہمارے کام میں آسکتے ہیں حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ان تصنیفات میں سے کتاب اللؤلؤ اور کتاب الہمدۃ کا نقلی نسخہ سرسہ کٹا ہے میں موجود ہے۔ سیرۃ الامویں، احادیث القضاۃ اور بحار الوسائل کے نسخے فلسطینیہ کے کتب خانے میں ہیں اور میں نے ان سے ضروری عباریں نقل کر لی ہیں۔ مابقی کتب میں چھپ گئی ہیں اور میرے پاس موجود ہیں۔

۱۔ واقعہ نہ کہ اصل حادثات کی روستے ممکن ہے یا نہیں؟

۲۔ اُس نے میں لوگوں کا میلان عام واقعہ کے مخالف تھا یا موافق؟

۳۔ واقعہ اگر اسی حد تک غیر معمولی ہے تو اسی نسبت سے ثبوت کی تہات زیادہ قوی ہی یا نہیں؟

۴۔ اس کی نفی میں کہ اویس بن حنیفہ واقعہ ظاہر کرتا ہے اُسے قیاس اور لائے کا کس قدر حصہ

شامل ہے؟

۵۔ راوی نے واقعہ کہ جس صورت میں ظاہر کیا وہ واقعہ کی پوری تصویر ہے یا اس امر کا احتمال ہے

کہ راوی اس سے بہ پہلو پر نظر نہیں ڈال سکا اور واقعہ کی تمام خصوصیتیں نظر میں نہ آ سکیں۔

۶۔ اس بات کا اندازہ نہ ملنے کے بعد اور مختلف راویوں کے طریقہ ادا نے روایت میں کیا کیا اور کس

کس حد کے تغیرات پیدا کر دیے ہیں۔

ان اس بات کی سخت سے کہ فی شخص انکار نہیں کر سکتا۔ اور ان کے ذریعے سے بہت سے مخفی راز معلوم

ہو گئے ہیں۔ مثلاً آج جسطہ تاریخیں متداول ہیں ان میں غیر قوموں کی نسبت حضرت عمر کے تبارک

نعت احکام منقول ہیں۔ لیکن جب اس بات پر لحاظ کیا جائے کہ یہ اُس زمانے کی تصنیفیں ہیں جب اسلامی

گروہ بن تبشہب کا مذاق پیدا ہو گیا تھا، اور اسی کے ساتھ قدیم زمانے کی تصنیفات پر نظر ڈالی جائے جن میں

اس قسم کے واقعات بالکل نہیں یا بہت کم ہیں۔ تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ حنفیہ تعصب آگیا یا اسی قدر

روایتیں نمودار ہوئے تعصب کے سانچے میں ڈھلتی گئی ہیں۔ تمام تاریخوں میں مذکور ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا

تھا کہ یہ سانی کسی وقت اور کبھی ناقوس نہ بجانے پائیں لیکن قدیم کتابوں و کتاب التخریج طبری وغیرہ میں

روایت اس قید کے ساتھ منقول ہے کہ جبوقت مسلمان نماز پڑھتے ہوں اسوقت عیسائی ناقوس نہ

بجائیں ابن الاثیر وغیرہ لکھتا ہے کہ حضرت عمر نے حکم دیا تھا کہ قبلاً نواہی عیسائی اپنے بچوں کی صلیب

نہ نیچے پائیں لیکن یہی روایت تاریخ طبری میں ان الفاظ سے مذکور ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کر چکے ہیں

ان کے بچوں کو بردہ سنی اسطباع نہ دیا جاسے

یا مثلاً بہت سی تاریخوں میں بہ تصریح ہے کہ حضرت عمرؓ نے تختہ اوزن اہل کے لئے مایہ کو ایک
خاص لباس پہننے پر مجبور کیا حالیکہ زیادہ مانع سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے اس قدر کہ حضرت عمر
نے عباسیوں کو ایک خاص لباس اختیار کرنے کی ممانعت کی تھی کتنی ہی کا خیال وہی کا خیال و چنانچہ
اسکی مفصل بحث آگے آجی

یا مثلاً وہ روایتیں جو نابینا ہونے کے ساتھ مذہبی حیثیت بھی رکھتے ہیں ان میں بعضہ بہت صاف
محسوس ہوتی ہے کہ جس قدر ان میں تہذیبی ہونی لگی ہے اُن دن رشتہ اور ناکاہ میں کہہ دینی میں
نہ کہ قمر طاس بتقیہ بنی ساعدہ سے اقبالیات ابن عساکر ابن سعد بہت ہی مسلم بخاری
سب سے نقل کیے ہیں لیکن جس قدر ان نرگوں سے اصول اور شدت احتیاط میں فرق رہتا ہے اسی نسبت
سے روایتوں میں تشبہ اور نزاع انگیزہ الگ ہوتے گئے ہیں۔ یہاں تک کہ وہ مسلم و بخاری میں فرق مڑا
کا یہ اثر موجود ہے چنانچہ اسکا بیان ایک مناسب موقع پر تفصیل سے آئیگا۔

ان ہی اصول عقلی کی بنیاد پر مختلف قسم کے واقعات میں حجت و اعتبار کے مابین جو مختلف نام کر سنا
ہوں گے۔ مثلاً یہ مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ کی مخالفت کے واقعات اور اس کے بنیاد پر اس بنیاد پر یہ
تسلیم کرنا چاہیے کہ معرکوں اور آجوں کی نہایت جری تہذیبیں مثلاً اہل آرائی کی گزشتہ دور میں سے
حال و جواب ایک ایک بہاد کی حرکت انی ہیہوانوں کے دانوں پر اس میں اس کی باریکی
رتبہ یقین تک نہیں پہنچ سکتا لیکن انتظامی امور اور قواعد حکومت چونکہ مدت تک محسوس صورت میں رہے ہیں اس
انکی نسبت جو واقعات منقول ہیں وہ سب تشبیہ یقین کے لائق ہیں اگرچہ ہندو تان میں و امیر اور قواعد کے
کیے ایک ایک بچہ ان سے واقف ہو اور انکی نسبت کوئی تشبیہ نہیں کیا جاسکتا جسکی وہ نہیں کہ حدیث کی رو سے
قطعی روایتیں موجود ہیں بلکہ اسلئے کہ نہ انتظامات مدت تک قائم رہے اور اگر کے نام سے ان کو تہمت تھی۔

ذرت عمر کے خطبے اور حکمت آمیز متولے جو منقول ہیں ان کی نسبت یہ قیاس کرتا چاہیے کہ خوفِ عمر سے زیادہ تر پر اثر اور فصیح و بلیغ ہیں وہ ضرور صحیح ہیں کہ چونکہ ایک فصیح ستر کے وہ فقرے ضرور محفوظ رہ جاتے ہیں اور ان کو نہایت نک چار رہتا ہے جن میں کوئی خاص مدرت اور اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح خطبوں کے وہ فقرے ضرور قابلِ غناء ہیں جن میں احکام شرعیہ کا بیان ہے کہوں کہ اس قسم کی باتوں کو لوگ فقرہ کی حیثیت سے یاد کر لیتے تھے۔

انسان اپنے نواق کے لحاظ سے چھداں قابلِ ذکر نہ بنے اور باوجود اسکے ان کا ذکر آجاتا ہے ان کی سب سے بھنا یا سب سے اصل و افداس سے زیادہ ہوا کہ مستلزام ہمارے مؤرخین زرم و زہم کی حرکت آ رہا ہے اور رنگینوں کے مقابلے میں اطمینانی امور کے بیان کرنے کے لیے حاوی نہیں ہیں۔ با اینہم اس سبب کے حال میں عدالت پولیس بنو بہت مردم شماری وغیرہ کا ضمتاً جو ذکر آجاتا ہے اس کی نسبت یہ خیال کرنا چاہیے کہ جیسے قد قلم بند ہوا۔ اس سے بہت زیادہ ہیپوڈروگیا ہے حضرت عمرؓ کے زہد و اعتداف۔ سخت مزاحی اور سخت کبریٰ کی نسبت بلکہ ان روایتیں مذکور ہیں اور سب سے بھنا یا سب سے سب سے بہت زیادہ ان میں زیادہ ہے لیکن اسے متعلق ان تمام روایتوں کو صحیح نہیں خیال کرنا چاہیے بلکہ یہ حلیۃ الانبیاء۔ ابن ماکر کہنے لگتا ہے ریاض النضرہ وغیرہ میں مذکور ہیں بلکہ یہ بھنا چاہیے کہ چنانچہ ان میں روایتیں ملو مگر فی نفس کا سبب ہوتی ہیں اور حوالہ ان کو نہایت ذوق سے سنتے تھے۔ ان میں خود بنو مبالغہ کا رنگ آتا گیا ہے۔ اس کی تصدیق اس سے ہوتی ہے کہ جو کتابیں زیادہ سے زیادہ اور تیسریں ان میں یہ رہتیں بہت کم پائی جاتی ہیں۔ اس لیے میں نے اس قسم کی جو روایتیں اپنی کتاب میں نقل کی ہیں ان میں بڑی احتیاط کی ہے اور ریاض النضرہ و ابن عساکر و حلیۃ الاولیاء وغیرہ کی روایتوں کو بالکل نظر انداز کیا ہے۔

انچیس طرزِ تحریر کے متعلق کچھ لکھنا بھی ضرور ہے۔ آجکل کی اہل رجب کی مایگیں جنہوں نے قبول

عام حاصل کیا ہے فلسفہ اور انشا پر دازی سے مکب ہیں اور اس طرز سے بڑھ کر اور کوئی طرز متبول عام نہیں سمجھتا لیکن درحقیقت تاریخ اور انشا پر دازی کی حدیں بالکل جدا ہیں ان دونوں میں ہر فرق سے وہ نقشہ اور تصویر کے فرق سے مشابہ ہے۔ نقشہ کھینچنے والے کا یہ کام ہے کہ کسی حصہ زمین کا نقشہ کھینچے تو نہایت دیدہ ریزی کے ساتھ اسکی بہت شکل سمت جہت اطراف انصاع ایک ایک چیز کا احاطہ کرنے بھلا اس کے مصور صرف ان خصوصیتوں کو دیکھتا ہے یا ان کو زیادہ نمایاں صورت میں دکھلا دیتا ہے جن میں کوئی خاص اچھوگی ہے اور جن سے انسان کی قوت منفعلہ پر اثر پڑتا ہے مثلاً رسم و سہراب کی داستان کو ایک مورخ لکھتے گا تو سادہ طور پر واقعہ کے تمام جزئیات بیان کر دے گا لیکن ایک انشائیہ دانہ ان جزئیات کو اس طرح ادا کرے گا کہ سہراب کی منظومی و کیسی اور رسم کی ندرت و شہرت کی تصویر آنکھوں کے سامنے پھر جائے اور واقعہ کے دیگر جزئیات باوجود سامنے ہونے کے نظر نہ آئیں۔

یعنی اور
ماثری
فرق

مورخ کا اصلی فرض یہ ہے کہ وہ سادہ واقعہ نگاری کی حد سے تجاوز نہ کرے پائے یورپ میں آجکل جو بڑا مورخ گنڈا ہے اور جو طرز حال کا موجد ہے رینکی ہے اسکی تعریف ایک پروفیسر نے ان الفاظ میں کی ہے اُس نے تاریخ میں شاعری سے کام نہیں لیا۔ وہ نہ ملک کا ہمدرد نہ بنانہ مذہب اور قوم کا طرفدار ہوا۔ کس لقمہ کے بیان کرنے میں مطلق تپہ نہیں لگتا کہ وہ کن بانوں سے خوش ہوتا ہے اور اسکا ذاتی اعتقاد کیا ہے؟ یہ امر بھی بتا دینا ضرور ہے کہ اگرچہ میں نے واقعات میں اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کی کوشش کی ہے، لیکن اس باب میں یورپ کی بے اعتدالی سے احتراز کیا ہے اسباب و علل کے سلسلے پیدا کرنے کے لئے اکثر حکمتیاس سے کام لینا پڑتا ہے اس لئے مورخ کو اجتہاد اور قیاس سے چارہ نہیں لیکن یہ اسکا لازمی فرض ہے کہ وہ قیاس اور اجتہاد کو کو واقعہ میں اس قدر مخلوط نہ کرے کہ کوئی شخص غائب کو الگ کرنا چاہے تو نہ کر سکے۔

اہل یورپ کا عام طرز یہ ہے کہ وہ واقعہ کو اپنے اجتہاد کے موافق کرنے کے لئے ایسی ترمیم اور انداز سے

لکھتے ہیں کہ واقعہ بالکل اُن کے جہاد کے قالب میں ڈھل جاتا ہے اور کوئی شخص قیاس اور اجتہاد کو دیکھنے سے الگ نہیں کر سکتا۔

۱۔ اس کتاب کی ترتیب اور اصول تحریر کے متعلق چند امور لحاظ رکھنے کے قابل ہیں۔

۱۔ بعض اوقات مختلف حیثیتیں لکھتے ہیں، مختلف عنوانوں کے تحت میں آسکتے ہیں اس لیے اس قسم کے واقعات کتاب میں مکرر آسکتے ہیں۔ اور ایسا ہونا ضرور تھا لیکن یہ الترام رکھا گیا ہے کہ حقیقی عنوانوں کے نیچے وہ واقعہ لکھا گیا ہے وہاں اُس عنوان کی حیثیت زیادہ تر دکھائی گئی ہے۔

۲۔ کتابوں کا حوالہ زیادہ تر انھیں واقعات میں دیا گیا ہے جو کسی حیثیت سے قابل تحقیق تھے اور کوئی خصوصیت خاص رکھتے تھے۔

۳۔ جو کتابیں روایت کی حیثیت سے کم تر ہیں مثلاً ازالۃ الخفا و ریاض انصرۃ وغیرہ اُن کا جہاں حوالہ دیا ہے اس بنا پر دیا ہے کہ خاص اُس روایت کی تصدیق اور مستبرکاتوں سے کر لی گئی تھی۔ غرض کسی برس کی سعی، مصنت اور تلاش تحقیق کا جو نتیجہ ہے وہ قوم کے سامنے ہے۔

من کہ یک چند ز دم مہر نوشی ہر لب پیکرے تازہ کہ خواہم بہ عزیزان نمود مخل از بادۂ دوستینہ نیا سو وہ ہنوز باز خواہم کہ دم در تن اندیشہ رواں ہنشین نکتہ حکمت ز شریعت مجتہد شاہدِ راز کہ کس پر وہ ز رویش گرفت بسکہ ہر بار گہر بایش گذشتہ زمیں راہ	کس چہ دانکہ دریں پر وہ چہ سو کردم نخستے از ذوق - خوش نیز تماشا کردم بادۂ تن ترا ز دوش بہ مینا کردم من کہ در یوزہ فیض از دم عیسیٰ کردم نخستے از نسیم روح القدس اعلیٰ کردم اگرہ از بند قہاریش بہ منوں - واکردم دشتِ معنی ہمہ ہر لولوی لالا کردم
----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

نام و نسب - سن و رشد و تربیت

سلسلہ نسب یہ ہے عمر بن خطاب بن نفیل بن عبد العزیٰ بن رباح بن عبد المذین قرطبن رزل
بن عدی - بن کعب بن لوی بن نمر بن مالک

اہل عرب عموماً عدنان یا قحطان کی اولاد ہیں۔ مذان کا سلسلہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تک
اپہنچتا ہے۔ عدنان کے نیچے گیارہویں پشت میں نمر بن مالک بڑے صاحب اقتدار تھے۔ ان ہی کی
اولاد ہے جو قریش کے لقب سے مشہور ہے۔ قریش کی نسل میں دس شخصوں نے اپنے زور و ریاست
سے بڑا امتیاز حاصل کیا، اور ان کے انساب سے دس حدانا مور قیل بن گئے۔ یعنی ہاشم، اسیمہ، نوئل
عبد الدار، اسد، تیم، خزوم، عدی، جمح، حمزہ، حضرت عمرؓ کی اولاد سے ہیں عدی کے
دوسرے بھائی حمزہ تھے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد سے ہیں اس لحاظ سے حضرت عمرؓ کا سلسلہ نسب
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آٹھویں پشت میں جا کر لپکتا ہے۔

قریش پیکر خانہ کعبہ کے مجاور ہی تھے اس لیے دنیاوی جاہ و جلال کے ساتھ مذہبی عظمت کا پتھر بھی
ان پر سایہ افکن تھا۔ تعلقات کی وسعت اور کام کے پھیلنا دوتے ان لوگوں کے کاروبار کے مختلف حصے
پیدا ہو گئے تھے۔ اور ہر حصے کا اہتمام جدا جدا تھا مثلاً خانہ کعبہ کی نگرانی حجاج کی خبر گیری سفار
شیع قبائل کا انتخاب، فصل مقدّمات، مجلس شوریٰ وغیرہ وغیرہ۔ عدی - جو حضرت عمرؓ کے جد اعلیٰ تھے
ان صیغوں میں سفارت کے صیغے کے افسر تھے، یعنی قریش کو کسی قبیلے کے ساتھ کوئی ملکی معاملہ پیش آتا
تو یہ سفیر بن کر جایا کرتے۔ اسکے ساتھ منافرہ کے معرکوں میں ثالث بھی یہی ہوا کرتے تھے۔ عرب میں
وستور تھا کہ برابر کے دو رئیسوں میں سے کسی کو فضیلت کا دعوے ہوتا تو ایک لائق اور باپہ نشستاس تختہ ثالث
مقرر کیا جاتا اور دونوں اس کے سامنے اپنی اپنی ترجیح کے دلائل بیان کرتے کبھی کبھی ان جھگڑوں کو
طول ہوتا کہ مہینوں معرکے قائم رہتے جو لوگ ان معرکوں میں حکم مقرر کیے جاتے ان میں معاملہ فہمی کے

علاوہ فصاحت اور زورِ تقریر کا جو سر بھی ورکا رہتا تھا۔ یہ دونوں منصبِ عدی کے خاندان میں نسلاً بعد نسل چلے آتے تھے۔

حضرت عمر کے دادا انصیل بن عبد الغزی نے اپنے اسلاف کی طرح ان خدمتوں کو نہایت قابلیت سے انجام دیا اور اس وجہ سے بڑے بڑے عالی رتبہ لوگوں کے مقدمات ان کے پاس فیصلہ کرنے کے لیے آتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد امجد عبد المطلب اور حبیب بن امیہ میں جب ریاست کے دعویٰ پر نزاع ہوئی تو دونوں نے نفیل ہی کو حکم مانا۔ نفیل نے عبد المطلب کے حق میں فیصلہ کیا اور اُس وقت حرب کی طرف مخاطب ہو کر یہ جملہ کہے

اِنَّكَ اَبْرَجَلُ هُوَ اَطْوَلُ مِنْكَ فَاَمَّا وَاَوْسَمُ وَاَسَامَةٌ وَاَعْظَمُ مِنْكَ هَامِدٌ وَاَكْرَمُ مِنْكَ وَلَدًا وَاَنْجَلُ مِنْكَ صَعْدًا وَاَنْى لَا قَوْلَ هَذَا وَاِنَّكَ لَعَيْلُ الْغَضَبِ رَفِيعُ الصَّوْتِ فِي الْعَرَبِ جَلَدُ الْمَرْبِ لِحَبْلِ الْعَشِيرَةِ۔

نفیل کے دو بیٹے تھے سمرو و خطاب۔ عمرو معمولی لیاقت کے آدمی تھے لیکن ان کے بیٹے زید جو نفیل کے پوتے اور حضرت عمر کے چچا زاد بھائی تھے نہایت اعلیٰ درجہ شخص تھے وہ ان ممتاز بزرگوں میں تھے جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے اپنے اجتہاد سے بت پرستی کو ترک کر دیا تھا اور موحّد بن گئے تھے۔ ان میں زید کے سوا باقیوں کے یہ نام ہیں۔ قس بن ساعدہ۔ ورقہ بن نوفل۔

زید۔ بت پرستی اور رسوم جاہلیت کو ملانہ برا کہتے تھے اور لوگوں کو دینِ ابراہیمی کی ترغیب لانے سے سب سے پہلے تمام لوگ ان کے دشمن ہو گئے جن میں حضرت عمر کے والد خطاب۔ سب سے زیادہ سرگرم تھے خطاب نے استفدرا نکلوتا نک کیا۔ کہ وہ آخر مجبور ہو کر مکہ معظمہ سے نکل گئے۔ اور حوا میں جا رہے تھے تاکہ کسی کچھ چھپ کر کعبہ کی زیارت کو آتے۔ زید کے اشعار آج بھی موجود ہیں جن سے ان کے اجتہاد اور توسّطی کا اندازہ ہو سکتا ہے دو شعر یہ ہیں۔

أَرْنَا وَاحِدًا أَمِ الْفَرِيدِ
أَدِينُ إِذَا لَفِئَتِ الْأُمُورِ
رَكَتُ اللَّاتِ وَالْعُرَى جَمِيعًا
كَذَلِكَ بَعْلُ الرَّحْلِ الْبَصِيرِ

ایک حلاکو مانوں مابراہوں کو ہر سنے
لائ اور عری دہنوں کے مام ہے مسک
حیر ناوکسا اور سمجھ و ارادہ ہی اس ہی
کرنا ہے۔

نہ عمر کے
خطاب

خطاب حضرت عمر کے والد قریش کے ممتاز آدمیوں میں سے تھے قبیلہ عدی اور بنو عبد شمس میں
مدت سے عداوت چلی آتی تھی۔ اور چونکہ بنو عبد شمس کا خاندان بڑا تھا اس لیے غلبہ انھیں کو رہتا تھا عدی
کے تمام خاندان نے جس میں خطاب بھی شامل تھے۔ مجبور ہو کر بنو سہم کے دامن میں پناہ لی۔ اسپر بھی
مخالفوں نے لڑائی کی و سکی وی تو خطاب نے یہ اشعار کہے

أَبُو عَدَى ابْنُ عَمْرِو دُونِي
رَحَالُ لَا سَهْمَ هَا الْوَعْدُ
رَحَالُ مِنْ بَنِي سَهْمٍ عَمْرٍ
أَلِي أَمَّا لَهْ بِأَدَى الطَّرِيدِ

کل اٹھ شعر ہیں اور علامہ ازرقی نے تاریخ مکہ میں انکو بتا دیا تھا نقل کیا ہے عدی کا تمام خاندان
مکہ معظمہ میں مقام صفائیں سکونت رکھتا تھا لیکن جب انھوں نے بنو سہم سے تعلق پیدا کیا تو مکانات
بھی انہی کے ہاتھ بیچ ڈالے، لیکن خطاب کے متعدد مکانات صفائیں بھی باقی رہے جن میں سے ایک
مکان حضرت عمر کو وراثت میں پہنچا تھا۔ یہ مکان صفا و مروہ کے بیچ میں تھا۔ حضرت عمر نے اپنی خلافت
کے زمانے میں اسکو ڈھا کر حاجیوں کے اترنے کے لیے میدان بنا دیا لیکن اُس کے متعلق بعض کانیں
مدت تک حضرت عمر کے خاندان کے قبضے میں رہیں۔

خطاب نے متعدد شادیاں اُونچے اُونچے گھرانوں میں کیں، چنانچہ حضرت عمر کی ماں جن کا نام
تھا ہشام بن النخعی کی بیٹی تھیں۔ مغیرہ اس رتبے کے آدمی تھے کہ جب قریش کسی قبیلے سے لڑنے

سے کتاب احزاب بن تہیمہ۔ مثلہ تاریخ مکہ لادری و کریم عدی بن کعب۔

کے لیے جاتے تھے تو فوج کا اہتمام انہی کے متعلق ہوتا تھا۔ اسی مناسبت سے اُنکو صاحبِ لہجہ کا لقب حاصل تھا حضرت خالدؓ انہی کے پوتے تھے۔ مغیرہ کے بیٹے ہشام بھی جو حضرت عمرؓ کے نانا تھے ایک ممتاز آدمی تھے۔

حضرت عمرؓ مشہور روایت کے مطابق ہجرت نبوی سے ۳۰ برس قبل پیدا ہوئے ان کی ولادت اوزبکین کے حالات بالکل نامعلوم ہیں۔ حافظ بن عساکر نے تاریخ دمشق میں عمرو بن العاص کی زبانی ایک روایت نقل کی ہے کہ میں چند احباب کے ساتھ ایک جگہ بیٹھا ہوا تھا کہ دفعۃً ایک غلُ ٹھاوڑیا سے معلوم ہوا کہ خطابؓ کے گھر میں پیدا ہوا اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ کے پیدا ہونے پر خیر سمری خوشی کی گئی تھی، ان کے سن رشد کے حالات بھی بہت کم معلوم ہیں اور کینو کھر معلوم ہوئے اس وقت کس کو خیال تھا کہ یہ نوجوان آگے چل کر فاروقِ اعظمؓ ہونے والا ہے۔ تاہم نہایت مختصراً اور تلاش سے کچھ حالات ہم نیچے جسکا یہاں نقل کرنا ناموزوں نہ ہوگا۔

سن رشد کو پہنچ کر خطابؓ ان کے باپ نے اُنکو جو خدمت سپرد کی وہ اُونٹوں کا چرانا تھا یہ شغل اگرچہ سب میں معیوب نہیں سمجھا جاتا تھا بلکہ قومی شعار تھا لیکن خطابؓ نہایت برجمی کے ساتھ اُن سے سلوک کرتے تھے۔ تمام تمام دن اُونٹ چرنے کا کام لیتے اور جب کبھی تھک کر وہ دم لینا چاہتے تو سناٹے میں جس میدان میں حضرت عمرؓ کو یہ نصیب انگیز خدمت انجام دینی پڑتی تھی اُسکا نام ضحیان تھا جو مکہ معظمہ سے قریب قدیدہ سے ایل کے فاصلے پر ہے خلافت کے زمانے میں ایک دفعہ حضرت عمرؓ کا اصرار اُن پر ہوا تو اُنکو نہایت عبرت ہوئی۔ آبدیدہ ہو کر فرمایا کہ ”السر کبر! ایک وہ زمانہ تھا کہ میں یہاں نمہ سے کاٹ کر لے کر پیئے ہوئے اُونٹ چرایا کرتا اور تھک کر بیٹھ جاتا۔ تو باپ کے ہاتھ سے مار کھاتا۔ آج یہ دن ہے کہ نمہ کے سوا میرے اوپر اور کوئی حاکم نہیں!“

نشاب کا آغاز ہوا تو حضرت عمرؓ ان شریفانہ مشغلوں میں مشغول ہوئے جو شرفائی عرب میں

معمول تھے۔ عرب میں اسوقت جن چیزوں کی تعلیم دی جاتی تھی اور جو لازمہ شرافت خیال کی جاتی تھیں، نسب وانی، سپہ گری، پہلوانی، اور مقرری تھی۔ نسب وانی کا فن حضرت عمر کے خاندان میں موروثی جیلا آتا تھا۔ جاخط نے کتاب البیان والنبین میں تصریح لکھا ہے کہ حضرت عمر اور ان کے باپ اور دادا نفیل۔ تینوں بہت بڑے نساب تھے، غالباً اسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت عمر کے خاندان میں جیسا کہ ہم ابھی کچھ آئے ہیں سفارت اور فیصلہ منافرت یہ دونوں منصب موروثی چلے آتے تھے اور ان کے انجام دینے کے لئے انساب کا جاننا سبب مقدم امر تھا۔ حضرت عمر نے انساب کا فن اپنے باپ سے سیکھا۔ جاخط نے تصریح کی ہے کہ حضرت عمر جب انساب کے متعلق کچھ بیان کرتے تھے تو ہمیشہ اپنے باپ خطاب کا حوالہ دیتے تھے۔

پہلوانی اور کشتی کے فن میں بھی کمال حاصل کیا یہاں تک کہ عکاظ کے دنگل میں معرکے کی کشتیاں لڑتے تھے۔ عکاظ۔ جبل حوفات کے پاس ایک مقام تھا جہاں سال کے سال اس غرض سے سیلا جاتا تھا کہ عرب کے تمام اہل فن جمع ہو کر اپنے کمالات کے جوہر دکھلاتے تھے، اس لئے صرف وہی لگ یہاں پیش ہو سکتے تھے جو کسی فن میں کمال رکھتے تھے۔ نابغہ ذبیانی۔ حسان بن ثابت۔ قیس بن ساعدہ۔ خنساء۔ جنکو شاعری اور لکھتہ تقریر میں تمام عرب مانتا تھا۔ اسی تعلیم گاہ کے تعلیم یافتہ تھے حضرت عمر کی نسبت علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں بسند۔ یہ روایت نقل کی ہے کہ ”عکاظ کے دنگل میں کشتی لڑا کرتے تھے، اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ حضرت عمر نے اس فن میں پورا کمال حاصل کیا تھا۔ شہسواری کی نسبت ان کا کمال عموماً مسلم ہے چنانچہ جاخط نے لکھا ہے کہ وہ گھوڑے اچھل کر سوار ہوتے تھے اور اس طرح جرم کر بیٹھتے تھے کہ جلد بدن ہو جاتے تھے۔

قوت تقریر کی نسبت اگرچہ کوئی مصرح شہادت موجود نہیں لیکن یہ امر تمام مؤرخین نے باتم

اگرچہ کہ اسلام لانے سے پہلے قریش نے انکو سفارت کا منصب دیدیا تھا، اور یہ منصب صرف اس شخص کو مل سکتا تھا، جو ثقت تہ بڑا معاملہ بھی من کمال رکھتا تھا۔

اس کتاب کے دوسرے حصے میں ہم نے اس فقرہ کو تفصیل سے لکھا ہے کہ حضرت عمر شاعر کا نہایت عمدہ مذاق رکھتے تھے اور تمام مشہور شعرا کے چیدہ اشعار انکو یاد تھے اس سے قیاس ہو سکتا ہے کہ یہ مذاق انہوں نے جاہلیت ہی میں عائد کیا کیونکہ انہوں نے اسلام لانے کے بعد وہ مذہبی اشغال میں ایسے محو ہو گئے تھے کہ اس قسم کے چرچے ہی چنداں پسند نہیں کرتے تھے۔

اسی زمانے میں انہوں نے لکھنا پڑھنا بھی سیکھ لیا تھا اور یہ وہ خصوصیت تھی جو اس زمانے میں بہت کم لوگوں کو حاصل تھی۔ علامہ بلاذری نے پسند لکھا ہے کہ جب آنحضرت مبعوث ہوئے تو قریش کے تمام قبیلے میں، آدمی تھے جو لکھنا جانتے تھے ان میں سے ایک عمر بن خطاب تھے۔

ان فنون سے فارغ ہو کر وہ فکر معاش میں مصروف ہوئے۔ عرب میں معاش کا ذریعہ زیادہ تر تجارت تھا اس لیے انہوں نے بھی یہی منتل اختیار کیا اور یہی شغل ان کی بہت بڑی ترقیوں کا سبب ہوا وہ تجارت کی غرض سے دور دور ملکوں میں جاتے تھے اور بڑے بڑے لوگوں سے ملنے تھے خود واری، بلند صلی، تجربہ کاری، معاملہ دانی، یہ تمام اوصاف جو ان میں اسلام لانے سے قبل پیدا ہو گئے تھے سب ان ہی سفروں کی بدولت تھے۔ ان سفروں کے حالات اگرچہ نہایت دلچسپ اور نتیجہ خیز ہوں گے لیکن افسوس ہے اگر کسی مؤرخ نے ان پر توجہ نہیں کی، علامہ مسعودی نے اپنی مشہور کتاب مروج الذهب میں صرف اس لحاظ سے لکھا ہے کہ۔

عمر بن خطاب نے جاہلیت کے زمانے میں عراق اور شام

کے دورے کئے اور ان سفروں میں مسطر وہ عرب و عجم

وہ بلاد و لعین الخطاب اخبار کثيرة فی سفارہ

پہنچنے فی الجاہلیۃ الی الشام والعراق مع کثیر

الوفاء من ہمدان بلاذری ص ۴۱۱

کے ماموت ہوں سے ملے اس سے معلق بہت

سے واقعات ہیں حکومتوں سے تھک چکے ہیں سامعین

کتاب اخبار الزمان اور کتاب اللہ - طبعی لطافت

مِنْ مُلُوكِ الْعَرَبِ وَالْجَمْعِ وَقَدْ لَنَّا

عَلَى مَبْسُوءِهَا فَيَا كُنَّا الْحَبَّارُ الزَّمَانِ

وَالْكِتَابِ الْوَاسِطِ

علامہ موصوف نے جن کتابوں کا حوالہ دیا اگرچہ وہ فنِ تاریخ کی جان ہیں لیکن قوم نے نہ مانتی تھی نہ مانتی تھی کہ ناپید ہو چکی ہیں میں نے صرف اس غرض سے کہ حضرت عمرؓ کے ان حالات کا پتہ لگ سکے قسطنطنیہ کے تمام کتب خانے چھان مارے لیکن کچھ کامیابی نہ ہوئی۔

محمد بن عساکر نے تاریخ دمشق میں جبکی بعض جلدیں میری نگاہ سے گزری ہیں حضرت عمرؓ کے سفر کے بعض واقعات لکھے ہیں لیکن ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔

مختصر یہ کہ عکاظ کے معرکوں اور تجارت کے تجربوں نے انکو تمام عرب میں رُوسنہ کر دیا اور لوگوں پر ان کی قابلیت کے جوہر روز بروز نکلتے گئے۔ یہاں تک کہ قریش نے انکو سفارت کے منصب پر مامور کر دیا۔ قبائل میں جب کوئی پرخطر معاملہ پیش آتا تو انہی کو سفیر بنا کر بھیجتے *۔

قبولِ اسلام اور ہجرت

حضرت عمرؓ کا ستائیسواں سال تھا کہ عرب میں آفتابِ رسالت طلوع ہوا یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے اور اسلام کی صدا بلند ہوئی۔ حضرت عمرؓ کے گھر نے میں توحید کی وجہ سے توحید کی آواز باطل ہوئی تھی چنانچہ سب سے پہلے زید کے بیٹے سید اسلام لائے سعید کا نکاح حضرت عمرؓ کی بہن فاطمہ سے ہوا تھا۔ اس تعلق سے فاطمہ بھی مسلمان ہو گئیں۔ بنو ہاشم میں ایک اوزع شخص نبی بن عبد اللہ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا لیکن حضرت عمرؓ سے باطل بیگانہ تھے۔ ان کے کانوں میں جب یہ صدا پہنچی تو سخت برہم ہوئے یہاں میں جو لوگ اسلام لائے تھے ان کے دشمن بن گئے۔ لہذا ان کے خاندان میں ایک کثیر قتل ہو گیا۔

اسلام قبول کر لیا تھا۔ اُس کو بے تحاشا مارے مارے تھک جاتے تو کہتے کہ ذرا دم لے لوں تو پھر ماروں گا۔ بعینہ کے سوا اور جس جس پر قابو پاتا تھا ندو کو بے دریغ نہیں کرتے تھے۔ لیکن اسلام کا نشہ ایسا تھا کہ جسکے چڑھ جاتا تھا اترتا نہ تھا، ان تمام سختیوں پر ایک شخص کو بھی وہ اسلام سے ہٹ کر سنے آخر مجبور ہو کر فیصلہ کیا کہ انغوز باللہ! تو وہ بانی اسلام کا قصہ پاک کر دیں۔ تلوار کمر سے لگا سیدھے رسولِ اسد کی طرف چلے۔ کارکنانِ قضا نے کہا ع

آمد آن یارسے کہ مامے خواتیم

راہ میں اتفاقاً نعیم بن عبداللہ مل گئے ان کے تیور دیکھ کر پوچھا خیر ہے؟ بولے کہ محمد کا فیصلہ کرنے جاتا ہوں، انھوں نے کہا پہلے اپنے گھر کی خبر لو خود تھاری بہن اور ہنونی اسلام لا چکے ہیں۔ نو اپنے اوزد بہن کے ہاں پہنچے وہ قرآن پڑھ رہی تھیں، ان کی آہٹ پا کر چپ ہو گئیں اور قرآن کے اجڑا چسپا پئے لیکن آواز ان کے کانوں میں پڑ چکی تھی۔ بہن سے پوچھا کہ یہ کیا آواز تھی؟ بہن نے کہا کچھ نہیں۔ بولے کہ نہیں میں سن چکا ہوں کہ تم دونوں مرتد ہو گئے ہو؟ یہ کہہ کر ہنونی سے دست و گریباں ہو گئے اور جب ان کی بہن بچائے کو آئیں تو انکی بھی خبر لی۔ یہاں تک کہ ان کا بدن لہو لہا ہو گیا۔ اسی حالت میں ان کی زبان سے نکلا کہ عمر! جو بن آئے کرو لیکن اسلام اب دل سے نکل نہیں سکتا، ان الفاظ نے حضرت عمر کے دل پر ایک خاص اثر کیا۔ بہن کی طرف محبت کی نگاہ سے دیکھا، ان کے بدن سے خون جاری تھا یہ دیکھ کر آؤر بھی رقت ہوئی۔ فرمایا کہ تم لوگ جو پڑھ رہے تھے مجھ کو سننا۔ فاطمہ نے قرآن کے اجزاء لاکر سامنے رکھ دیئے۔ اٹھا کر دیکھا تو یہ سورت تھی سُبْحَ لِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ اَلْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ایک لفظ پر ان کا دل مرعوب ہوتا تھا یہاں تک کہ جب اس آیت پر پہنچے اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَ رَسُوْلِہٖ توبے اختیار پکار اٹھے کہ اَشْهَدُ اَنْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَ اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰہِ۔

یہ وہ زمانہ تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان میں جو کہ صفائی تلی میں واقع تھا پناہ گزین تھے حضرت عمرؓ نے آستانہ مبارک پر پہنچ کر دستک دی۔ چونکہ شمشیر کھینچ گئے تھے، اور اس تازہ واقعہ سے کسی کو اطلاع نہ تھی، اس لیے صحابہ کو تر و دو ہوا لیکن حضرت امیر حمزہؓ نے کہا کہ آنے دو۔ مخلصانہ آیا ہے تو بہتر ورنہ اسی کی تلواریں اسکا سر تل کر دیا جائیگا۔ حضرت عمرؓ نے اندر قدم رکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے بڑھے اور انکا دامن پکڑ کر فرمایا کیوں عمر! کس ارادے سے آیا ہے؟ نبوت کی پُر عیب آواز نے آنکھوں کو کھلایا۔ نہایت حضور کے ساتھ عرض کی کہ ایمان لانے کے لیے۔ آنحضرتؐ بے ساختہ امیر اکبرؓ کے اٹھے اور ساتھ ہی تمام صحابہ نے بل کر اس زور سے امیر اکبرؓ کا نعرہ مارا کہ مکہ کی تمام پہاڑیاں گونج اٹھیں حضرت عمرؓ کے ایمان لانے نے اسلام کی تاریخ میں نیا دور پیدا کر دیا، اس وقت تک اگرچہ ۴۰-۵۰ آدمی اسلام لایچکے تھے عرب کے مشہور بہادر حضرت حمزہؓ سید الشہداءؓ نے بھی اسلام قبول کر لیا تھا۔ تاہم مسلمان اپنے فرائض مذہبی علانیہ نہیں ادا کر سکتے تھے۔ اور کعبہ میں نماز پڑھنا تو بالکل ناممکن تھا حضرت عمرؓ کے اسلام کے ساتھ واقعہ یہ حالت بدل گئی۔ انھوں نے علانیہ اپنا اسلام ظاہر کیا، کافروں نے اول اول انہیں بڑی شدت کی لیکن وہ برابر ثابت قدمی سے مقابلہ کرتے رہے یہاں تک کہ مسلمانوں کی عجا کے ساتھ کعبہ میں جا کر نماز ادا کی۔ ابن ہشامؓ نے اس واقعہ کو عبد اللہ بن مسعودؓ کی زبانی ان الفاظ میں روایت کیا ہے فَلَمَّا اسَلَمُوْهُمُ قَاتِلُوْهُمْ اَحْيٰی صَلَّیْ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ اَللّٰہُ عَلَیْہِمْ a

ہجرت

اہل قریش ایک مدت تک آنحضرتؐ کے دعوائے نبوت کو بے پروائی کی نگاہ سے دیکھتے رہے

ابن مسعودؓ و اسد الغابہؓ و ابن عباسؓ و کمال بن الایثارؓ

لیکن اسلام کو جس قدر شیعوں نے بوجھا جاتا تھا، انکی بے پروائی، غصہ اور ناراضی سے بدلتی جاتی تھی یہاں تک کہ جب ایک جماعت کشیہ اسلام کے حلقے میں آگئے تو قریش نے زور اور قوت کے ساتھ اسلام کو مٹا دینا چاہا۔ حسرت ابوطالب کی زندگی تک تو علانیہ کچھ نہ کر سکے لیکن ان کے انتقال کے بعد کفار ہر طرف سے اٹھ کھڑے ہوئے اور جسکو جس مسلمان پر قابو ملا اس طرح ستانا شروع کیا کہ اگر اسلام کے جوش اور فکری کا اثر نہ ہوتا تو ایک شخص بھی اسلام پر ثابت قدم نہیں رہتا تھا یہ حالت پانچ چھ برس تک رہی اور پھر زمانہ اس قدر تنگی سے گزارا کہ انکی تفصیل ایک نہایت درد انگیز داستان ہے

اسی اشارہ ہیں۔ مدینہ منورہ کے ایک معتز گردہ نے اسلام قبول کر لیا تھا اسلئے آنحضرت نے حکم دیا کہ جن لوگوں کو کفار کے ستم سے نجات نہیں مل سکی وہ مدینہ کو ہجرت کر جائیں۔ سب پہلے ابوسلمہ عبداللہ بن مسعودؓ پھر حضرت بلالؓ متوذن اور عمارؓ یا سرتے ہجرت کی، ان کے بعد حضرت عمرؓ نے بیس آدمیوں کے ساتھ مدینے کا قصد کیا۔ صیح بخاری میں ۲۰ کا عدد مذکور ہے لیکن ناموں کی تفصیل نہیں ابن ہشامؒ انہوں نے نام لکھے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ زید بن خطابؓ، سعید بن زید بن خطابؓ، خنیس بن حذافہؓ، سہمی عمرو بن سراقہؓ، عبد اللہ بن سراقہؓ، واقد بن عبد اللہؓ، خولیؓ، بن ابی خولیؓ، مالک بن ابی خولیؓ، ایاس بن بکیرؓ، عیال بن بکیرؓ، عامر بن بکیرؓ، خالد بن بکیرؓ، ان میں سے زیدؓ حضرت عمرؓ کے بھائی، سعیدؓ بھتیجے، خنیسؓ داماد اور باقی دوست احباب تھے

مدینہ منورہ کی وسعت چونکہ کم تھی۔ مہاجرین زیادہ تر قبائیں (جو مدینہ سے دو تین میل ہے) قیام کرتے تھے۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں رفاعہ بن عبد المنذر کے مکان پر پھیرے۔ قبا کو خولیؓ بھی کہتے ہیں چنانچہ صیح مسلمؒ میں ان کے فرو و گاہ کا نام خولیؓ ہی لکھا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بعد اکثر صحابہؓ نے ہجرت کی یہاں تک کہ سترہ نبویؐ میں خود جناب رسالتؐ پناہ نے مکہ چھوڑا اور آفتاب رسالتؐ مدینہ کے اُفق سے طلوع ہوا۔

مدینہ پہنچ کر سب پہلے آنحضرت نے مہاجرین کے رہنے سہنے کا انتظام کیا۔ انصار کو بھاراؤں میں اور مہاجرین میں برادری قائم کی جس کا یہ اثر ہوا کہ جو مہاجر جس انصاری کا بھائی بن جاتا تھا انصاری اُس کو اپنی جائیداد، مال، اسباب، نقدی تمام چیزوں میں سے آدھا آدھا بانٹ دیتا تھا۔ اس طرح تمام مہاجرین اور انصار بھائی بھائی بن گئے۔ اس رشتے کے قائم کرنے میں آنحضرت طرفین کے رتبہ اور حیثیت کا فرق مرتب ملحوظ رکھتے تھے یعنی جو مہاجر جس درجے کا ہوتا تھا اسی رتبے کے انصاری کو اُس کا بھائی بناتے تھے چنانچہ حضرت عمر کو جب کا بھائی قرار دیا اُن کا نام عثمان بن مالک تھا جو قبیلہ بنی سالم کے سردار تھے۔

اجریہ اور
مارچ ۱۹۵۷ء

نہجی

آنحضرت کے تشریف لانے پر بھی اکثر صحابہ نے قیام ہی میں قیام رکھا۔ حضرت عمرؓ بھی یہیں مقیم رہے لیکن یہ معمول کر لیا کہ ایک دن نافعہ دیکر بالالتزام آنحضرت کے پاس جائے اور وہ دن بھر خدمتِ اقدس میں حاضر رہتے۔ نافعہ کے دن یہ بندوبست کیا تھا کہ اُن کے برادرِ اسلامی عثمان بن مالکؓ آنحضرت کی خدمت میں حاضر ہوتے اور جو کچھ آنحضرت سے سنتے حضرت عمرؓ سے جا کر روایت کرتے، چنانچہ بخاری نے متعدد ابواب مثلاً باب الحکم، باب النکاح وغیرہ میں ضمناً اس واقعہ کا ذکر کیا ہے۔

مہینے میں پہنچا اس بات کا وقت آیا کہ اسلام کے فرائض وارکان محدود اور معین کیے جائیں کیونکہ مکہ معظمہ میں جان کی حفاظت ہی سبک بٹا فرض تھا، یہی وجہ تھی کہ اب تک روزہ - زکوٰۃ - نماز جمعہ - نماز عید - صدقہ فطر کوئی چیز وجود میں نہیں آئی تھی۔ نمازوں میں بھی یہ اختصار تھا کہ مغرب کے سوا باقی نمازوں میں صرف دو دو رکعتیں تھیں، یہاں تک کہ نماز کے اعلان کا طریقہ بھی نہیں معین ہوا تھا پہنچ سب سے پہلے آنحضرت نے اسکا انتظام کرنا چاہا۔ یہودیوں اور عیسائیوں کے ہاں نماز کے اعلان کے لئے بوق اور ناقوس کا رواج تھا۔ اس لئے صحابہ نے یہی رائے دی۔ ابن ہشام نے روایت کی ہے

۱۷۷۰ء کے کتبہ سیرت میں بشام حافظ نے جو تاریخ احمدی (۳۱۱) میں عثمان کے حوالے سے اوس بن حلی کا نام لکھا ہے اور اسی کی تفسیر کی ہے لیکن نتیجہ ہے کہ خود عثمان نے صرف اے اصابت میں ان سجدے کے حوالے سے عثمان ہی کا نام لکھا ہے اور اوس بن حلی کا جہاں حلی لکھا ہے، حلی حلی کی اخوت کا کچھ ذکر نہیں کیا۔

کہ یہ خود آنحضرت کی تجویز تھی، بہر حال یہ مسئلہ دیر بحث تھا اور کوئی رائے قرار نہیں پائی تھی کہ حضرت عمرؓ آنکھ لے اور انھوں نے کہا کہ ایک آدمی اعلان کرنے کے لیے گھوڑے پر سوار کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی وقت حضرت بلالؓ کو اذان کا حکم دیا۔

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اذان نماز کا دیباچہ اور اسلام کا ایک بڑا شعار ہے، حضرت عمرؓ کے بچے اس سے زیادہ کیا فخر کی بات ہو سکتی ہے کہ یہ شعارِ عظیم ان ہی کے رائے کے موافق قائم ہوا۔ ۲

سلسلہ ہجری تا وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غزوات و دیگر حالات

سلسلہ ہجری سے آنحضرت کی وفات تک، حضرت عمرؓ کے واقعات اور حالات و حقیقت سیرت نبوی کے اجزاء ہیں۔ آنحضرت کو جولائیاں پیش آئیں، غیر قوموں سے جو معاہدات عمل میں آئے، وقتاً فوقتاً جو انتظامات جاری کیے گئے، اشاعتِ اسلام کے لیے جو تدبیریں اختیار کی گئیں، ان میں سے ایک قسم بھی ایسا نہیں جو حضرت عمرؓ کی شرکت کے بغیر انجام پایا ہو۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ اگر تمام واقعات پوری تفصیل کے ساتھ لکھے جائیں تو کتاب کا یہ حصہ سیرۃ نبوی سے بدل جاتا ہے، کیونکہ حضرت عمرؓ کے یہ کام نامے، گو کتنے ہی عظیم الشان ہوں لیکن چونکہ وہ رسول اللہ کے سلسلہ حالات سے وابستہ ہیں اس لیے جب قلم بند کیے جائیں گے تو تمام واقعات کا عنوان رسول اللہ کا نام نامی قرار پائے گا اور حضرت عمرؓ کے کارنامے ضمناً ذکر میں آئیں گے۔ اس لیے ہم نے مجبوراً یہ طریقہ اختیار کیا کہ یہ واقعات نہایت اختصار کے ساتھ لکھے جائیں اور جن واقعات میں حضرت عمرؓ کا خاص تعلق ہے انکو کسی قدر تفصیل سے لکھا جائے اس صورت میں اگرچہ حضرت عمرؓ کے کارنامے نمایاں ہو کر نظر نہ آئیں گے کیونکہ جب تک واقعہ کی پوری تصویر نہ دکھائی جائے۔ اسکی اصلی شان قائم نہیں رہتی، تاہم اسکے سوا اور کوئی تدبیر نہ تھی۔

اب ہم نہایت مختصار کے ساتھ ان واقعات کو لکھتے ہیں۔

آنحضرت نے جب مدینہ منورہ کو ہجرت کی تو قریش کو خیال ہوا کہ اگر مسلمانوں کا جلد استیصال نہ کر دیا جائیگا تو وہ زیادہ زور پکڑ جائیں گے۔ اس خیال سے انھوں نے مدینہ پر حملے کی تیاریاں شروع کیں۔ تاہم ہجرت کے دوسرے سال تک کوئی قابل ذکر معرکہ نہیں ہوا۔ صرف اس قدر ہوا کہ دو تین دفعہ قریش چھوٹے چھوٹے گروہ کے ساتھ مدینے کی طرف بڑھے لیکن آنحضرت نے خبر پا کر ان کے روکنے کے لیے تھوڑی تھوڑی سی فوجیں بھیج دیں اور وہ وہیں رک گئے۔

سہ ماہیہ میں بدر کا واقعہ پیش آیا جو نہایت مشہور معرکہ ہے اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ابوسفیان جو قریش کا سردار تھا تجارت کا مال لیکر شام سے واپس آ رہا تھا۔ راہ میں یہ (غلط) خبر سن کر کہ مسلمان سپہر حملہ کرنا چاہتے ہیں۔ قریش کے پاس قاصد بھیجا اور ساتھ ہی تمام مکہ آ منڈایا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خبر سن کر تین سو آدمیوں کے ساتھ مدینے سے روانہ ہوئے۔ عام مورخین کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مدینہ سے نکلنا صرف قافلہ کے ٹوٹنے کی غرض سے تھا لیکن یہ امر محض غلط ہے۔ قرآن مجید جس سے زیادہ کوئی قطعی شہادت نہیں ہو سکتی اُس میں جہاں اس واقعہ کا ذکر ہے یہ الفاظ ہیں۔

كَمَا اخْرَجَكَ رَبُّكَ مِنْ لَيْلِيٍّ وَا
لَّيْلٍ فَرْتَابًا مِنَ الْمُؤْمِنِينَ لَكَ رَهْطُونَ يُجَادِدُونَكَ
فِي الْحَيِّ نَعَدَ مَا تَبَيَّنَ كَأَنَّمَا يُسَاقُونَ إِلَى
الْمَوْتِ وَهُمْ يَحْسَبُونَ وَإِذَا يَعِدُكُمُ اللَّهُ
أَحَدًا مِنَ الطَّائِفَتَيْنِ أَنَّهَا لَكُمْ وَتَوَدُّونَ
أَن تَعْلَمَ ذَاتِ الشُّكْرِ تَكُونُ لَكُمْ

جیسا کہ تجھ کو میرے پروردگار نے تیرے گھر سے (مدینہ) سہ ماہی پر
نکالا اور بے شک مسلمانوں کا ایک گروہ ماحوش تھا وہ مجھ سے
تیری بات پر جھگڑتے تھے بعد ازاں کے کہ تیری بات ظاہر ہو گئی تو کیا کہ
وہ موت کی طرف ہانکے جاتے ہیں اور وہ اُسکو دیکھ رہے ہیں اور جھگڑتے
ہو کر رہے ہیں میں سے ایک کا ہمت سے وعدہ کرتا تھا اور تم چاہتے تھے
کہ جس گروہ میں کچھ زور نہیں ہے وہ جانتے آئے۔

ان آیتوں سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ

(۱) جب آنحضرت نے مدینہ سے نکلنا چاہا تو مسلمانوں کا ایک گروہ بچکا چاتا تھا اور سمجھتا تھا کہ موت کے منہ میں جانا ہے۔

(۲) مدینہ سے نکلنے کے وقت کافروں کے دو گروہ تھے ایک غزیرہ بنی السؤکۃ یعنی ابوسفیان کا کاروان تجارت اور دوسرا قریش مکہ کا گروہ جو مکہ سے حملہ کرنے کے لئے سرور سامان کے ساتھ نکل چکا تھا اس کے علاوہ ابوسفیان کے قافلے میں کل ۴۰ آدمی تھے اور آنحضرت مدینہ سے تین سو باہر دو کے ساتھ نکلے تھے تین سو آدمی ۴۰ آدمیوں کے مقابلہ کو کسی طرح موت کے منہ میں جانا نہیں خیال کر سکتے تھے اسلئے اگر آنحضرت قافلے کے لوٹنے کے لئے نکلتے تو خدا ہرگز قرآن مجید میں یہ نہ فرماتا کہ مسلمان اُن کے مقابلے کو موت کے منہ میں جانا سمجھتے تھے

مرحال ۸۔ رمضان ۱۰ ہجری کو آنحضرت ۳۱۳-۳۱۴ آدمیوں کے ساتھ جن میں سے ۸۳ مہاجرین اور باقی انصار تھے۔ مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ قریش کے ساتھ ۹۵۰ کی جمیعت تھی جن میں بڑے بڑے مشہور بہادر شریک تھے مقام بدر میں جو مدینہ منورہ سے قریباً ۶ منزل ہے۔ معرکہ ہوا اور قتار کو شکست فاش ہوئی۔ مسلمانوں میں سے ۱۴ آدمی شہید ہوئے جن میں ۶ مہاجر اور ۸ انصار تھے۔ قریش کی طرف ۷۰ مقتول اور اسی قدر گرفتار ہوئے، مقتولین میں ابوہل۔ عتبہ بن ربیعہ شیبہ اور بڑے بڑے روسا مکہ تھے اور اُن کے قتل ہونے سے قریش کا زور ٹوٹ گیا۔

حضرت عمر اگرچہ اس معرکہ میں رلے و تدبیر، جانبازی و پامردی کے لحاظ سے ہر موقع پر رسول اللہ کے دست و بازو رہے۔ لیکن اُن کی شرکت کی محسوس خصوصیات یہ ہیں۔

(۱) قریش کے تمام قبائل اس معرکہ میں آئے لیکن بنو عدی یعنی حضرت عمر کے قبیلے میں سے ایک متنفس بھی شریک جنگ نہیں ہوا۔ اور یہ امر جہاں تک قیاس کیا جاسکتا ہے صرف حضرت عمر کے لئے ہری کہیں، ہو لہ لیکن بقی من قریش، بنی الاضرہ، بنی النضر، بنی العدی بن کعب، بنی جحش، مہم رجل واحد

رجب و اب کا اثر تھا۔

(۲) حضرت عمر کے ساتھ اُن کے قبیلہ اور خلفاء کے ۱۲ آدمی شریک جنگ تھے، جن کے نام یہ

ہیں: زید بن عبد اللہ بن سراقہ، عمرو بن سراقہ، واقد بن عبد اللہ بن خولی، بن ابی خولی، مالک بن ابی خولی۔

عامر بن ربیعہ، عامر بن کبیر، عاتل بن کبیر، خالد بن کبیر، ایاس بن کبیر

(۳) سب سے پہلے جو شخص اس بحرہ میں شہید ہوا وہ جمع حضرت عمر کا غلام تھا۔

(۴) عاصی بن ہشام بن مغیرہ جو قریش کا ایک معزز سردار اور حضرت عمر کا ماموں تھا حضرت عمر

کے ہاتھ سے مارا گیا۔ یہ بات حضرت عمر کی خصوصیات میں شمار کی گئی ہے کہ اسلام کے معاملات میں قریش اور محبت کا اثر۔ اُن پر کبھی غالب نہیں آسکتا تھا چنانچہ یہ واقعہ اسکی پہلی مثال ہے۔

اس سر کے میں مخالف کی فوج میں سے جو لوگ زندہ گرفتار ہوئے اُن کی تعداد کم و بیش بیسی

اور اُن میں سے اکثر قریش کے بڑے بڑے معزز سردار تھے مثلاً حضرت عباس، عقیل، حضرت علی کے

بھائی، ابوالعاص بن الزبج، ولید بن الولید، ان سرداروں کا ذلت کے ساتھ گرفتار ہو کر آنا ایک عبت

خیز سماں تھا۔ جس نے مسلمانوں کے دل پر بھی اثر کیا یہاں تک کہ رسول اللہ کی زوجہ مبارکہ سووہ

کی نظر جب اُن پر پڑی تو بے اختیار بول اُٹھیں کہ اَعْظَمْتُمْ بِاَيِّ نَكْبَةٍ هَلَاكُمْ مُمْمٌ كَرَامًا

اس بنا پر یہ بحث پیدا ہوئی کہ ان لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے۔ رسول اللہ نے تمام صحابہ

سے رائے لی، اور لوگوں نے مختلف رائیں دیں۔ حضرت ابو بکر نے کہا کہ یہ اپنے ہی بھائی بند ہیں، اس

لیے ان سے فدیہ لے کر چھوڑ دیا جائے۔ حضرت عمر نے اختلاف کیا اور کہا اسلام کے معاملے میں رشتہ

و قرابت کو دخل نہیں، ان سب کو قتل کر دینا چاہیے اور اس طرح کہ ہم میں سے ہر شخص اپنے عزیز

۱۵ ابن ہشام صفحہ ۵۰۹ و ۵۱۰

۱۶ تم طبع ہو کر آئے ہر شریفوں کی طرح لڑکر نہیں گئے؟

19/1/55

کو آپ نکل کر شے علی عقیل کی گردن ماریں، حمزہ عباس کا سر اڑا دیں، اور قلاں شخص جو میرا عزیز ہے اسکا کام میں تمام کر دوں۔

آنحضرت نے شانِ جنت کے اقتضا سے حضرت ابو بکر کی رائے پسند کی اور فدیرے کے چھوڑ دیا۔
اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

مَا كَانَ لِنَبِيِّ أَنْ يَقُولَ لَهُ اسْمُیَ حَتَّىٰ

کسی پیغمبر کے نیٹے یہ سب نہیں کہ اُس کے پاس عیب ہی ہوں

يُخْفِنَ فِي الْمَرْضِ اِنَّهُ

کہ وہ عیب تو نرزی نہ کرے۔

بدھ کی فتح نے اگرچہ قریش کے زور کو گھٹایا لیکن اس سے اور نئی مشکلات کا ایک سلسلہ شروع ہوا۔ مدینہ منورہ اور اس کے اطراف پر ایک مدت سے یہودیوں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ آنحضرت جب مدینہ میں تشریف لائے تو ملکی انتظامات کے سلسلہ میں سب پہلا کام یہ کیا کہ یہودیوں سے معاہدہ کیا کہ مسلمانوں کے برخلاف دشمن کو مدد نہ دیں گے اور کوئی دشمن بننے پر چڑھ آئیگا تو مسلمانوں کی مدد کریں گے، لیکن جب آنحضرت بدر سے فتحیاب آئے تو انکو ڈر پیدا ہوا کہ مسلمان زور پکڑ کر ان کے برابر کے حریف نہ بن جائیں، چنانچہ خود چھیڑ شروع کی اور کہا کہ قریش والے فنِ حرب سے نا آشنا تھے ہم سے کام پڑتا تو ہم دکھا دیتے کہ لڑنا ناسکونگتے ہیں، تو بہت یہاں تک پہنچی کہ رسول اللہ سے جو معاہدہ کیا تھا، توڑ ڈالا۔ آنحضرت نے سوال سہم جبری میں ان پر چڑھائی کی اور بالآخر وہ گرفتار ہو کر مدینہ سے جلا وطن کر دیے گئے۔ اسلام کی تاریخ میں یہودیوں سے لڑائیوں کا جو ایک متصل سلسلہ نظر آتا ہے اسکی ابتداء اسی سے ہوئی تھی۔

قریش بدر میں شکست کھا کر انتقام کے جوش میں بے تاب تھے۔ ابوسفیان نے عہد کر لیا تھا کہ جب تک ہجر کا انتقام نہ لوں گا محفل تک نہ کروں گا چنانچہ فوجیتہ میں دو سو شتر

سواروں کے ساتھ مدینہ کے قریب پہنچ کر دھوکے سے دو مسلمانوں کو بکڑا اور ان کو قتل کر دیا رسول اللہ کو خبر ہوئی تو آپ نے تعاقب کیا لیکن ابوسفیان نکل گیا تھا۔ اس قسم کے چھوٹے چھوٹے واقعات اور بھی پیش آتے رہے یہاں تک کہ شوال ۳۳ھ میں جنگ اُحد کا مشہور معرکہ واقع ہوا۔

اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ عکرمہ بن ابی جہل اور اوربہت سے سرداران قریش نے ابوسفیان سے جا کر کہا کہ اگر تم مصارف کا ذمہ اٹھاؤ تو آب بھی بدر کا انتقام لیا جاسکتا ہے، ابوسفیان نے قبول کیا اور اسی وقت حملہ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ کنانہ اور قحطانہ کے تمام قبائل بھی ساتھ ہو گئے۔ ابوسفیان ان سب کا سپہ سالار بن کر بڑے سرداران کے ساتھ مکہ سے روانہ ہوا اور ماہ شوال ۳۴ھ کے دن مدینہ منورہ کے قریب پہنچ کر مقام کیا، آنحضرت کی رائے تھی کہ مدینہ میں ٹھہر کر قریش کا حملہ روکا جائے، لیکن صحابہ نے نہ مانا اور آخر آنحضرت مجبور ہو کر جمعہ کے دن مدینہ سے نکلے، قریش کی تعداد تین ہزار تھی جمیں دو سو سوار اور ۷۰۰ سوزرہ پوش تھے۔ میمنہ کے افسر خالد بن الولید اور میسرہ کے عکرمہ بن ابی جہل تھے، اس وقت تک یہ دونوں صاحبِ اسلام نہیں لائے تھے، اور کل ۷۰۰ آدمی تھے جن میں ستوزرہ پوش اور صرف دو سو سوار تھے۔ مدینہ سے قریب تین میل پر اُحد ایک پہاڑ ہے۔ اس کے دامن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں آنحضرت نے عبداللہ بن جبیر کو ۵۰ تیراندازوں کے ساتھ فوج کے عقب پر متعین کیا کہ اُدھر سے کھار جلتا کرنے پائیں۔

۷۔ شوال ۳۵ھ کے دن لڑائی شروع ہوئی سب سے پہلے زبیر نے اپنی رکاب کی فوج کو لیکر حملہ کیا اور قریش کے میمنہ کو شکست دی۔ پھر عام جنگ شروع ہوئی۔ حضرت حمزہؓ، حضرت علیؓ، ابو دجانہ دشمن کی فوج میں گھس گئے اور انکی صفیں الٹ دیں لیکن فتح کے بعد لوگ غنیمت پر ٹوٹ پڑے۔ تیراندازوں نے سمجھا کہ اب معرکہ ہو چکا اس خیال سے وہ بھی ٹوٹے میں مصروف ہوئے۔

تیرے اندازوں کا ہٹنا تھا کہ خالد نے دفعۃً عقب سے بڑے زور شور کے ساتھ حمل کیا۔ مسلمان چونکہ
 ہتھیار ڈال کر غنیمت میں مصروف ہو چکے تھے۔ اس ناگہانی زد کو نہ روک سکے۔ کفار نے رسول اللہ
 صلی اللہ علیہ وسلم پر پتھروں اور تیروں کی بوچھاڑ کی۔ یہاں تک کہ آپ کے دندان مبارک شہید ہوئے پیشانی
 پر زخم آیا، اور رخساروں میں مغفر کی کڑیاں چبھ گئیں۔ اس کے ساتھ آپ ایک گدھے میں گئی پٹے
 اور لوگوں کی نظر سے چھپ گئے اسی برہمی میں یہ غل ٹپ گیا کہ رسول اللہ مارے گئے۔ اس خبر
 مسلمانوں کے استقلال کو اور شہر آزل کر دیا اور جو جہاں تھا وہیں سر اسیم ہو کر رہ گیا۔

اس امر میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ساتھ اخیر وقت تک کس قدر صحابہ ثابت قدم رہے
 صحیح مسلم میں حضرت انس سے روایت ہے کہ اُنہیں آنحضرت کے ساتھ صرف ساٹھ انصار اور دو
 قریشی یعنی سعد اور طلحہ رہ گئے۔ نسائی اور بیہقی میں بسند صحیح منقول ہے کہ گیارہ انصار اور طلحہ کے سوا
 اور کوئی آنحضرت کے ساتھ نہیں رہا تھا۔ محمد بن سعد نے ۱۴۰ آدمیوں کا نام لیا، اسی طرح اور بھی
 مختلف روایتیں ہیں۔ حافظ بن حجر نے فتح الباری میں ان روایتوں میں اس طرح تطبیق کی
 ہے کہ لوگ جب ادھر ادھر پھیل گئے تو کافروں نے دفعۃً عقب سے حمل کیا اور مسلمان سر اسیم ہو کر
 جو جہاں تھا وہیں رہ گیا۔ پھر جس طرح موقع ملتا گیا، لوگ آنحضرت کے پاس پہنچتے گئے۔

تمام روایتوں پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جب آنحضرت کی شہادت کی خبر مشہور ہوئی
 تو کچھ لوگ تو ایسے سر اسیم ہوئے کہ انھوں نے مدینے سے ادھر دم نہیں لیا۔ کچھ لوگ جان پھیل کر
 لڑتے رہے کہ رسول اللہ کے بعد دنیا بیکار ہے۔ بعضوں نے مایوس ہو کر سپردال دی کہ اب لڑنے
 سے کیا فائدہ ہے حضرت عمرؓ اس تیسرے گروہ میں تھے۔ علامہ طبری نے بسند متصل جبکی سوانہ
 بن حمید سلمہ محمد بن اسحاق، قاسم بن عبد الرحمن بن رافع ہیں۔ روایت کی ہے کہ اس موقع جب

اس بن نصر نے حضرت عمر اور طلحہ اور چند مہاجرین اور انصار کو دیکھا کہ مایوس ہو کر بیٹھ گئے ہیں تو چھا کہ بیٹھے کیا کرتے ہو، ان لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ نے تو شہادت پائی اس بوے کہ رسول اللہ کے بعد زندہ رہ کر کیا کرے؟ تم بھی انہی کی طرح لڑ کر مر جاؤ، یہ کہہ کر کفار پر حملہ آور ہوئے اور شہادت حاصل کی۔ قاضی ابو یوسف مہاجب نے خود حضرت عمر کی زبانی نقل کیا ہے کہ اس بن نصر میرے پاس سے گزرے اور مجھ سے پوچھا کہ رسول اللہ کیا گزری، میں نے کہا کہ میرا خیال ہے کہ آپ شہید ہوئے۔ اس نے کہا رسول اللہ شہید ہوئے تو ہوائے خدا تو زندہ ہے یہ کہہ کر تلوار میان کے کھینچ لی اور اسقدر لڑے کہ شہادت حاصل کی۔ ابن ہشام میں ہے کہ اس نے اس واقعہ میں شہر زخم کھائے طبری کی روایت میں یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر کے ساتھیوں میں طلحہ کا نام بھی ہے اور یہ مسلم ہے کہ اس معرکہ میں اُن سے زیادہ کوئی ثابت قدم نہیں رہا تھا بہر حال یہ امر اگر روایتوں سے ثابت ہے کہ سخت برہمی کی حالت میں بھی حضرت عمر میدان جنگ سے نہیں ہٹے اور جب انحضرت کا زندہ ہونا معلوم ہوا تو فوراً خدمت اقدس میں پہنچے۔ طبری اور سیرت بن ہشام میں ہے۔

بہر جب مسلمانوں نے رسول اللہ کو دیکھا تو انحضرت کے پاس
 شیعہ اور آب لوگوں کو لے کر بہار کے درہ پر چڑھ گئے اور وقت ایک
 ساتھ حضرت علی، حضرت ابو بکر، حضرت عمر، طلحہ بن عبید اللہ
 زبیر بن العوام اور عمارت بن عبد اللہ۔

فلما عرف المسلمون رسول الله تهصوا به
 ونهض نحو الشعب معه علي بن ابي طالب و
 ابوبكر بن ابي قحافة وعمر بن الخطاب و
 طلحة بن عبيد الله والزبير بن العوام والحارث صمته

علامہ ہامذری صرف ایک مؤرخ ہیں جنہوں نے انساب الاشراف میں حضرت عمر کے حال میں
 یہ لکھا ہے۔

وكان من انكشف لوم احد

تجهر كما

یعنی جس پر عمرؓ لوگوں میں سے حرامہ کے دس صاگ گئے
سے لکھ دینے کو معاف کر دیا۔

علامہ بلاذری نے ایک اور روایت نقل کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب اپنی غلطی
کے زینے میں لوگوں کے روزینے مقرر کیے تو ایک شخص کے روزینے کی نسبت لوگوں نے کہا کہ ان
سے زیادہ حق آپؓ کی نرزد عبداللہ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا نہیں، کیونکہ اس کا باپ احد کی لڑائی میں
شہادت قدم رہا تھا اور عبداللہ کا باپ (یعنی خود حضرت عمرؓ) نہیں رہا تھا۔

لیکن یہ روایت قطع نظر اس کے کہ درایت غلط ہے کیونکہ معرکہ جہاد سے بھاگنا ایک ایسا لنگ تھا جسکو
کوئی شخص علانیہ تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ اصول روایت کے لحاظ سے بھی ہم اس پر اعتبار نہیں کر سکتے۔
علامہ موصوف نے جن روایات کی سند سے یہ روایت بیان کی ہے انہیں عباس بن عبداللہ البکاسی
اور غیض بن اسحاق ہیں اور یہ دونوں مجہول الحال ہیں۔ اس کے علاوہ اور تمام روایتیں اس کے خلاف ہیں۔
اس بحث کے بعد ہم پھر اصل افتہ کی طرف آتے ہیں۔

خالد ایک دستہ فوج کے ساتھ آنحضرتؐ کی طرف بڑھے، رسول اللہؐ اس وقت تین صحابہ کے ساتھ
ہیٹ پر تشریف رکھتے تھے۔ خالد کو آتا دیکھ کر فرمایا کہ خدایا! یہ لوگ یہاں تک نہ آنے پائیں حضرت عمرؓ
نے چند مہاجرین اور انصار کے ساتھ آگے بڑھ کر حملہ کیا اور ان لوگوں کو ہٹا دیا۔

ابوسفیان سالار قریش وڑہ کے قریب پہنچ کر پکارا کہ اس گروہ میں محمدؐ ہیں یا نہیں؟

آنحضرتؐ نے اشارہ کیا کہ کوئی جواب نہ دے، ابوسفیان نے پھر حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ کا نام لیکر کہا کہ یہ دونوں
اس مجمع میں ہیں یا نہیں؟ اور جب کسی نے کچھ جواب نہ دیا تو بولا کہ ضرور یہ لوگ ماسے گئے، حضرت
عمرؓ سے نہ رہ گیا۔ پکار کر کہا، "اودھمن خدا! ہم سب زندہ ہیں" ابوسفیان نے کہا اعلٰیٰ ہبل یحییٰ "او

بہل (ایک بت کا نام تھا) بلند ہو۔ رسول اللہ نے حضرت عمر سے فرمایا جواب و واللہ اعلم الخ
و یعنی خدا بلند و بزرگ ہے۔

اس سال حضرت عمر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ ایک صاحبزادی حضرت حفصہ رسول اللہ کے عقد
میں آئیں۔ حفصہ کا نکاح جاہلیت میں خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا۔ خنیس کے انتقال کے
بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر سے خواہش کی کہ حفصہ کو اپنے نکاح میں لائیں۔ انھوں نے کچھ جواب
نہ دیا۔ پھر حضرت عثمان سے درخواست کی۔ وہ بھی چپ ہے۔ کیونکہ ان دونوں صاحبوں کو معلوم
ہو چکا تھا کہ خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حفصہ سے نکاح کرنا چاہتے ہیں۔ چنانچہ شعبان ۳ھ
میں آنحضرت نے حفصہ سے نکاح کیا۔

۳ھ میں بنو نضیر کا واقعہ پیش آیا۔ اوپر ہم لکھ آئے ہیں کہ مدینہ منورہ میں یہود کے جو قبائل
آباد تھے آنحضرت نے ان سے صلح کا معاہدہ کر لیا تھا۔ ان میں سے بنو قینقاع نے بدر کے نقصان
عمد کیا اور اس جرم میں مدینہ سے نکال دیئے گئے۔ دوسرا قبیلہ بنو نضیر کا تھا یہ لوگ بھی اسلام کے
سخت دشمن تھے۔ ۳ھ میں آنحضرت ایک معاملے میں ہتھکڑی کے لیے حضرت عمر اور حضرت
ابوبکر کو ساتھ لے کر ان کے پاس تشریف لے گئے۔ ان لوگوں نے ایک شخص کو جب کا نام عمرو بن جہاش
تھا آمادہ کیا کہ چھت پر چڑھ کر آنحضرت کے سر پر پتھر کی سیل گرا دے، وہ چھت پر چڑھ چکا تھا کہ آنحضرت
کو خبر ہو گئی۔ آپ اٹھ کر چلے آئے اور کہلا بھیجا کہ تم لوگ مدینہ سے نکل جاؤ۔ انھوں نے انکار کیا اور
مقابلہ کی تیاریاں کیں، آنحضرت نے ان پر قابو پا کر جلا وطن کر دیا، چنانچہ ان میں سے کچھ شام کو
چلے گئے۔ کچھ خیبر میں جا کر آباد ہوئے اور وہاں حکومت قائم کر لی۔

خیبر والوں میں سلام بن ابی الحقیق کنانہ بن الزبج اور حنی بن اخطب بڑے بڑے معزز سردار

تھے یہ لگ خیبر میں پہنچ کر ٹھہرے ہوئے تو آنحضرت سے انتقام لینا چاہا۔ مکہ معظمہ میں جا کر قریش کو عزیز
 دی قبائل عرب کا دورہ کیا، اور تمام ملک میں ایک آگ لگا دی۔ چند روز میں دس ہزار آدمی قریش
 کے علم نیچے جمع ہو گئے اور شوال ۳۵ھ میں ابوسفیان کی سپہ سالاری میں اس سیلاب نے مدینہ
 کا رخ کیا آنحضرت نے مدینے سے باہر نکل کر سلع کے آگے ایک خندق تیار کرانی۔ عرب میں خندق
 کا رواج نہ تھا اس لیے کفار کو اسکی کچھ تدبیر نہ آئی۔ مجبوراً محاصرہ کر کے بہر طرف فرجیں پھیلا دیں
 اور رسد وغیرہ بند کر دی ایک مہینے تک محاصرہ رہا۔ کفار کبھی کبھی خندق اتر کر حملہ کرتے تھے آنحضرت
 نے اس نہش سے خندق کے ادھر کچھ کچھ فاصلے پر اکابر صحابہ کو معین کر دیا تھا کہ دشمن اُدھر سے نہ آنے
 پائے ایک حصے پر حضرت عمر معین تھے چنانچہ یہاں اُن کے نام کی ایک مسجد آج بھی سوجو رہے
 ایک دن کافروں نے حملہ کارا دہ کیا تو حضرت عمر نے زہیر کے ساتھ آگے بڑھ کر روکا اور اُن کی بھاگت
 دیکھ کر ہم بہم کر دی۔ ایک اور دن کافروں کے مقابلے میں اسقدر اُن کو مصروف رہنا پڑا کہ عصر کی نماز قضا
 ہوتے ہوئے رہ گئی۔ چنانچہ آنحضرت کے پاس آکر عرض کیا کہ آج کافروں نے نماز پڑھنے تک کا موقع نہ دیا
 رسول اللہ نے فرمایا میں نے بھی اب تک عصر کی نماز نہیں پڑھی۔

اس لڑائی میں عمرو بن عبدود عرب کا مشہور بہادر جو پانسو مسواروں کے برابر سمجھا جاتا تھا حضرت
 علی کے ہاتھ سے مارا گیا اس کے مارے جانے کے بعد اُدھر تو قریش میں کچھ بیدلی پیدا ہوئی، اُدھر نعم
 بن سعد نے جو اسلام لاپکے تھے اور کافروں کو ان کے اسلام کی خبر نہ تھی جوڑ توڑ سے قریش اور یمن
 میں پھوٹ ڈلوادی۔ مختصر یہ کہ کفر کا ابرسیاہ جو مدینہ کے آفت پر چھا گیا تھا روز بروز چھٹا گیا اور چند روز کے
 بعد مطلع بالکل صاف ہو گیا۔

۳۵ھ میں آنحضرت نے صحابہ کے ساتھ خانہ کعبہ کی زیارت کا قصد کیا اور اس غرض سے کہ قریش

۳۵ھ میں سے طبرانی ایک پناہ ہے۔ ۳۵ھ واقعہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخلاء میں لکھا ہوگی میں نے کسی کتاب میں اسکی سند نہیں پائی۔

کوڑائی کا شبہ نہ ہو حکم دیا کہ کوئی شخص ہتھیار باندھ کر نہ چلے جو حلیفہ مدینہ سے بائیل پر ایک مقام ہی پہنچ کر حضرت عمر کو خیال ہو کہ اس طرح چلنا مصلحت نہیں چنانچہ رسول اللہ کی خدمت میں عرض کی اور آپ نے انکی رائے کے موافق مدینہ سے ہتھیار منگوائیے۔ جب مکہ منظمہ و منسلر رہ گیا تو مکہ سے بشر بن سفیان نے اگر یہ خبر دی کہ تمام قریش نے عہد کر لیا ہے کہ مسلمانوں کو مکہ میں قدم نہ رکھنے دیں گے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ اگر یہ صحابہ کسی کو سفارت کے طور پر بھیجیں کہ ہم کو مکہ میں مقصود نہیں چنانچہ حضرت عمر کو اس خدمت پر مامور کرنا چاہا۔ انھوں نے عرض کی کہ قریش کو مجھ سے سخت عداوت ہے اور میرے خاندان میں وہاں کوئی شخص میرا حامی موجود نہیں عثمان کے عزیز و اقارب وہیں ہیں اس لیے انکو بھیجنا مناسب ہوگا۔ آنحضرت نے اس رائے کو پسند فرمایا اور حضرت عثمان کو مکہ بھیجا قریش نے حضرت عثمان کو روک رکھا اور جب کئی دن گزر گئے تو یہ مشہور ہو گیا کہ وہ شہید کر دیئے گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر صحابہ سے جو تہمہ او میں چودہ سو تھے جہاد پر بیعت لی اور چونکہ بیعت ایک درخت کے نیچے لی گئی تھی یہ واقعہ بیعت الشجرہ کے نام سے مشہور ہوا قرآن مجید کی اس آیت میں لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ اِیسی واقعہ کی طرف اشارہ ہے اور آیت کی مناسبت سے اسکو بیعت النہل بھی کہتے ہیں۔

حضرت عمر نے بیعت سے پہلے لڑائی کی تیاری شروع کر دی تھی۔ صحیح بخاری (غزوہ حدیبیہ میں ہے کہ حدیبیہ میں حضرت عمر نے اپنے صاحبزادے عبداللہ کو بھیجا کہ خاں انصاری سے گھوڑا مانگ لیں عبداللہ بن عمر باہر نکلے تو دیکھا کہ آنحضرت لوگوں سے جہاد پر بیعت لے رہے ہیں، انھوں نے یہ بھی مانگ کر بیعت کی، حضرت عمر کے پاس آپ آئے تو دیکھا کہ وہ ہتھیار سج رہے ہیں عبداللہ نے ان سے بیعت کا وہاں بیان کیا حضرت عمر اسی وقت اٹھے اور جا کر آنحضرت کے ہاتھ پر بیعت کی۔

قریش کو اصرار تھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ہرگز داخل نہیں ہو سکتے۔ بڑے رو و بدل کے بعد

لیکن شرط یہ ہے کہ اس وقت مسلمان لٹے واپس جائیں، اگلے سال آئیں لیکن تین دن سے زیادہ نہ ٹہریں۔ معاہدہ میں یہ شرط بھی داخل تھی کہ دس برس تک لڑائی موقوف رہے اور اس اثنا میں قریش کا کوئی آدمی رسول اللہ کے ہاں چلا جائے تو رسول اللہ اسکو قریش کے پاس واپس بھیجیں لیکن مسلمانوں میں سے اگر کوئی شخص قریش کے ہاتھ آجائے تو ان کو اختیار ہوگا کہ اسکو اپنے پاس رکھ لیں، اخیر شرط چونکہ بظاہر کافروں کے حق میں زیادہ مفید تھی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ یہ شرط اب ہمارے معاہدہ ایسی ہی تھی کہ ہمیں چاہیے تھا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچے اور کہا کہ اس طرح دیکھیں صلح کی بات انہوں نے سمجھا یا کہ رسول اللہؐ کچھ کرتے ہیں اسی میں مصلحت ہوگی، لیکن حضرت عمرؓ تو یقین نہیں ہوئی، تو رسول اللہؐ کے پاس گئے اور اس طرح گفتگو کی۔ یا رسول اللہ! کیا آپ حل نہ انہیں ہیں؟

رسول اللہؐ بیشک ہوں۔

حضرت عمرؓ کیا ہمارے دشمن مشرک نہیں ہیں؟
رسول اللہؐ ضرور ہیں۔

حضرت عمرؓ پھر ہم اپنے مذہب کو کیوں دلیل کریں۔

رسول اللہؐ صلعم میں خدا کا پیغمبر ہوں اور خدا کے حکم کے خلاف نہیں کرتا۔

حضرت عمرؓ کی گفتگو اور خصوصاً انداز گفتگو اگرچہ خلاف ادب تھا چنانچہ بعد میں انکو سخت توبہ ہوئی اور اس کے کفارہ کے لئے روزے رکھے، نفلیں پڑھیں، خیرات دی، غلام آزاد کیے، تاہم سوال وجواب کی اصل بنا اس نکتہ پر تھی کہ رسول اللہؐ کے کون سے افعال انسانی حیثیت سے متعلق رکھتے ہیں اور کون سے رسالت کے منصب چنانچہ اسی مفصل بحث کتاب کے دوسرے حصہ میں آئے گی۔

غرض معاہدہ صلح لکھا گیا اور اُس پر بڑے بڑے اکابر صحابہ کے جس میں حضرت عمرؓ بھی داخل تھے
ثبت ہوئے۔ معاہدہ کے بعد آنحضرتؐ نے مدینہ منورہ کا قصد کیا، راہ میں سورہ فتح نازل ہوئی۔

آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو بلا کر فرمایا کہ مجھ پر آج ایسی سورہ نازل ہوئی ہے جو مجھ کو دنیا کی تمام چیزوں
سے زیادہ محبوب ہے، یہ کہہ کر آپؐ نے یہ آیتیں پڑھیں **إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا**

میں نے تجھ کو ایک بڑی فتح عظیم سے نوازا ہے اور کفار باطل الگ الگ رہتے تھے صلح ہو جانے
سے آپس میں میل جول ہوا، اور رات دن کے چرچے سے اسلام کے مسائل اور خیالات روز بروز
زیادہ پھیلنے لگے۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ دو برس کے اندر اندر جس کثرت سے لوگ اسلام لائے ما برس
ماتیل کی وسیع مدت میں نہیں لائے تھے۔ جس بنا پر رسول اللہؐ نے صلح کی تھی اور ابتداءً حضرت
مگر آپؐ چاہتے تھے کہ وہ یہی مصلحت تھی اور اسی بنا پر خدا نے سورہ فتح میں اس صلح کو فتح کے
لفظ سے تعبیر کیا۔

اس زمانے تک کافرہ عورتوں کا عقد نکاح میں رکھنا جائز تھا۔ لیکن جب یہ آیت نازل
ہوئی **وَلَا تُمَسِّكُوا بِعَصَمٍ لَّكُمُ الْفَرْقُ** تو یہ امر ممنوع ہو گیا۔ اس بنا پر حضرت عمرؓ نے اپنی دونوں بیویوں
کو جو کافرہ تھیں طلاق دیدی۔ انہیں سے ایک کا نام قریبہ اور دوسری کا ام کلثوم بنت جہول
تھا۔ ان دونوں کے طلاق دینے کے بعد حضرت عمرؓ نے حبیلہ سے جو ثابت میں ابی الافعی کی بیٹی
تھیں نکاح کیا، حضرت عمرؓ کے فرزند عاصم انہی کے بطن سے تھے

اسی سال رسول اللہؐ نے سلاطین اور ولسان ملک کے نام دعوت اسلام کے خطوط
شہ میں خیبر کا مشہور محرکہ پیش آیا۔ اوپر تم پڑھ آئے ہو کہ قبیلہ بنو نضیر کے یہودی جو مدینہ
سے نکالے گئے تھے خیبر میں جا کر آباد ہوئے، انہی میں سے سلام و کنانہ وغیرہ نے شہید

اس کو باکر بھڑکایا اور ان کو مدینہ پر چڑھالائے۔ اس تدبیر میں اگرچہ ان کو ناکامی ہوئی لیکن انتقام کے خیال سے وہ بارہ آئے اور اسکی تدبیریں کرتے رہتے تھے، چنانچہ سہ ماہی قبیلہ بنی سعد نے اسکی لسانت پر آمادگی ظاہر کی، آنحضرت کو یہ خبر معلوم ہوئی تو حضرت علی کو بھیجا۔ بنو سعد بھاگ گئے اور پانچ سو نوٹ غنیمت میں ہاتھ آئے۔ پھر قبیلہ غطفان کو آمادہ کیا چنانچہ جب آنحضرت خیبر کی طرف بڑھے تو سب پہلے اسی قبیلہ نے سہ راہ ہونا چاہا۔ ان حالات کے لحاظ سے یہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ اگر وہ توڑ دیا جاسے ورنہ مسلمان ان کے خطرے سے مطمئن نہیں ہو سکتے تھے۔

نہیں شہہ میں آنحضرت نے چوہہ سو پیدل اور دو سو سواروں کے ساتھ خیبر کا رخ کیا خیبر میں یہودیوں نے بڑے بڑے مضبوط قلعے بنائے تھے مثلاً حسن نامی، حسن موصی، حسن صاحب، طیح اور سلام، یہ سب قلعے جلد جلد فتح ہو گئے لیکن طیح و سلام جن پر عرب کا مشہور بہادر و جبار حضرت قباض تھا آسانی سے فتح نہیں ہو سکتے تھے، آنحضرت نے حضرت ابوبکر کو سپہ سالار بنا کر بھیجا۔ لیکن وہ ناکام آئے۔ پھر حضرت عمر مامور ہوئے وہ برابر دو دن جا کر لڑے لیکن دونوں دن ناکام رہے۔ آنحضرت نے یہ دیکھ کر فرمایا کہ کل میں ایسے شخص کو علم دوں گا جو حملہ آور ہوگا۔ اگلے دن تمام اکابر صحابہ، علم نبوی کی اُمید میں بڑے سرداران سے ہتھیار بیچ کر آئے۔ ان میں حضرت عمر بھی تھے اور ان کا خود بیان ہے کہ میں نے کبھی اس موقع کے سوا علم برداری اور فہرہ کی بات نہیں کی، لیکن قضا و قدر نے یہ فخر حضرت علی کے لیے اٹھا رکھا تھا۔ چنانچہ آنحضرت نے کسی کی طرف سے ہتھیار نہ منگوائے، لیکن حضرت علی کو بلا کر علم ان کو عنایت کیا۔ مرحب حضرت علی کے ہاتھ سے مار گیا اور اس کے قتل پر اس سرکرہ کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

خیبر کی زمین آنحضرت نے مجاہدوں کو تقسیم کر دی چنانچہ ایک ٹکڑا جس کا نام فتح تھا حضرت عمر کے

تھے میں آیا، حضرت عمرؓ نے اُسکو خد کی راہ میں وقف کر دیا۔ چنانچہ صحیح مسلم باب الوقف میں یہ قصہ بہ تفصیل مذکور ہے اور اسلام کی تاریخ میں یہ پہلا وقف تھا جو عمل میں آیا
 اسی سال آنحضرتؐ نے حضرت عمرؓ کو ۳۰-۳۱ مہینوں کے ساتھ قبیلہ ہوازن کے مقابلے کو بھیجا اُن لوگوں نے
 حضرت عمرؓ کی آمدنی تو بھاگ نکلتے اور کوئی معرکہ پیش نہیں آیا۔

بہشت کی بات ہوئی کہ حدیبیہ میں جو صلح قرار پائی تھی اُس میں ایک
 شرط یہ بھی تھی کہ قبائل عرب میں جو چاہے قریش کا ساتھ دے اور جو چاہے اسلام کے سایہ امن
 میں آئے۔ چنانچہ قبیلہ خزاعہ نے آنحضرتؐ کا اور خاندان بنو بکر نے قریش کا ساتھ دیا اُن دونوں
 قبیلوں میں مدت سے اُن بن تھقی اور بہت سے معرکے ہو چکے تھے۔ لڑائی کا سلسلہ جاری تھا کہ
 ایک ایک ایک صلح وقوع میں آئی اور شرائط معاہدہ کی رُو سے دونوں قبیلے لڑائی سے دست بردار ہوئے
 لیکن چند ہی روز کے بعد بنو بکر نے نقض عہد کیا اور قریش نے اُن کی اعانت کی یہاں تک کہ خزاعہ
 نے حرم میں جا کر پناہ لی تب بھی اُنکو پناہ نہ ملی خزاعہ نے جا کر آنحضرتؐ سے استغاثہ کیا، ابوسفیانؓ کو یہ
 خبر معلوم ہوئی تو پیش بندی کے لیے مدینہ منورہ پہنچا اور آنحضرتؐ کی خدمت میں حاضر ہو کر قریش کی
 طرف سے تجدید صلح کی درخواست کی، آنحضرتؐ نے کچھ جواب نہ دیا۔ وہ اٹھ کر حضرت ابو بکرؓ اور چھ حضرت
 عمرؓ کے پاس گیا کہ آپ اس معاملہ کو طے کرادیجئے۔ حضرت عمرؓ نے اس سختی سے جواب دیا کہ وہ باطل
 ناما استید ہو گیا۔

آنحضرتؐ نے مکہ کی تیاریاں شروع کیں، اور رمضان شہ میں انہرار فوج کے ساتھ
 سے نکلے۔ مقام المظہران میں نزول اجلال ہوا تو حضرت عباسؓ، آنحضرتؐ کے خچر پر سوار ہو کر
 مکہ کی طرف چلے، ادھر سے ابوسفیانؓ آ رہا تھا حضرت عباسؓ نے اُس سے کہا۔ آ۔ میں تجکو رسول
 اللہؐ سے امن دلا دوں ورنہ آج تیری خیر نہیں، ابوسفیانؓ نے غنیمت سمجھا اور حضرت عباسؓ کو

ساتھ بولیا۔ راہ میں حضرت عثم کا سامنا ہوا۔ ابوسفیان کو ساتھ دیکھ کر حضرت
 عمرؓ نے خیال کیا کہ حضرت عباسؓ اس کی سفارش کے لئے جا رہے ہیں۔ بڑی تیزی سے بڑھے،
 سلمہ اشمنت کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ مدتوں کے بعد اس دشمن اسلام پر قابو ملا ہے اجازت دیجئے
 کہ پہلی گردن مار دوں حضرت عباسؓ نے کہا کہ سدا ابوسفیان اگر عبد مناف کے خاندان سے ہوتا
 اور تمہارے قبیلہ کا آدمی ہوتا، تو تم اس طرح اس کی جان کے غلام بن جیتے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا
 کہ نہ اکتی۔ میرا باپ خطابؓ اسلام لانا تو تکو اتنی خوشی نہ ہوتی جتنی اس وقت ہوئی تھی جب آپ
 اسلام لائے تھے۔ اشمنت نے حضرت عباسؓ کی سفارش قبول کی اور ابوسفیان کو امن دیا۔

اشمنت بڑے جادو و جلال سے مکہ میں داخل ہوئے اور دیکھہ پر کھڑے ہو کر نہایت فصیح و بلیغ
 نصیحتیں کیا جو بعینہ تاریخوں میں منقول ہے، پھر حضرت عمرؓ کو ساتھ لے کر مقام صفاء پر لوگوں کو بلانے
 لے گئے یہ تشہیف فرما ہوئے، لوگ بوق بوق آتے تھے اور بیعت کرتے باتے تھے۔ حضرت
 عمرؓ انحضرتؐ سے تو یہ پوچھنے لگے کہ یہ بیٹے بیٹے تھے۔ جب عورتوں کی باری آئی تو چونکہ انحضرتؐ بیگانہ
 بہت کے ہاتھ لوگ نہیں کرتے تھے، انحضرتؐ سحر لہا رشا و فرمایا کہ تم ان سے بیعت لو، چنانچہ تمام
 عورتوں نے انہیں کے ہاتھ پر انحضرتؐ سے بیعت کی

اسی سال ہوازن کی لڑائی پیش آئی جو بنو حنیئہ کے نام سے مشہور ہے ہوازن حب
 تھا مشہور اور محترم قبیلہ تھا۔ یہ لوگ ابتداء سے اسلام کی ترقی کو رقابت کی نگاہ سے دیکھتے آتے تھے انحضرتؐ
 جب فتح مکہ کے ارادہ سے مدینہ منورہ سے نکلے تو ان لوگوں کو گمان ہوا کہ ہم پر حملہ کرنا مقصود ہے
 چنانچہ اسی وقت جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں۔ اور جب یہ معلوم ہوا کہ انحضرتؐ مکہ پہنچے تو مکہ پر حملہ
 کرنے کے لئے بڑے سرداران سے روانہ ہو کر حنیئہ میں ڈیرے ڈالے۔ انحضرتؐ نے پیچہ کئی

۱۷۱ مس عمار کے بٹے ایک وادی کا نام ہے جو مکہ سے نو میل ہی۔ ۱۷۲ تاریخ طبری۔

تو بارہ ہزار کی جمعیت کے ساتھ مکہ معظمہ سے روانہ ہوئے، جن میں دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں مسلمانوں نے پہلے حملے میں ہوازن کو بھگا دیا، لیکن جب غنیمت کے ٹوٹنے میں مصروف ہوئے تو ہوازن نے حملہ کیا اور اسقدر تیر بر سائے کہ مسلمانوں میں ہل چل پڑ گئی اور بارہ ہزار آدمیوں میں سے محدودی چند کے سوا باقی سب بھاگ نکلے، اس معرکہ میں جو صحابہ ثابت قدم رہے، انکا نام خصوصیت کے ساتھ لکھا گیا ہے اور ان میں حضرت عمرؓ بھی شامل ہیں، چنانچہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے۔ محمد بن اسحاق نے جو امام بخاری کے شیوخ حدیث میں دخل ہیں اور بخاری و سیر کے امام مانے جاتے ہیں کتاب المغازی میں لکھا ہے۔ ”وایضا میر چند تن از مہاجرین و انصار دہل بیت باز ماندہ بودند مثل ابوبکر علی و عمر و عباس الخ۔“

یہ سب کیسے ہوئے بگڑ کر پھرن گئی یعنی مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ اور ہوازن کے چھ ہزار آدمی گرفتار ہوئے۔

اس وقت میں یہ خبر مشہور ہوئی کہ قیصر روم۔ عرب پر حملہ کی تیاریاں کر رہا ہے آنحضرتؐ نے یونکر صحابہ کو تیاری کا حکم دیا، اور چونکہ یہ نہایت تنگی اور عسرت کا زمانہ تھا اس لئے لوگوں کو زرو مال سے اعانت کی ترغیب دلائی چنانچہ اکثر صحابہ نے بڑی بڑی زمینیں پیش کیں۔ حضرت عمرؓ نے اس موقع پر تمام مال و اسباب میں سے آدھا لاکر اس حضرت کی خدمت میں پیش کیا، غرض اسلحہ اور رسد کا سامان مہیا ہو گیا تو آنحضرتؐ مدینہ سے روانہ ہوئے۔ لیکن مقام تبوک میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہ خبر غلط تھی اس لئے چند روز قیام فرما کر واپس آئے۔

۱۷۔ مسیح سلم عروہ حین۔ ۱۸۔ اس احمق کی اہل کتاب میں سے بہن بھی ایک ہمساکہ ایک مسامتہ و نہ ترجمہ زبان فارسی میں میری نظر سے گزرا ہو اور عمارت مقولہ اسی سے ماخوذ ہے یہ ترجمہ سلاطین سعد بن رگی کے حکم سے کیا گیا تھا اور اسکا ایک ہایت ترمیم مسجد الاماد کے کتب خانہ عام

۱۹۔ ترمذی و ابوداؤد میں یہ ائمہ صحابہ ابوبکر کے تحت میں مقول ہے لیکن عروہ کی تصہیں ہیں۔

اسی سال آنحضرتؐ نے زواجِ مطہرات سے ناراض ہو کر ان سے طلیعی کی اختیار کی۔ اور چونکہ لوگوں کو آپ کے طرزِ عمل سے یہ خیال پیدا ہوا تھا کہ آپؐ تمام ازواج کے ملحق ویدیٰ اس لئے تمام کو نہایت کرتے، وانہوں نے تاہم کوئی شخص آنحضرتؐ کی مدت میں کچھ کہنے سننے کی جرأت نہیں کر سکتا تھا حضرتؐ نے حاضر خدمت ہونا چاہا لیکن بار بار اذن مانگنے پر بھی اجازت نہ ملی۔ آخر حضرتؐ عمر نے پکار کر دربان سے کہا کہ: "تشاید رسول اللہ کو یہ گمان ہے کہ میں حصّہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ کی) - غارش کے لئے آیا ہوں خدا کی قسم اگر رسول اللہ حکم دیں تو میں جا کر حصّہ کی گردن مار دوں"۔ آنحضرتؐ نے فوراً بدلیا، حضرت عمرؓ نے عرض کی کہ کیا آپؐ نے ازواج کو طلاق دی؟ آپؐ نے فرمایا کہ نہیں، حضرت عمرؓ نے کہا تمام مسلمان مسجد میں سو گوار بیٹھے ہیں، آپؐ اجازت دیں تو انکو یہ فزودہ سناؤں، اس واقعہ سے حضرت عمرؓ کے تقرب کا اندازہ ہو سکتا ہے، چنانچہ حضرت ام سلمہؓ نے انھیں واقعات کے سلسلے میں ایک موقع پر کہا کہ عمر اتم ہر چیز میں ذلیل ہو گئے ہو یہاں تک کہ اب ازواج کے معاملات میں بھی دخل دینا چاہتے ہو۔

یہ سچ ہیں تمام اطرافِ عرب سے نہایت کثرت سے سفارتیں آئیں اور نہ ہزاروں لاکھوں آدمی اسلام کے حلقے میں آئے۔

اسی سال آنحضرتؐ نے حج کے لئے مکہ منظرہ کا قصد کیا اور یہ حج آپؐ کا اخیر حج تھا۔

یہ سچ ہے صفر میں آنحضرتؐ نے ترومیوں کے مقابلے کے لئے اسامہ بن زید کو مامور کیا اور تمام اکابر صحابہ کو حکم دیا کہ ان کے ساتھ جائیں، لوگ تیار ہو چکے تھے کہ اخیر صفر میں آنحضرتؐ بیمار ہو گئے اور یہ تجویز ملتوی رہ گئی۔

آنحضرتؐ بروایت مشہور ۱۳ دن بیمار رہے۔ بیہوشی نے پسند صحیحہ، اون کی تعداد بیان کی ہے

سیلان میٹھی نے بھی اپنی مغازی میں یہی تعداد لکھی ہے۔ بیماری کی حالت یکسان نہ تھی کبھی بخار کی تھی ہو جاتی تھی اور کبھی استقدر افاقہ ہو جاتا تھا کہ مسجد میں جا کر نماز ادا فرماتے تھے یہاں تک کہ بین فنان کے دن نماز فجر کی وقت طبیعت اس قدر بحال تھی کہ آپ دروازے تک آئے اور پر وہ اٹھا کر باہر نکلے گا کہ نماز پڑھنے دیکھا تو نہایت مخطوط ہوئے اور بسم فرمایا۔

بیماری کا بڑا مشہور واقعہ قمر طلس کا واقعہ ہے جسکی تفصیل یہ ہے کہ آپ نے وفات سے تین روز پہلے قلم اور دوات طلب کیا اور فرمایا کہ میں تمھارے لیے ایسی چیز لکھوں گا کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو گے۔ اس پر حضرت عمرؓ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ آنحضرتؐ کو درد کی شدت ہے اور ہمارے لیے قرآن کافی ہے۔ حاضرین میں سے بعضوں نے کہا کہ رسول اللہؐ یہی باتیں کر رہے ہیں (نعمو باللہ) (روایت میں بھی کالغط ہے جسکے سنے ہذیان کے ہیں)

یہ واقعہ بظاہر تعجب انگیز ہے۔ ایک مترض کہہ سکتا ہے کہ اس سے زیادہ اور کیا گستاخی اور سرکشی ہوگی کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر مرگ پر ہیں اور امت کے درد و غمخواری کے لحاظ سے فرماتے ہیں کہ لاؤ میں ایک ہدایت نامہ لکھ دوں جو تم کو گمراہی سے محفوظ رکھے، یہ ظاہر ہے کہ گمراہی سے بچانے کے لیے جو ہدایت ہوگی وہ منصب نبوت کے لحاظ سے ہوگی اور اس لیے تمہیں یہو و خطا کا احتمال نہیں ہو سکتا باوجود اسکے حضرت عمرؓ بے پروائی ظاہر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ ضرورت نہیں ہم کو قرآن کافی ہے، طرہ یہ کہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے آنحضرتؐ کے اس ارشاد کو ہذیان سے تعبیر کیا تھا۔ (نعمو باللہ)۔

یہ اعتراض ایک مدت سے چلا آتا ہے اور مسلمانوں کے دو مختلف گروہ نے اس پر بڑی طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن چونکہ اس بحث میں غیر متعلق باتیں چھڑ گئیں اور اصولِ دِرایت سے کسی نے کام

نہیں لیا اس لیے جل سلا ہوا اور عجیب عجیب بیکانچیں پیدا ہوئیں یہاں تک کہ یہ مسئلہ چھیڑا گیا۔
 لیکن یہ بیان ہونا ممکن ہے کیونکہ زبان انسانی عوارض میں ہے اور آنحضرت عوارض انسانی سے ہی
 نہ تھے یہاں اصل یہ امر جو طلب ہے کہ جو واقعہ جس طریقے سے روایتوں میں منقول ہے اس کے
 کسی اور پرتناؤ ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس بحث کے لیے پہلے واقعات ذیل کو پیش نظر رکھنا چاہیے
 (۱) آنحضرت کم و بیش ۱۳ ان تک بیمار رہے۔

(۲) کاغذ و قلم طلب کرنے کا واقعہ جمعرات کے دن کا ہے جیسا کہ صحیح بخاری و مسلم میں تصریح
 مذکور ہے اور چونکہ آنحضرت نے دو شبہ کے دن انتقال فرمایا اس لیے اس واقعہ کے بعد آنحضرت چار
 دن تک زندہ رہے۔

(۳) اس تمام مدت بیماری میں آنحضرت کی نسبت اور کوئی واقعہ ختم المآل حواس کا کسی
 روایت میں کہیں مذکور نہیں۔

(۴) اس واقعہ کے وقت کثرت سے صحابہ موجود تھے لیکن یہ حدیث باوجود اس کے کہ بہت
 سے طریقوں سے مروی ہے (چنانچہ صرف صحیح بخاری میں ۷ طریقوں سے مذکور ہے) با اینہمہ بخیر
 عبداللہ بن عباس کے اور کسی صحابی سے اس واقعہ کے متعلق ایک حرف بھی منقول نہیں۔
 (۵) عبداللہ بن عباس کی عمر اس وقت صرف ۱۳-۱۴ برس کی تھی۔

(۶) سب سے بڑھ کر یہ کہ جس وقت کا یہ واقعہ ہے اس موقع پر عبداللہ بن عباس خود موجود نہ تھے
 اور یہ معلوم نہیں کہ یہ واقعہ انھوں نے کس سے سنا۔

(۷) تمام روایتوں میں مذکور ہے کہ جب آنحضرت نے کاغذ قلم مانگا تو لوگوں نے کہا کہ رسول اللہ
 علیہ وآلہ وسلم بخاری باب کناہم میں جو حدیث مذکور ہے اس سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس اس واقعہ میں موجود تھے ایسے عزیز

بحث کی اور ہر حال قطعی ثابت کیا کہ وہ موجود نہ تھے و کچھ نسخہ اسہاری بکناہہم

بہکی ہوئی باتیں کر رہے ہیں ۷۷ /

اب سب سے پہلے یہ امر لحاظ کے قابل ہے کہ جب اور کوئی واقعہ یا قرینہ آنحضرت ﷺ کے احتمالِ حواس کا کہیں کسی روایت میں مذکور نہیں، صرف استقدر کہنے سے کہ ”قلم دوات لاؤ،“ دلوں کو ہنڈیان کا خیال کیونکر پیدا ہو سکتا تھا؟ فرض کر لو کہ انبیا سے ہنڈیان سرزد ہو سکتا ہے لیکن اسکے تو یہ معنی نہیں کہ وہ معمولی بات بھی کہیں تو ہنڈیان سمجھی جائے ایک پیغمبرِ کرامت کے قریب یہ کہنا کہ ”قلم دوات لاؤ“ ایسی چیز لکھدوں کہ تم آئندہ گمراہ نہ ہو،“ اس میں ہنڈیان کی کیا بات ہے؟ یہ روایت اگر خواہ مخواہ صحیح سمجھی جائے تب بھی استقدر بہر حال تسلیم کرنا ہوگا کہ راوی نے روایت میں وہ واقعات چھوڑ دیئے ہیں جن سے لوگوں کو یہ خیال پیدا ہوا کہ آنحضرت ہوش میں نہیں ہیں اور بیہوشی کی حالت میں قلم دوات طلب فرما رہے ہیں۔ پس ایسی روایت سے جس میں کہ راوی نے واقعہ کی نہایت ضروری خصوصیتیں چھوڑ دیں کسی واقعہ پر کیونکر استدلال ہو سکتا ہے، اس کے ساتھ جب ان امور کا لحاظ کیا جائے کہ اتنے بڑے عظیم الشان واقعہ میں تمام صحابہ میں سے صرف حضرت عبداللہ بن عباس اس کے راوی ہیں۔ اور یہ کہ ان کی عمر اس وقت کل ۱۳-۱۴ برس کی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ خود واقعہ کے وقت موجود نہ تھے۔ تو ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس روایت کی حیثیت کیا رہ جاتی ہے

۷۷ علامہ قرطبی نے یہ تاویل کی ہے اور اس پر ان کو ناز ہے کہ لوگوں سے یہ لفظ انکار اور استہجاب کے طور پر کہنا چاہیے یہ

کہ آنحضرت کے قلم کی تعمیل کرنی چاہیے خدا عزوجل سے آنحضرت کا قول ہنڈیان تو نہیں کہ اس پر لحاظ نہ کیا جاوے“ یہ تاویل لگتی ہوئی ہے لیکن بخاری و مسلم کی بعض روایتیں میں ایسے صاف الفاظ ہیں جن میں اس تاویل کا جہاں نہیں مثلاً ”ہجر ہجرو

واقعہ) یا ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ رہے تھے ۱۲ ۷۷ ہمارے مکتہ سنوں نے چہرہ

افرنی کی ہے کہ چونکہ رسول اللہ بیٹھا نہیں جانتے تھے اس لئے آپ کا یہ فرمانا کہ ”میں لکھدوں“ ہنڈیان کا قرینہ تھا لیکن اگر

حکیم ہیں کہ لکھنے کے لئے لکھوئے کے بھی آتے ہیں اور یہ مجاز و مبالغہ استعارہ اور تلمیح ہے

کس کے قیاس میں آ سکتا ہے کہ رسول اللہ امتثال فرمائیں اور بن لوگوں کو ان کے پیش کی محبت کا اثر ہے وہ ان کو بے گور و کفن چھوڑ کر چلے جائیں، اور اس نہایت میں مصروف ہوں کہ منہ حکومت کے قیاس میں نہ آجائے۔

تعجب پر تعجب یہ ہے کہ یہ فعل ان لوگوں سے (حضرت ابو بکر و عمر) سرزد ہوا جو آسمان اسلام کے مہر ماہ تسلیم کیے جاتے ہیں، اس فعل کی ناگواری اس وقت اور زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ جن لوگوں کو آنحضرت سے فطری تعلق تھا یعنی حضرت علی و خاندان بنی ہاشم ان پر فطری تعلق کا پورا اثر ہوا اور اسوجہ سے ان کو آنحضرت کے در و غم اور تنہا و تکفین سے ان باتوں کی طرف متوجہ ہونے کی فرصت نہ ملی۔

ہم اسکو تسلیم کرتے ہیں کہ کتب حدیث و سیر سے بظاہر اسی قسم کا خیال پیدا ہوتا ہے لیکن حقیقت ایسا نہیں ہے۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر (د ابو بکر وغیرہ) آنحضرت کی تنہا و تکفین چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ کو چلے گئے، یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے سقیفہ میں پہنچ کر خلافت کے باب میں انصار سے مکہ آرائی کی اور اس طرح ان کو نشوونما میں مصروف ہے کہ گویا ان پر کوئی حادثہ پیش ہی نہیں آیا تھا یہ بھی سچ ہے کہ انھوں نے اپنی خلافت کو نہ صرف انصار بلکہ بنو ہاشم اور حضرت علی سے بھی بزور منوانا چاہا، گو بنو ہاشم نے آسانی سے انکی خلافت تسلیم نہیں کی۔ لیکن اس بحث میں غور طلب باتیں ہیں یہ ہیں

(۱) کیا خلافت کا سوال حضرت عمر وغیرہ نے چھیڑا تھا۔

(۲) کیا یہ لوگ خود اپنی خواہش سے سقیفہ بنی ساعدہ میں گئے تھے۔

(۳) کیا حضرت علی اور بنو ہاشم خلافت کی فکر سے بالکل فانی تھے۔

(۴) ایسی حالت میں جو کچھ حضرت عمر وغیرہ نے کیا، وہ کرنا چاہیے تھا یا نہیں۔

پہلی بحثوں کی نسبت ہم نہایت مستند کتاب، سند ابو یعلیٰ کی عبارت نقل کرتے ہیں۔

ہمناحی؟ ہمارا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 وسلمنا دارحلہ سادی من وراہ الحدار
 ان اخرج الی ما من الخطاب فقلت
 الہی عی وانا عک مساعبل یعی
 ماہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 فقال لہ فحدثت امران الالصار
 احضمو افی سقبہ سی سادۃ فادسروا
 ہماں محروا مرا کون مہ حرب
 فقلت لالی بکرانطلق

حضرت عمرؓ کو یہاں ہے کہ ہم رسول اللہ کے خاتمہ مبارک
 میں بیٹھتے تھے کہ دعوتِ دوبار کے پیچھے سے نکلتے
 آوارہ دی کہ ان خطابات! حضرت عمرؓ دربارِ باہر آؤ
 میں سے کہا کہ جلو ہٹو، ہم لوگ آنحضرت کے سدوت
 میں رسول میں اُسے کہا ایک حادثہ پیش آیا ہے
 سعی انصار سقبہ سی سادہ میں اکٹھے ہوئے ہیں۔
 اس نے جلد سحران کی حسرتوں بسانہ ہو کر انصار
 کچھ ایسی بات کر انھیں جس سے لڑائی خطر جائے
 اُسوقت میں سے ابو بکر سے کہا کہ جلد۔

اس سے ظاہر ہوگا کہ نہ حضرت عمرؓ وغیرہ نے خلافت کی بحث کو چھیڑا تھا نہ وہ اپنی خوشی سے سقیفہ
 بنی سادہ کو بنانا چاہتے تھے (۱۰) نویدِ چاند (کبر)۔

تیسری بحث کی کیفیت ہے کہ اُس وقت جماعتِ اسلامی تین گروہوں میں تقسیم کی
 جا چکی تھی۔ بنو ہاشم جس میں حضرت علیؓ شامل تھے، مہاجرین جن کے رئیس انسر حضرت ابوبکر و عمرؓ
 تھے۔ انصار جن کے پیچھے قبیلہ عبادت تھے۔ ان تینوں میں سے ایک گروہ بھی خلافت کے خیال
 انجیز علیؓ نہ تھا۔ انصار نے تو علانیہ اپنا ارادہ اظہار کر دیا تھا۔ بنو ہاشم کے خیالات ذیل کی روایت
 سے معلوم ہوں گے

آنحضرت کی وفات کے دن حضرت علیؓ مکان سے باہر نکلے، لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ رسول
 اللہ کا مزاج کیسا ہے۔ چونکہ آنحضرت کی ظاہری حالت بالکل سنبھل گئی تھی۔ حضرت علیؓ نے کہا خدا
 اپنے نائل سے آپ اچھے ہو گئے، حضرت عباسؓ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر کہا کہ خدا کی قسم تم تین دنوں کے

غلامی کرو گے۔ یہ نکھوں سے دیکھ رہا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مرض میں وفات پائیں گے۔
کیونکہ مجھ کو اسکا تجربہ ہے کہ خاندان عبد المطلب کا چہرہ موت کے قریب کس طرح متغیر ہو جاتا ہے اور
چلو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھ لیں کہ آپ کے بعد یہ منصب (خلافت) کسکو حاصل ہوگا، اگر ہم اس کے
مستحق ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے بیٹے وصیت فرما دیں گے۔ حضرت علی نے کہا میں نہ پوچھوں گا کیونکہ
اگر پوچھنے پر آنحضرت نے انکار کر دیا تو پھر آئندہ کوئی اُمید نہیں رہیگی۔ (۱۰) (الغازین)

اس روایت سے حضرت عباس کا خیال تو صاف معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی کو آنحضرت کی وفات
کا اُس وقت تک یقین نہ تھا اس لیے اُنھوں نے کوئی تحریک کرنا مناسب نہیں سمجھا اس کے علاوہ
اُن کو اپنے انتخاب کیے جانے پر بھروسہ نہ تھا۔ لعنت اللہ علی الغازیین

آنحضرت کی وفات کے بعد حضرت فاطمہ کے گھر میں ایک مجمع ہوا جس میں تمام بنو ہاشم اور ان کے
اتباع شریک تھے اور حضرت علی اُن کے پیشرو تھے صحیح بخاری میں حضرت عمر کی زبانی روایت ہے۔

کان من خیرنا حين توفي الله بسببه ان لا يصلنا خالقونا واجتمعوا باسره سحرى سعيقة بنى ساعده وخالف عنا على والذير ومن معهما واجتمع المهاجرون الى ابي بكر	ہماری سرگزشت یہ ہو کہ جب صلے پہنچ کر اٹھایا تو فقہا نے قاطعہ ہماری مخالفت کی اور سقیقہ بنی ساعدہ میں جمع ہو کر اور علی و ذہیر اور ان کے ساتھیوں کے مخالفت کی اور بنو ہاشم ابو بکر کے پاس جمع ہوئے۔
---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

یہ تقریر حضرت عمر نے ایک بہت بڑے مجمع عام میں کی تھی جس میں سیکڑوں صحابہ موجود تھے۔
یہ اس بات کا گمان نہیں ہو سکتا کہ اُنھوں نے کوئی امر خلاف واقع کہا ہو۔ ورنہ لوگ اُنکو وہیں ٹوکے۔
امام مالک کی روایت میں یہ واقعہ اور صاف ہو گیا ہے، اس کے یہ الفاظ ہیں

وان عليا والذير ومن كان معهما تخلفوا	اور علی و ذہیر اور جو لوگ ان کے ساتھ تھے وہ حضرت فاطمہ
--------------------------------------	--------------------------------------------------------

۱۰ صحیح بخاری باب مرض امی ص ۱۰۰ ۱۱ صحیح بخاری کتاب الحدود و ما ہم علی ۱۲ صحیح بخاری شرح حدیث مذکور

فی سنت فاطمہ بنت رسول اللہ

رہبر اسکے گھر میں ہم سے الگ ہو کر جمع ہوئے۔

بیان طبری میں ہے۔

ونحلف علی والرسید واحفظ

الزید بسبعہ وفال لا اعدک حنہ

تبايع علیؑ

اور حضرت علیؑ ورسول اللہؐ کی اہلبیت کی اذیت

کے لئے لوگوں سے کھینچ لی اور کہا کہ جسک علیؑ کے

رسولت کی عاصی میں لوگوں کو اس میں ڈالو گی۔

ان تمام باتوں سے صاف یہ نتائج نکلتے ہیں کہ۔

(۱) آنحضرتؐ کے وفات کے ساتھ ہی خلافت کے باب میں تین گروہ ہو گئے، انصار مہاجرین بنو ہاشم

(۲) مہاجرین حضرت ابوبکرؓ کے، اور بنو ہاشم حضرت علیؑ کے ساتھ تھے۔

(۳) جس طرح حضرت عمرؓ وغیرہ آنحضرتؐ کو چھوڑ کر سقیفہ کو چلے گئے تھے، حضرت علیؑ بھی آنحضرتؐ کے

پاس سے چلے آئے تھے اور حضرت فاطمہؑ کے گھر میں بنو ہاشم کا مجمع ہوا تھا۔

سقیفہ میں حضرت علیؑ کا نہ جانا اس وجہ سے نہ تھا کہ وہ آنحضرتؐ کے ہم دالم میں مصروف تھے اور ان

کو ایسے پرورد موقع پر خلافت کا خیال نہیں آسکا تھا بلکہ اسکی وجہ یہ تھی کہ سقیفہ میں مہاجرین انصار جمع

تھے اور ان دونوں گروہ میں سے کوئی حضرت علیؑ کے دعوے کی تائید نہ کرتا کیونکہ مہاجرین۔ حضرت ابوبکرؓ

کو پیشوا تسلیم کرتے تھے اور انصار کے رئیس سعد بن عبادت تھے۔

انہی بحث یہ ہے کہ جو کچھ ہوا وہ بیجا تھا یا بجا؟ اسکو ہر شخص جو ذرا بھی اصول تمدن سے واقفیت رکھتا

ہو باسانی سمجھ سکتا ہے۔ آنحضرتؐ نے جو وقت وفات پائی مدینہ منورہ میں منافقوں سے بھرا ہوا تھا جو مدت

سے اس بات کے منتظر تھے کہ رسول اللہؐ کا سایہ اٹھ جائے تو اسلام کو پامال کر دیں۔ اس نازک وقت

میں آیا یہ ضروری تھا کہ لوگ جزع و فزع اور گریہ و زاری میں مصروف رہیں یا یہ کہ فوراً خلافت کا نظام

سنبھال دیا جائے۔ (رسولؐ کو کاظم مدینہ بھی اعلان اسلام کو حرج نہیں اور کسی سے نہیں) اور مسلمان منافقوں سے دست بردار رہیں کہ رسولؐ کی کامیابی۔ چھوڑ

کر لیا جائے اور ایک منظم حالت قائم ہو جائے۔ انصار نے اپنی طرف سے خلافت کی بحث چھیڑ کر، حالت کو اور نازک کر دیا کیونکہ قریش جو انصار کو اس قدر خیر سمجھتے تھے کہ جنگ بذر میں جب انصار کے مقابلہ کو نکلے تو عقبہؓ نے حضرت کو مخاطب کر کے کہا کہ محمدؐ باہم ناجنسوں سے نہیں لڑ سکتے، کسی طرح انصار کے آگے برسلیم خم نہیں کر سکتے تھے۔ قریش پر کیا موقوف ہے، تمام سب کو انصار کی متابعت سے انکار ہوتا۔ چنانچہ حضرت ابوبکرؓ نے سقیفہ میں جو خطبہ دیا اسی صاف اس خیال کو ظاہر کیا اور کہا، ان العرب لا تعرف هذا امولا لهذا الحی من قریش اس کے علاوہ انصار میں خود دو گروہ تھے اوس اور خزرج اور انہیں باہم اتفاق نہ تھا اس حالت میں ضرورتاً کہ انصار کے دعویٰ خلافت کو دبا دیا جائے اور کوئی لائق شخص فوراً انتخاب کر لیا جائے۔ مجمع میں جو لوگ موجود تھے انہیں سب کا اثر اور بزرگ اور عمر حضرت ابوبکرؓ تھے اور فوراً ان کا انتخاب ہو بھی جاتا۔ لیکن لوگ انصار کی بحث و نزاع میں پھنس گئے تھے اور بحث طویل پکڑ کر قریب تھا کہ تلوار میان سے نکل آئیں، حضرت عمرؓ نے یہ رنگ دیکھ کر دفعۃً حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ میں ہاتھ دیدیا کہ سب پہلے میں بیعت کرتا ہوں ساتھ ہی حضرت عثمانؓ ابو عبیدہ جراح عبدالرحمن بن عوف نے بھی ہاتھ بڑھائے اور پھر عام خلقت ٹوٹ پڑی۔ اس کارروائی سے ایک ٹھٹھا ہوا طوفان رک گیا، اور لوگ مطمئن ہو کر کاروبار میں مشغول ہو گئے۔ صرف بنو ہاشم اپنے اذکار کے بے اور حضرت فاطمہ کے گھر میں وقتاً فوقتاً جمع ہو کر مشورے کرتے رہتے تھے، حضرت عمرؓ کے دربار سے بیعت یثی چاہی لیکن بنو ہاشم حضرت علیؓ کے سوا اور کسی کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔ ابن ابی تیہبہ نے مصنف میں اور علامہ طبری نے تاریخ کبیر میں روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضرت فاطمہ کے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر کہا کہ یا نبوت رسول اللہ خدا کی قسم آپ ہکو سب سے زیادہ محبوب ہیں تاہم اگر آپ کے ہاں لوگ اس طرح جمع کرتے رہے تو میں ان لوگوں کی وجہ سے گھر میں آگ لگا دوں گا۔

سیدنا ابی ہریرہؓ نے الاحکام سلطانہ میں لکھا ہے کہ اول مرتبہ صحابہ کی بیعت کی تھی۔

اگرچہ سنہ کے اعتبار سے اس روایت پر ہم اپنا اعتبار ظاہر نہیں کر سکتے کیونکہ اس روایت کی زواۃ کا حال ہم کو نہیں معلوم ہو سکتا تاہم روایت کے اعتبار سے اس واقعہ کے انکار کی کوئی وجہ نہیں۔ حضرت عمر کی تیزی اور تیز رفتاری سے یہ حرکت کچھ بعید نہیں، حقیقت یہ ہے کہ اس نازک وقت میں حضرت عمر نے نہایت تیزی اور سرگرمی کے ساتھ جو کارروائیاں کیں انہیں گو بعض بے اعتدالیاں پائی جاتی ہوں، لیکن یاد رکھنا چاہیے کہ ان ہی بے اعتدالیوں نے اُٹھتے ہوئے فتنوں کو دبا دیا۔ بنو ہاشم کی ~~مذہب~~ اسی وقت جماعتِ اسلامی کا شیرازہ بکھرتا اور وہابی جنگلیاں برپا ہو جاتیں جو آگے چلکر بناب امیر علیہ السلام اور امیر معاویہ میں واقع ہوئیں۔

حضرت ابوبکر کی خلافت کی مدت سوا دو برس ہے کیونکہ انھوں نے جمادی الثانی ۳ھ میں انتقال کیا اس عہد میں اگرچہ جس قدر بڑے بڑے کام انجام پائے حضرت عمر ہی کی شرکت سے انجام پائے تاہم ان واقعات کو ہم ”الفاروق“ میں نہیں کھ سکتے کیونکہ وہ پھر بھی عہدِ صدیقی کے واقعات ہیں اور اس شخص کا حصہ ہیں جسکو حضرت ابوبکر کی سلج عمری لکھنے کا شرف حاصل ہو۔

حضرت ابوبکر کو اگرچہ مدتوں کے تجربے سے یقین ہو گیا تھا کہ خلافت کا بارگراں حضرت عمر کے سوا اور کسی سے اُٹھ نہیں سکتا تاہم وفات کے قریب انھوں نے عام رائے کے اندازہ کرنے کے لئے اکابر صحابہ سے مشورہ کیا۔ سب سے پہلے عبدالرحمن بن عوف کو بلا کر پوچھا انھوں نے کہا کہ عمر کی قابلیت میں کیا کلام ہے لیکن مزاج میں سختی ہے، حضرت ابوبکر نے فرمایا ان کی سختی اس لئے تھی کہ میں نرم تھا، جب کام ان ہی پر آپڑے گا تو وہ خود بخود نرم ہو جائیگے۔ پھر حضرت عثمان کو بلا کر پوچھا انھوں نے کہا کہ میں اس قدر کہہ سکتا ہوں کہ عمر کا باطن ظاہر سے اچھا ہے، اور ہم لوگوں میں ان کا جواب نہیں۔ اب اس بات کے چرچے ہوئے کہ حضرت ابوبکر، حضرت عمر کو خلیفہ کرنا چاہتے ہیں تو بعضوں کو تردد۔ چنانچہ طلحہ نے حضرت ابوبکر سے جا کر کہا کہ آپ کے موجود ہوتے، عمر کا ہم لوگوں کے ساتھ کیا بڑا کام

تھا؛ ابھی خلیفہ ہوں گے تو خدا جانے کیا کریں گے، آپ اب خدا کے ہاں جاتے ہیں یہ سوچ لیجئے کہ خدا کو کیا جواب دیجئے گا حضرت ابوبکر نے کہا میں خدا سے کہوں گا کہ میں نے تیرے بندوں پر اس شخص کو افسر مقرر کیا جو تیرے بندوں میں سب سے زیادہ اچھا تھا یہ کہہ کر حضرت عثمان کو بلایا اور عہد نامہ خلافت لکھوانا شروع کیا، ابتدائی الفاظ لکھوا چکے تھے کہ غش آگیا۔ حضرت عثمان نے یہ دیکھ کر یہ الفاظ اپنی طرف سے لکھ دیئے کہ میں عمر کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں، قصوری دیر کے بعد ہوش آیا تو حضرت عثمان سے کہا کہ کیا لکھا تھا مجھ کو پڑھ کر سناؤ۔ حضرت عثمان نے پڑھا تو بے ساختہ اللہ اکبر پکار اٹھے اور کہا کہ خدا تم کو جزائے خیر دے، عہد نامہ لکھا جا چکا تو حضرت ابوبکر نے اپنے غلام کو دیا کہ باکر جمع سام میں سنائے پھر خود بالا خانہ پر جا کر لوگوں سے جو نیچے جمع تھے مخاطب ہوئے اور کہا کہ میں نے ایسے شخص کو بھائی، بندہ کر خلیفہ نہیں مقرر کیا بلکہ عمر کو مقرر کیا، کیا تم لوگ اس پر راضی ہو، سب نے سمعہ و اطعہ کہا، پھر حضرت عمر کو بلا کر نہایت مؤثر اور مفید نصیحتیں کیں جو حضرت عمر کے لئے عمدہ دستور العمل کے بجائے ہمارے آئین ہیں۔

خلافت اور فتوحات

حضرت ابوبکر کے عہد میں مُردینِ عرب اور مدعیانِ نبوت کا خاتمہ ہو کر فتوحاتِ ملکی کا آغاز ہو چکا تھا۔ خلافت کے دوسرے ہی برس یعنی ۳ھ ہجری میں عراق پر لشکر کشی ہوئی اور حیرہ کے تمام اضلاع فتح ہو گئے۔ ۳ھ ہجری میں شام پر حملہ ہوا اور اسلامی فوجیں تمام اضلاع میں پھیل گئیں۔ ان فتمات کا الہی آغاز ہی تھا کہ حضرت ابوبکر کا انتقال ہو گیا۔ حضرت عمر نے عثمان خلافت پر فائز ہوئے تو سب ضروری کام انہی مہمات کا انجام دینا تھا، لیکن قبل اس کے کہ ہم ان واقعات کی تفصیل لکھیں یہ بتانا ضرور ہے کہ اسلام سے پہلے عرب کو فارس و روم سے کیا تعلقات تھے۔

عرب کا نہایت قدیم خاندان جو عربِ بائیدہ کے نام سے مشہور ہے، اگرچہ یہ حالات ابھی

نامعلوم ہیں، تاہم اس قدر مشہور ہے کہ عا و اور عمالقہ نے عراق پر قبضہ کر لیا تھا۔ عرب و عجم کے فرمانروائے انکی حکومت ایک زمانے میں بہت زور پکڑ گئی تھی۔ یہاں تک کہ چند بار عراق پر قابض ہو گئے۔ اور سلطنت فارس کے ساتھ ان کو ہمسر کی کا دعویٰ رہا۔

رفتہ رفتہ عرب خود حکومت فارس کے علاقہ میں آباد ہونے شروع ہوئے۔ بخت نصر نے جو اہل کابادشاہ تھا۔ بیت المقدس کی بربادی نے اُس کے نام کو شہرت دیدی ہے جب عرب پر حملہ کیا تو بہت قیدیے اُس کے مطیع ہو گئے اور اس تعلق سے عراق میں جا کر آباد ہو گئے۔ رفتہ رفتہ معد بن عدنان کی بہت سی نسلیں ان مقامات میں آباد ہوتی گئیں۔ یہاں تک کہ ریاست کی بنیاد پڑ گئی۔ اور چونکہ اُس زمانے میں سلطنت فارس میں طوائف الملوک قائم ہو گئی تھی، عربوں نے مستقل حکومت قائم کر لی جس کا پہلا فرمان روا مالک بن فہم عاتقی تھا۔ اس خاندان میں جدیمہ الابریش کی سلطنت نہایت وسیع ہوئی اس کا بھانجا عمر بن عدی، جو اُس کے بعد تخت نشین ہوا اُس نے حیرہ کو دار السلطنت قرار دیا اور عراق کا شاہ کہلایا اس دور میں اس قدر تمدن پیدا ہوا تھا کہ ہشام کہی کا بیان ہے کہ میں نے عرب کے زیادہ تر حالات اور فارس و عرب کے تعلقات زیادہ تر انہی کتابوں سے معلوم کیے جو حیرت میں اُس زمانے میں تصنیف ہوئی تھیں، اسی زمانے میں اردشیر بن بابک نے طوائف الملوک کی مٹا کر ایک وسیع سلطنت قائم کی اور عمر بن عدی کو باج گزار بنالیا۔ عمر بن عدی کا خاندان اگرچہ مدت تک عراق میں فرمانروا رہا لیکن درحقیقت وہ سلطنت فارس کا ایک صوبہ تھا۔

شاہ پور بن اردشیر جو سلسلہ ساسانیہ کا دوسرا فرمانروا تھا اس کے عہد میں حجاز و یمن دونوں باج گزار ہو گئے اور امراء اہلسینا کنڈی ان صوبوں کا گورنر مقرر ہوا۔ تاہم مطیع ہو کر رہنا عرب کی فطرت کے خلاف تھا اس لیے جب کبھی موقع ملتا تھا تو بغاوت برپا ہو جاتی تھی۔ چنانچہ سابور ذی الکثاف جب ساسانیہ کی یہ تقریر سن کر اہل یمن میں کی۔

صغریٰ میں فارس کے تخت پر بیٹھا تو تمام عرب میں بغاوت پھیل گئی یہاں تک کہ قبیلہ عبد القیس نے خود فارس پر حملہ کر دیا اور ایاد نے عراق کے صوبے دبائیے۔ شاپور بڑا ہو کر بڑے غزم و استقلال کا بادشاہ ہوا اور عرب کی بغاوت کا انتظام لینا چاہا۔ ہجری میں پنچک نہایت خونریزی کی اور قبیلہ عبد القیس کو برباد کرنا ہوا نہ نہ منورہ تک پہنچ گیا۔ روسائے عرب جو گرفتار ہو کر اُس کے سامنے آتے تھے اُن کے نشانے اکھڑا ڈالتا تھا چنانچہ اسی وجہ سے عرب میں وہ ذوالاکتاف کے لقب سے مشہور ہے۔

سلاطین حیرہ میں سے نعمان بن منذر نے جو کسریٰ پرویز کے زمانے میں تھا، عیسوی مذہب قبول کر لیا۔ اور اس تبدیل مذہب پر یا اور کسی سبب پر وزیر نے اُسکو قید کر دیا اور قید ہی میں اُس نے وفات پائی۔ نعمان نے اپنے ہتھیار وغیرہ ہانی کے پاس امانت رکھوا دیئے تھے جو قید بکر کا سردار تھا پرویز نے اُس سے وہ چیزیں طلب کیں اور جب اُس نے انکار کیا تو ہر قرآن کو دو ہزار فوج کے ساتھ بھجوا کہ بزور پھین لائے۔ بکر کے تمام قبیلے رومی قار ایک مقام میں بڑے سرو سامان سے جمع ہوئے اور سخت سحر ہوا۔ فارسیوں نے شکست کھائی، اس لڑائی میں جناب رسول اللہ بھی تشریف رکھتے تھے اور آپ فرمایا کہ:-

هذا اول يوم انصرفت العرب من الحضر سى "یہ پہلا دن کہ عرب سے عم سے ملے گا"

عرب کے تمام شعرا نے اس واقعہ پر بڑے فخر اور خوشی کے ساتھ قصیدے اور اشعار لکھے۔ ۳۵ھ میں جب رسول اللہ صلعم نے تمام بادشاہوں کو دعوتِ اسلام کے خطوط لکھے تو باوجود اسکے کہ ان خطوط میں جنگ و جدل کا اشارہ تک نہ تھا پرویز نے خط پڑھ کر کہا کہ "میرا غلام ہو کر مجھ کو یوں لکھتا ہے" اس پر بھی قناعت نہ کی بلکہ بازان کو جو بمن کا عامل تھا لکھا کہ کسی کو بھیجو کہ مجھ کو گرفتار کر کے دربار میں لائے" اتفاق سے اسی زمانے میں پرویز کو اُس کے بیٹے نے ہلاک کر دیا اور معاملہ یہیں تک رہ گیا۔

رومی سلطنت سے عرب کا جو تعلق تھا یہ تھا کہ عرب کے چند قبیلے سلج و عسان و جدام وغیرہ شام

کے سرحدی اضلاع میں جا کر آباد ہو گئے تھے۔ ان لوگوں نے رفتہ رفتہ شام کے اندرونی اضلاع پر بھی قبضہ کر لیا تھا اور زیادہ قوت و جمعیت حاصل کر کے شام کے بادشاہ کبلانے لگے تھے۔ لیکن یلقب خود ان کا حاکم تھا۔ یلقب کا بیٹا کہ موخ ابن الاتیر نے تصریح کی ہے حقیقت وہ رومی سلطنت کے صوبہ تھے۔ ان لوگوں نے ہمدان سے بہت پہلے عباسی مذہب قبول کر لیا تھا اور اس وجہ سے ان کو رومیوں کے ساتھ ایک قسم کی یکسانیت ہو گئی تھی۔ اسلام کا زمانہ آیا تو مسٹر کین صوبہ کی طرح وہ بھی اسلام کے پسماندہ تھے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبر روم کو دعوت اسلام کا خط لکھا اور وجہ کلی رجوع خط لے کر گئے، واپس آنے ہوئے ارض ہمدان میں پہنچے تو ان ہی شامی عربوں نے وجہ پر حملہ کیا اور ان کا تمام مال اسباب لوٹ لیا۔ اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حارث بن عمر کو خط دیکر بُصری کے حاکم کے پاس بھیجا تو عمر بن شریح نے ان کو قتل کر دیا۔ چنانچہ اُس کے انتقام کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں لشکر کشی کی اور غزوہ موتہ کا واقعہ پیش آیا اس لڑائی میں زید بن حارثہ، حضرت جعفر طیار، عبداللہ بن رواحہ، جو بڑے رتبہ کے صحابہ تھے شہید ہوئے اور گو خالد کی حکمت عملی سے فوج صحیح و سلامت نکل آئی تاہم نتیجہ جنگ حقیقت شکست تھا۔

۹۳ھ میں رومیوں نے خاص مدینہ پر حملے کی تیاریاں کیں۔ لیکن جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش قدمی کر کے مقام تبوک تک پہنچے تو ان کو آگے بڑھنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگرچہ اُس وقت عارضی طور سے لڑائی نہ ہو گئی۔ لیکن رومی اور غسانی مسلمانوں کی فکر سے بھی غافل نہیں ہے۔ یہاں تک مسلمانوں کو ہمیشہ کشاکش رہتا تھا کہ مدینہ پر چڑھ نہ آئیں۔ صحیح بخاری میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آپ نے ازواج مطہرات کو طلاق دیدی تو ایک شخص نے حضرت عمر سے جا کر کہا کچھ تم نے سنا!۔ حضرت عمر نے فرمایا کیوں؟ کہیں غسانی تو نہیں چڑھ آئے؟ اسی خطبہ مقدم کے لئے سہجری میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زید کو سردار بنا کر شام کی مہم پر بھیجا اور چونکہ ایک عظیم الشان سلطنت کا مقابلہ

تھا حضرت ابوبکر و عمر اور بڑے بڑے نامور صحابہ مامور ہوئے کہ فوج کے ساتھ جائیں۔ اُسامہ بھی روانہ نہیں ہوئے تھے کہ رسول اللہ نے بیمار پڑ کر انتقال فرمایا۔ غرض جب حضرت ابوبکر مسند خلافت پر متمکن ہوئے تو عرب کی یہ حالت تھی کہ وہ دونوں مسایید اُنہوں کا مدد بن چکا تھا۔ حضرت ابوبکر نے تمام پیرائے کشی کی تو فوج سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تم میں جو شخص مارجائے گا شہید ہوگا اور جو بیعت باہکام ملامت علیہ السلام ہوگا مینی دین کو اُس نے دشمنوں کے حملے سے بچا ہوا ہوگا۔

ان واقعات سے ظاہر ہوگا کہ حضرت ابوبکر نے جو کام شروع کیا اور حضرت عمر نے جسکی تکمیل کی اُس کے کیا اسباب تھے؟ اس تہبیدی بیان کے بعد ہم اصل مطلب شروع کرتے ہیں۔

فتوحات عراق

فارس کی حکومت کا پوتہ تھا دور جو ساسانی کہلاتا ہے نو شہروان عادل کی وجہ سے بہت نام آور ہے۔ انحضرت کے زمانے میں اسی کا پوتا پرویز تخت نشین تھا۔ اس مغرور بادشاہ کے زمانے تک سلطنت نہایت قوی اور زور آور رہی۔ لیکن ایک مرنے کے ساتھ دفعۃً ایسی آفتری پیدا ہو گئی کہ ایران حکومت مدت تک متزلزل رہا۔ شیر و یہ اُس کے بیٹے نے محل آٹھ مہینے حکومت کی اور اپنے تمام بیویوں کو جو کم و بیش ہاتھے قتل کرادیا۔ اُس کے بعد اُسکا بیٹا ارو شیر بر سر کی عمر میں تخت پر بیٹھا لیکن ٹوڑی برس کے بعد دربار کے ایک افسر نے اُسکو قتل کر دیا اور آپ باہ شاہ بن بیٹھا۔ یہ سنہ

۱۱۰ ہجری قمریوں سے عراق کے درجے کیے ہیں یہی وجہ عرب سے جن یونکو عراق و عرب اور جو حد عم سے لے کر اُسکو عراق تک پہنچے ہیں عراق کی حد و درجہ یہ ہیں۔ شمال میں جزیرہ، جنوب میں کردستان، مشرق میں حورستان اور مشرق میں دیار کرہ ہے حکام شہر شہر میل ہے۔ دارالہکامت و حکامانہ ہے اور جو شہر شہر اس تمام میں آباد ہیں وہ مصر، کومہ، وادی، وادی وادی ہیں ۱۱۰۰ ہجری قمری کا عام طریقہ یہ ہے کہ وہ سین کو غزائیں داریتے ہیں لیکن اس میں قیاس ہے کہ وہ انصاف کا سلسلہ ٹوٹ کر ہوتا ہے مثلاً وہ ایران کی موحات لکھنے آئے ہیں کہ سہ خمر ہوا جانتا ہے اور اُنکو اُس سہ کے تمام واقعات لکھنے اس میں تبیل اس کے کہ ایران کی فتوحات تمام ہوں یا موروں موحات کا سلسلہ ٹوٹے۔ تمام مصر کے واقعات کو جہاں سہ میں پیش آئے ہے حشر و مایہ ماہ ہے اسے یہاں ایران کی تمام فتوحات کو ایک عام تمام کو ایک عام۔ اور مصر کو ایک عام تھا ہے ۱۲

ہجری کا بارھواں سال تھا۔ چند روز کے بعد درباریوں نے اسکو قتل کر کے جواں شیر کو تخت نشین کیا وہ ایک برس کے بعد قضا کر گیا۔ اب چونکہ خاندان میں بزرگروں کے سوا جو نہایت صغیر السن تھا اولاد کو باقی نہیں رہی تھی۔ پوران دخت کو اس شرط پر تخت نشین کیا گیا کہ بیرو گرو۔ سن شعور کو پیش جائیگا تو وہی تاج و تخت کا مالک ہوگا۔

پہ وزیر کے بعد جو انقلاب حکومت ہوتے سہ اسکی وجہ سے ملک میں جا بجا بے امنی پھیل گئی چنانچہ پوران کے رٹنے میں مینہو ہو گیا کہ فارس میں کوئی وارث تاج و تخت نہیں رہا۔ برائے نام ایک عورت کو ایوان شاہی میں بٹھا رکھا ہے اس برکی تہمت کے ساتھ عراق میں قبیلہ دہل کے دوسروں نے شہنشاہی اور سویشلی نے قسوری قسوری سی جمعیت ہم پہنچا کہ عراق کی سرحد حیرہ و ابلہ کی طرف غارتگری شروع کی۔ ابوبکر کی عافت کا زمانہ تھا اور خالد سیف الدیامہ اور دیگر قبائل عرب کی بات سے فائدہ پہنچے تھے۔ مثنیٰ نے حضرت ابوبکر کی خدمت میں حاضر ہو کر عراق پر حملہ کرنے کی اجازت مانگی مثنیٰ خود اگرچہ اسلام لاپکے تھے لیکن اسوقت تک ان کا تمام قبیلہ عیسائی بائت پرست تھا حضرت ابوبکر کی خدمت سے واپس آکر انھوں نے اپنے قبیلہ کو اسلام کی ترغیب دی اور قبیلہ کا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔

ان نو مسلموں کا ایک بڑا گروہ لیکر اس کا رخ کیا اور حضرت ابوبکر نے خالد کو مدد کے لئے بھیجا۔ خالد نے عراق کے تمام سرحدی مقامات فتح کر لیے اور حیرہ پر علم فتح نصب کیا۔ یہ مقام کو قہ سے تین میل ہے اور چونکہ یہاں تھان بن منذر نے تفریق ایک مشہور محل بنایا تھا وہ ایک یادگار مقام خیال کیا جاتا تھا۔

سیرویہ کے بعد سلسلہ حکومت کی ترتیب درمیں کی سن میں۔ مزین ہندو مختلف ہیں کہ دو ٹوٹے بھی باہم متفق نہیں۔ فردوسی کا بیان ہے

آنگاہ ای پیش سے لفظ قدیم احمد او فاسک النسل یہ یہ کہ احمد بن محمد کے بیان کو ترجیح دی ہے ۱۲۵۰ اخبار الطوال ابو نعیم دہلوی ۱۲

۱۲۵۰ فتح اسلامان بلادی سنہ ۲۳۱ھ

عراق کی یہ فتوحات خالد کے بڑے بڑے کارناموں میں شامل ہیں لیکن اُن کے بیان کرنے کا یہ محل نہیں
خالد نے مہمات عراق کا خاتمہ کر دیا ہوتا۔ لیکن چونکہ اُدھر شہام کی مہم درپیش تھی اور جس روز شور
سے وہاں عیسائیوں نے لڑنے کی تیاریاں کی تھیں اُس کے مقابلے کا وہاں پورا سامان نہ تھا حضرت
ابوبکر نے ریح الثانی سیدہ ہجری میں خالد کو حکم بھیجا کہ فوراً شہام کو روانہ ہوں اور شہام کو اپنا جانشین
کرتے جائیں۔ خالد اُدھر روانہ ہوئے اور عراق کی فتوحات و فتوحات تک گئیں۔

حضرت عمرؓ - مسند خلافت پر بیٹھے تو سب پہلے عراق کی مہم پر توجہ کی۔ بیعت خلافت کے
پہلے تمام اطراف و دیار سے ہتھیار آدمی آئے تھے اور تین دن تک انکا تاتا بندھا رہا تھا حضرت عمرؓ
نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور مجمع عام میں چہا و کا وعظ کیا لیکن چونکہ لوگوں کا عام خیال تھا کہ سراق
حکومت فارس کا پایہ تخت ہے اور وہ خالد کے بغیر فتح نہیں ہو سکتا اس لیے سب خاموش ہے حضرت
عمرؓ نے کئی دن تک وعظ کیا لیکن کچھ اثر نہ ہوا۔ آخر چوتھے دن اس جوش سے تقریر کی کہ حاضرین کے
دل ہل گئے۔ مثنی شیبانی نے اٹھ کر کہا کہ ”سلمان! میں نے جو سیویں کو آزمایا ہے وہ مرو میں
نہیں ہیں۔“ عراق کے بڑے بڑے اضلاع کو ہم نے فتح کر لیا ہے اور عجم ہلا لیا مان گئے ہیں“ حاضرین میں
ابو عبیدہ ثقفی بھی تھے جو قبیلہ ثقیف کے مشہور سردار تھے۔ وہ جوش میں آکر اٹھ کھڑے ہوئے اور کہا کہ انا
لھذا یعنی اس کام کے لیے میں ہوں“ ابو عبیدہ کی ہمت نے تمام حاضرین کو گرا دیا۔ اور ہر طرف سے
غفلہ اٹھا کہ ہم بھی حاضر ہیں۔ حضرت عمرؓ نے مدینہ منورہ اور مصافات سے ہزار آدمی انتخاب کیئے۔ اور
ابو عبیدہ کو سپہ سالار مقرر کیا۔

ابو عبیدہ کو آنحضرت کی صحبت کا شرف حاصل نہ تھا یعنی صحابی نہ تھے۔ اسوجہ سے اُن کی افسری پر کسی کو خیال ہوا۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے آزادانہ کہا کہ عمر! صحابہ میں سے کسی کو یہ منصب دینا

نہی میں بینکروں صحابہ ہیں اور ان کا انسر بھی قبا ہی ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کی طرف دیکھا اور کہا کہ تم کو بوشرف تھا وہ ہمت اور استقلال کی وجہ سے تھا۔ لیکن اس شرف کو تم نے خود کھو دیا۔ یہ برگزین نہیں ہو تا کہ جو لوگ لڑنے سے ہی بچیں وہ افسر مقرر کیے جائیں، تاہم چونکہ حسابہ کی دلجوئی ضرور تھی ابو عبیدہ کو ہدایت کی کہ اس کا ادب ملحوظ رکھنا اور ہر کام میں ان سے مشورہ لینا۔

حضرت ابو بکر کے عہد میں عراق پر جو حملہ ہوا اُسے ایرانیوں کو چونکا دیا تھا چنانچہ پورا ن دخت نے رستم کو جو قریح زاد گورنر خراسان کا بیٹا اور نہایت شجاع اور صاحب تدبیر تھا و بار میں طلب کیا اور وزیر حرب مقرر کر کے کہا کہ تو سیاہ و سپید کا مالک ہے۔ یہ کہہ کر اُس کے سر پر تلج رکھا اور درباریوں کو جن میں تمام اُمراء اور اعیان سلطنت شامل تھے تاکید کی کہ رستم کی اطاعت سے کبھی انحراف نہ کریں چونکہ اہل فاس اپنی نا اتفاقیوں کا نتیجہ دیکھ چکے تھے۔ انھوں نے ول سے ان احکام کی اطاعت کی اس کا یہ اثر ہوا کہ چند روز میں تمام بد انتظامیاں مٹ گئیں اور سلطنت نے پھر وہی زور و قوت پیدا کر لی جو ہر فرد پرویز کے زمانے میں اس کو حاصل تھی

رستم نے پہلی تدبیر یہ کی کہ اضلاع عراق میں ہر طرف ہر کارے اور نقیب و وڑادیے جنھوں نے مذہبی حیثیت کا جوش و لا کر تمام ملک میں مسلمانوں کے برخلاف بغاوت پھیلا دی۔ چنانچہ ابو عبیدہ کے پہنچنے سے پہلے پہلے فرات کے تمام اضلاع میں ہنگامہ برپا ہو گیا۔ اور جو مقامات مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے ان کے ہاتھ سے نکل گئے، پورا ن دخت نے رستم کی امانت کے لئے ایک اور فوج اگراں طیار کی اور رومی و جاپان کو سپہ سالار مقرر کیا۔ جاپان عراق کا ایک مشہور رئیس تھا اور عرب۔ اہم اس کو خاص مملکت تھی۔ رومی کسری کا خالہ زاد بھائی تھا اور عراق کے بعض اضلاع، قدیم سے اہم جاگیر تھے۔ یہ دونوں افسر مختلف راستوں سے عراق کی طرف بڑھے اور ہر ابو عبیدہ۔ دشمنی جرقہ لگا کر پہنچ چکے تھے کہ دشمن کی تیاریوں کا حال معلوم ہوا، مصلحت دیکھ کر خان کو ہٹ آئے۔ وہاں

نمارق پہنچ کر خیمہ زن ہوا۔

ابو عبید نے اس اثنا میں فوج کو سر و سامان سے آراستہ کر لیا۔ اور پیش قدمی کر کے خود حملے کے لیے بڑھے، نمارق پر دونوں فوجیں صف آرا ہوئیں۔ جاپان کے مینہ و میسرہ پر جوشن شاہ اور مردان شاہ دو مشہور افسر تھے جو بڑی ثابت قدمی سے لڑے۔ لیکن بالآخر شکست کھائی اور چین معرکہ میں گرفتار ہو گئے۔ مردان شاہ۔ بد قسمتی سے اسی وقت قتل کر دیا گیا۔ لیکن جاپان اس حملے سے بچ گیا کہ جس شخص نے اُسکو گرفتار کیا تھا وہ اُسکو پہچانتا تھا جاپان نے اُس سے کہا کہ اس بڑھاپے میں تیں تمہارے کس کام کا ہوں مجھکو چھوڑ دو۔ اور محاذ سے میں مجھ سے دوجان غلام لو۔ اُس نے منظور کر لیا۔ بعد کو لوگوں نے جاپان کو پہچانا تو غل مجایا کہ ہم ایسے دشمن کو چھوڑنا نہیں چاہتے لیکن ابو عبید نے کہا کہ اسلام میں بد عہدی جائز نہیں۔

ابو عبید نے اس معرکہ کے بعد کسکر کا رخ کیا جہاں نرسی فوج اپنے پڑا تھا۔ ستھاطیہ میں دونوں فوجیں مقابل ہوئیں۔ نرسی کے ساتھ بہت بڑا لشکر تھا اور خود کسرے کے دو ماموں زاو بھائی پندروید اور پتیروید۔ مینہ اور میسرہ پر تھے۔ تاہم نرسی اس وجہ سے لڑائی میں زیر کر رہا تھا کہ پایہ تخت سے امدادی فوجیں روانہ ہو چکی تھیں۔ ابو عبید کو بھی یہ خبر پہنچ چکی تھی۔ انھوں نے بڑھ کر جنگ شروع کر دی۔ بہت بڑے معرکے کے بعد نرسی کو شکست فاش ہوئی۔ ابو عبید نے خود ستھاطیہ میں مقام کیا اور تھوڑی سی تھوڑی سی فوجیں ہر طرف بھیج دیں کہ ایرانیوں نے جہاں جہاں پناہ لی ہو ان کو وہاں سے نکال دیں۔

فرخ اور فراوند اور جبار و سما اور زوبانی کے رئیس تھے مطیع ہو گئے چنانچہ انہار خلوص کے لیے ایک دن ابو عبید کو نہایت عمدہ عمدہ کھانے پکوا کر بھیجے۔ ابو عبید نے دریافت کیا کہ یہ سامان کون کا فوج کے لیے ہے یا صرف میرے لیے؟ فرخ نے کہا اس جلدی میں ساری فوج کا

نہیں ہو سکتا تھا ابو عبیدہ نے دعوت کے قبول کرنے سے انکار کیا اور کہا کہ مسلمانوں میں ایک کو دوسرے پر کچڑہا کرنا صحیح نہیں۔

اس شامت کی خبر سن کر رستم نے مروان شاہ کو جو عرب سے دلی عداوت رکھتا تھا اور جس کو شیعہوں نے تقدس کے لحاظ سے بہن کا خطاب دیا تھا چار ہزار فوج کے ساتھ اس سامان سے روانہ کیا کہ بیش کا وہابی جو کئی ہزار برس سے کیانی خاندان کی یادگار چلا آتا تھا اور فتح و ظفر کا وہابی بھی ساتھ لے گیا اس کے سر پر سایہ کرتا جاتا تھا۔ مشرقی فرات کے کنارے ایک مقام پر جہاں نام نہاد تھا۔ انہوں نے ایک صف آرا ہوئے چونکہ بیچ میں دریا مائل تھا بہن نے کہا بھئیجاکہ یا تم اس پار آنکر آؤ یا ہم آئیں ابو عبیدہ کے تمام سرداروں نے یک زبان ہو کر کہا کہ ہم کو اسی طرف رہنا جائیے۔ لیکن ابو عبیدہ جو شجاعت کے نشے میں سرشار تھے سمجھے کہ یہ نامردی کی دلیل ہے سرداروں سے کہا یہ ہمیں ہو سکتا کہ جانبازی کے میدان میں مجوسی ہم سے آگے بڑھ جائیں، مروان شاہ جو پیغام بیکر آیا تھا اس نے کہا ہماری فوج میں عام خیال ہے کہ ”عرب مرد میدان نہیں ہیں“ اس نکتے نے اور بلی شہنشاہ دلیا اور ابو عبیدہ نے اس وقت فوج کو کمر بندی کا حکم دیدیا شہنشاہ اور سلیط وغیرہ بڑے بڑے افسران فوج اس لئے کے بالکل مخالف تھے اور عظمت و شان میں انکار تباہ ابو عبیدہ سے بڑھ کر تھا۔ اب ابو عبیدہ نے اصرار کیا تو ان لوگوں نے کہا کہ اگرچہ ہم تم کو قطعی یقین ہے کہ اس رائے پر عمل کرنے سے تمام فوج نارت ہوگی تاہم اس وقت تم افسر ہو اور افسر کی مخالفت ہمارا شیوہ نہیں، نرض کشتیوں کا پل بندھا گیا اور تمام فوج پارا تڑ کر غنیمت سے سرگراہی ہوئی پارکا میدان تنگ اور ناگوار تھا اس لئے مسلمانوں کو موقع نہیں ہو سکتا تھا کہ فوج کو ترتیب سے آراستہ کر سکتے۔

ایرانی فوج کا نظارہ نہایت مہیب تھا، بہت سے کوہ پیکر ہاتھی تھے جن پر گھنٹے لٹکتے تھے بڑے زور سے بجتے جاتے تھے۔ گھوڑوں پر آہنی پاکھڑیں تھیں۔ سوار۔ سمور کی لمبی ٹوپیاں

اڑھے ہوئے صحرائی جانور معلوم ہوتے تھے۔ عرب کے گھوڑوں نے یہ سب نظارہ بھی نہیں دیکھا تھا بلکہ کرتیچھے ہٹے۔ ابو عبیدہ نے دیکھا کہ ہاتھیوں کے سامنے کچھ زور نہیں چلتا، گھوڑے سے کوڑ پڑے۔ اور ہاتھیوں کو لکڑا کہ جاننا زور ہاتھیوں کو بیچ میں لے لو اور یہودوں کو سواروں سمیت الٹ دو اس آواز کے ساتھ سب گھوڑوں سے کوڑ پڑے اور یہودوں کی رسیاں کاٹ کاٹ کر قیل نشینوں کو خاک پر گرادیا۔ لیکن ہاتھی جس طرف جھکتے تھے صف کی صف پس جاتی تھی۔ ابو عبیدہ دیکھ کر پہل سفید پر جو سب کا سردار تھا حملہ آور ہونے اور سوڈ پر تلوار باری کہ متک سے الگ ہو گئی۔ ہاتھی نے بڑھکر ان کو زمین پر گرادیا اور سینے پر پاؤں رکھ دیئے کہ ہڈیاں تک چوچور ہو گئیں۔

ابو عبیدہ کے مرنے پر ان کے بھائی حکم نے علم ہاتھ میں لیا اور ہاتھی پر حملہ آور ہوئے اُس نے ابو عبیدہ کی طرح ان کو بھی پاؤں میں لپیٹ کر سل دیا۔ اس طرح سات آدمیوں نے جو سب کے سب ابو عبیدہ کے ہم نسب اور خاندان ثقیف سے تھے، باری باری علم ہاتھ میں لیا اور مانگے آخر یہاں نشنی نے علم لیا۔ لیکن اس وقت لڑائی کا نقشہ بگڑ چکا تھا اور فوج میں بھاگ پڑ چکی تھی۔ طرہ یہ ہو کہ ایک شخص نے دوڑ کر پہل کے تختے توڑ دیئے کہ کوئی شخص بھاگ کر جانے نہ پائے۔ لیکن لوگ اس طرح بدحواس ہو کر بھاگے تھے کہ پہل کی طرف رستہ نہ ملا تو دریا میں کوڑ پڑے۔ نشنی نے دوبارہ پہل بندھوایا اور سواروں کا ایک دستہ بھیجا کہ بھاگتوں کو اطمینان سے پار تارے خود بھی کھینچ فوج کے ساتھ دشمن کا آگاہ روک کر کھڑے ہوئے اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ ایرانی جو مسلمانوں کو بابتے آتے تھے رُک گئے اور آگے نہ بڑھ سکے۔ تاہم حساب کیا گیا تو معلوم ہوا کہ نو ہزار فوج میں سے صرف تین ہزار رہ گئی۔

اسلام کی تاریخ میں میدان جنگ سے فرار کرنا نہایت شاذ اور نادر وقوع میں آیا۔ اگر کبھی ایسا واقعہ پیش آگیا ہے تو اُس کا عجیب فسون سا اثر ہوا ہے۔ اس لڑائی میں جن لوگوں

یہ ذلت نسب ہوئی تھی وہ مدت تک حاتم بدوش پھرتے ہے اور شرم سے اپنے گھروں کو نہیں جاتا۔
تھے اکثر دیا کرتے اور لوگوں سے مٹوہ چھپاتے پھرتے۔ مدینہ منورہ میں یہ خبر پہنچی تو ماتم پڑ گیا۔ لوگ
سُلمانوں کی جہتتبی پر افسوس کرتے تھے اور روتے تھے۔ جو لوگ مدینہ پہنچ کر گھروں میں روپوش
تھے اور شرم سے باہر نہیں نکلتے تھے۔ حضرت عمرؓ ان کے پاس جا کر ان کو تسلی دیتے تھے اور کہتے
تھے کہ تم اَوْصِیَاءُ اِلٰی مَسْئِلَةٍ میں داخل ہو لیکن ان کو اس تاویل سے تسلی نہیں ہوتی تھی۔

یہ واقعہ (حسب مایاں علاری) ہفتہ کے دن رمضان ۳۱ھ میں واقع ہوا۔ اس لڑائی میں نامور
صحابیوں میں سے جو لوگ شہید ہوئے۔ وہ سلیط۔ ابوزید انصاری۔ عقبہ و عبد المذہبؓ ان قطبی
بن قیس۔ یزید بن قیس الانصاری۔ ابوامینہ القزازی وغیرہ تھے۔

واقعہ یوب رمضان ۳۱ھ

اس شکست نے حضرت عمرؓ کو سخت برہم کیا اور نہایت زور شور سے حملہ کی تیاریاں کیں تمام
عرب میں خطبا اور نقیب بھیج دیے جنھوں نے پُر جوش تقریروں سے تمام عرب میں ایک آگ لگادی
اور ہر طرف سے عرب کے قبائل اُمنڈ آئے قبیلہ از دکا سردار مخنف بن سلیم سات تنو سواروں
کو ساتھ لے کر آیا، بنو تمیم کے ہزار آدمی حصین بن معید کے ساتھ آئے۔ حاتم طائی کے بیٹے علی
ایک جمعیت کثیر لیکر پہنچے۔ اسی طرح قبیلہ رباب۔ بنو کنانہ۔ متم۔ بنو حنظلہ۔ بنو صنبہ کے بڑے بڑے
جتنے اپنے اپنے سرداروں کے ساتھ آئے۔ یہ جوش یہاں تک پھیلا کہ نمر و تغلب کے سرداروں جو
ہند ہبا عیسائی تھے حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ آج عرب عجم کا مقابلہ ہے اس قومی معرکہ
میں ہم بھی قوم کے ساتھ ہیں۔ ان دونوں سرداروں کے ساتھ ان کے قبیلے کے ہزاروں آدمی
آئے اور عجم کے مقابلہ کے جوش میں لبریز تھے۔

اتفاق سے انہی دنوں جریر نکلے دربار خلافت میں حاضر ہوا۔ یہ ایک مشہور سردار تھا اور زیاب رسول اللہ کی خدمت میں حاضر ہو کر درخواست کی تھی کہ اپنے قبیلے کا سردار مقرر کر دیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ درخواست منظور کر لی تھی لیکن تعمیل کی نوبت نہیں آئی تھی۔ حضرت عمرؓ کے پاس حاصہ ہوا تو انہوں نے عرب کے تمام عمال کے نام احکام بھیج دیئے کہ جہاں جہاں اس کے قبیلے کے آدمی ہوں یا غنیمتیں پر اُس کے پاس پہنچ جائیں۔ جریر یہ جمعیت اعظم لے کر دوبارہ مدینہ میں حاضر ہوئے۔

اُدھر ششی نے عراق کے تمام سرحدی مقامات میں نقبا بھیج کر ایک بڑی فوج جمع کر لی تھی ایرانی جاسوسوں نے یہ خبر سنا ہی دربار میں پہنچائیں۔ پوران وخت نے حکم دیا کہ فوج حاصہ سے بارہ ہزار انتخاب کیئے جائیں اور مہران بن مہرویہ ہمدانی اس مقرر کیا جائے۔ مہران کے انتخاب کی یہ وجہ تھی کہ اُس نے خود عرب میں تربیت پائی تھی اور اس وجہ سے وہ عرب کے زور و قوت کا اندازہ کر سکتا تھا۔ کوفہ کے قریب بویب نام ایک مقام تھا، اسلامی فوجوں نے یہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے مہران پائے تخت سے روانہ ہو کر سیدھا بویب پہنچا اور دریائے فرات کو بیچ میں ڈال کر نیمہ زن ہوا، صبح ہوئے فرات اُتر کر بڑے سرد سامان سے لشکر آرائی شروع کی۔ ششی نے بھی نہایت ترتیب سے صف درست کی۔ فوج کے مختلف حصے کر کے بڑے بڑے ناموروں کی ماتحتی میں بیٹے چنانچہ مینہ پرند غور میسرہ پر سیر پیدل پر مسعود، وائیس پر عاصم گشت کی فوج پر حصہ کو مقرر کیا۔ لشکر آراستہ ہو چکا تو ششی نے اس سرے سے اُس سرے تک ایک بار چکر لگایا اور ایک ایک علم کے پاس سرے ہو کر کہا بہا ورو! دیجھنا! تمھاری وجہ سے تمام عرب پر بدنامی کا داغ نہ آئے۔

اسلامی فوج کی لڑائی کا یہ قاعدہ تھا کہ سردار تین دفعہ الہ اکبر کہتا تھا۔ پہلی بگیر پر فوج ہتھیار سے آراستہ ہو جاتی تھی۔ دوسری بگیر پر لوگ ہتھیار تول لیتے تھے اور تیسرے نعرہ پر حملہ کر دیا۔ ششی نے دوسری بگیر بھی نہیں کہی تھی کہ ایرانیوں نے حملہ کر دیا۔ یہ دیکھ کر سلمان ضبط نہ کر سکا۔

اور کچھ لوگ جو سن میں اگر صرف سے آگے نکل گئے۔ مثنیٰ نے غصے میں اگر ڈاڑھی دانتوں میں باہی اور پکارے کہ خدا کے پیئے اسلام کو رسوا نہ کرو۔ اس آواز کے ساتھ فوراً لوگ پیچھے ہٹے اور بن شخص کی بہن بدعتی وہیں آکر جم گیا۔ چوتھی نکیر کھلمننی نے حملہ کیا۔

سہی اس طرح گرتے ہوئے بڑے کہ تمام میدان کو بج اٹھا۔ مثنیٰ نے فوج کو لکارا کہ گھبراننا نہیں یہ نامردانہ عمل ہے عیسائی سرداروں کو جو ساتھ تھے بلا کر کہا کہ تم اگرچہ عیسائی ہو لیکن ہم مقوم ہو اور آج قوم کا معاملہ ہے میں مہران پر حملہ کرتا ہوں تم ساتھ رہنا انھوں نے بتیک کہا۔ مثنیٰ نے ان سرداروں کو دونوں بازوؤں پر سے کر دھاوا کیا اور پہلے ہی حملہ میں مہران کا سینہ توڑ کر قلب میں گھس گئے۔ بجھی دوبارہ سینھلے اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ مسلمانوں کے قدم اکھڑ گئے۔ مثنیٰ نے لکارا کہ مسلمانو! کہاں جاتے ہو؟ میں یہ کھڑا ہوں اس آواز کے ساتھ سب پلٹ پڑے۔ مثنیٰ نے ان کو سیٹ کر پھر حملہ کیا۔ عین اس حالت میں مسعود جو مثنیٰ کے بھائی اور مشہور بہادر تھے زخم کھا کر گرے۔ ان کی رکاب کی فوج بیدل ہوا چاہتی تھی مثنیٰ نے لکارا کہ مسلمانو! میرا بھائی مارا گیا تو کچھ پروا نہیں شرفاریوں ہی جان دیا کرتے ہیں دیکھو تمھارے علم بجھنے نہ پائیں خود مسعود نے گرتے گرتے کہا کہ میرے مرنے سے بیدل نہ ہونا۔

دیر تک بڑی گھسان کی لڑائی رہی۔ انس بن ہلال جو عیسائی سردار تھا اور بڑی جانبازی سے لڑتا تھا زخم کھا کر گرا۔ مثنیٰ نے خود گھوڑے سے اتر کر اسکو گود میں لیا اور اپنے بھائی مسعود کے برابر بٹا دیا۔ مسلمانوں کی طرف بڑے بڑے افسر مارے گئے۔ لیکن مثنیٰ کی ثابت قدمی کی وجہ سے لڑائی کو بلکہ اسی طرف بھاری رہا۔ عجم کا قلب خوب جم کر لڑا۔ مگر کل کا نخل برباد ہو گیا۔ شہر براز جو ایک مشہور شہر تھا قرط کے ہاتھ سے مارا گیا۔ تاہم سپہ سالار مہران ثابت قدم تھا اور بڑی بہادری سے تیج بکھ

لڑ رہا تھا کہ قبیلہ ثعلب کے ایک نوجوان نے تلوار سے اُسکا کام تمام کر دیا۔ مہران گھوڑے سے گرا تو نوجوان اچھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھا اور فخر کے لہجے میں پکارا "میں ہوں ثعلب کا نوجوان اور تمہیں عجم کا قاتل"۔

مہران کے قتل پر لڑائی کا خاتمہ ہو گیا، عجم نہایت اہتری سے بھاگے۔ مثنیٰ نے فوراً پیل کے پاس پہنچ کر رستہ روک لیا کہ عجم بھاگ کر نہ جانے پائیں۔ مورخین کا بیان ہے کہ کسی لڑائی نے اس قدر بیشمار لاشیں اپنی یاوگاریں نہیں چھوڑیں۔ چنانچہ مدتوں کے بعد جب مسافروں کا ادھر گزر ہوا تو انہوں نے جا بجا ہڈیوں کے انبار پائے۔ اس فتح کا ایک خاص اثر یہ ہوا کہ عربوں پر عجم کا جو عرب چھایا ہوا تھا جاتا رہا۔ اُن کو یقین ہو گیا کہ اب سلطنت کسریٰ کے اخیر دن آگئے۔ خود مثنیٰ کا بیان ہے کہ اسلام سے پہلے میں بارہا عجم سے لڑ چکا ہوں اُس وقت سوجھی نہر عرب پر بھاری تھی۔ لیکن آج ایک عرب و س عجمی پر بھاری ہے

بازار

اس معرکہ کے بعد مسلمان عراق کے تمام علاقہ میں پھیل پڑے۔

✓ یہاں اب بغداد آیا وہ سب اُس زمانے میں وہاں بہت بڑا بازار لگتا تھا۔ مثنیٰ نے عین بازار کے دن ملے کیا۔ بازاری جان بچا کر ادھر ادھر بھاگ گئے۔ اور بے شمار نقد اور اسباب ہاتھ آیا۔ پایہ تخت میں یہ خبریں پہنچیں تو سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ زمانہ حکومت، اور آپس کے خلاف کا یہی نتیجہ تھا۔ اُسی وقت پوران دخت کو تخت سے اتار کر یزدگرد کو جو سولہ برس کا جوان تھا اور خاندان کسریٰ کا وہی ایک زرتیہ یاوگار رہ گیا تھا تخت نشین کیا۔ رستم اور فریدون جو سلطنت کے دست بازو تھے اور آپس میں غمناور رکھتے تھے درباریوں نے اُن سے کہا کہ اب بھی اگر تم دونوں متفق نہ ہو تو یہاں نہیں کرتے تو ہم خود تیرا فیصلہ کیے دیتے ہیں غرض یزدگرد کی تخت نشینی کے ساتھ سلطنت برپا تھا

۱۷ طری روایت سیرف ۱۷ یہ یوسف دیوری کی روایت ہے طری نے ۱۲ برس کی عمر بیان کی ہے

سب سے جان آگنی ملکی اور فوجی اسر جہاں جہاں جس کام پر تھے مستعد ہو گئے۔ تمام قلعے اور فوجی چھاؤنیاں منظم کر دی گئیں، عراق کی آبادیاں جو فتح ہو چکی تھیں۔ عجم کا۔ بہار پاکرد ماں بھی بڑا پھیل گئی اور تمام منہ توجہ مقامات مسلمانوں کے ہاتھ سے نکل گئے۔

حضرت عمر کو یہ خبریں پہنچیں تو فوراً مشن کو حکم بھیجا کہ فوجوں کو ہر طرف سے سمیٹ کر عرب کی سرحد کی طرف ہٹاؤ اور ربیعہ و مضر کے مقابل جو عراق کی حدود میں پھیلے ہوئے ہیں ان کو غلبی کا حکم بھیج دو کہ تیار بخ متین پر جمع ہو جائیں۔

اس کے ساتھ خود بڑے سرد سامان سے فوجی تیاریاں شروع کیں، ہر طرف نقیب وڑائے کہ اضلاع عرب میں جہاں جہاں کوئی۔ بہادر رئیس۔ صاحب تدبیر۔ شاعر۔ خلیفہ اہل الرائے ہو۔ فوراً بار خلافت میں آئے۔ چونکہ حج کا زمانہ آچکا تھا خود مکہ معظمہ کو روانہ ہوئے اور حج سے فارغ نہیں ہوئے کہ ہر طرف سے قبائل عرب کا طوفان اُمنڈ آیا۔ سعد بن وقاص نے تین ہزار آدمی بھیجے جن میں سے ایک ایک شخص تیغ و عسکرم کا مالک تھا۔ حضرت موت۔ صدف۔ مذبح۔ قیس۔ عیدان کے بڑے بڑے سردار نہراؤں کی جمعیت لیکر آئے۔ مشہور قبائل میں سے مین کے ہزار۔ بنو یثیم و رباب کے چار ہزار، بنو اسد کے تین ہزار آدمی تھے۔

حضرت عمر حج کر کے واپس آئے تو جہاں تک نگاہ جاتی تھی آدمیوں کا جنگل نظر آتا تھا۔ حکم دیا کہ شکر نہایت ترتیب سے آراستہ ہو میں خود سپہ سالار بنکر چلوں گا۔ چنانچہ

ہراول پر طلحہ۔ پیمنہ پر زمیر۔ میسرہ پر عبد الرحمن بن عوف کو مقرر کیا۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت علی کو بلا کر خلافت کے کاروبار سپرد کیے اور خود مدینہ سے نکل کر عراق کی طرف روانہ ہوئے۔

حضرت عمر کی اس استعداد سے ایک غام جو ش پیرا ہر گیا اور سب نے مرنے پر کمزور ہاندہ لیں۔ ہر جاہد میسرہ سے تین میل پر ایک چشمہ تھا۔ وہاں پہنچ کر مقام کیا اور یہ اس سفر کی گویا پہلی

سنسرا تھی۔ چونکہ امیر المومنین کا خود معرکہ جنگ میں جانا بعض صلیبوں کے لحاظ سے مناسب تھا اس لیے ضرر میں فوج کو جمع کر کے تمام لوگوں سے رائے طلب کی، عوام نے یک زبان ہو کر کہا کہ امیر المومنین ایہ ہم آپ کے بغیر نہ ہوگی، لیکن بڑے بڑے صحابہ نے جو معاملہ کا نشیب و فراز سمجھتے تھے اس کے خلاف رائے دی عبدالرحمن بن عوف نے کہا کہ لڑائی کے دونوں پہلو ہیں اگر خدا نخواستہ شکست ہوئی اور آپ کو کچھ صدمہ پہنچا تو پھر اسلام کا خاتمہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی اور عوام کی طرف خطاب کر کے کہا کہ ”میں تمھاری رائے پر عمل کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اکابر صحابہ اس رائے سے متفق نہیں۔ غرض سپر اتفاق ہو گیا کہ حضرت عمرؓ خود سپہ سالار بن کر نہ جائیں۔ لیکن مشکل یہ تھی کہ اور کوئی شخص اس بارگراں کے اٹھانے کے قابل نہیں ملتا تھا۔ ابو عبیدہ و خالد۔ شام کی جہات میں مصروف تھے۔ حضرت علیؓ سے درخواست کی گئی مگر انھوں نے انکار کیا۔ لوگ اسی جیسے وہیں میں تھے کہ وفختہ عبدالرحمن بن عوف نے اٹھ کر کہا کہ میں نے پالیا۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کون؟ بولے کہ سعد بن ابی وقاص۔

سعد بڑے رتبہ کے صحابی اور رسول اللہ کے ماموں تھے اُن کی بہادری اور شجاعت بھی مسلم تھی۔ لیکن تدبیر جنگ اور سپہ سالاری کی قابلیتوں کی طرف سے اطمینان نہ تھا اس بنا پر حضرت عمرؓ کو پھر بھی ترود تھا لیکن جب تمام حاضرین نے عبدالرحمن بن عوف کی رائے کی تائید کی تو چار و ناچار منظور کیا۔ تاہم احتیاط کے لحاظ سے، لشکر کی تمام مہمات قبضہ اختیار میں رکھیں۔ چنانچہ ان سرکوں میں اول سے آخر تک فوج کی نقل و حرکت، حملہ کا بندوبست، لشکر کی ترتیب، فوجوں کی تقسیم وغیرہ کے متعلق ہمیشہ وقتاً فوقتاً احکام بھیجتے رہتے تھے۔ اور ایک کام بھی اُن کی خاص ہدایت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا تھا۔ یہاں تک کہ مدینہ سے عراق تک فوج کی سرپرست بھی خود حضرت عمرؓ ہی نے نامزد کر دی تھی چنانچہ مورخ طبری نے نام بنام اُن کی تصریح کر دی ہے۔

غرض سعد نے لشکر کا نشان چڑھایا اور مدینہ منورہ سے روانہ ہوئے۔ ۱۷-۱۸ منسرخس طے کر کے ثعلبہ پہنچے۔ اور یہاں مقام کیا۔ ثعلبہ کو فہ سے تین منزل پر ہے اور پانی کی افراط اور موقع کی خوبی کی وجہ سے یہاں مہینے کے مہینے بازار لگتا تھا۔ تین مہینے یہاں قیام رہا۔ مثنیٰ موضع ذوقی میں آٹھ ہزار آدمی بٹے پڑے تھے جن میں خاص بکر بن وائل کے چھ ہزار جوان تھے۔ مثنیٰ کو سعد کی آمد کا انتظار تھا کہ ساتھ ہو کر کو فہ پر بڑھیں لیکن جیسر کے معرکہ میں خوزنم کھائے تھے بگڑتے گئے اور آخر اسی کے صدر سے انتقال کیا۔ سعد نے ثعلبہ سے چل کر شراف میں ٹپسے ڈالے۔ یہاں مثنیٰ کے بھائی معنیٰ ان سے آکر ملے اور مثنیٰ نے جو ضروری مشورے دیئے تھے سعد سے بیان کیے چونکہ حضرت عمر کا حکم تھا کہ جہاں فوج کا پڑاؤ ہو وہاں کے تمام حالات لکھ کر آئیں۔ سعد نے اُس مقام کا نقشہ لشکر کا پھیلاؤ۔ فرو گاہ کا ڈھنگ رسد کی کیفیت۔ ان تمام حالات سے ان کو اطلاع دی وہاں سے ایک مفصل فرمان آیا جس میں بہت سی باتیں۔ اور فوج کی ترتیب کے قواعد تھے۔ سعد نے ان احکام کے موافق پہلے تمام فوج کا جائزہ لیا جو کم و بیش تیس ہزار ٹھہری۔ پھر سیمینہ و بیسره وغیرہ کی تسیم کر کے ہر ایک پر جد اجد افسر مقرر کیے۔ فوج کے جد اجد حصوں اور ان کے افسروں کی تفصیل طبری کے بیان کے موافق ذیل کے نقشے سے معلوم ہوگی۔

حقتہ	نام افسر	مختصر حال
ہراول	زہرہ بن عبداللہ بن قنابہ	جاہلیت میں یہ بحرین کے بادشاہ تھے رسول اللہ کی خدمت میں اپنی قوم کی طرف سے وکیل ہو کر گئے تھے اور اسلام لائے تھے۔
سیمینہ (دایاں حصہ)	عبداللہ بن اہتم	صحابی تھے۔
بیسرہ (دایاں حصہ)	شرجیل بن اسمط	نوجوان آدمی تھے۔ مرتدین کی جنگ میں نہایت

حصہ	نام افسر	مختصر حال
ساتھ (پچھلا حصہ)	عاصم بن عمرو التیمی	شہرت حاصل کی تھی۔
طلیح (گشت کی فوج)	سواہ بن مالک	
بحر در بیعاہ فوج	سلیمان بن ربیعہ الباہلی	
پیدل	جمال بن مالک لاسی	
شتر سوار	عبد اللہ بن ذی السہمین	
قاضی و خزانچی	عبدالرحمن بن ربیعہ الباہلی	
راہد یعنی رسد وغیرہ کا	سلمان فارسی	مشہور صحابی ہیں فارس کے رہنے والے تھے۔
بندوبست کر نیواے		
مترجم	ہلال ہجری	
منشی	زیاد بن ابی سفیان	
طبیٹ		
<p>اُمراءِ عساریں سے شروہ صحابہ تھے جو غزوہ بدر میں شریک تھے مین سودہ جو بیہ</p> <p>الرضوان میں حاضر تھے۔ اسی قدر وہ بزرگ ہو فتح مکہ میں شریک تھے سات سوایے جو صحابہ</p> <p>نہ تھے لیکن صحابہ کی اولاد تھے۔</p> <p>سعد شراف ہی میں تھے کہ دربار خلافت سے ایک اور فرمان آیا جس کا مضمون یہ تھا کہ شراف</p> <p>سے آگے بڑھ کر قادیسیہ میں تمام کرو اور اس طرح مورچے جماؤ کہ سامنے عجم کی زمین اور پشت پر</p> <p>۱۰۰ انیس ہجری کے طبیبوں کے نام ہیں کچھ صرف اس قدر لکھا ہوا کہ ہمت عرسے صوح کے ساتھ طبیب بھیجے۔</p> <p>۷۷ بکریہ سے ۲۵ میل برآمد چھوٹا سا سہرہ تھا ۱۲</p>		

عرب کے پہاڑ ہوں تاکہ فتح ہو تو جہاں تک چاہو بڑھتے چلے جاؤ اور خدا انخواستہ دوسری صورت پیش آئے تو بہت کرپاڑوں کی پناہ میں آسکو۔

قناوسیہ نہایت شاداب اور نہروں اور پہلوں کی وجہ سے محفوظ مقام تھا حضرت عمرؓ جرات میں ان مقامات سے اکثر گزرتے تھے۔ اور اس موقع کی ہیئت اور کیفیت سے واقف تھے چنانچہ سعد کو جو فرمان بھیجا اس میں قناوسیہ کا موقع اور محل بھی مذکور تھا۔ تاہم چونکہ پراانا تجربہ تھا سعد کو لکھا کہ قناوسیہ پہنچ کر سرزمین کا پورا نقشہ لکھ کر بھیجو۔ کیونکہ میں نے بعض ضروری باتیں اسی وجہ سے نہیں لکھیں کہ موقع اور مقام کے پورے حالات مجھ کو معلوم نہ تھے۔ سعد نے نہایت تفصیل سے موقع جنگ کی حدود اور حالات لکھ بھیجے۔ دربار خلافت سے روانگی کی اجازت آئی۔ چنانچہ سعد شراف سے چل کر غدیب پہنچے، یہاں عجمیوں کا سیکڑین راکر تاتھا اور وہ مفت ہاتھ آیا۔ قناوسیہ پہنچ کر سعد نے ہر طرف ہر کارے دوڑائے کہ منیم کی خبر لائیں۔ انھوں نے آکر بیان کیا کہ رستم دہر فرخ زاد جو امینیہ کا رئیس ہے سپہ سالار مقرر ہوا ہے اور مدائن سے چل کر ساباط میں ٹھہرا ہے سعد نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی۔ وہاں سے جواب آیا کہ لڑائی سے پہلے کچھ لوگ سفیر بن کر جاتیں اور ان کو اسلام کی رغبت دلائیں۔ سعد نے سردارانِ قبائل میں سے چودہ نامور شخص انتخاب کیے جو مختلف صنفوں کی لحاظ سے تمام عرب میں انتخاب تھے عطار بن حاجب اشعث بن قیس حارث بن سنان عاصم بن عمرؓ و معدی کرب۔ مغیرہ بن شعبہ۔ معنی بن حارثہ۔ قنوقامست۔ اور ظاہری ربیع و اب کے لحاظ سے تمام عرب میں مشہور تھے۔ نعمان بن مقرن۔ بسر بن ابی رہم۔ حمہ بن حوئیہ۔ حنظلہ بن الزبج الثمبی۔ فرات بن حیان الجلی۔ عدی بن ہیل۔ مغیرہ بن زرارہ۔ عقیل وندبیر۔ اور خرم و سیات میں اپنا جواب نہیں لکھتے تھے۔

ساسانیوں کا پایہ تخت، قدیم زمانے میں اصطخر تھا۔ لیکن نوشیرواں نے مدائن کو دار السلطنت

قرار دیا تھا اور اُس وقت سے وہی پایہ تخت چلا آتا تھا۔ بہ مقام سعد کی فرود گاہ یعنی قادسیہ سے ۳۰-۳۵ میل کے فاصلے پر تھا۔ سفر گھوڑے اڑاتے ہوئے سیدھے مدین پہنچے۔ راہ میں جدھر سے گزرتا تھا تماشا یوں کی بھیڑ لگ جاتی تھی یہاں تک کہ آستانہ سلطنت کے قریب پہنچ کر ٹھہرے۔ اگرچہ ان کی ظاہری صورت یہ تھی کہ گھوڑوں پر زین اور ہاتھوں میں ہتھیار تک نہ تھا تاہم بیباکی اور دلیری ان کے چہروں سے ٹپکتی تھی اور تماشا یوں پر اسکا اثر پڑتا تھا، گھوڑے جو سواری میں تھے رانوں سے نکلے جاتے تھے اور بار بار زین پر ٹاپ مارتے تھے۔ چنانچہ ٹاپوں کی آواز یزدگرد کے کان تک پہنچی اور اُس نے دریافت کیا کہ کیٹنسی آواز ہے۔ معلوم ہوا کہ اسلام کے سفر آئے ہیں۔ یہ سن کر بڑے سرو سامان سے دربار سجایا اور سفر کو طلب کیا۔ یہ لوگ عربی بجنے پہنے، کاندھوں پر مینی چادریں ڈالنے ہاتھوں میں کوڑے لیے، موزے چڑھائے دربار میں داخل ہوئے۔ پچھلے معرکوں نے نام آریان میں عرب کی دھاک بٹھا دی تھی، یزدگرد نے سفیروں کو اس شان سے دیکھا تو اُس پر ایک ہیبت طاری ہوئی۔

ایرانی عموماً ہر چیز سے فال لینے کے عادی تھے۔ یزدگرد نے پوچھا کہ عربی میں چادر کو کیا کہتے ہیں؟ انھوں نے کہا بُرد۔ اُس نے (فارسی معنی کے لحاظ سے) کہا کہ بُہاں بڑا پھوڑا، عربی بھی ان لوگوں نے کہا ”سوط“ وہ سوخت سمجھا اور بولا کہ پارس راسوختند۔ ان بدفالیوں پر سارا دربار ہم ہوا جاتا تھا۔ لیکن شاہی آداب کے لحاظ سے کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا تھا۔ پھر سوال کیا کہ تم اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ نعمان بن مقرن جو سرگروہ تھے جواب دینے کے لیے آگے بڑھے۔ پہلے مختصر طور پر اسلام کے حالات بیان کیے پھر کہا کہ ہم تمام دنیا کے سامنے دو چیزیں پیش کرتے ہیں جزیرہ یاملو اور یزدگرد نے کہا تم کو یاد نہیں کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ ذلیل اور بدبخت کوئی قوم نہ تھی تم جب کبھی ہم سے سرکشی کرتے تھے تو سرحد کے زمینداروں کو حکم بھیج دیا جاتا تھا اور وہ تمھارا بل نال ڈیتے تھے

اس پر سب سکوت کیا۔ لیکن مغیرہ بن زرارہ ضبط نہ کر سکے اور اٹھ کر کہا کہ یہ لوگ اپنے رفیقوں کی طرف اشارہ کر کے، روسائے عرب ہیں اور علم و وقار کی وحدہ سے زیادہ کوئی نہیں کر سکتے۔ انہوں نے جو کچھ کہا یہی زبانتھا لیکن کہنے کے قابل باتیں رہ گئیں۔ اُن کو میں بیان کرتا ہوں۔ یہ سچ ہے کہ ہم بد بخت اور گمراہ تھے۔ آپس میں کٹے مَر تے تھے۔ اپنی لڑکیوں کو زندہ گاڑ دیتے تھے۔ لیکن خدا تعالیٰ نے ہم پر ایک پیغمبر بھیجا جو حسب نسب میں ہم سب ممتاز تھا۔ اول اول ہم نے اُسکی مخالفت کی وہ سچ کہتا تھا تو ہم جھٹلاتے تھے۔ وہ آگے بڑھتا تھا تو ہم پیچھے ہٹتے تھے۔ لیکن رفتہ رفتہ اُسکی بات نے دلوں میں اثر کیا۔ وہ جو کچھ کہتا تھا خدا کے حکم سے کہتا تھا۔ اور جو کرتا تھا خدا کے حکم سے کرتا تھا۔ اُس نے ہم کو حکم دیا کہ اس مذہب کو تمام دنیا کے سامنے پیش کرو۔ جو لوگ اسلام لائیں وہ تمام حقوق میں تمہارے برابر ہیں۔ جنکو اسلام سے انکار ہوا اور خیر پر راضی ہوں وہ اسلام کی تبت میں نہ ہو سکو۔ دونوں باتوں سے انکار ہوا اُسکے لئے تلوار ہے، نیز دروغ سے متیاب ہو گیا اور کہا کہ اگر قاصدوں کا قتل جائز ہوتا تو تم میں سے کوئی زندہ بچ کر نہ جاتا۔ یہ کہہ کر مٹی کا ٹوکرا سنگوایا اور کہا کہ تم میں سب سے مغر زکون ہے؟ عاصم بن عمر نے بڑھ کر کہا ”ہیں“ ملازموں نے ٹوکرا اُن کے سر پر رکھ دیا۔ وہ گھوڑا اڑاتے ہوئے سعد کے پاس پہنچے کہ فتح مبارک! دشمن نے اپنی زمین خود ہکودیدئی۔ اس واقعہ کے بعد کئی مہینے تک دونوں طرف سکوت رہا۔ رستم جو سلطنت فارس کی طرف سے اس مہم پر مامور تھا ساہا میں لشکر لے کر آیا اور یزدگرد کی تاکید پر بھی لڑائی کو ٹالتا جاتا تھا۔ ادھر مسلمانوں کا یہ معمول تھا کہ آس پاس کے دیہات پر چڑھ جاتے تھے اور رستہ کے لئے مویشی وغیرہ لوٹ لاتے تھے۔ اس عرصے میں بعض بعض رئیس ادھر سے ادھر آگئے۔ ان میں جو شہ ماہ بھی تھا جو سرحد کی اخبار نویسی پر مامور تھا۔ اس حالت نے طول کھینچا تو رعایا جو حق یزدگرد کے پاس پہنچ کر فریادی ہوئی کلب ہادی خلافت کی جائے ورنہ ہم اہل عرب کے مطیع ہوئے جاتے ہیں۔ چارنا چار

رستم کو نابالہ کے لیے بڑھاپا ساٹھ ہزار کی جمعیت کے ساتھ سا باط سے نکلا اور دوسرے پہنچ کر دیر سے آگے
 بسکن فوج جن بن منعمات سے گزری ہر جگہ نہایت بے اعتدالیاں کیں۔ تمام افسر شہر اب پیکر
 ہستیاں کرتے تھے اور لوگوں کے ناموں تک کا لحاظ نہیں رکھتے تھے۔ ان باتوں نے عام ملک
 میں یہ خیال پھیلا دیا کہ امانت بچھڑا رہا ہے فوجی نظر آتی ہے

۹۴ رستم کی فوجیں جسدن ماباد سے بڑھیں سعد نے ہر طرف جاسوس پھیلا دیے۔ کم و کم وہم
 کی خبریں پہنچتی رہیں۔ قون کارنگ و خنگ اشکر کی ترتیب۔ امارے کا رخ۔ ان باتوں کے
 دریافت کے لیے فوجی افسر متعین کیے۔ اسیں کبھی کبھی دشمن کا سامنا بھی ہو جاتا تھا۔ چنانچہ ایک
 دفعہ طلحہ۔ رات کی بوقت رستم کے لشکر میں لباس بدل کر گئے ایک جگہ ایک بیش بہا گھوڑا تھاں پر بندھا
 دیکھا۔ تلوار سے باگ ڈور کاٹ کر اپنے گھوڑے کی باگ ڈور سے اٹکا لی اس سو سے میں لوگ جاگ
 آئے اور ان کا تعاقب کیا۔ گھوڑے کا سوار ایک شہر و افسر تھا اور ہر سوار کے برابر مانا جاتا تھا،
 اس نے قریب پہنچ کر چھی کا وار کیا۔ انھوں نے خالی دیا۔ وہ زمین پر گر ا انھوں نے جھک کر بچھی
 ماری کہ سینے کے پار ہو گئی۔ اس کے ساتھ دو اور سوار تھے۔ ان میں سے ایک ان کے ہاتھ سے مارا
 گیا اور دوسرے نے اس شرط پر امان طلب کی کہ میں قیدی بن کر ساتھ چلتا ہوں۔ اتنے عرصہ
 میں تمام فوج میں ہل چل پڑ گئی۔ اور لوگ ہر طرف سے ٹوٹ پڑے لیکن طلحہ اڑتے بھڑتے سنا
 نکل آئے اور ساتھ ہزار فوج دیکھتی کی دیکھتی رہ گئی قیدی نے سعد کے سامنے اگر سلام قبول
 کیا اور کہا کہ دونوں سوار جو طلحہ کے ہاتھ سے مارے گئے میرے ابن عم تھے اور ہزار ہزار سوار
 کے برابر مانے جاتے تھے۔ اسلام کے بعد قیدی کا نام مسلم رکھا گیا اور اسکی وجہ سے دشمن کی فوج
 کے بہت سے ایسے حالات معلوم ہوئے جو اور کسی طرح معلوم نہیں ہو سکتے تھے۔ وہ بعد کے
 تمام محروکوں میں شریک مارا اور ہزار قریب پڑتا بہت قدرتی اور جاننازی کے جو ہر دکھائے۔

رستم چونکہ لڑنے سے بچتا تھا آپ، فوج و رسل کی کوشش کی۔ سعد کے پاس پیغام بھیجا کہ تمہارا کوئی متمہ آؤنی آئے تہ صلیح کہ متعلق گفتگو کی جاے۔ سعد نے ربیع بن عامر کو اس خدمت پر مامور کیا۔ وہ عجیب و غریب ہیئت سے پہلے۔ حق گیر کی زرہ بنائی اور اسی کا ایک ٹکڑا سر سے لپیٹ لیا۔ لہر میں سننا چکا ہاتھ اور تلمار کے میاں پر پھٹ لپیٹ لیے۔ اس ہیئت کذائی سے گھوڑے پر سوار ہو کر نکلے۔ ادھر اہل انیوں۔ نہ بڑے نہ سروسامان سے دربار سجایا۔ ویسا کافر ش۔ زرین کاؤٹیکے۔ رستم کے پرہیز۔ سد میں نر صرغ تخت ربیع فرش کے قریب اگر گھوڑے سے اترے اور باگ ڈور کو کھوٹیکے سے اٹکا دیا۔

درباری بے پروائی کی اداس تہ گریہ کچھ نہ بولے تاہم دستور کے موافق ہتیار رکھو لینا چاہا۔ انہوں نے کہا اس بلایا ہوا آیا ہوں۔ تم کو اس طرح میرا نام منظور نہیں تو میں اٹا پھر جاتا ہوں۔ ورہاریوں نے رستم سے عرض کی۔ اُس نے اجازت دی۔ یہ نہایت بے پروائی کی اداس تہ آہستہ تخت کی طرف بڑھے لیکن برجھی جس سے عصا کا کام لیا تھا اسکی آئی کو اس طرح فرش میں چھوٹے جاتے تھے کہ پر تکلف فرش اور قالین بونچھے ہوئے تھے جا بجا سے کٹ پھٹ کر بیکار ہو گئے تخت کے قریب پہنچکر زمین پر نیز مارا جو فرش کو آ پار کر کے زمین میں گر گیا۔ رستم نے پوچھا کہ اس ملک میں کیوں آئے ہو؟ انھوں نے کہا اس لیے کہ مخلوق کے بجائے خالق کی عبادت کی جائے۔ رستم نے کہا کہ میں ارکان سلطنت سے مشورہ کر کے جواب دوں گا۔ ورہاری بار بار ربیع کے پاس آکر ان کے ہتیار دیکھتے تھے اور کہتے تھے کہ اسی سامان پر ایران کی فتح کا ارادہ ہے لیکن جب ربیع نے تلوار میان سے نکالی تو انھوں میں بجلی سی کونڈ گئی۔ اور جب اُس کے کاٹ کی آزمائش کے لیے ڈھالیں پیش کی گئیں تو ربیع نے ان کے ٹکڑے اڑا دیے۔ ربیع اُس وقت پہلے آئے۔ لیکن نامہ و پیام کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

اخیر سفارت میں منگیرہ گئے، اُس دن ایرانیوں نے بڑے ٹھاٹھ سے دربار چایا۔ جس قدر
تعمیم اور افسر تھے تاج زر پہن کر سیوں پر بیٹھے۔ خیمے میں دیا و سنجاب کا فرش بچھایا گیا اور تمام
اور منصبدار قرینے سے دور وہ پرے جاکر کھڑے ہوئے منگیرہ گھوڑے سے اتر کر سیدھے سدا
کی طرف بڑھے۔ اور رستم کے زانو سے زانو ملا کر بیٹھ گئے۔ اس گستاخی پر تمام دربار پر ہم ہو گیا یہاں تک
کہ چوہداروں نے بازو پکڑ کر ان کو تخت سے اُتار دیا۔ منگیرہ نے افسران دربار کی طرف خطاب کر کے
کہا کہ میں خود نہیں آیا۔ بلکہ تم نے بلایا تھا۔ اس لئے جہان کے ساتھ یہ سلوک زیبا نہ تھا امتحاری طرح
ہم لوگوں میں یہ دستور نہیں کہ ایک شخص خدا بن کر بیٹھے اور تمام لوگ اُس کے آگے بندہ ہو کر گردن
جھکائیں۔ نہ ترجمہ نے جس کا نام عبود تھا اور حیرت کا باشندہ تھا اس تقریر کا ترجمہ کیا تو سارا دربار تاشا
ہوا۔ اور بعض بعض بول اُٹھے کہ ہماری غلطی تھی جو ایسی قوم کو ذلیل سمجھتے تھے۔

رستم بھی شرمندہ ہوا اور نہ است مٹانے کو کہا کہ یہ نوکردن کی غلطی تھی میرا یا حکم نہ تھا پھر
بے تکلفی کی طور پر منگیرہ کے ترکش سے تیر نکالے اور ہاتھ میں لیکر کہا کہ ان تکلوں سے کیا ہوگا؟ منگیرہ
نے کہا کہ آگ کی کو کو چھوٹی ہو پھر بھی آگ ہے۔ رستم نے اُن کی تلوار کا نیام دیکھ کر کہا کہ کس قدر بویدہ
ہے۔ انھوں نے کہا ہاں۔ لیکن تلوار پر باڑھ ابھی رکھی گئی ہے۔ اس نوک جھوک کے بعد معاملہ کی
بات شروع ہوئی۔ رستم نے سلطنت کی شان و شوکت کا ذکر کر کے اظہار احسان کے طور پر کہا کہ
اب بھی واپس چلے جاؤ تو ہم کو کچھ مال نہیں بلکہ کچھ انعام دلایا جائیگا۔ منگیرہ نے تلوار کے قبضے پر ہاتھ
رکھ کر کہا کہ اگر اسلام و جزیہ منظور نہیں تو اس سے فیصلہ ہوگا۔ رستم غصہ سے بھڑک اُٹھا اور کہا کہ آفتاب
کی قسم کل تمام عرب کو پر باد کردوں گا۔ منگیرہ اٹھ کر چلے آئے اور صلح و آشتی کی تمام امیدوں کا خاتمہ ہو گیا۔

قادسیہ کی جنگ اور فتح

خبرم سیدہ حبیبی

رستم آبنک لڑائی کو برابر لڑتا ہوا تھا۔ لیکن بغیرہ کی گفتگو نے اُسکو استقدر غیرت دلائی کہ اسی وقت کمر بنی کا حکم دیا نہرج بیچ میں حامل تھی حکم دیا کہ صبح ہوتے ہوتے پاٹ کر شرک بنادی جائے۔ صبح تک یہ کام انجام کو پہنچا اور وہ پہرے پہلے پہلے فوج نہر کے اس پار آگئی جو سلمان جنگ سے آراستہ ہوا دوسری زہریں نہیں۔ سر پر خود رکھا۔ ہتھیار لگائے پھر اسب خاصہ طلب کیا اور سوار ہو کر جوش میں کہا کہ نخل عرب کو چلنا چور کر دوں گا۔ کسی سپاہی نے کہا۔ ہاں اگر عدلنے چاہا۔ بولاکہ خدا نے نہ چاہا تب بھی۔

فوج نہایت ترتیب سے آراستہ کی۔ آگے پیچھے تیرہ صفیں قائم کیں۔ قلب کے پیچھے پھیلے کا قلعہ باندھا ہو۔ جن اور عمارتوں میں ہتھیار بند سپاہی بٹھائے۔ میمنہ و میسرہ کے پیچھے قلعہ کے طور پر ہاتھیوں کے پرے جمائے۔ خبر رسانی کے لیے موقع جنگ سے پائے تخت تک کچھ فاصلے پر آدمی بٹھائیے۔ جو واقعہ پیش آتا تھا موقع جنگ کا آدمی چلا کر کہتا اور درجہ بدرجہ مدائن تک خبر پہنچ باقی تھی۔

قادسیہ میں ایک قدیم شاہی محل تھا جو عین میدان کے کنارے پر واقع تھا۔ سعد کو چونکہ عرق النساء کی شکایت تھی اور چلنے پھرنے سے معذور تھے۔ اس لیے فوج کے ساتھ شریک نہ ہو سکے۔ بالاخانے پر میدان کی طرف رخ کر کے تکیہ کے سہارے سے بیٹھے اور خالد بن عطفہ کو اپنے بجائے سپہ سالار مقرر کیا۔ تاہم فوج کو لڑتے خود تھے۔ یعنی جس وقت جو حکم دینا مناسب

لے قادسیہ عراق و بکاشہ شہر تھے اور مدائن مہمد کے وسط تھا اس لیے وہاں پڑا ہوا ہے جہاں نقشہ میں سکوتہ مدائن کے متصل لکھا ہے ۱۲

ہوتا تھا پرچوں پر کھکھراؤ گویاں بنا کر خالد کی طرف پھینکتے جاتے تھے اور خالد اُن ہی ہدایتوں کے موافق موقع بموقع لڑائی کا اسلوب بدلتے جاتے تھے۔ تمدن کے ابتدائی زمانے میں، قرن جنگ کا اس قدر ترقی کرنا تعجب کے قابل اور عرب کی تیزی طبع اور لیاقت جنگ کی دلیل ہے۔

نویں آراستہ ہو چکیں تو عرب کے مشہور شعراء اور خطیب صفوں سے نکلے اور اپنی آتش فشاں سے تمام فوج میں آگ لگا دی۔ شعراء میں حلیۃ اوس بن مغیرا۔ عبدہ بن اہلب۔ عمرو معدی کرب اور خطیبوں میں قیس بن ہبیرہ۔ غالب ابن المذیل لاسدی بسر بن ابی رہم الجہنی۔ عاصم بن عمرو۔ رزیح سعدی۔ زبئی بن عامر۔ میدان میں کھڑے تقریریں کر رہے تھے۔ اور فوج کا یہ حال تھا کہ اُن پر کوئی جادو کر رہا ہے۔ ان تقریروں کے مبض حملے یا ورکنے کے قابل نہیں ابن المذیل سعدی کے الفاظ یہ تھے۔

حامل من النوار و کونہ ساء اور تمہوں کے مقابلہ میں میر نگر حاد
یگر دکی زہ پہن لو اور نگاہیں نیچ کر وجہ تلواریں تھکن میں تو بہوں
کی باگ جھڑ دو کیو کہ تیروں کو حماں مارل جانا سے تلواروں کو
ہیں ملتا۔

یا معانہ سعد اجعلوا حصونکم السیف و
کو نو اعلیہم کا سود الہجم و ادعوا الحاح
وغضوا لا بصار فاداکلت السیف و فارسلوا
المجنادل فاعھا بوزن لها فیما لا بوزن للمجدل

اس کے ساتھ قاریوں نے میدان میں نکل کر نہایت خوش الحانی اور جوش سے سورہ جہا وکی آیتیں پڑھنی شروع کیں جسکی تاثیر سے دل ہل گئے اور آگھیں سرخ ہو گئیں۔ سعد نے قاعدے کے موافق تین نعرے مارے اور چوتھے پر لڑائی شروع ہو گئی۔ سب پہلے ایک ایرانی قدر انداز دیبا کی قبازیب بدن کیئے۔ زیریں کو بند لگائے۔ ہاتھوں میں سونے کے کڑے پہنے، میدان میں آیا، ادھر سے عمرو معدی کرب اس کے مقابلے کو نکلے۔ اُس نے تیرکمان میں جوڑا اور ایسا تاک کر مارا کہ یہ بال بال بچ گئے۔ انھوں نے گھوڑے کو دابا اور قریب پہنچ کر کمر بند

میں ہاتھ ڈال معلق اٹھازمین پر پڑے پڑکا۔ اور تلوار سے گردن اڑا کر فوج کی طرف مخاطب ہوئے کہ یوں
اڑا کرتے ہیں "لوگوں نے کہا ہر شخص معی کرب کیونکر ہو سکتا ہے؟

اسے بعد اور اور بہادر دونوں طرف سے نکلے اور شجاعت کے جوہر دکھائے۔ پھر عام جنگ
سرع ہوئی ایرانیوں نے بجیلہ کے رساے پر جو رب میں ممتاز تھا ہاتھیوں کو رہا سونے کے گھوڑوں
نے یہ کاپے پہاڑ کہاں دیکھے تھے دفعۃً بڑے اور شیر ہو گئے۔ پیدل فوج ثابت قدمی سے لڑی لیکن
ہاتھیوں کے پیٹے میں اُن سے پاؤں بھی اٹھڑے باتے تھے سعد نے یہ ڈھنگ دیکھ کر فوراً قبیلہ
اسد کو حکم دیا کہ یہ لڑکے کو سنبھالو چلیے نے جو قبیلہ کے سردار اور مشہور بہادر تھے، ساتھیوں سے کہا
"سوزیہ! سعد نے کچھ سمجھ کر تم سے مدد مانگی ہے، تمام قبیلے نے جوش میں آکر باگیں اٹھائیں اور
ہاتھوں میں برچھیاں لیکر ہاتھیوں پر حملہ آور ہوئے۔ اُن کی پامردی سے اگرچہ یہ کالی آندھی ذرا
ختم ہوئی لیکن ایرانیوں نے بجیلہ کو چھوڑ کر سارازور اس طرف دیا۔ سعد نے قبیلہ تمیم کو جو قدر اندازی اور
نیرہ بازی میں مشہور تھے کہلا بھیجا کہ کیا تم سے ہاتھیوں کی کچھ تدبیر نہیں ہو سکتی؟ یہ سن کر وہ دفعۃً
بڑے اورا۔ قدر تیر برساے کہ فیل نشینوں کو گرا دیا پھر قریب پہنچ کر تمام ہونے اور عماریاں لٹ
دیں۔ شام تک یہ ہنگامہ رہا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو دونوں حریف میدان سے ہٹے۔ قادسیہ
کا یہ پہلا معرکہ تھا اور عربی میں اسکو یوم الارماث کہتے ہیں

سعد جو وقت بالا لانے پر بیٹھے فوج کو لڑا ہے تھے اُن کی بی بی سلمیٰ اُن کے برابر بیٹھی تھی
ایرانیوں نے جب ہاتھیوں کو رہا دیا اور مسلمان پیچھے ہٹے تو سعد غصے کے مارے بتیاب ہوئے جاتے
تھے اور بار بار کروٹیں بدلتے تھے سلمیٰ یہ حالت دیکھ کر بے اختیار چلا اٹھی کہ افسوس آج مثنیٰ نہ ہوا
سعد نے اُس کے موند پر ہتھ پڑ کھینچ مارا کہ مثنیٰ ہوتا تو کیا کر لیتا؟ سلمیٰ نے کہا سبحان اللہ بزدلی کے ساتھ
غیرت بھی۔ یہ اس بات پر طعن تھا کہ سعد خود لڑائی میں شریک نہ تھے

اگلے دن سعد نے سب سے پہلے میدان جنگ سے مشغلوں کی لاشیں اٹھوا کر دفن کرائیں اور جس قدر زخمی تھے مرہم پٹی کے لیے عورتوں کے حوالے کیے۔ پھر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا۔ لڑائی ابھی شروع نہیں ہوئی تھی کہ شام کی طرف سے غبار اٹھا، گرد بھٹی تو معلوم ہوا کہ ابو عبیدہ نے شام سے جو امدادی فوجیں بھیجیں تھیں وہ آہنچیں، حضرت عمرؓ نے جس زلنے میں عراق پر حملے کی تیاریاں کی تھیں اسی زلنے میں ابو عبیدہ کو جو شام کی ہم پر مامور تھے لکھ بھیجا تھا کہ عراق کی جو فوج وہاں پہنچ دی گئی تھی اُسکو حکم دو کہ سعد کی فوج سے جا کر مل جائے۔ چنانچہ عین وقت پر یہ فوج پہنچی اور تائید ملی سمجھی گئی۔ چھ تہاڑ سپاہی تھے جن میں پانچ ہزار ربقیہ و مفسر اور نہر خاص حجاز کے تھے۔ ہاشم بن عتبہ (سعد کے بھائی) سپہ سالار تھے۔ اور ہر اول قحطاع رکاب میں تھا۔ قحطاع نے پہنچتے ہی نصف نخل کر پکڑا کہ ایرانیوں میں کوئی بہادر ہو تو مقابلے کو آئے۔ ادھر سے بہمن نکلا قحطاع۔ جس کا واقعہ یاد کر کے پکار اٹھے کہ "لینا ابو عبیدہ کا قاتل جانے نہ اسے" دونوں حریف تلوار لے کر مقابل ہوئے اور کچھ دیر کی رتو و بدل کے بعد بہمن مارا گیا۔ ویر تک دونوں طرف کے بہادر نہایت میدان میں نکل کر شجاعت کے جوہر دکھاتے رہے، سیستان کا شہزادہ شہر براز، اعور بن قطبہ کے ہاتھ سے مارا گیا۔ بہمن ہمدانی جو ایک مشہور بہادر تھا قحطاع سے لڑ کر قتل ہوا۔ غرض ہنگامہ عام ہونے سے پہلے ایرانی فوج نے اکثر اپنے نامور بہادر کھو دیے۔ تاہم بڑے زور شور سے دونوں فوجیں حملہ آور ہوئیں شام کی امدادی فوج کو قحطاع نے اس تدبیر سے روانہ کیا تھا کہ چھوٹے چھوٹے دستے کر دیے تھے اور جب ایک دستہ میدان جنگ میں پہنچ جاتا تھا تو دوسرا فوراً سے نمودار ہوتا تھا اس طرح تمام دن فوجوں کا تانا باندا چارہا اور ایرانیوں پر عرب چھاتا لگیا بہر دستہ اللہ اکبر کے نعرے مارتا ہوا آتا تھا اور قحطاع اُس کے ساتھ ہو کر دشمن پر حملہ آور ہوتے تھے۔

ہاتھیوں کے لیے قحطاع نے یہ تدبیر کی کہ اونٹوں پر چھبول اور بُرقع ڈال کر ہاتھیوں کی طرح

مہیب بنایا۔ یہ مصنوعی ہاتھی جس طرف رخ کرتے تھے۔ ایرانیوں کے گھوڑے بیک کر سواروں کے قابو سے نکل جاتے تھے

میں ہنگامہ جنگ میں حضرت عمر کے قاصد پہنچے جن کے ساتھ نہایت بیش قیمت عربی گھوڑے اور تلواریں تھیں۔ ان لوگوں نے فوج کے سامنے پکار کر کہا کہ امیر المومنین نے ینعام اُن لوگوں کو بھیجا ہے جو اسکا حق ادا کر سکیں۔ چنانچہ قفقاع نے حمال بن مالک۔ زیل بن عمرو طلیحہ بن خویلد، عاصم بن عمر، تہیبی کو تلواریں حوالہ کیں اور قبیلہ یزید کے چار بہادروں کو گھوڑے عنایت کیے۔ زیل نے فخر کے جوش میں آگرنی البدیہ یہ شعر پڑھا۔

لقد علمہ الا فوام انا حضم اذا حصلوا بالمرهفات المواتر

سب لوگوں کو معلوم ہے کہ میں سب زیادہ سختی ہوں حوص لوگوں کے سامنے والی مارک تلواریں ہائیں

جس وقت لڑائی کا ہنگامہ گرم تھا ابو محجن ثقفی جو ایک مشہور بہادر اور شاعر تھے اور جن کو شہر بابینے کے جرم پر سعد نے قید کر دیا تھا قید خانے کے دیرچہ سے لڑائی کا تماشا دیکھ رہے تھے اور شجاعت کے جوش میں بے اختیار ہوئے جاتے تھے آخر نہ ضبط کر سکے سلمیٰ (سعد کی بیوی) کے پاس گئے کہ خدا کے لئے اس وقت جھک چھوڑ دو۔ لڑائی سے جیتا بچا تو خود آگریں بیڑیاں پہن لوں گا۔ سلمیٰ نے انکار کیا۔ یہ حسرت کے ساتھ واپس آئے اور بار بار پروردگار پر یہ شعر پڑھتے تھے۔

وانك مشدودا على وواقبا

اور میں رنجسوں میں سدھا ہوا ہوں

مصاريع من دوني تصم المنادبا

اور درو آگے صلیب کو دیکھتے تھے ہر بچا دروازا لگاتے دکھارے لٹکاتا ہوا

کمی حروناں نردی الخیل بالقتا

اس سے بڑھ کر کب عام ہو گا کہ سوار نیز و مارباں کر رہے ہیں

اد اقامت عنانی الحدید واعلمفت

حس کھڑا ہونا یا نہا ہوں تو زنجیر اٹھنے نہیں دی

ان اشعار نے سلمیٰ کے دل پر یہ اثر کیا کہ خود آگریں بیڑیاں کاٹ دیں، انھوں نے فوراً صلیب میں

جا کر سعد کے گھوڑے پر جب کا نام ملتا تھا تو رین کسا اور میدان جنگ میں پہنچ کر بجائے کے ہاتھ نکالتے ہوئے ایک دفعہ مہینہ سے میسرہ تک کا چکر لگایا۔ پھر اس زور و شور سے حملہ کیا کہ جس طرف نکل گئے صف کی صف آلت دی۔ تمام شکر تحیر تھا کہ یہ کون بہا ور ہے۔ سعد بھی حیران تھے۔ اور وہاں ہیں کہتے تھے کہ حملہ کا انداز ابوجن کا ہے لیکن وہ توقیر خانے میں قید ہے۔ شام ہوئی تو ابوجن نے قید خانے میں آکر خود بیڑیاں پہن لیں۔ سلی نے یہ تمام حالات سعد سے بیان کیے۔ سعد نے اسی وقت ان کو رہا کر دیا اور کہا خدا کی قسم مسلمانوں پر جو شخص یوں نثار ہو میں اُسکو سزا نہیں دے سکتا۔ ابوجن نے کہا نجد میں بھی آج سے پھر کبھی شراب کو ہاتھ نہ لگاؤں گا۔

حنسار جو وہاں کی شہنشاہ تھی اس معرکہ میں شریک تھی اور اُس کے چاروں بیٹے ہی ساتھ تھے۔ لڑائی جب شروع ہوئی تو اُس نے بیٹوں کی طرف خطاب کیا اور کہا

پیارے بیٹو! تم اسے نہ کہو کہ وہ بھروسہ ہے نہ تم پر غلط فہمی
بادو جو اس کے ہم بھائی ہیں سال ماں کو یہاں لائے وہ اس کے اچھے
ڈال دیا۔ خدا کی قسم جس طرح تم ایک ماں کی اولاد ہو اسی طرح ایک
باپ کے بھی ہو۔ میں نے تمہارے باپ سے بددیانتی نہیں کی
نہ تمہارے ماموں کو رسوا کیا۔ نہ جادو اختیار کیا۔

لحمکم بکرم اللہ والہم تفتی کرم السمة
لوحثکم بامکم عور کسیرہ نوہم عتموہا سین
اہدی اہل فادس وانامہ انکم لیتورجل واحد
کما انکم یواخرہ واحدہ ملخت اباکم ولا صحت
خالکم اطلھوا ناسھد وال اول الفصال وانسہ

بیٹوں نے ایک ساتھ باگیں اٹھائیں اور دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ جب نگاہ سے اوچھل ہو گئے۔ تو حنسار نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھا کر کہا خدا یا! میرے بیٹوں کو بچانا۔

اس دن مسلمان ذویہرار اور ایرانی دس ہزار مقتول و مجروح ہوئے تاہم فتح و شکست کا کچھ

اس کتاب کے تالیف قاضی ابوالوفاء نے ۱۸۰۸ء سے ۱۸۱۰ء کے واقعات نہایت دلچسپ و عجیب غریب ہیں۔ اسکا بیان بیروت میں چھپ گیا ہے اور اُس کے معقول حالات علامہ ابو العرح مہمانی نے سنہ ۱۸۵۰ء میں سن کئے ہیں اسباب شعریں مرتبہ گئی ہیں اسکا کئی مطبع نہیں گرا چنانچہ بازار عکا خط میں اس کے جیسے کے دروازے پر ایک غلام نصب کیا جاتا تھا جس پر بٹھا ہوا تھا اسی العربیے تمام عرب میں سب سے زیادہ کر تھی گو وہ اسلام علیی اور حضرت عمر کے دربار میں حاضر ہوئی تھی ۱۲۰۰ھ

نہیں نہ ہوا یہ سحرک انخوات کے نام سے مشہور ہے۔

تیسرا سحرک یوم الماس کے نام سے مشہور ہے۔ ہمیں تعقل نے یہ تدبیر کی کہ رات کے وقت

چند رسالوں اور پتیل فوجوں کو حکم دیا کہ پڑاؤ سے دور۔ شام کی طرف نکل جائیں۔ پوچھے۔ سنو۔ سنو۔

سوار میدان جنگ کی طرف گھوڑے اڑاتے ہوئے آئیں اور اور رسالے اسی طرح برابر آتے جائیں

چنانچہ صبح ہوتے ہوئے پہلا رسالہ پہنچا۔ تمام فوج نے اللہ اکبر کا نعرہ مارا اور نل پڑ گیا کہ نئی اندامی

فوجیں آگئیں۔ ساتھ ہی حملہ ہوا۔ حسن اتفاق یہ کہ ہشام جنگو ابو عبیدہ نے شام سے مدد کے لئے

بھیجا تھا۔ بین موقع پر سات سو سواروں کے ساتھ پہنچ گئے۔ بیروجر و کو دم دم کی خبر پہنچتی

تھیں اور برابر فوجیں بھیجتا تھا۔ ہشام نے فوج کی طرف خطاب کیا اور کہا تمہارے بھائیوں نے شام

کو فتح کر لیا۔ فارس کی فتح کا جو خدا کی طرف سے وعدہ ہوا ہے وہ تمہارے ہاتھ سے پورا ہوگا، معمول

کے موافق جنگ کا آغاز ہوا کہ ایرانیوں کی فوج سے ایک پہلوان شیر کی طرح ڈکارتا ہوا میدان

میں آیا۔ اسکا ذیل ذول دیکھ کر لوگ اُس کے مقابلے سے جی چراتے تھے۔ لیکن ایک عجیب اتفاق

سے وہ ایک کمزور سپاہی کے ہاتھ سے مارا گیا۔ ایرانیوں نے تجربہ اٹھا کر ہاتھیوں کے دائیں بائیں

پیدل فوجیں قائم کر دی تھیں۔ عمرو معدی کرب نے رفیقوں سے کہا کہ میں مقابل کے ہاتھی پر حملہ کرتا

ہوں تم ساتھ رہنا ورنہ عمرو معدی کرب مارا گیا تو پھر معدی کرب پہلوان ہوگا۔ یہ کہہ کر تلوار میان سے

کھینٹ لی اور ہاتھی پر حملہ کیا۔ لیکن پیدل فوجیں جو دائیں بائیں تھیں دفعۃً اُن پر ٹوٹ پڑیں اور

استدرا دھکی کہ یہ نظر سے چھپ گئے۔ یہ دیکھ کر ان کی رکاب کی فوج حملہ آور ہوئی اور بڑے سحر کے

کے بعد دشمن پیچھے ہٹے۔ عمرو معدی کرب کا یہ حال تھا کہ تمام جسم خاک سے اٹا ہوا تھا۔ بدن پر جا بجا

برچیوں کے زخم تھے۔ تاہم تلوار قبضے میں تھی اور ہاتھ چلتا جاتا تھا۔ اسی حالت میں ایک ایرانی

سوار پر ابرے نکلا۔ انھوں نے اُس کے گھوڑے کی دم پکڑ لی۔ ایرانی نے بار بار مہینہ کیا لیکن گھوڑا

جگہ سے ہل نہ سکا آخر سوار اتر کر بھاگ نکلا اور یہ چھل کر گھوڑے کی پیٹھ پر جا بیٹھے۔

سعد نے یہ دیکھ کر کہ ہاتھی جس طرف رخ کرتے ہیں دل کا دل بھٹ جاتا ہے خنم و سلم غم کو جو پارسی تھے اور سلمان ہو گئے تھے بلا کر پوچھا کہ اس بلائے سیاہ کا کیا علاج ہے۔ انھوں نے کہا کہ ان کی سونڈ اور آنکھیں بے کار کر دی جائیں۔ تمام غول میں دو ہاتھی نہایت جہیب اور کوہ پیکر اور گویا نکل ہاتھیوں کے سردار تھے۔ ایک ابیض اور دوسرا ارجب کے نام سے مشہور تھا سعد نے ققاع۔ عاصم۔ حال۔ ریل کو بلا کر کہا کہ یہ ہم تھائے ہاتھ ہے۔ ققاع نے پہلے کچھ سواروں پیادے بھیج دیے کہ ہاتھیوں کو زخم دیں کر لیں۔ پھر خود برجھا ہاتھ میں لے کر پیل سفید کی طرف بڑھے۔ عاصم بھی ساتھ تھے۔ دونوں نے ایک ساتھ برجھے مارے کہ آنکھوں میں پیوست ہو گئے ہاتھی جھرجھری لے کر پیچھے ہٹا ساتھ ہی ققاع کی تلوار پڑی اور سونڈ منٹک سے الگ ہو گئی ادھر ریل و حال نے ارجب پر حملہ کیا۔ وہ زخم کھا کر بھاگا تو تمام ہاتھی اُس کے پیچھے ہوئے اور دم کی دم میں یہ سیاہ بادل باکل چھٹ گیا۔

اب بہادروں کو حوصلہ آزمائی کا موقع ملا اور اس زور کارن پڑا کہ نعروں کی گرج نے بین و بل دہل پڑتی تھی۔ چنانچہ اسی مناسبت سے اس معرکے کو سیتہ الہریہ کہتے ہیں۔ ایرانیوں نے فوج نئے سرے ترتیب دی۔ قلب میں اور دائیں بائیں تیرہ تیرہ صفیں قائم کیں۔ مسلمانوں نے بھی تمام فوج کو سمیٹ کر یکجا کیا اور آگے پیچھے تین پرے جمائے۔ سب آگے سواروں کا رسالہ اُن کے بعد پیدل فوجیں اور سب پیچھے تیر انداز۔ سعد نے حکم دیا تھا کہ تیسری تکبیر پر حملہ کیا جاوے لیکن ایرانیوں نے جب تیر برسائے شروع کیے تو ققاع سے ضبط نہ ہو سکا اور اپنے رکاب کی فوج لے کر دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ فوجی اصول کے لحاظ سے یہ حرکت نافرمانی میں داخل تھی۔ تاہم لڑائی کا ڈھنگ اور ققاع کا جوش دیکھ کر سعد کے منہ سے بے اختیار نکلا کہ اللہم اغفرلہ وصرہ یعنی اے خدا

تتقاع کو معاف کرنا اور اسکا مددگار رہنا۔ تتقاع کو دیکھ کر بنو اسد اور بنو اسد کی دیکھا دیکھی فتح۔ بھیلہ
 کندہ۔ سب ٹوٹ پڑے۔ سعد ہر قبیلے کے حملے پر کہتے جاتے تھے کہ خدا اسکو معاف کرنا اور یاور رہنا
 اول مل سواروں کے رسالے نے حملہ کیا لیکن ایرانی فوجیں جو دیوار کی طرح جمی کھڑی تھیں اس
 تابوت قدمی سے لڑیں کہ گھوڑے آگ نہ بڑھ سکے۔ یہ دیکھ کر سب گھوڑوں سے گود پڑے اور پیادہ حملہ آور ہوئے
 ایرانیوں کا ایک رسالہ سرتاپا لوہے میں غرق تھا۔ قبیلہ حمیضہ نے اسپر حملہ کیا۔ لیکن تلواریں
 زرمہوں پر اچٹ اچٹ کر گئیں۔ سردار قبیلہ نے لکھارا۔ سب نے کہا زرمہوں پر تلواریں کام
 نہیں دیتیں اس نے غصے میں آکر ایک ایرانی پر برپے کا وار کیا کہ کمر کو توڑ کر نکل گیا۔ یہ دیکھ کر
 انوروں کو بھی ہمت ہوئی اور اس بہادری سے لڑے کہ رسالہ کا رسالہ برما دہو گیا۔

”نام رات۔ ہنگامہ کارزار گرم رہا، لوگ لڑتے لڑتے تھک کر چور ہو گئے تھے اور نیند کے خمار
 میں ہاتھ پاؤں بیکار ہوئے جاتے تھے اسپر بھی جب فتح اور شکست کا فیصلہ نہ ہوا تو تتقاع نے
 سرداران قبائل میں سے چند نامور بہادر انتخاب کیے اور سپہ سالار فوج رستم کی طرف رخ کیا۔
 ساتھ ہی قیس۔ اشعث۔ عمر سعدی کرب۔ ابن ذی البردین نے جو اپنے اپنے قبیلے کے سردار تھے
 ساتھیوں کو لکھارا کہ دیکھو! ”یہ لوگ خدا کی راہ میں تم سے آگے نکلنے نہ پائیں“ اور اور سرداروں
 بھی جو بہادری کے ساتھ زبان آور بھی تھے اپنے قبیلوں کے سامنے کھڑے ہو کر اس جوش سے
 تقریریں کیں کہ تمام لشکر میں ایک آگ لگ گئی۔ سوار گھوڑوں سے گود پڑے اور تیر و کمان بھینک
 تلواریں گھسیٹ لیں۔ اس جوش کے ساتھ تمام فوج سیلاب کی طرح بڑھی اور فیزان ہر زمان
 کو دباتے ہوئے رستم کے قریب پہنچ گئی۔ رستم تخت پر بیٹھا فوج کو لڑاتا تھا۔ یہ حالت دیکھ کر تخت
 سے گود پڑا اور دیر تک مردانہ لڑتا رہا۔ جب زرمہوں سے باطل چور ہو گیا تو بھاگ چلا، ہلال نام ایک
 سپاہی نے تعاقب کیا اتفاق سے ایک نہر سامنے سے آگئی۔ رستم گود پڑا کہ تیر کر نکل جائے۔ ساتھ ہی

ہلال بھی کو دے اور ٹانگیں پکڑ کر باہر کھینچ لائے۔ پھر تلوار سے کام تمام کر دیا ہلال نے لاش
نچھروں کے پائوں میں ڈال دی اور تخت پر چڑھ کر پکارے کہ رستم کا میں نے خاتمہ کر دیا۔ ایرانیوں نے
ویکھا تو تخت سپہ سالار سے خالی تھا۔ تمام فوج میں بھاگڑ مچ گئی مسلمانوں نے دُور تک تعاقب
کیا اور نہراول لاشیں میدان میں پچھا دیں۔

افسوس ہے کہ اس واقعہ کو ہمارے ملک الشعراء نے قومی جوش کے اثر سے بالکل غلط کھا ہے
برآمد خروشے بکردار سعد زیک سوئے رستم زیک سوئے سعد
چو دیدار رستم بخون تیرہ گشت جواں مردمازی برو چہ گشت
ہمارے شاعر کو یہ بھی معلوم نہیں کہ سعد اس واقعہ میں سرے سے شریک ہی نہ تھے۔

شکست کے بعد بھی چند نامور افسر جو ریاستوں کے مالک تھے میدان میں ثابت قدم رہے
ان میں سے شہریار۔ ابن الرید۔ فرخان ابوازی خسرو شنوم ہدانی نے مروانہ جان دی لیکن
ہر فرمان اہود۔ قارن موقع پاکر بھاگ نکلے۔ ایرانیوں کے گشتوں کا نو شمار نہ تھا۔ مسلمان بھی کم و
بیش چھ نہرا کام آئے۔

اس فتح میں چونکہ سعد خود شریک جنگ نہ تھے فوج کو ان کی طرف سے بدگمانی رہی۔
یہاں تک کہ ایک شاعر نے کہا۔

وسعد سباب القادسیۃ معصم
مبکن سعد۔ قادیسیہ کے دروازے سے پٹے سے ہے
ونسوۃ سعد لیس فیہن البس
لیکن سعد کی کوئی بری بیوہ نہیں ہوئی

وقالت حتی انزل الله نصرہ
میں برابر لڑا کیہ بیان کہ مدد ملنے ایسی مدد بھی
فابنا وقد امت دسائے کشیں
ہم واپس پھر سے تو سیکڑوں عورتیں بیوہ ہو چکی تھیں

سلف علامہ عادی نے لکھا کہ رستم کے قاتل کا نام معلوم نہیں۔ جس عمر سعد کی کہ۔ طبری میں جوہد۔ وطبری جامع۔ ابن تیمیہ نے امیر جوہد
تھا، میں سے جوہد اب گھٹی ہوئی۔ الانبیا الطوال کی رو سے ہے۔

یہ اشعار اسی وقت بچے بچے کی زبان پر پڑھ گئے یہاں تک کہ سعد نے تمام فوج کو جمع کر کے ابلوں کے زخم دکھائے اور اپنی سندھ سی ثابت کی۔

سعد نے حضرت عمر کو مامور فتح کیا اور دونوں طرف کے مقتولوں کی تفصیل بھی حضرت عمر کا یہ حال تھا کہ جب ان سے قادیسیہ کا سفر شروع ہوا تھا ہر روز آفتاب نکلنے سے نکل جاتے اور قاصد کی راہ دیکھتے۔ ایک دن رسول کے موافق نکلے اُدھر سے ایک شتر سوار آ رہا تھا پڑھ کر پوچھا کہ کدھر سے آتے ہو۔ وہ سعد کا قاصد تھا اور مقررہ فتح لے کر آتا تھا۔ جب معلوم ہوا کہ سعد کا قاصد ہے تو اُس سے حالات پوچھے شروع کیے۔ اُس نے کہا۔ خدا نے مسلمانوں کو کامیاب کیا حضرت عمر کباب کی برابر دوڑتے جاتے تھے اور حالات پوچھتے جاتے تھے۔ شتر سوار شہر میں اُبل ہوا تو دیکھا کہ جو شخص سامنے آتا ہے انکو امیر المؤمنین کے لقب سے پکارتا ہے۔ دُور سے کانپ اٹھاؤ کہہ کہ حضرت نے مجھ کو اپنا نام کیوں نہ بتایا کہ میں اس گستاخی کا مرتکب نہ ہوتا، فرمایا نہیں کچھ ہرج نہیں، تم سلسلہ کلام کو نہ توڑو چنانچہ اسی طرح اس کے کباب کے ساتھ ساتھ گھر تک آئے۔ مدینے پہنچ کر مجمع عام میں فتح کی خوشخبری سنائی۔ اور ایک نہایت پُر اثر تقریر کی جس کا اخیر فقرہ یہ تھا مسلمانو! میں بادشاہ نہیں ہوں کہ تم کو غلام بنانا چاہوں میں خود خدا کا غلام ہوں۔ البتہ غلامت کا بار میرے سر پر رکھا گیا ہے۔ اگر میں اس طرح تمہارا کام کروں کہ تم عین سے گھروں میں سوؤ تو میری سعادت ہے اور اگر میری خواہش ہو کہ تم میرے دروازے پر حاضری دو تو میری بدبختی ہے میں تم کو تسلیم دینا چاہتا ہوں لیکن قول سے نہیں بلکہ عمل سے۔“

قادیسیہ کے سفر کے میں جو عجم یا عرب مسلمانوں سے لڑے تھے اُن میں ایسے بھی تھے جو دل سے لڑنا نہیں چاہتے تھے بلکہ زبردستی فوج میں پکڑ آئے تھے بہت سے لوگ گھر چھوڑ کر نکل گئے تھے۔ فتح کے بعد یہ لوگ سعد کے پاس آئے اور امن کی درخواست کی۔ سعد نے دربار خلافت

کو لکھا۔ حضرت عمرؓ نے صحابہ کو بلا کر اسے لی۔ اور سب کے بالاتفاق منظور کیا۔ غرض تمام ملک کو امن و یمن دیا گیا۔ جو لوگ گھر چھوڑ کر کھل گئے تھے واپس آ کر آباد ہوتے گئے۔ رعایا کے ساتھ یہ ارتباط بڑھا کہ اکثر بزرگوں نے ان میں رشتہ داریاں کر لیں۔

ایرانیوں نے تادسیہ سے بھاگ کر بابل میں مقام کیا تھا اور چونکہ یہ ایک محفوظ و مستحکم مقام تھا۔ اطمینان کے ساتھ جنگ کے تمام سامان ہتیا کر لیے تھے۔ اور غیر وزن کو سرسخت قرار دیا تھا۔ سعدؓ نے ان کے ہتھیاروں کے لیے سہلہ بھری میں بابل کا ارادہ کیا اور چند سردار آگے روانہ کیے کہ راستہ صاف کرتے جائیں۔ چنانچہ مقام برس میں بصری سب راہ ہوا اور میدان جنگ میں ترمٹھ اٹھا کر بابل کی طرف بھاگ گیا۔ برس کے رئیس نے جس کا نام بسطام تھا صلح کر لی اور بابل تک موقع موقع پل تیار کرادیئے کہ اسلامی فوجیں بے تکلف گزر جائیں۔ بابل میں اگرچہ عجم کے بڑے سردار نخیرجان۔ ہرمزان۔ مہران۔ مہرجان۔ وغیرہ جمع تھے لیکن پہلے ہی حملہ میں بھاگ نکلے۔ سعدؓ نے خود بابل میں مقام کیا۔ اور زہرہ کی انہری میں کچھ فوجیں آگے روانہ کیں۔ عجی فوجیں بابل سے بھاگ کر کوئی میں ٹھہری تھیں اور شہر یار جو رئیس زاوہ تھا ان کا سپہ سالار تھا۔ زہرہ کوئی سے گزرے تو شہر یار آگے بڑھ کر مقابل ہوا اور میدان جنگ میں آکر پکارا کہ جو بہادر تمام لشکر میں انتخاب ہو مقابلے کو آئے۔ زہرہ نے کہا میں نے خود تیرے مقابلے کا ارادہ کیا تھا لیکن تیرا یہ دعویٰ ہے تو کوئی غلام تیرے مقابلے کو جائیگا۔ یہ کہہ کر نابل کو جو قبیلہ تمیم کا غلام تھا اشارہ کیا۔ اُس نے گھوڑا آگے بڑھایا۔ شہر یار دیو کا ساتن و توش رکھتا تھا، نابل کو کمزور دیکھ کر نیزہ اٹھ سے پھینک، گردن میں ہاتھ ڈال زور سے کھینچا اور زمین پر گر کر سینے پر چڑھ بیٹھا۔ اتفاق سے شہر یار کا انگوٹھا نابل کے مونہ میں آگیا۔ نابل نے اس زور سے کاناکہ شہر یار تل لگایا۔ نابل موقع پا کر اُس کے سینے پر چڑھ بیٹھا اور تلوار سے پیٹھ کو چاک کر دیا۔ شہر یار نہایت عمدہ لباس اور اسلحہ سے آراستہ تھا۔ نابل نے

زہرہ وغیرہ اس کے بدن سے اتار کر سعد کے آگے لاکر رکھ دیں سعد نے عبرت کے لیے حکم دیا کہ نابل
وہی لباس اور اسلحہ سب کراٹے چنانچہ شہر بار کے زرق برق لباس اور اسلحہ سے آراستہ ہو کر وہ مجمع
عام میں آیا تو لوگوں کی آنکھوں میں ریشے کی نیز لگیوں کی تصویر بچھ گئی

کوئی ایک تاریخی مقام تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو غزوہ نے یہیں قید رکھا تھا چنانچہ فیضان
کی جگہ اب تک محفوظ تھی۔ سعد اسکی زیارت کو گئے اور وروڈ پڑھ کر یہ آیت پڑھی ملك الہام مداد ولھا
بہن الداس کوئی سے آگے پائے تخت کے قریب بہرہ شیر ایک مقام تھا یہاں ایک شاہی رسالہ
رہتا تھا جو ہر روز ایک با قسم کھا کر کھتا تھا کہ ”جب تک ہم ہیں سلطنت فارس پر کبھی وبال نہیں آسکتا“
یہاں ایک شیر پلا ہوا تھا جو کسرے سے بہت بلا ہوا تھا اور اسی لیے اس شہر کو بہرہ شیر کہتے تھے
سعد کا لشکر قریب پہنچا تو وہ ٹرپ کر نکلا۔ لیکن ہاشم نے جو ہراول کے افسر تھے اس صفائی سے
تلوار ماری کہ وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ سعد نے اس بہادری پر ان کی پیشانی چوم لی۔

آگے بڑھ کر سعد نے بہرہ شیر کا محاصرہ کیا اور قوج نے ادھر ادھر پھیل کر نہروں آدمی گرفتار
کر لیے۔ شہر زادے جو سابط کار میں تھا سعد سے کہا کہ یہ معمولی کا شہر ہے ان کے قید کرنے سے
کیا حاصل۔ چنانچہ سعد نے ان کے نام دفتر میں درج کر لیے اور چھوڑ دیا۔ اس پاس کے تمام قیدیوں
نے جزیہ قبول کر لیا لیکن شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ دو مہینے تک برابر محاصرہ رہا۔ ایرانی کبھی کبھی قلعہ سے
نکل کر معرکہ آرا ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے جوش و خروش سے سب نے مرنے پر کمر بناندھیں اور تیر
برساتے ہوئے نکلے۔ مسلمانوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ زہرہ جو ایک مشہور افسر تھے اور محرموں
میں سب سے آگے پہنچ گئے رہتے تھے۔ ان کی زہرہ کی کڑیاں کہیں کہیں سے ٹوٹ گئی تھیں۔ لوگوں نے کہا
کہ اہم سامان ل کر نہی پہن لیجئے۔ بولے کہ میں ایسا خوش قسمت کہاں ہوں؟ کہ دشمن کے سیر
سے نہ ہونے جیسی طرف آئیں۔ اتفاق یہ کہ پہلا تیر ان ہی کو آکر لگا لوگوں نے نکالنا چاہا تو انھوں نے

منع کیا کہ جب تک یہ بدن میں ہے اسی وقت تک میں زندہ بھی ہوں۔ چنانچہ اُسی حالت میں حملہ کرتے ہوئے بڑھے اور شہر ہراڑ کو جو ایک نامی افسر تھا ملواری سے مارا تھوڑی دیر لڑ کر ایرانی بھاگ چلے اور شہر والوں نے صلح کا پھر پراڑایا۔

بہر شہر اور میدان میں صرف وجہ حایل تھا سعد بہر شہر سے بڑھے تو اُس کے وجہ تھا۔ ایرانیوں نے پہلے سے جہاں جہاں پل بندھے تھے تو ڈکڑے کا کر ڈیئے تھے۔ سعد وجہ کے کنارے پر پہنچے تو نہ پل تھا نہ کشتی۔ فوج کی طرف مخاطب ہو کر کہا: برادرانِ اسلام! دشمن نے ہر طرف سے مجبور ہو کر دریا کے دائیں میں پناہ لی ہے۔ یہ ہم بھی سر کر لو تو پھر مطلع صاف ہے۔ یہ کہہ کر گھوڑا دریائے ڈال دیا۔ ان کو دیکھ کر آدمیوں نے بھی ہمت کی اور دفعۃً سب گھوڑے دریا میں ڈال دیئے۔ دریا اگرچہ نہایت ذخار اور تلوچ تھا لیکن بہت اور خوش نے طبعیتوں میں یہ استقلال پیدا کر دیا تھا کہ موجیں برابر گھوڑوں سے آکر ٹکراتی تھیں اور یہ رکاب سے رکاب ملا کر آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ کہیں ویسار کی جو ترتیب تھی اسیں بھی فرق نہ آیا۔ دوسرے کنارے پر ایرانی یہ حیرت انگیز تماشا دیکھ رہے تھے۔ جب فوج بالکل کنارے کے قریب آگئی تو ان کو خیال ہوا کہ یہ آدمی نہیں، جن ہیں۔ چنانچہ دیوان آئندہ دیوان آئندہ کہتے ہوئے بھاگے تاہم سپہ سالار خزانہ و تھوڑی سی فوج کے ساتھ جانا اور گھاٹ پر تیر اندازوں کے دستے متعین کر دیئے۔ ایک گروہ دریا میں اتر کر سدا رہا ہوا لیکن مسلمان سیلاب کی طرح بڑھتے چلے گئے اور تیر اندازوں کو جس و خاشاک کی طرح ہٹاتے پار کر آئے۔ یزید کو دے حرم اور خاندان شاہی کو پہلے ہی حلوان روانہ کر دیا یہ خبر سن کر خود بھی شہر چھوڑ کر نکل گیا۔ سعد مدائن میں داخل ہوئے تو ہمارے کوٹھا تھا۔ نہایت عبرت ہوئی اور بے اختیار یہ آیتیں زبان سے نکلیں کہ ترکوا من جاکت و عہ کو بدینے پر چڑھ بیٹھا

لے تا یخ بھری میں بعینہ ہی الفاظ ہیں ۱۱

ہری، ہونا بل۔ ۱۲

کوہِ یوسفؑ کا ٹواہا فاکھٹ کدالک واورناکھافوما الحون۔

ایوان کسے میں تخت شاہی کے بجائے منصب ہوا۔ چنانچہ جمعہ کی نماز اسی میں ادا کی گئی اور یہ پہلا جمعہ تھا جو عراق میں ادا کیا گیا۔ ہمارے فقہا کو تعجب ہو گا کہ سعد نے باوجودیکہ اکابر صحابہ میں سے تھے اور یہ سو سالِ جنابِ مآب کی صحبت میں رہے تھے عالمگیر و محمود کی تقلید نہیں کی بلکہ ایوان میں مستقر مجسم تصویریں تھیں سب برقرار رہنے دیں۔

دو تہیل دن ٹھیکر سعد نے حکم دیا کہ ایوانات شاہی کا خزانہ اور نادرات لاکر ایک جامع کیے جائیں کیانی سلسلے سے لیکر نوشیرواں کے عہد تک کی ہزاروں یادگار چیزیں تھیں۔ خاقانِ چین راجہ داہر قہرہ م۔ نعمان بن منذر۔ سیاوش۔ بہرام چوہین۔ کی زہیں اور تلواریں تھیں۔ کسے ہرمز اور قباد کے خنجر تھے۔ نوشیرواں کا تلج زنگار۔ اور بلوس شاہی تھا۔ سونے کا ایک گھوڑا تھا جسپر چاندی کا زین کسا ہوا تھا۔ اور سینے پر یاقوت اور زمرہ ڈھے ہوئے تھے۔ چاندی کی ایک اوٹنی تھی جسپر سونے کی پالان تھی اور ہماریں بیش قیمت یاقوت پرئے ہوئے تھے۔ ماتہ سوار سرے پانوں تک جو اہرات سے مرصع تھا۔ سب سے عجیب و غریب ایک فرش تھا جسکو ایرانی، بہار کے نام سے پکارتے تھے یہ فرش اس غرض سے تیار کیا گیا تھا کہ جب بہار کا موسم کل جاتا تھا تو اسپر پٹھکر تیار پیتے تھے اس رعایت سے آپس بہار کے تمام سامان مہیا کیے تھے بیچ میں سبزے کا چین تھا۔ چاروں طرف جدولیں تھیں ہر قسم کے درخت اور درختوں میں شگوفے اور پھول اور پھل تھے طرہ یہ کہ جو کچھ تھا زرد جو اہرات کا تھا۔ یعنی سونے کی زمین۔ زمرہ کا سبزہ۔ پکھراج کی جدولیں۔ سونے چاندی کے درخت، حریر کے پتے۔ جو اہرات کے پھل تھے۔

یہ تمام سامان فوج کی عام غارتگری میں ماتہ آیا تھا۔ لیکن اہل فوج ایسے استیبار اور

۱۱۱۔ علامہ طری نے جوڑے صف بھی تھے تفرع کے ساتھ اس واقعہ کو لکھا ہے ۱۱

دیانت دار تھے کہ جس نے جو چیز پائی تھی بجنسہ لاکر افسر کے پاس حاضر کر دی تھی۔ چنانچہ جب سب سامان لاکر سجایا گیا اور دو در و در تک میدان جنگ کا اٹھا۔ تو خود مسعد کو حیرت ہوئی۔ بار بار تعجب کرنے لگے اور کہتے تھے کہ جن لوگوں نے ان نادرات کو ہاتھ نہیں لگایا، بے شبہ انتہا کے دیانت دار ہیں۔ مالِ غنیمت حسبِ قاعدہ تقسیم ہو کر پانچواں حصہ و برابر خلافت میں بھیجا گیا۔ فرشتے اور قدیم یادگاریں بجنسہ بھی گئیں کہ اہل عرب، ایرانیوں کے جاہ و جلال اور اسلام کی فتح و اقبال کا تماشا دیکھیں۔ حضرت عمر کے سامنے جب یہ سامان پُنے گئے تو ان کو بھی فوج کی دیانت اور استغناء پر حیرت ہوئی۔

محکم نام مدینہ میں ایک شخص تھا جو نہایت موزوں قامت اور خوبصورت تھا۔ حضرت عمر نے حکم دیا کہ نوشیروان کے ملبوسات اُسکو لاکر پہنائے جائیں۔ یہ ملبوسات مختلف حالتوں کے تھے۔ سواری کا جُدا۔ و ربار کا جُدا۔ جشن کا جُدا۔ تہنیت کا جُدا۔ چنانچہ باری باری تمام ملبوسات محکم کو پہنائے گئے۔ جب ملبوس خاص اور تاج زرنگار پہنا تو تماشا یوں کی آنکھیں خیرہ ہو گئیں اور دیر تک لوگ حیرت سے تنکے رہے۔ فرشتے کی نسبت لوگوں کی رائے تھی کہ تقسیم نہ کیا جائے خود حضرت عمر کا بھی یہی منشاء تھا۔ لیکن حضرت علی کے اصرار سے اس بہار پر بھی خزاں آئی اور دولتِ نیشیروانی کے مرقع کے پرزے اڑ گئے۔

یورپ کے موجودہ مذاق کیلئے یہ ایک حشیانہ حرکت تھی۔ لیکن ہرزلمے کا مذاق جدا ہے وہ متحرک زمانہ جس میں زخارفِ نبوی کی غمت نہیں کیجاتی تھی۔ دنیاوی یادگاروں کی کیا پروا کرتا تھا۔

جلولاءِ سیدہ ہجری

۱۵ جولاءِ ہجری ۱۱۳۴ء کو مدینہ میں ایک تندرست و جلیل القدر شخص پیدا ہوا جس کو بعد میں خلیفہ ہوا۔ وہ ۱۱۳۵ء میں مدینہ سے بغداد ہجرت کیا۔

یہ معرکہ فتوحاتِ سراق کا خاتمہ تھا۔ مدائن کی فتح کے بعد ایرانیوں نے جلولا میں جنگ کی تیاریاں شروع کیں اور ایک بڑی فوج جمع کر لی۔ خُزراد نے جو رستم کا بھائی اور سر لشکر تھا نہایت تدبیر سے کام لیا۔ شہر کے گرد خندق تیار کرائی اور رستوں اور گزرگاہوں پر گولہ باریک دیکھا دیئے۔ سعد کو یہ خبر پہنچی تو حضرت عمر کو خط لکھا۔ وہاں سے جواب آیا کہ ہاشم بن عقبہ بارہ ہزار فوج لے کر اس مہم پر جائیں اور مقدمہ لجنش پر قمعاع۔ سینہ پر سحر بن مالک۔ میسرہ پر عمرو بن مالک۔ ساتھ پر عمرو بن مرہ مقرر ہوں۔ ہاشم مدائن سے روانہ ہو کر چوتھے دن جلولا پہنچے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینوں محاصرہ رہا۔ ایرانی و متنافقانہ قلعہ نے کل کر حملہ آور ہوتے تھے۔ اس طرح اتنی معرکے ہوئے لیکن ایرانیوں نے ہمیشہ شکست کھائی تاہم چونکہ شہر میں ہر طرح کا ذخیرہ متبیا تھا اور لاکھوں کی جمیعت تھی بیدل نہیں ہوتے تھے۔ ایک دن بڑے زور شور سے نکلے مسلمانوں نے بھی حم کر مقابلہ کیا۔ اتفاق یہ کہ مقدمہ اس زور کی آمدھی ملی کہ زمین و آسمان میں اندھیرا ہو گیا ایرانی مجبور ہو کر پیچھے ہٹے۔ لیکن گرد و غبار کی وجہ سے کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ ہزاروں آدمی خندق میں گر کر مر گئے۔ ایرانیوں نے یہ دیکھ کر جا بجا سے خندق کو پاٹ کر راستہ بنایا۔ مسلمانوں کو خبر ہوئی تو انھوں نے اس موقع کو غنیمت سمجھا اور حملے کی تیاریاں کیں۔ ایرانیوں کو بھی دم و دم کی خبریں پہنچتی تھیں۔ اسی وقت مسلمانوں کی آمد کے رُخ گولہ باریک دیکھا دیئے اور فوج کو سر و سامان سے درست کر کے قلعہ کے دروازے پر جا دیا۔ دونوں حریف اس طرح دل توڑ کر لڑے کہ لیلۃ الہرمی کے سوا کبھی نہیں لڑے تھے۔ اول تیروں کا مینہ برسا، ترکش خالی ہو گئے تو بہادروں نے نیزے سنبھالے یہاں تک کہ نیزے بھی ٹوٹ ٹوٹ کر ڈھیر ہو گئے تو تیغ و خنجر کا معرکہ شروع ہوا قمعاع نہایت دلیری سے لڑے تھے اور برابر آگے بڑھتے جاتے تھے۔ یہاں تک کہ قلعہ کے چھانک تک پہنچ گئے۔ لیکن سپہ سالار فوج یعنی ہاشم پیچھے رہ گئے تھے اور فوج

کا بڑا حصہ انہیں کی رکاب میں تھا۔ قفقاح نے نقیبوں سے پکرواد ہاکہ سیہ سالار قلعہ کے دارہ
 یک پہنچ گیا ہے، فون نے قفقاح کو ہاتھ سمجھا اور دقتہ ٹوٹ کر گری۔ ایرانی لہبر اکراو عم اوصہر بھا
 لیکن جس طرف جاتے تھے گوکھرو پچھے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے بیدر بنے قتل کرنا شروع
 کیا یہاں تک کہ موتخ طبری کی روایت کے موافق لاکھ آدمی مان سے مارے گئے اور تین کرو
 غنیمت ہاتھ آئی۔

سعد نے مردہ فتح کے ساتھ پانچواں حصہ دریہ منورہ بھیجا۔ زیاد نے جو مردہ فتح لے کر
 گئے تھے نہایت فصاحت کے ساتھ جنگ کے حالات بیان کیے۔ عزت عمر نے فرمایا کہ ان
 واقعات کو اسی طرح مجمع عام میں بھی بیان کر سکتے ہو؟ زیاد نے کہا میں کسی سے خوب تر
 تو آپ سے ہوتا۔ چنانچہ مجمع عام ہوا اور انھوں نے اس فصاحت و بلاغت سے تمام واقعات
 بیان کیے کہ معرکہ کی تصویر کھینچ دی۔ حضرت عمر بنول اٹھے کہ خطیب اسکو کہتے ہیں انھوں نے جستہ کہا۔

ان جندا اطلقونا بالفعال لساننا

اسکے بعد زیاد نے غنیمت کا ذخیرہ حاضر کیا۔ لیکن اسوقت شام ہو چکی تھی اس لیے تقسیم
 ملتوی رہی اور صبح مسجد میں انکا ڈھیر لگا دیا گیا۔ عبدالرحمن بن عوف اور عبدالودین ارقم نے رات
 بھر پہرہ دیا۔ صبح کو مجمع عام میں چادر ہٹائی گئی، درہم و دینار کے علاوہ انبار کے انبار جو اہل
 حضرت عمر بے ساختہ رو پڑے لوگوں نے تعجب سے پوچھا کہ یہ رونے کا کیا عمل ہے؟ فرمایا کہ جہاں
 دولت کا قدم آتا ہے رشک حسد بھی ساتھ آتی ہے۔

یزوگرو کو جلولا کی شکست کی خبر پہنچی تو حلوآن چھوڑ کر رنے کو روانہ ہوا اور خسرو شنوم کو جو ایک
 مغز افسر تھا چند رسالوں کے ساتھ حلوآن کی حفاظت کے لیے چھوڑا گیا۔ سعد خود جلولا
 میں ٹھہرے اور قفقاح کو حلوآن کی طرف روانہ کیا۔ قفقاح قصر شہر میں حلوآن سے تین میل

ہے) کے قریب پہنچے تھے کہ خسر و شترنوم خود اسے بڑھکر مقابل ہوا۔ لیکن شکست کھا کر بھاگ نکلا۔
 قتلح نے حُلوان پہنچ کر مقام کیا، رہر طرف اُن کی مُنادی کرا دی۔ اطراف کے رئیس اگر خزیہ
 قبول کرتے جاتے تھے اور اسلام کی حمایت میں آتے جاتے تھے۔ یہ فتح عراق کی فتوحات کا خاتمہ
 تھی، کیونکہ عراق کی حد یہاں ختم ہو جاتی ہے۔

فتوحات شام

سلسلہ واقعات کے لحاظ سے ہم اس موقع پر شام کی شکرگشی کے ابتدائی حالات بھی نہایت
 اجمال کے ساتھ لکھتے ہیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے آغازِ سیلابِ ہجری میں شام پر کئی طرف سے شکرگشی
 کی۔ ابو عبیدہؓ کو محسّر پر، یزید بن ابی سفیان کو دمشق پر، شرجیل کو اردن پر، عمرو بن العاص کو
 فلسطین پر مامور کیا۔ فوجوں کی مجموعی تعداد ۲۷۰۰۰ تھی۔ عرب کی سرحد سے کل کر ان افسروں
 کو ہر قدم پر رومیوں کے بڑے بڑے جھٹے ملے جو پہلے سے مقابلہ کے لئے تیار تھے ان کے
 علاوہ قبصرے تمام ملک سے فوجیں جمع کر کے الگ الگ افسروں کے مقابلہ پر بھیجیں، یہ دیکھ کر
 افسرانِ اسلام نے اس پر اتفاق کیا کہ کل فوجیں یکجا جمع ہو جائیں۔ اس کے ساتھ حضرت ابو بکرؓ کو خط
 لکھا کہ اور فوجیں مدد کو روانہ کی جائیں، چنانچہ خالد بن الولید جو عراق کے مہم پر مامور تھے عراق سے
 چل کر راہ میں چھوٹی چھوٹی لڑائیاں لڑتے اور فتح حاصل کرتے، دمشق پہنچے اور اُسکو صدر
 مقام قرار دے کر وہاں مقام کیا۔ قبصرے نے ایک بہت بڑی فوج مقابلے کے لئے روانہ کی جس
 نے اجنادین پہنچ کر جنگ کی تیاریاں شروع کیں، خالد اور ابو عبیدہؓ خود پیش قدمی کر کے اجنادین
 پر بڑے اور اور افسروں کو کچھ بھیجا کہ وہیں آکر مل جائیں، چنانچہ شرجیل، یزید، عمرو بن العاص
 وقتِ مقررہ پر اجنادین پہنچ گئے۔ خالد نے بڑھ کر حملہ کیا اور بہت بڑے معرکے کے بعد جیسا

تین تہاڑ مسلمان مائے گئے۔ فتح کامل حاصل ہوئی۔ یہ واقعہ حسب روایت بن احق ۲۸ جمادی الاول ۳۱۱ھ میں واقع ہوا۔ اس مہم سے فانیع ہو کر خالد نے پھر دمشق کا رخ کیا اور دمشق پہنچ کر ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کر لیا، محاصرہ اگرچہ حضرت ابو بکر کے عہد میں شروع ہوا لیکن چونکہ فتح حضرت عمر کے عہد میں حاصل ہوئی، ہم اس معرکہ کا حال تفصیل سے لکھتے ہیں۔

فتح دمشق

یہ شہر شام کا ایک بڑا صدر مقام تھا، اور چونکہ جاہلیت میں اہل عرب تجارت کے تعلق سے اکثر وہاں آیا جایا کرتے تھے اسکی عظمت کا شہرہ تمام عرب میں تھا۔ ان وجوہ سے خالد نے بڑے اہتمام سے محاصرہ کے سامان کیے۔ شہر پناہ کے بڑے بڑے دوازوں پر ان افسروں کو مقرر کیا جو شام کے صوبوں کی فتح پر مامور ہو کر آئے تھے۔ چنانچہ عمر بن العاص باب تو مارے۔ شرجیل باب الفردیس پر۔ ابو عبیدہ، باب الحجابیہ پر متین ہوئے۔ اور خود خالد نے پانچ ہزار فوج ساتھ لیکر باب الشرق کے قریب ڈیرے ڈالے۔ محاصرے کی سختی دیکھ کر عیسائی ہمت مائے جاتے تھے خصوصاً اسوجہ سے کہ ان کے جاسوس جو دریافت حال کے لئے مسلمانوں کی فوج میں آتے تھے، اگر دیکھتے تھے کہ تمام فوج میں ایک جوش کا عالم ہے ہر شخص پر ایک نشہ سا چھایا ہوا ہے۔ ہر ہر فرد میں دلیری، ثبات قدمی، راستبازی، عزم اور استقلال پایا جاتا ہے تاہم ان کو یہ سہارا تھا کہ ہر قتل سر پر موجود ہے اور محض سے امدادی فوجیں چل چکی ہیں۔ اسی آئنا میں حضرت ابو بکر نے انتقال کیا اور حضرت عمرؓ مسند آرائے خلافت ہوئے۔

عیسائیوں کو یہ بھی خیال تھا کہ اہل عرب ان ممالک کی سردی کی برداشت نہیں

کر رکھے۔ اسیلے موسم سرما تک یہ باہل آپ سے آپ چھٹ جائیگا۔ لیکن اُن کی دونوں
 امتیازیں بیکار گئیں۔ مسلمانوں کی سرگرمی باڑوں کی شدت میں بھی کم نہ ہوئی۔ اُدھر خالد نے
 ذوالکلاع کو کچھ فوج لے کر دمشق سے ایک منزل کے فاصلے پر متعین کر دیا تھا کہ ادھر سے مد
 نہ آنے پائے چنانچہ ہر قتل نے حص سے جو فوجیں بھیجیں تھیں وہیں روک لی گئیں۔ دمشق
 والوں کو آب باہل یا س ہو گئی، اسی اثنا میں اتفاق سے ایک واثقہ پیش آیا جو مسلمانوں کے
 حق میں تائید بخشی کا کام دے گیا۔ یعنی بطریق دمشق کے گھر میں لڑکا پیدا ہوا جس کی تفسیر
 میں تمام شہر نے خوشی کے جلے کیے اور اس کثرت سے شرابیں ہیں کہ شام سے پڑ کر سو
 ہے۔ خالد راتوں کو سوتے کم تھے اور محصورین کی ذرا اسی بات کی خبر رکھتے تھے اس عمدہ
 موقع کہاں ہاتھ آسکتا تھا اسی وقت اٹھے اور چند بہادر افسروں کو ساتھ لیا۔ شہر ہنپاہ کے نیچے خندق
 پانی سے بھر رہی تھی۔ مشک کے سہارے پار اترے اور کند کے ذریعے سے دیوار پر چڑھ گئے۔ اوپر
 جا کر رستی کی سیڑھی کند سے اٹکا کر نیچے لٹکا دی اس ترکیب سے تھوڑی دیر میں بہت سے
 جان نثار فیصل پر پہنچ گئے۔ خالد نے اتر کر پہلے دربانوں کو تہ تیغ کیا۔ پھر نعل توڑ کر دروازے
 کھول دیئے۔ ادھر فوج پہلے سے تیار کھڑی تھی۔ دروازے کھلنے کے ساتھ سیلاب کی طرح
 گھس آئی اور پہرہ کی فوج کو تہ تیغ کر دیا، عیسائیوں نے یہ رنگ بیکہ کر شہر ہنپاہ کے تمام دروازے
 نو و کھول دیئے اور ابو عبیدہ سے ملتی ہوئے کہ ہم کو خالد سے بچائیے۔ مصلطام میں جو حصہ ٹھیکر
 بازار تھا، ابو عبیدہ و خالد کا سامنا ہوا۔ خالد نے شہر کا جو حصہ فتح کیا تھا اگرچہ لڑکر فتح کیا تھا لیکن
 ابو عبیدہ نے چونکہ صلح منظور کر لی تھی۔ منقوضہ حصے میں بھی صلح کی شرطیں تسلیم کی گئیں یعنی غنیمت
 کی اجازت دی گئی نہ کوئی شخص لوٹدی غلام بنایا یہ مبارک فتح جو تمام بلاد شامیہ کی فتح کا دیا جا رہی تھی جب
 ۱۳۵ھ میں ہوئی۔

فصل - ذوقندہ سہ ماہی

دشوق کی تسکوت نے رومیوں کو سخت بہیم کیا اور وہ ہر طرف سے جمع ہو کر بڑ زو اور فو
کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لیے آمادہ ہوئے۔ دشوق کی فتح کے بعد چونکہ مسلمانوں نے
ارون کا رخ کیا تھا۔ اس لیے انھوں نے اسی صوبے کے ایک مشہور شہر بیسان میں فوجیں جمع
کرنی شروع کیں۔ شہنشاہ ہرقل نے دشوق کی امداد کے لیے جو فوجیں بھیجی تھیں اور دشوق تک
نہ پہنچ سکی تھیں۔ وہ بھی ایں آکر شامل ہو گئیں۔ اس طرح تیس چالیس ہزار کا جمع ہو گیا جس کا
سپہ سالار سکلاز نام ایک رومی افسر تھا۔

موقع جنگ کے سمجھنے کے لیے یہ بنا دینا ضرور ہے کہ تمام کالک فوجیوں میں منقسم ہے
جن میں سے - دشوق - حمص - اردن - فلسطین - مشہور اضلاع ہیں۔ اردن کا صدر مقام
طبرہ ہے جو دشوق سے چار منزل ہے۔ طبرہ کے شرقی جانب بارہ میل کی مہی ایک جھیل ہے
اسی کے قریب چند میل پر ایک جھوٹا سا شہر تھا جس کا پُرانا نام سلا اور نیا یعنی عربی نام فحل ہے
یہ لڑائی اسی شہر کے نام سے مشہور ہے یہ مقام اب باکل ویران ہے تاہم اس کے کچھ آثار
اب بھی سمندر کی سطح سے چھ سو فیٹ بلندی پر محسوس ہوتے ہیں۔ بیسان طبرہ کی جنوبی طرف
۸۰ میل پر واقع ہے۔

غرض رومی فوجیں بیسان میں جمع ہوئیں اور مسلمانوں نے ان کے سامنے فحل میں
پڑاؤ ڈالا، رومیوں نے اس ڈر سے کہ مسلمان وقفہ نہ آپڑیں۔ اس پاس جب قدر تھیں
سب بند توڑ دیئے اور فحل سے بیسان تک تمام عالم آب ہو گیا۔ کیچڑ اور پانی کی وجہ سے تمام راستے
بُرک گئے۔ لیکن اسلام کا سیلاب کب بُرک سخت تھا۔ مسلمانوں کا استقلال دیکھ کر عیسائی صلح
پر آمادہ ہوئے اور ابو عبیدہ کے پاس پیغام بھیجا کہ کوئی شخص سفیر نہ کر آئے۔ ابو عبیدہ نے معاف

بن جبل کو بھیجا، معاذ رومیوں کے لشکر میں پہنچے تو دیکھا کہ نیچے میں دیباے زریں کا فرش چھایا
وہیں ٹھہر گئے۔ ایک عیسائی نے آکر کہا کہ گھوڑا میں تھام لیتا ہوں، آپ دربار میں جا کر بیٹھیں۔
معاذ کی بزرگی اور تقدس کا عام چرچا تھا اور عیسائی تک اس سے واقف تھے۔ اس نے وہ قتی
ان کی عزت کرنی چاہتے تھے اور انکا باہر کھڑا رہنا ان کو گراں گزرتا تھا۔ معاذ نے کہا کہ میں اس
فرش پر جو غریبوں کا حق چھین کر تیار ہوا ہے بیٹھنا نہیں چاہتا، یہ کہہ کر زمین پر بیٹھ گئے عیسائیوں
نے انہیں کہنا اور کہا کہ ہم تمہاری عزت کرنی چاہتے تھے لیکن تم کو خود اپنی عزت کا خیال نہیں
تو مجبوری ہے۔ معاذ کو نصیحت آیا۔ گھنٹوں کے بل کھڑے ہو گئے اور کہا کہ ”جسکو تم عزت سمجھتے
جسکو اسکی پروا نہیں۔ اگر زمین پر بیٹھنا غلاموں کا شیوہ ہے تو مجھ سے بڑھ کر کون خدا کا غلام ہو
سکتا ہے؟ رومی ان کی بے پروائی اور آزادی پر حیرت زدہ تھے۔ یہاں تک کہ ایک شخص نے پوچھا
کہ مسلمانوں میں تم سے بھی کوئی بڑھ کر ہے؟ انھوں نے کہا ”معاذ اللہ ہی بہت ہے کہ میں
سب بدتر نہ ہوں“ رومی چپ ہو گئے۔ معاذ نے کچھ دیر تک انتظار کر کے مترجم سے کہا کہ ان سے
کہدو کہ اگر تم کو مجھ سے کچھ کہنا نہیں ہے تو میں واپس جاتا ہوں“ رومیوں نے کہا ہم کو یہ پوچھنا
ہے کہ تم اس طرف کس غرض سے آئے۔ ابی سینیا کا ملک تم سے قریب ہے فارس کا بادشاہ
مرچکا ہے اور سلطنت ایک عورت کے ہاتھ میں ہے، ان کو چھوڑ کر تم نے ہماری طرف کیوں رخ
کیا؟ حالانکہ ہمارا بادشاہ سب سے بڑا بادشاہ ہے اور تعداد میں ہم آسمان کے ستاروں اور زمین کے
ذروں کے برابر ہیں، معاذ نے کہا ”سب پہلے ہماری یہ درخواست ہے کہ تم مسلمان ہو جاؤ
ہم اسے قبلہ کی طرف نماز پڑھو۔ شراب پینا چھوڑ دو۔ سور کا گوشت نہ کھاؤ۔ اگر تم نے ایسا کیا تو ہم
تمہارے بھائی ہیں۔ اگر سلام لانا منظور نہیں تو جریہ دو اس سے بھی انکار ہو تو آگے تلوار ہے اگر
تم آسمان کے ستاروں کے برابر ہو تو ہم کو قلت اور کثرت کی پروا نہیں۔ ہمارے خدا نے کہا ہے کہ میں فیض

قلیلہ علت فتنہ کثیرہ تم کو اسپر تازہ ہے کہ تم ایسے شاہنشاہ کی رعایا ہو جسکو تمھاری جان مال کا اختیار ہے لیکن ہمنے جسکو اپنا بادشاہ بنا رکھا ہے، وہ کسی بات میں اپنے آپ کو ترجیح نہیں دے سکتا اگر وہ نہ مارے تو اسکو دے لگائے جائیں۔ چوری کرے تو مائدہ کاٹ ڈالے جائیں وہ پردہ میں نہیں بیٹھتا اپنے آپکو ہمسے بڑا نہیں سمجھتا مال دولت میں سکھم پرکو ترجیح نہیں۔ رویوں نے کہا اچھا ہم تم کو بقاء کا ضلع اور اردن کا وہ حصہ جو تمھاری زمین سے متصل ہے دیتے ہیں۔ تم یہ ملک چھوڑ کر فارس جاؤ۔ معاؤ نے انکار کیا اور اٹھ کر چلے آئے۔ رویوں نے براہ راست ابو عبیدہ سے گفتگو کرنی چاہی، چنانچہ اس غرض سے ایک خاص قاصد بھیجا جسوقت وہ پہنچا۔ ابو عبیدہ زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور ماتھے میں تیر تھے جسکو الٹ پلٹ کر رہے تھے۔ قاصد نے خیال کیا تھا کہ سپہ سالار بڑا جاہ و حشم رکھتا ہوگا اور یہی اسکی شناخت کا ذریعہ ہوگا۔ لیکن وہ جس طرف آنکھ اٹھا کر دیکھتا تھا سب ایک رنگ میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔ آخر گھبرا کر پوچھا کہ تمھارا سر ارکون ہے؟ لوگوں نے ابو عبیدہ کی طرف اشارہ کیا، وہ حیران رہ گیا اور تعجب سے انکی طرف منسوب ہو کر کہا کہ کیا درحقیقت تم ہی سردار ہو؟ ابو عبیدہ نے کہا، "ہاں" قاصد نے کہا ہم تمھاری فرج کوئی کس دود ووا شرفیاں دیں گے تم یہاں سے چلے جاؤ۔ ابو عبیدہ نے انکار کیا قاصد ہم ہو کر اٹھا، ابو عبیدہ نے اُس کے تیور دیکھ کر فوج کو کمر بندی کا حکم دیا اور تمام حالات حضرت عمر کو لکھ بھیجے۔ حضرت عمر نے جواب مناسب لکھا اور حوصلہ دلایا کہ ثابت قدم رہو خدا تمھارا پیارا اور مددگار ہے۔

ابو عبیدہ نے اسی دن کمر بندی کا حکم دیدیا تھا لیکن رومی مقابلے میں نہ آنے لگے دن تنہا خالد میدان میں گئے صرف سواروں کا رسالہ رکاب میں تھا، رویوں نے بھی جنگ

۱۰ مزہ شام ردی میں ہو کر یہ خط ایک شاہی لکڑ گنا تھا اور حضرت عمر کی ترغیب سے ملان ہو گیا۔

کی تیاری کی اور فوج کے تین حصے کر کے باری باری سے میدان میں بھیجے۔ پہلا دستہ خالد کی طرف بائیں اٹھائے چلا آتا تھا۔ کہ خالد کے اشارے سے قیس بن ہبیرہ نے صف سے نکل کر ان کا آگاہ روکا اور سخت کشت و خون ہوا، یہ معرکہ ابھی سر نہیں ہوا تھا کہ دوسری فوج نکلی خالد نے سبتہ بن سروق کو اشارہ کیا، وہ اپنے رکاب کی فوج لیکر مقابل ہوئے قیس بن لشکر بڑے سرو سامان سے نکلا ایک مشہور سردار سپہ سالار تھا اور بڑی تدبیر سے فوج کو بڑھاتا آتا تھا۔ قریب پہنچ کر خود ٹھیکر گیا اور ایک افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ خالد کے مقابل پر بھیجا۔ خالد نے یہ حملہ بھی نہایت استقلال سے سنبھالا، آخر سپہ سالار نے خود حملہ کیا اور پہلی دونوں فوجیں بھی اگر لگ گئیں دیر تک معرکہ رہا، علمائوں کی ثابت قدمی دیکھ کر رومیوں نے زیادہ لڑنا بیکار سمجھا، اور اٹا واپس جانا چاہا۔ خالد نے ساتھیوں کو لٹکارا کہ رومی اپنا زور صرف کر چکے اب ہماری باری ہے اس صدا کے ساتھ مسلمان دفعتہ ٹوٹ پڑے اور رومیوں کو برابر دبانے چلے گئے۔

میسانی مدد کے انتظار میں لڑائی ٹالتے جاتے تھے۔ خالد ان کی یہ چال سمجھ گئے اور ابو عبیدہ سے کہا کہ رومی ہم سے مرعوب ہو چکے ہیں۔ حملے کا یہی وقت ہے، چنانچہ اُسی وقت نقیب فوج میں جا کر پکار آئے کہ کل حملہ ہوگا، فوج سرو سامان سے تیار رہے رات کے پچھلے پہر ابو عبیدہ بستر خواب سے اُٹھے اور فوج کی ترتیب شروع کی۔ معاذ بن جبل کو مینہ پر مقرر کیا۔ ہاشم بن عتبہ کو میسہ کی افسری دی پیدل فوج پر سعید بن زید متعین ہوئے۔ سوار خالد کی ماتحتی میں آئے گئے۔ فوج آراستہ ہو چکی تو حضرت ابو عبیدہ نے اس سرے سے اس سرے تک ایک چکر لگایا ایک ایک علم کے پاس جا کر کھڑے ہوتے تھے اور کہتے تھے۔

یعنی ”مدا سے مدد جا ہے ہونہا نہت قدم رہو، کونکہ خدا
نابت قدموں کے ساتھ رہتا ہو۔“

ہبأ اللہ استوجوا من اللہ النصر
بالصبر فان اللہ مع الصابرین =

رومیوں نے جو تقریباً ۵۰ ہزار تھے۔ آگے پیچھے پانچ صفیں قائم کیں جنگی ترتیب یہ تھی کہ پہلی صف میں ہر ہر سوار کے دائیں بائیں دو دو قدر انداز۔ مہینہ اور میسرہ پر سواروں کے رسالے پیچھے پیادہ فوجیں۔ اس ترتیب سے تقارہ و تمامہ بجاتے مسلمانوں کی طرف بڑھے خالد چونکہ ہر اول پر تھے پہلے انہی سے مقابلہ ہوا۔ رومی قدر اندازوں نے تیروں کا اس قدر منیجہ برسا یا کہ مسلمانوں کو پیچھے ہٹنا پڑا، خالد اُدھر سے پہلوئے کر مہینہ کی طرف بھٹکے کیونکہ اُس میں سوار ہی سوار تھے قدر انداز نہ تھے رومیوں کے حوصلے اس قدر بڑھ گئے تھے کہ مہینہ کا رسالہ فوج سے الگ ہو کر خالد پر حملہ آور ہوا، خالد آہستہ آہستہ پیچھے ہٹتے جاتے تھے یہاں تک کہ رسالہ فوج سے دُور نکل آیا۔ خالد نے موقع پا کر اس زور شور سے حملہ کیا کہ صفیں کی صفیں اٹھیں گیارہ بڑے بڑے افسران کے ہاتھ سے مارے گئے۔ اُدھر قیس بن سہیر نے میسرہ پر حملہ کر کے رومیوں کا دوسرا بازو بھی کمزور کر دیا۔ تاہم قلب کی فوج تیز انداز کی وجہ سے محفوظ تھی۔ ہاشم بن عقبہ نے جو میسرہ کے سردار تھے، علم ہلا کر کہا، وہ خدا کی قسم جب تک اس کو قلب میں پہنچ کر نہ گاڑ دوں گا پھر کرنے آؤں گا یہ کہہ کر گھوڑے سے کود پڑے اور ماتھے میں سپرے کر لٹے بھڑتے اس قدر قریب پہنچ گئے کہ تیر و خدنگ سے گزر کر تیغ و شمشیر کی توبت آئی۔ کال گھنٹہ پھر لڑائی رہی اور تمام میدان خون سے رنگین ہو گیا۔ آخر رومیوں کے پانوں اکھڑ گئے اور نہایت بدحواسی سے بھاگے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامہ فتح لکھا اور پوچھا کہ مفتوحین کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے؟ حضرت عمر نے جواب میں لکھا کہ رعایا دمی قرار دی جائے اور زمین بدستور زمینداروں کے قبضے میں چھوڑ دی جائے۔

اس معرکہ کے بعد ضلع اردن کے تمام شہر اور مقامات نہایت آسانی سے فتح ہو گئے

لے دافعہ فعل کی تفصیل فتح اشام ندی سے نیگی ہو طبری غیرہ میں اسکو ساریت ہنصار کے ساتھ بیان کیا ہوا دافعہ کی کیفیت میں ہی اختلاف ہے

اور ہر جگہ شرائط صلح میں یہ بکھریا گیا کہ مفتوحین کی جان، مال، زمین، سرکانات، گرجے، عبادت گاہیں سب محفوظ رہیں گی۔ صرف مسجدوں کی تعمیر کے لئے کسی قدر زمین لے لی جائے گی۔

حمص ۱۴؎ ہجری ۶۳۵ء

شام کے اضلاع میں سے یہ ایک بڑا ضلع اور قدیم شہر ہے۔ انگریزی میں اسکو ایسا کہتے ہیں۔ قدیم زمانے میں اسکی شہرت زیادہ اسوجہ سے ہوئی کہ یہاں آفتاب کے نام پر ایک بڑا سیکل تھا جسکے تیرتھ کے لئے دور دور سے لوگ آتے تھے اور اسکا پنجاری ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی۔ دمشق اور اردن کے بعد تین بڑے بڑے شہر رہ گئے تھے جن کا مفتوح ہونا شام کا مفتوح ہونا تھا۔ بیت المقدس حمص۔ اور انطاکیہ جہاں خود ہرقل مقیم تھا۔ حمص ان دونوں کی نسبت زیادہ قریب و معیت و سامان میں دونوں سے کم تھا، اس لئے لشکر اسلام نے اول اسی کا راہ کیا، راہ میں بعلبک پڑتا تھا، وہ خفیف سی لڑائی کے بغیر فتح ہو گیا۔ حمص کے قریب دمیوں نے خود بڑھ کر مقابلہ کرنا چاہا چنانچہ ایک فوج کثیر حمص سے نکل کر جو سپہ میں مسلمانوں سے مقابل ہوئی لیکن خالد کے پہلے ہی حملہ میں ان کے پاتوں اکھڑ گئے۔ خالد نے سہرہ بن سروق کو تھوڑی سی فوج دے کر حمص کو روانہ کیا۔ راہ میں رومیوں کی ٹوٹی پھوٹی فوجوں سے جو ادھر ادھر پھیلی ہوئی تھیں سٹ بھڑ ہوئی اور مسلمان کا سیلاب ہے۔

اس معرکے میں شہزادہ حمیری نے اکیلے ساٹ سواروں کو قتل کیا۔ اور فوج سے الگ ہو کر جریدہ حمص کی طرف بڑھے، شہر کے قریب رومیوں کے ایک رسالے نے انکو تنہا دیکھ کر حملہ کیا، انھوں نے بڑی ثابت قدمی سے جنگ کی، یہاں تک کہ جب اس گیارہ شخص ان کے

پانچ سے مارے گئے تو رومی بھاگ نکلے اور ایک گرجا میں جو ویر محل کے نام سے مشہور تھا جا کر پناہ لی۔ ساتھ ہی یہ بھی پہنچے۔ گرجا میں ایک جماعت کثیر موجود تھی یہ چاروں طرف سے گھر گئے اور ڈھیلوں اور پیچروں کی بوچھاڑ میں زخمی ہو کر شہادت حاصل کی۔ میسرہ کے بعد خالد اور ابو عبیدہ نے بھی حص کا رخ کیا اور محاصرہ کے سامان پھیلا دیئے، چونکہ نہایت شدت کا سردی تھی رومیوں کو یقین تھا کہ مسلمان کھلے میدان میں ویر تک نہ لڑ سکیں گے اس کے ساتھ ہرقل کا قاصد آچکا تھا کہ بہت جلد مدد بھیجی جاتی ہے، چنانچہ اس حکم کے موافق جزیرہ سے ایک جمعیت عظیم روانہ بھی ہوئی، لیکن سعد بن ابی وقاص نے جو عراق کی ٹہم پر مامور تھے یہ خبر سن کر کچھ فوجیں بھیجیں جس نے ان کو وہیں روک لیا اور آگے بڑھنے نہ دیا۔ حال اہل نے ہر طرف سے مایوس ہو کر صلح کی درخواست کی، ابو عبیدہ نے عبادہ بن صامسہ کو وہاں چھوڑا اور خود حماتہ کی طرف روانہ ہوئے حماتہ والوں نے ان کے پہنچنے کے ساتھ صلح کی درخواست کی اور جزیرہ دینا منظور کیا، وہاں سے روانہ ہو کر شیشیر اور شیشیر سے معمرہ انمان پہنچے اور ان مقامات کے لوگوں نے خود اطاعت قبول کر لی، ان سے فائدہ ہو کر لاؤ تھے کا رخ کیا، یہ ایک نہایت قدیم شہر ہے۔ قینشن عہد میں اسکو امانا تھا کہتے تھے۔ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں سے کچھ فاصلے پر مقام کیا اور اسکی مضبوطی اور استواری دیکھ کر ایک نئی تدبیر اختیار کی یعنی میدان میں بہت سے غار کھدوائے۔ یہ غار اس تدبیر اور احتیاط سے تیار ہوئے کہ دشمنوں کو خبر تک نہ ہونے پائی۔ ایک دن فوج کو کوچ کا حکم دیا اور محاصرہ چھوڑ کر حص کی طرف روانہ ہوئے، شہر والوں نے جو مدت کی قلعہ بندی سے تنگ آ گئے تھے اور ان کا تمام کام باندھ بند تھا، اسکو تاہم غیبی خیال کیا اور شہر پناہ کا دروازہ کھول کر کاروبار میں مصروف ہوئے

مسلمان اسی رات کو واپس آ کر غاروں میں چھپ رہے تھے۔ صبح کے وقت کہیں گاہوں سے نکل کر وقفہ حملہ کیا اور دم کی دم میں شہر فتح ہو گیا۔ محص کی فتح کے بعد ابو عبیدہ نے خاص ہرقل کے پاس تخت کا ارادہ کیا اور کچھ فوجیں اس طرف بھیج بھی دیں لیکن دربار خلافت سے حکم پہنچا کہ اس سال آؤر آگے بڑھنے کا ارادہ نہ کیا جائے۔ چنانچہ اس ارشاد کے موافق فوجیں واپس بلالی گئیں اور بڑے بڑے شہروں میں افسر اور نائب بھیج دیئے گئے کہ وہاں کسی طرح کی ابتیری نہ ہونے پائے۔ خالد ایک ہزار فوج کے ساتھ دمشق کو گئے۔ عمرو بن العاص نے اردن میں تمام کیا۔ ابو عبیدہ نے خود محص میں اقامت کی۔

ہرموک۔ ۵ رجب ۳۵ھ

رومی جو شکست کھا کھا کر دمشق و محص وغیرہ سے نکلے تھے۔ انطاکیہ پہنچے اور ہرقل سے فریاد کی کہ عرب نے تمام شام کو پامال کر دیا، ہرقل نے ان میں سے چند ہوشیار اور معزز آدمیوں کو دربار میں طلب کیا اور کہا کہ عرب تم سے زور میں جمعیت میں سرو سامان میں کم ہیں، پھر غم ان کے مقابلہ میں کیوں نہیں ٹھہر سکتے، سپر سبب نداشت سے سر جھکا لیا اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا لیکن ایک تجربہ کار بڈھے نے عرض کی کہ عرب کے اخلاق ہمارے اخلاق سے اچھے ہیں، وہ رات کو عبادت کرتے ہیں، دن کو روزے رکھتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے۔ آپس میں ایک ایک سے برابری کے ساتھ ملتا ہے۔ ہمارا یہ حال ہے کہ شراب پیتے ہیں، بدکاریاں کرتے ہیں، اقرار کی پابندی نہیں کرتے، آؤروں پر ظلم کرتے ہیں، اسکا یہ اثر ہے کہ انکے ہر کام میں جوش اور استقلال پایا جاتا ہے اور ہمارا جو کام ہوتا ہے ہمت اور استقلال سے خالی ہوتا ہے۔ قیصر حقیقت

شام سے بکلیجائے گا اور وہ کرچکا تھا۔ لیکن ہر شہر اور ہر ضلع سے جوق جوق عیسائی فریادی چلے آتے تھے۔ قیصر کو سخت غیرت آئی اور نہایت جوش کے ساتھ آمادہ ہوا کہ شہنشاہی کا پورا زور عرب کے مقابلے میں صرف کر دیا جائے۔ روم۔ قسطنطنیہ۔ جزیرہ آرمینیہ۔ ہر جگہ احکام بھیجے گئے تمام فوجیں پائے تخت انطاکیہ میں ایک تاریخ معین تک حاضر ہو جائیں۔ تمام ضلع کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ بسندہ آدمی جہاں سے نہایا ہو سکیں روانہ کیے جائیں، ان احکام کا پہنچنا تھا کہ فوجوں کا ایک طوفان اُٹھ آیا، انطاکیہ کے چاروں طرف جہاں تک نگاہ جاتی تھی فوجوں کا ہڈیوں پھیلا ہوا تھا۔

حضرت ابو عبیدہ نے جو مقامات فتح کر لیے تھے وہاں کے امراء اور رئیس اُن کے عدل انصاف کے استقدر گرویدہ ہو گئے تھے کہ باوجود مخالف مذہب کے خود اپنی طرف سے دشمن کی خبر لانے کے لیے جاسوس مقرر کر رکھے تھے، چنانچہ اُن کے ذریعے سے حضرت ابو عبیدہ کو تمام واقعات کی اطلاع ہوئی۔ اُنھوں نے تمام افسروں کو جمع کیا اور کھڑے ہو کر ایک پُر اثر تقریر کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ مسلمانوں کو بدلے تم کو بار بار جانچا اور تم اُسکی جانچ میں پورے اُترے۔ چنانچہ اُس کے صلے میں خدا نے ہمیشہ تمکو منظر و منصور رکھا۔ اب تمھارا دشمن اس سر و سامان سے تمھارے مقابلے کے لیے پہلا ہے کہ زمین کا پُ اٹھی ہے اب بتاؤ کیا صلاح ہے؟ یزید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) کھڑے ہوئے اور کہا کہ میری رلے ہے کہ عورتوں اور بچوں کو شہر میں رہنے دیں اور ہم خود شہر کے باہر لشکر آرا ہوں، اسکے ساتھ خالد اور عمرو بن العاص کو خط لکھا جائے کہ دمشق اور فلسطین سے چل کر مدو کو آئیں۔ شمر جیل بن حسنہ نے کہا کہ اس موقع پر ہر شخص کو آزادانہ رائے دینی چاہیے، یزید نے جو رائے دی بے شبہ خیر خواہی سے دی لیکن میں اس کا مخالف ہوں۔ شہر والے تمام عیسائی ہیں ممکن ہے کہ وہ تعصب ہمارے اہل و عیال کو پکڑ کر

قیصر کے حوالے کر دیں یا خود مار ڈالیں۔ حضرت ابو عبیدہ نے کہا اسکی تدبیر یہ ہے کہ ہم عیسائیوں کو شہر سے نکالیں، شہر جمیل نے اٹھ کر کہا اے امیر! تجھ کو ہرگز یہ حق حاصل نہیں۔ ہم نے ان عیسائیوں کو اس شرط پر امن دیا ہے کہ وہ شہر میں اطمینان سے رہیں، ایسے نقص جہد کیونکر ہو سکتا ہے حضرت ابو عبیدہ نے اپنی غلطی تسلیم کی۔ لیکن یہ بحث طے نہیں ہوئی کہ آخر کیا کیا جائے؟ عام حاضرین نے رائے دی کہ حص میں ٹھہر کر۔ امدادی فوج کا انتظام کیا جائے، ابو عبیدہ نے کہا اتنا وقت کہاں ہے؟ آخر یہ رائے ٹھہری کہ حص چھوڑ کر دمشق روانہ ہوں، وہاں خالہ موجود ہیں اور عرب کی سرحد قریب ہے۔ یہ ارادہ مصمم ہو چکا تو حضرت ابو عبیدہ نے حبیب بن مسلمہ کو جو اسیر خزانہ تھے بلا کر کہا کہ عیسائیوں سے جو جزیہ یا خراج لیا جاتا ہے اس معاوضہ میں لیا جاتا ہے کہ ہم انکو۔ ان کے دشمنوں سے بچا سکیں۔ لیکن اسوقت ہماری حالت ایسی نازک ہے کہ ہم انکی نجات کا ذمہ نہیں اٹھا سکتے اس لیے جو کچھ ان سے وصول ہوا ہے سب انکو واپس دید و ادا کرانے کے بعد وہ ہکو تمھارے ساتھ جو تعلق تھا اب بھی ہے لیکن چونکہ اسوقت تمھاری حفاظت کے ذمہ نہیں ہو سکتے اس لیے جزیہ جو حفاظت کا معاوضہ ہے تمکو واپس کیا جاتا ہے۔ چنانچہ کسی لاکھ کی رقم جو وصول ہوئی تھی کل واپس کر دی گئی۔ عیسائیوں پر اس واقعہ کا استعداثر ہوا کہ وہ روتے جاتے تھے اور جوش کے ساتھ کہتے جاتے تھے کہ خدا تم کو واپس لائے، یہودیوں پر اس سے بھی زیادہ اثر ہوا، انھوں نے کہا توریت کی قسم جب تک ہم زندہ ہیں قیصر حص پر قبضہ نہیں کرے گا، یہ کہہ کر شہر پہاڑ کے دروازے بند کر دیے اور ہر جگہ چوکی پہرہ بٹھادیا۔ ابو عبیدہ نے صرف حص والوں کے ساتھ بیڑا نہیں کیا بلکہ جسقدر اضلاع فتح ہو چکے تھے ہر جگہ لکھ بچہ جاکہ جزیہ کی جسقدر رقم وصول ہوئی ہے واپس کر دی جائے۔

۱۔ ان واقعات کو ہادی نے منہج البلدان صفحہ ۱۳۷، تاریخ مصری ابو یوسف نے کتاب الجراح میں صفحہ ۱۸۰، اردی نوح لسانہ صفحہ ۱۳۷، تاریخ بکھا ہی ۱۲

غرض ابو عبیدہ دمشق کو روانہ ہوئے۔ اور ان تمام حالات سے حضرت عمر کو اطلاع دی
 حضرت عمر یمن کر کہ مسلمان رومیوں کے ڈر سے حص سے چپے آئے نہایت رنجیدہ ہوئے
 لیکن جب ان کو یہ معلوم ہوا کہ کل فوج اور انسراں فوج نے یہی فیصلہ کیا تو فی الجملہ تسلی ہوئی اور
 فرمایا کہ خدا نے کسی مصلحت سے تمام مسلمانوں کو اس لئے پرستش کیا ہوگا۔ ابو عبیدہ کو جواب لکھا
 کہ میں مدو کے لئے سعید بن عامر کو بھیجتا ہوں لیکن فوج و شکست فوج کی قلت، کثرت پر نہیں ہے۔
 ابو عبیدہ نے دمشق پہنچ کر تمام افسروں کو جمع کیا اور ان سے مشورت کی۔ یزید بن ابی سفیان۔
 شریل بن حنظلہ۔ معاویہ بن جبل۔ سب مختلف رائیں دیں، اسی اثنا میں عمرو بن العاص کا قصد
 خطے کے گرنچا۔ بسکایہ مضمون تھا کہ اردن کے اضلاع میں سام بغاوت پھیل گئی ہے۔ رومیوں کی
 آمد نے سخت تہلکہ ڈال دیا ہے اور حص کو چھوڑ کر چلا آنا نہایت بے رہی کا سبب ہو رہا ہے۔
 ابو عبیدہ نے جواب میں لکھا کہ حص کو ہٹنے ڈر کر نہیں چھوڑا بلکہ مقصود یہ تھا کہ دشمن محفوظ
 مقامات سے نکل آئے اور اسلامی فوجیں جو جا بجا پھیلی ہوئی ہیں یکجا ہوتیں۔ خط میں یہ بھی لکھا
 کہ تم اپنی جگہ سے نہ ٹلو، میں وہیں آکر تم سے ملتا ہوں۔

دوسرے دن ابو عبیدہ دمشق سے روانہ ہو گئے اور اردن کی حدود میں یرموک پہنچ کر قیام
 کیا۔ عمرو بن العاص بھی یہیں آکر لے یہ موقع جنگ کی ضرورتوں کے لیے اس لحاظ سے مناسب
 تھا کہ عرب کی سرحد بہ نسبت اور تمام مقامات کے یہاں سے قریب تھی، اور پشت پر عرب کی سرحد
 تک کھلا سیان تھا جس سے یہ موقع حاصل تھا کہ ضرورت پر جہاں تک چاہیں پیچھے ہٹتے جائیں
 حضرت عمر نے سعید بن عامر کے ساتھ جو فوج روانہ کی تھی وہ ابھی نہیں پہنچی تھی اور رومیوں
 کی آمد اور ان کے سامان کا حال سن سن کر مسلمان گھبرائے جاتے تھے۔ ابو عبیدہ نے حضرت

لے ایک فیصلی واقعات فوج نام ردی سے لیے ہیں لیکن ابو عبیدہ کا حص چھوڑ کر یمن چلا آنا ابن واضح عباسی اور دیگر مورخوں کی بھی بیان کیا ہے ۱۲

عمر کے پاس ایک اور قاصد دوڑایا اور بٹھا کہ رومی مجھ پر سے اہل پڑے ہیں اور جوش کا یہ حال ہے کہ فوج جس راہ سے گزرتی ہے، راہب، اور خانقاہ نشین، جنھوں نے کبھی جلوت سے قدم باہر نہیں نکالا تھا، نکل نکل کر فوج کے ساتھ ہوتے جاتے ہیں۔ خط پہنچا تو حضرت عمرؓ نے مہاجرین اور انصار کو جمع کیا اور خط پڑھ کر سنایا، تمام صحابہ بے اختیار رو پڑے اور نہایت جوش کے ساتھ بیکار کہنا کہ: "امیر المؤمنین! خدا کے لئے، حکم اجازت دے کہ ہم اپنے بھائیوں پر چاکر نثار ہو جائیں نہ انھو سے اُن کا بال بیکا ہوا تو پھر جینا بے سود ہے" مہاجرین و انصار کا جوش برابر ترصنا جاتا تھا یہاں تک کہ عبد الرحمن بن عوفؓ نے کہا کہ: "امیر المؤمنین! تو خود سپہ سالار بن اور ہکو ساتھ لے کر چل" لیکن اور صحابہ نے اس رائے سے اختلاف کیا اور رائے یہ بٹھری کہ اور املا دی فوجیں بھی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے قاصد سے دریافت کیا کہ دشمن کہاں تک آگئے ہیں۔ اس نے کہا یرموک سے تین چار منزل کا فاصلہ رک گیا ہے، حضرت عمرؓ نہایت غمزدہ ہوئے اور فرمایا کہ افسوس اب کیا بچتا ہے؟ اتنے عرصہ میں کیونکر مدد پہنچ سکتی ہے؟ ابو عبیدہ کے نام نہایت پرتاثر الفاظ میں ایک خط لکھا اور قاصد سے کہا کہ خود ایک ایک صف میں جا کر یہ خط سنانا اور زبانی کہنا کہ اے عمرؓ، یرموک السلام ویقول لکم یا اهل الاسلام اصدقوا للفاء وشدوا علیہم شد المبتوت۔ ولتکونوا اھون علیکم من الذرفانا قد کما علمنا انکم علیہم منصورون۔

یہ عجیب حسن اتفاق ہوا کہ جسدِ قاصد ابو عبیدہ کے پاس آیا، اُسی دن عامرؓ بھی ہزار آدمی کے ساتھ پہنچ گئے۔ مسلمانوں کو نہایت تقویت ہوئی۔ اور انھوں نے نہایت احتمال کے ساتھ لڑائی کی تیاریاں شروع کیں، رومی فوجیں یرموک کے مقابل ویراجیل میں اتریں خالدؓ نے لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔ معاویہؓ جبل کو جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے، سینہ پر تھمر کیا۔ قباث بن اشیم کو مسرہ اور ہاشم بن عتبہ کو پیدل فوج کی افسری دی، اپنے رکاب کی فوج

کے چار حصے کیے۔ ایک کو اپنی رکاب میں رکھا، باقی پرقیس بن ہمیرہ۔ میسرہ بن سسرق۔ عمرو بن
الطفیل کو مقرر کیا، یہ تینوں بہادر تمام عرب میں انتخاب تھے اور اسوجہ سے فارس العرب کہلاتے
تھے، رومی بھی بڑے سرد سامان سے نکلے۔ دولاکھ سے زیادہ کی جمیعت تھی اور ہم ۲۰ صنیس
تھیں جنگے آگے آگے ان کے مذہبی پیشوا ماتھوں میں صلیبیں لیے جوش دلاتے جاتے تھے فوجیں
بالکل متقابل آگئیں تو ایک بطریق صنف چمکڑکا اور کہا کہ میں تنہا لڑنا چاہتا ہوں ہیسرن مشرق
نے گھوڑا بڑھایا مگر چونکہ حریف نہایت تنومند اور جوان تھا خالد نے روکا اور قیس بن ہمیرہ کی
طرف دیکھا وہ یہ اشعار پڑھتے بڑھے۔

الست یوم الحرب من البطالہا

سائل نساء الحی فی جمالہا

کیا میں لڑائی کے دن بہادریوں کے نام نہیں

پردہ نشین عورتوں سے پوچھ لو

قیس اس طرح جھپٹ کر پہنچے کہ بطریق تیار بھی نہیں سمجھا پکا تھا کہ ان کا وار
چل گیا تیلوار سر پر پڑی اور خود کو کاٹی ہوئی گردن تک اتر آئی۔ بطریق ڈگمگا کر گھوڑے سے گرا
ساتھ ہی مسلمانوں نے تکبیر کا نعرہ مارا۔ خالد نے کہا شگون اچھا ہوا، اور اب خدا نے چاہا تو
آگے فتح ہے۔ عیسائیوں نے خالد کے ہمرکاب افسروں کے مقابلہ میں جدا جدا فوجیں متین کی
تھیں، لیکن سب نے شکست کھائی، اُس دن یہیں تک نوبت پہنچ کر لڑائی ملتوی رہ گئی۔
رات کو باہان نے سرداروں کو جمع کر کے کہا کہ عربوں کو شام کی دولت و نعمت کا مزہ
پڑ چکا، بہتر یہ ہے کہ مال و زر کی طمع و لالچ انکو بیاں سے نالا جائے۔ سب نے اس رائے سے
اتفاق کیا۔ دوسرے دن ابو عبیدہ کے پاس قاصد بھیجا کہ کسی معزز افسر کو ہمارے پاس بھیج دو،
ہم اس صلح کے متعلق گفتگو کرنی چاہتے ہیں ابو عبیدہ نے خالد کو انتخاب کیا، قاصد جو پیغام لیکر آیا اسکا نام جان
تھا جس وقت وہ پہنچا شام ہو چکی تھی فورا دیر کے بعد عرب کی نماز شروع ہوئی مسلمان جن وقت شروع سے تکبیر کرکے

ہوئے اور جس محنت سکون و تندرستی سے انھوں نے نماز ادا کی۔ قاصد نہایت حیرت و استعجاب کی نگاہ سے دیکھتا رہا۔ یہاں تک کہ جب نماز ہو چکی تو اُس نے ابو عبیدہ سے چند سوالات کیے جن میں ایک یہ بھی تھا کہ تم عیسے کی نسبت کیا اعتقاد رکھتے ہو؟ ابو عبیدہ نے قرآن کی آیتیں پڑھیں۔ یا اهل الكتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا علی اللہ الا الحق انما المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ وکلمۃ القاہالی مریم۔ لن یتسنکف المسیح ان یشکک عبداً لہ ولا الملائکۃ المقربون۔ مترجم نے ان الفاظ کا ترجمہ کیا، تو جارج بے اختیار پکار اٹھا کہ بے شک عیسے کے یہی اوصاف ہیں اور بیشک تمہارا پیغمبر سچا ہے، یہ کہہ اُس نے کلمہ توحید پڑھا اور مسلمان ہو گیا وہ اپنی قوم کے پاس واپس جانا بھی نہیں چاہتا تھا لیکن حضرت ابو عبیدہ نے اس خیال سے کہ رومیوں کو بد عہدی کا گمان نہ ہو مجبور کیا اور کہا کہ کل یہاں سے جو سفیر جائیگا اُس کے ساتھ چلے آنا۔

دوسرے دن خالد رومیوں کی لشکر گاہ میں گئے۔ رومیوں نے اپنی شوکت دکھانے کے لیے پہلے سے یہ انتظام کر رکھا تھا کہ راستے کے دونوں جانب دوڑ تک سواروں کی صفیں قائم کی گئیں جو سرے پاؤں تک لوہے میں غرق تھے۔ لیکن خالد اس بے پروائی اور حقیر کی نگاہ سے انہیں نظر ڈالتے جاتے تھے جس طرح شیر بکریوں کے ریوڑ کو چیرتا چلا جاتا ہے باہان کے نیچے کے پاس پہنچے تو اُس نے نہایت احترام کے ساتھ استقبال کیا، اور لا کر اپنے برابر بٹھایا۔ مترجم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ باہان نے معمولی بات چیت کے بعد کچھ کے طریقے پر تقریر شروع کی، حضرت عیسے کی تعریف کے بعد قیصر کا نام لیا اور فخر سے کہا کہ ہمارا بادشاہ تمام بادشاہوں کا شہنشاہ ہے۔ مترجم ان الفاظ کا پورا ترجمہ نہیں کر چکا تھا کہ خالد نے باہان کو روک دیا اور کہا کہ تمہارا بادشاہ ایسا ہی ہو گا لیکن ہم نے جسکو سردار بنا رکھا ہے اُسکو

ایک نکلے کے لئے اگر بادشاہی کا خیال آئے تو ہم فوراً اسکو معزول کر دیں، با مان سے پھر تقریر شروع کی اور اپنے جاہ و دولت کا فخر بیان کر کے کہا کہ اہل عرب امتخاری قوم کے جو لوگ ہمارے ملک میں آکر آباد ہوئے ہم نے ہمیشہ اُن کے ساتھ دوستانہ سلوک کیئے، ہمارا خیال تھا کہ اس مراعات کا تمام عرب ممنون ہوگا، لیکن خلاف توقع تم ہمارے ملک پر چڑھ آئے اور چاہتے ہو کہ ہم کو ہمارے ملک سے نکال دو، انکو معلوم نہیں کہ بہت سی قوموں نے بار بار ایسے ارادے کیئے لیکن کبھی کامیاب نہیں ہوئیں، اب انکو کہ تمام دنیا میں تم سے زیادہ کوئی قوم جاہل و حشی، اور بے سُر سامان نہیں یہ جو صلہ ہوا ہے ہم اسپر بھی دگر کر کرتے ہیں بلکہ اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو انعام کی طور پر سپہ سالار کو نوں نر اور دینار اور اور افسروں کو نر نر اور عام سپاہیوں کو تسو تسو دینار دلائیے جائیں گے۔

با مان اپنی تقریر ختم کر چکا تو خالد اٹھے اور حمد و نعت کے بعد کہا کہ بے شبہ تم دو تہمتوں پر مالدار ہو، صاحب حکومت ہو، تم نے اپنے ہمسایہ عربوں کے ساتھ جو سلوک کیا وہ بھی ہمکو معلوم ہے لیکن یہ تمہارا کچھ احسان نہ تھا بلکہ اشاعت مذہب کی ایک تدبیر تھی جسکا یہ اثر ہوا کہ وہ عیسائی ہو گئے۔ اور آج خود ہمارے مقابلے میں تمہارے ساتھ ہو کر ہم سے لڑتے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ ہم نہایت محتاج تنگدست اور خانہ بدوش تھے۔ ہمارے ظلم و جہالت کا یہ حال تھا کہ قوی کمزور کو پس ڈالتا تھا، قبائل آپس میں لڑ لڑ کر برباد ہوتے جاتے تھے۔ بہت سے خدا بنا رکھے تھے، اور انکو پوجتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے بُت تراشتے تھے اور انکی عبادت کرتے تھے لیکن خدا نے ہمپر رحم کیا۔ اور ایک پیغمبر بھیجا جو خود ہماری قوم سے تھا اور ہم میں سب سے زیادہ شریف، زیادہ قیاض، زیادہ پاک و نچھا اس نے ہمکو توحید سکھائی اور بتا دیا کہ خدا کا کوئی شریک نہیں، وہ بیوی اور اولاد نہیں رکھتا۔ اور باطل بختیار دیکھنا ہے، اس نے ہمکو یہ بھی حکم دیا کہ ہم ان عقائد کو تمام دنیا کے سامنے پیش کریں، جس نے اُن کو مانا وہ مسلمان ہے اور ہمارا بھائی ہے جس نے نہ مانا لیکن جزیہ دینا قبول کرتا ہی

اُس کے ہم حامی اور محافظ ہیں، جسکو دونوں سے انکار ہو اُس کے لیے تلوار ہے۔

بابان نے خزیہ کا نام سن کر ایک ٹھنڈی سانس بھری اور اپنے لشکر کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ یہ مرکز بھی خزیہ نہ دیں گے۔ ہم خزیہ لیتے ہیں دیتے نہیں۔ غرض کوئی معاملہ طے نہیں ہوا اور خالد اٹھ کر چلے آئے۔ اب اُس خیر لڑائی کی طیاریاں شروع ہوئیں جسکے بعد رومی پھر کھنجر من سنے خالد کے چلے آنے کے بعد۔ بابان نے سرداروں کو جمع کیا اور کہا کہ تم نے سنا۔ اہل عرب کو دعوے ہے کہ جب تک تم انہی رعایا نہ بن جاؤ ان کے حملہ سے محفوظ نہیں رہ سکتے۔ تم کو انکی علانی منظوری تمام افسروں نے بڑے جوش سے کہا کہ ہم مرجائیں گے، مگر یہ ذلت گوارا نہیں ہوتی۔“

صبح ہوئی تو رومی اس جوش اور سرد سامان سے نکلے کہ مسلمانوں کو بھی حیرت ہو گئی۔ خالد نے یہ دیکھ کر عرب کے عام قاعدے کے خلاف نئے طور سے فوج آرائی کی۔ فوج جو ۳۰-۳۵ ہزار تھی اُس کے ۳۴ حصے کیے اور آگے پیچھے نہایت ترتیب کے ساتھ اسی قدر صفیں قائم کیں۔ قلب

فوج ابو عبیدہ کو دیا، میمنہ پر عمرو بن العاص اور شمر جیل مامور ہوئے۔ میسرہ نیرید بن ابی سفیان کی کمان میں تھا۔ ان کے علاوہ ہر صف پر الگ الگ جو افسر متعین کیے چن کر ان لوگوں کو کیا جو بہادری اور فنون جنگ میں شہرت عام رکھتے تھے۔ خطبا۔ جو اپنے زور کلام سے لوگوں میں بے چل ڈال دیتے تھے اس خدمت پر مامور ہوئے کہ پرجوش تقریروں سے فوج کو جوش دلائیں انہیں میں ابو سفیان بھی تھے جو فوجوں کے سامنے یہ الفاظ کہتے پھرتے تھے اللہ انکو زادۃ

الحرب وانصار الاسلام وانهم زادة الروم وانصار الشرك۔ اللهم ان هذا يوم من ايامك اللهم انزل نصرک علی عبادک عمرو بن العاص کہتے پھرتے تھے۔

ایہا الناس غضوا ابصارکم وانشعوا الرمع والزموا امرالکر فاذاحمل عدوکم فامهلوا	یارو! نکاہیں انچی رکھو جھبیاں تاں لو اپنی جگہ پر جمے رہو۔ پھر جب دشمن حملہ آور ہوں تو آگے دو۔
-----------------------------------------------------------------------------	-----------------------------------------------------------------------------------------------

ہم حنی اذار کبوا اطراف الاستی

فتنوا فی وجوہہم وثوب الاستی

ہاں تک کہ سب ہمسروں کی لوگ یہ اس و سنہ کی

طراں اس یہ ٹوٹ نہ

فوج کی تعداد اگرچہ کم تھی مہنی ۳۰-۳۵ ہزار سے زیادہ آدمی نہ تھے لیکن تمام عرب میں انتخاب تھے۔ ان میں سے خاص وہ بزرگ جنہوں نے رسول اللہ کا جمال مبارک دیکھا تھا ایک ہزار تھے مشہور بزرگ وہ تھے جو جنگ بدر میں رسول اللہ کے ہمراہ رہے تھے۔ سب کے مشہور قبائل میں سے وہ تھے۔ ہزار سے زیادہ صرف ازو کے قبیلے کے تھے۔ حیر کی ایک بڑی جماعت تھی ہمدان خولان۔ کھم خدام وغیرہ کے مشہور سردار تھے، اس معرکہ کی ایک یہ بھی خصوصیت ہے کہ عورتیں بھی اسیں شریک تھیں اور نہایت بہادری سے لڑیں، امیر معاویہ کی ماں ہند حلقہ کرتی ہوئی بڑھتی تھیں تو پیکار کرتی تھیں عضد الغلفان بسیر فخر امیر معاویہ کی بہن جویریہ نے بھی بڑی دلیری سے جنگ کی۔

مقداد جو نہایت خوش آواز تھے فوج کے آگے آگے سورہ انفال جہیں جہاد کی ترغیب ہے تلاوت کرتے جاتے تھے۔

اوصرو میوں کے جوش کا یہ عالم تھا کہ تین ہزار آدمی ان نے پانچوں میں بیڑیاں پہن لیں کہ ہٹنے کا خیال تک نہ آئے جنگ کی ابتداء میوں کی طرف سے ہوئی۔ ذوالکھ کا بیڑی دل ایک ساتھ بڑھا، ہزاروں پادری اور شپ ہاتھوں میں صلیب لے آگے تھے اور حضرت عیسیٰ کی بنے پکارتے آتے تھے۔ یہ سرد سامان دیکھ کر ایک شخص کی زبان سے بے اختیار یہ نعرہ نکلا کہ عیسیٰ بے انتہا فوج ہے، خالد نے جھٹاکر کہا چپ رہ خدا کی قسم میرے گھوڑے کے منہ میں اچھ ہوتے تو میں کہہ دیتا کہ عیسیٰ اتنی ہی فوج اور بڑھائیں۔

غرض عیسائیوں نے نہایت زور شور سے حملہ کیا، اور تیروں کا مینہ برساتے، جسے مسلمان دیر تک ثابت قدم رہے لیکن حملہ اس زور کا تھا کہ مسلمانوں کا مینہ ٹوٹ کر فوج سے علیحدہ ہو گیا، اور

نہایت بے ترتیبی سے پیچھے ہٹا۔ نہایت یافتہ ہٹتے ہٹتے حرم کے خیمہ گاہ تک آگئے۔ عورتوں کو حالت دیکھ کر سخت غصہ آیا، اور خیمہ کی چوبیس اٹھار لیں اور پکاریں کہ نامردو! ادھر آئے تو چوبیسوں سے تمھارا سر توڑ دیں گے، تو کہ یہ شعر پڑھ کر لوگوں کو غیرت دلاتی تھیں۔

ماہار باعن سنوۃ تقبات رُمت بالسہم والمینات

یہ حالت دیکھ کر معاذ بن جبل جو سینہ کے ایک حصے کے سپہ سالار تھے گھوڑے سے کود پڑے اور کہا کہ میں تو پیدل لڑتا ہوں لیکن کوئی بہادر اس گھوڑے کا حق ادا کر سکے تو گھوڑا حاضر ہے ان کے بیٹے تے کہا ہاں۔ یہ حق میں ادا کروں گا، کیونکہ میں سوار ہو کر اچھا لڑ سکتا ہوں، غرض دونوں باپ بیٹے فوج میں گئے اور اس ڈیرے سے جنگ کی کہ مسلمانوں کے اکھڑے پانوں پھر سنبھل گئے ساتھ ہی تاج جو قبیلہ زمید کے سردار تھے پانسو آدمی لے کر بڑھے اور عیسائیوں کا جو مسلمانوں کا تعاقب کرتے چلے آتے تھے، آگاہ روک لیا۔ سینہ میں قبیلہ ازود شروع حملہ سے ثابت قدم رہا تھا، عیسائیوں نے لڑائی کا سارا زور ان پر ڈالا لیکن وہ پہاڑ کی طرح جے ہے جنگ کی شدت تھی کہ فوج میں ہر طرف، سر ہاتھ، بازو، کٹ کٹ کر گرتے جاتے تھے لیکن ان کے پائے ثبات کو لغزش نہیں ہوتی تھی۔ عمرو بن لطفیل جو قبیلہ کے سردار تھے تلوار مارتے جاتے تھے اور لٹکاتے جاتے تھے کہ ازو بوا! دیکھنا۔ مسلمانوں پر تمھاری وجہ سے داغ نہ آئے، تو بڑے بڑے بہادران کے ہاتھ سے مارے گئے اور آخر خود شہادت حاصل کی۔

حضرت خالد نے اپنی فوج کو پیچھے لگا رکھا تھا۔ وقت صف چیر کر نکلے اور اس زور سے حملہ کیا کہ رومیوں کی صفیں انہر کر دیں۔ عکرمہ نے جو ابو جہل کے فرزند تھے اور اسلام لانے سے پہلے اکثر کفار کے ساتھ رہ کر لڑے تھے، گھوڑا آگے بڑھایا اور کہا ”عیسائیو! میں کسی زلے میں دھڑکی حالت میں، خود رسول اللہ سے لڑ چکا ہوں۔ کیا آج تمھارے مقابلے میں میرا پانوں پیچھے پڑ سکتا ہے؟“

یہ بکھر فوج کی طرف دیکھا اور کہا مرنے پر کون ہیبت کرتا ہے؟ چار شخصوں نے جن میں ضرار بن ازدر بھی تھے مرنے پر بیعت کی اور اس ثابت قدمی سے لڑے کہ قریباً سب کے سب وہیں کٹ کر رہ گئے عکرمہ کی لاش مقتولوں کے ڈھیر میں ملی۔ کچھ کچھ دم باقی تھا۔ خالد نے اپنے زانو پر ان کا سر رکھا اور گلے میں پانی پینا کر کہا: ”خدا کی قسم عمر کا گمان غلط تھا کہ ہم شہید ہو کر نہ مریں گے۔“

غرض عکرمہ اور ان کے ساتھی گو خود ہلاک ہو گئے لیکن رومیوں کے ہزاروں آدمی برباد کر دیے۔ خالد کے حملوں نے اور بھی ان کی طاقت توڑ دی یہاں تک کہ آخر ان کو پیچھے ہٹنا پڑا اور خالد انکو دباتے ہوئے سپہ سالار درنجبار تک پہنچ گئے۔ درنجبار اور رومی افسروں نے آنکھوں پر دھال ڈال لیے کہ ”اگر یہ آنکھیں فتح کی صورت نہ دیکھ سکیں تو شکست بھی نہ دیکھیں۔“

عین اسوقت جب اوصہر مینہ میں بازار قتال گرم تھا ابن قنابلہ نے میسرہ پر حملہ کیا، بہت سی سے اس حصے میں اکثر تخم و غسان کے قبیلہ کے آدمی تھے جو شام کے اطراف میں بود و باش رکھتے تھے اور ایک مدت سے روم کے باغزار رہتے آئے تھے۔ رومیوں کا رعب جو دلوں میں سمایا ہوا تھا اسکا یہ اثر ہوا کہ پہلے ہی حملہ میں ان کے پانوں اکھڑ گئے۔ اور اگر افسروں نے بھی بے ہمتی کی ہوتی تو لڑائی کا حاتمہ ہو چکا ہوتا۔ رومی۔ بھاگتوں کا پیچھا کرتے ہوئے خیموں تک پہنچ گئے۔ عورتیں یہ حالت دیکھ کر بے اختیار کل پڑیں اور ان کی پامردی نے عیسائیوں کو آگے بڑھنے سے روک دیا۔ فوج اگرچہ ابتر ہو گئی تھی، لیکن افسروں میں سے قنات بن ائیم۔ سعید بن

زید۔ یزید بن ابی سفیان۔ عمرو بن العاص۔ شرجیل بن خنہ۔ واد شجاعت نے ہے تھے قنات کے ہاتھ سے تلواریں اوزنیرے ٹوٹ ٹوٹ کر گر جاتے تھے مگر ان کے تیور پر پل نہ آتا تھا نیزہ ٹوٹ کر گرتا تو کہتے کہ کوئی ہے؟ جو اس شخص کو ہتھیار دے جسے خدا سے اقرار کیا ہے کہ میدان جنگ

سے ہٹے گا تو مکر ہٹے گا۔ لوگ فوراً تلوار یا نیزہ اُن کے ہاتھ میں لا کر دیدیتے اور پھر وہ شیر کی طرح جھپٹ کر دشمن پر جا پڑتے۔ ابو الاعمور۔ گھوڑے سے کود پڑے اور اپنے رکاب کی فوج سے مخاطب ہو کر کہا کہ صبر و استقلال دنیا میں غرت ہے اور عقبے میں رحمت، دیکھنا یہ دولت ہاتھ سے نجانے پائے، سعید بن زید غصہ میں گھٹنے ٹیکے ہوئے کھڑے تھے۔ رومی اُن کی طرف بڑھے تو شیر کی طرح جھپٹے اور مقدمہ کے افسر کو مار کر گرا دیا، زید بن ابی سفیان (معاویہ کے بھائی) بڑی ثابت قدمی سے لڑ رہے تھے، اتفاق سے اُن کے باپ ابو سفیان جو فوج کو جوش دلاتے پھرتے تھے انکی طرف آنکے۔ بیٹے کو دیکھ کر کہا ”جانِ پدر! اسوقت میدان میں ایک ایک سپاہی۔ شجاعت کے جوہر دکھا رہا ہے۔ تو سپہ سالار ہے اور سپاہیوں کی بہ نسبت تجھ پر شجاعت کا زیادہ حق ہے، تیری فوج میں سے ایک سپاہی بھی اس میدان میں تجھ سے بازمی لے گیا تو تیرے لیے شرم کی جگہ ہے۔“ شرجیل کا یہ حال تھا کہ رومیوں کا چاروں طرف سے زخم تھا اور یہ بیچ میں پہاڑ کی طرح ڈٹے کھڑے تھے۔ قرآن کی یہ آیت اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اَنْفُسَهُمْ اَمْوَالَهُمْ بِاَنْ

لَهُمْ الْجَنَّةُ۔ يَقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيَقْتُلُوْنَ وَيُقْتَلُوْنَ۔ پڑھتے تھے اور نعرہ مارتے تھے کہ خدا کے ساتھ سودا کرنے والے اور خدا کے ہمسایہ بننے والے کہاں ہیں؟ یہ آواز جسکے کان میں بچی بے اختیار لوٹ پڑا یہاں تک کہ اکھڑی ہوئی فوج پھر بھل گئی اور شرجیل نے اُن کو لے کر اس بہادری سے جنگ کی کہ رومی جو ٹوٹے چلے آتے تھے بڑھنے سے رُک گئے۔

اوصرحو تین خیموں سے نکل نکل کر فوج کی پشت پر اکھڑی ہوئیں اور چلا کر تہی تھیں کہ میدان سے قدم ہٹایا تو پھر ہمارا منہ نہ دیکھنا۔“

لڑائی کے دونوں پہلو اب تک برابر تھے۔ بلکہ غلبہ کا پتہ رومیوں کی طرف تھا۔ دفعۃً قیس بن ہبیرہ جنکو خالد نے فوج کا ایک حصہ دیکر میسرہ کی پشت پر متعین کر دیا تھا۔ عقب سے نکلے

اور اس طرح ٹوٹ کر گرے کہ رومی سرداروں نے بہت سنبھالا مگر فوج سنبھل نہ سکی تیارم صغیر ابتر ہو گئیں اور گھبرا کر پیچھے ہٹیں۔ ساتھ ہی سعید بن زید نے قلب سے کل کر حملہ کیا، رومی دُور تک ٹھٹھے چلے گئے یہاں تک کہ میدان کے سرے پر جو نالہ تھا اُس کے کنارے تک آگئے تھوڑی دیر میں انکی لاشوں سے وہ نالہ بھر دیا اور میدان خالی ہو گیا۔

اس لڑائی کا یہ واقعہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جو وقت گھسان کی لڑائی ہو رہی تھی۔ عباس بن قیس جو ایک بہادر سپاہی تھے بڑی جاتبازی سے لڑ رہے تھے۔ اسی اثنا میں کسی نے اُن کے پانوں پر تلوار ماری اور ایک پانوں کٹ کر الگ ہو گیا۔ عباس کو خبر تک نہ ہوئی۔ تھوڑی دیر کے بعد ہوش آیا تو ڈھونڈتے پھرتے تھے کہ میرا پانوں کیا ہوا؟ اُن کے قبیلے کے لوگ اس واقعہ پر ہمیشہ فخر کرتے تھے چنانچہ سوار بن اوفیٰ ایک شاعر نے کہا۔

وَمَنَا ابْنُ عَتَابٍ وَمَا تَدْرُجُهُ وَمَنَا الَّذِي اَدَى اِلَى الْحِجَابِ

رومیوں کے جبقدر آدمی مارے گئے۔ انکی تعداد میں اختلاف ہے۔ طبری اور ازدی نے لاکھ سے زیادہ تعداد بیان کی ہے۔ بلاذری نے ستر ہزار لکھا ہے، مسلمانوں کی طرف تین ہزار کا نقصان ہوا جن میں ضرار بن ازد۔ ہشام بن العاصی۔ ابان۔ سعید وغیرہ تھے۔ قیصر انطاکیہ میں تھا کہ شکست کی خبر پہنچی۔ اسی وقت قسطنطنیہ کی تیاری کی۔ چلتے وقت شام کی طرف رُخ کر کے کہا: "الوداع امی شام"

ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو نامہ فتح لکھا۔ اور ایک مختصر سی سفارت بھیجی جس میں خدیفہ بن لیثان بھی تھے۔ حضرت عمر یرموک کی خبر کے انتظار میں کئی دن سے سوئے نہ تھے۔ فتح کی خبر پہنچی تو وہ فورا سجدے میں گرے اور خدا کا شکر ادا کیا۔

ابوعبیدہ پر موگ سے محض کو واپس گئے۔ اور خالد کو قنسرین روانہ کیا۔ شہر والوں نے اول مقابلہ کیا۔ لیکن بھر قلعہ بند ہو کر جرہ کی شرط پر صلح کر لی۔ یہاں عرب کے قبائل میں سے قبیلہ تنوخ مدت سے اگر آباد ہو گیا تھا، یہ لوگ برسوں تک کتل کے خیموں میں بسر کرتے رہے تھے لیکن رفتہ رفتہ تمدن کا یہ اثر ہوا کہ بڑی بڑی عالیشان عمارتیں بنوالی تھیں۔ حضرت ابوعبیدہ نے ہتھومی کے اتحاد سے ان کو اسلام کی ترغیب دی۔ چنانچہ سب مسلمان ہو گئے۔ صرف نبولج کا خاندان عیسائی پر قائم رہا اور چند روز کے بعد وہ بھی مسلمان ہو گیا۔ قبیلہ طے کے بھی بہت سے لوگ یہاں آباد تھے انہوں نے بھی اپنی خوشی سے اسلام قبول کیا۔

قنسرین کی فتح کے بعد ابوعبیدہ نے حلب کا رخ کیا۔ شہر سے باہر میدان میں عرب کے بہت سے قبیلے آباد تھے۔ انہوں نے جرہ پر صلح کر لی اور تھوڑے دنوں کے بعد سب کے سب مسلمان ہو گئے۔ حلب والوں نے ابوعبیدہ کی آمد سن کر قلعہ میں پناہ لی۔ عیاض بن غنم نے جو مقدمہ کھیش کے افسر تھے۔ شہر کا محاصرہ کیا اور چند روز کے بعد اور مفتوحہ شہروں کی طرح ان شرائط پر صلح ہو گئی کہ عیسائیوں نے خزیہ دینا منظور کیا۔ اور ان کی جان۔ مال۔ شہر پناہ مکانات۔ قلعے۔ اور گرجوں کی حفاظت کا معاہدہ کھدایا گیا۔ حلب کے بعد انطاکیہ آئے۔ چونکہ قیصر کا خاص دارالسلطنت تھا۔ بہت سے رومیوں اور عام عیسائیوں نے یہاں آ کر پناہ لی تھی۔ ابوعبیدہ نے ہر طرف سے شہر کا محاصرہ کیا، چند روز کے بعد عیسائیوں نے مجبور ہو کر صلح کر لی، ان صدقات کے فتح ہونے نے تمام شام کو مرعوب کر دیا اور یہ نوبت پہنچی کہ کوئی افسر تھوڑی سی جمیعت کے ساتھ جس طرف نکل جاتا تھا۔ عیسائی خود اگر امن و صلح کے خواستگار ہوتے تھے۔ چنانچہ انطاکیہ کے بعد ابوعبیدہ نے چاروں طرف فوجیں پھیلا دیں۔ بوقا۔ جومہ۔ سرین۔ توزی۔ قورس۔ تل غراز۔ ولوک۔ رعبان۔ یہ چھوٹے مقامات اس آسانی سے فتح ہوتے گئے کہ خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر

نہیں گرا، اس طرح باس اور قاصرین بھی پہلے دہلے میں فتح ہو گئے۔ جو جرہ الوں نے جرہ سے
 بٹھا کر کیا اور کہا کہ ہم لڑائی میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے۔ چونکہ جرہ فوجی خدمت کا معاوضہ ہے۔
 انہی یہ درخواست منظور کر لی گئی۔

انطاکیہ کے مضامات میں بغراس ایک مقام تھا جس سے ایشیائی کوچک کی سرحد تھی
 یہاں عرب کے بہت سے قبائل عثمان۔ تنوخ۔ ایاد۔ رومیوں کے ساتھ ہرقل کے پاس جانے
 کی تیاریاں کر رہے تھے۔ حبیب بن سلمہ نے اُن پر حملہ کیا اور بڑا معرکہ ہوا۔ ہزاروں قتل ہوئے خالد
 نے مرعش پر حملہ کیا اور اس شرط پر صلح ہوئی کہ عیسائی شہر چھوڑ کر نکلیں۔

بیت المقدس ۱۶۴

ہم اُوپر لکھ آئے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ نے جب شام پر چڑھائی کی تو ہر صوبہ پر الگ الگ افسر
 بھیجے۔ چنانچہ فلسطین۔ عمرو بن العاص کے حصے میں آیا۔ عمرو بن العاص نے بعض مقامات
 حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں فتح کر لیے تھے اور فاروقی عہد تک تو نابلس۔ لد۔ عمواس۔ بیت جین
 شام بڑے بڑے شہروں پر قبضہ ہو چکا تھا۔ جب کوئی عام معرکہ پیش آ جاتا تھا تو وہ فلسطین چھو کر
 ابو عبیدہ سے ملتے تھے اور اُنکو مدد دیتے تھے لیکن فارغ ہونے کے ساتھ فوراً واپس آ جاتے
 تھے اور اپنے کام میں مشغول ہوتے تھے۔ یہاں تک کہ اس پاس کے شہروں کو فتح کر کے خاص
 بیت المقدس کا محاصرہ کیا۔ عیسائی قلعہ بند ہو کر لڑتے رہے، اُس وقت حضرت ابو عبیدہ شام
 کے انتہائی اضلاع قنسرین وغیرہ فتح کر چکے تھے، چنانچہ ادھر سے فرصت پا کر بیت المقدس کا
 فتح کیا۔ عیسائیوں نے ہمت ہار کر صلح کی درخواست کی اور فریاد طینان کے لیے یہ شرط اضافہ کی
 ملہ فتح اعلان صفحہ ۱۲۷۔

کہ عمر خود یہاں آئیں اور معاہدہ صلح ان کے ہاتھوں سے لکھا جائے۔ ابو عبیدہ نے حضرت عمر کو خط لکھا کہ بیت المقدس کی فتح آپ کی تشریف آوری پر موقوف ہے۔ حضرت عمر نے تمام معزز صحابہ کو جمع کیا اور مشورت کی حضرت عثمان نے کہا کہ ”عیسائی مرعوب اور شکستہ دل ہو چکے ہیں آپ انہی اس دن خواست کو رد کر دیں تو انکو اور بھی ذلت ہوگی اور یہ سمجھ کر کہ مسلمان انکو باطل تھیر سکتے ہیں بغیر کسی تہرج کے ہتیار ڈال دیں گے“ لیکن حضرت علی نے اس کے خلاف رائے دی حضرت عمر نے اسی کی رائے کو پسند کیا۔ اور سفر کی تیاریاں کیں، حضرت علی کو نائب مقرر کر کے خلافت کے کاروبار انکو سپرد کیے اور رجب ۳۱ھ میں مدینہ سے روانہ ہو گئے۔

ناظرین کو انتظار ہوگا کہ فاروق اعظم کا سفر اور سفر بھی وہ جس سے دشمنوں پر اسلامی جلال کا عجب بٹھانا مقصود تھا۔ کس سرو سامان سے ہوا ہوگا؟ لیکن یہاں تقارہ و نوبت خدمت شہم لاؤشکہ ایک طرف، معمولی ڈیرہ اور خیمہ تک نہ تھا۔ سواری میں گھوڑا تھا اور چند مہاجرین و انصار ساتھ تھے تاہم جہاں یہ آواز پہنچتی تھی کہ فاروق اعظم نے مدینہ سے شام کا ارادہ کیا اسی زمین دہل جاتی تھی۔

سرداروں کو اطلاع دی جا چکی تھی کہ جابیہ میں اگر ان سے ملیں، اطلاع کے مطابق یزید بن ابی سفیان اور خالد بن الولید وغیرہ نے یہیں استقبال کیا۔ شام میں رہ کر ان افسروں عرب کی ساوگی باقی نہیں رہی تھی، چنانچہ حضرت عمر کے سامنے یہ لوگ آئے تو اس میت سے آئے کہ بدن پر حریر و دیبا کے چلے اور پر تکلف قبائیں تھیں اور زرق برق پوشاک اور ظاہری شان و شوکت سے عجمی معلوم ہوتے تھے، حضرت عمر کو سخت غصہ آیا۔ گھوڑے سے اتر پڑے اور سنگریزے اٹھا کر انہی طرف پھینکے کہ استقدر جلد تم نے عجمی عادتیں اختیار کر لیں۔

۱۷۰ یہ مہاجرین ہیں حضرت علی کے بدلے حضرت عثمان کا نام لیا جو مدینہ سے مدینہ ص ۱۷۰ -

ان لوگوں نے عرض کی کہ قبائلوں کے نیچے ہتھیار میں یعنی سیبکی کا جو بڑا تھوڑا سا نہیں دیا ہو
فرمایا: "تو کچھ مضائقہ نہیں" شہر کے قریب پہنچے تو ایک اونچے ٹیلے پر کھڑے ہو کر چاروں طرف
نگاہ ڈالی۔ تنوٹہ کا و قریب سبزہ زار اور دمشق کے بلند اور شاندار مکانات سامنے تھے۔ دل پر
ایک خاص اثر ہوا، عبرت کے لہجہ میں یہ آیت پڑھی کہ نیکو اس حرام و حلال پر مبالغہ کے
چند حسرت انگیز اشعار پڑھے۔

جاہلیہ میں دیر تک قیام رہا اور بیت المقدس کا معاہدہ بھی یہیں لکھا گیا۔ وہاں عیسائیوں
کو حضرت عمر کی آمد کی خبر پہلے پہنچ چکی تھی، چنانچہ رسیان شہر کا ایک گروہ ان سے ملنے کے لیے دمشق
کو روانہ ہوا۔ حضرت عمر فوج کے حلقے میں بیٹھے تھے کہ وقعتہ کچھ سوار نظر آئے جو گھوڑے اڑاتے
آتے تھے اور کمر میں تلواریں چمک رہی تھیں مسلمانوں نے فوراً ہتھیار سمجھال دیئے۔ حضرت عمر
نے پوچھا خیر ہے؟ لوگوں نے سواروں کی طرف اشارہ کیا۔ حضرت عمر نے فرست سے ہتھاکب تک
کے عیسائی ہیں۔ فرمایا گھبراؤ نہیں یہ لوگ امان طلب کرنے آتے ہیں۔ نوض معاہدہ صلح لکھا باکر
بڑے بڑے متفرص صحابہ کے دستخط ہو گئے۔

معاہدہ کی تکمیل کے بعد حضرت عمر نے بیت المقدس کا ارادہ کیا۔ گھوڑا جو سوار ہی میں تھا اس سے
سُٹم گھس کر تمام ہو گئے تھے اور رک رک کر قدم رکھتا تھا۔ حضرت عمر یہ دیکھ کر ترپڑے لوگوں نے ترکی
نسل کا ایک عمدہ گھوڑا حاضر کیا۔ گھوڑا شوخ اور چالاک تھا حضرت عمر سوار ہوئے، ڈھیل لارنے لگا فرمایا
بکشت یہ غور کی چال تو نے کہاں سیکھی۔ یہ کہہ کر ترپڑے اور پیادہ پا چلے بیت المقدس قریب آیا تو حضرت
ابو عبیدہ اور سرداران فوج استقبال کو آئے۔ حضرت عمر کا لباس اور سر و سامان اس معمولی حیثیت
سے غری ہوئے ۲۴۰، ۲۴۱ء یہ طبری کی روایت ہے بلاذری اور ازدی سے لکھا ہے کہ معاہدہ صلح بیت المقدس

معاہدہ صلح بیت المقدس

معاہدہ صلح بیت المقدس

کوٹا جہاں ہے اس کتاب کے دوسرے حصے میں نقل کیا ہے۔ دیکھو اس کتاب کا دوسرا حصہ ص ۱۲۱۔

کا تھا اسکو دیکھ کر مسلمانوں کو شرم آتی تھی کہ عیسائی اپنے دل میں کیا کہیں گے؟ چنانچہ لوگوں نے ترکی گھوڑا اور عمدہ قیمتی پوشاک حاضر کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ خدانے ہمکو جو نعمت دی ہے وہ اسلام کی عزت ہے اور ہمارے لئے ہی نہیں ہے، نوحہ اس حال سے بیت المقدس میں داخل ہوئے سب سے پہلے مسجد میں گئے۔ محراب و اذان کے پاس پہنچ کر سجدہ و اذان کی آیت پڑھی اور سجدہ کیا پھر عیسائیوں کے گرجا میں آئے اور ادھر ادھر پھرتے رہے

چونکہ یہاں اکثر افسران فوج اور عمال جمع ہو گئے تھے کئی دن تک قیام کیا اور ضروری احکام جاری کیے۔ ایک دن بلالؓ رسول اللہؐ کے نمونہ نے اگر تکایت کی کہ امیر المؤمنین ہمارے افسر پرندہ کا گوشت اور سیدہ کی روٹیاں کھاتے ہیں لیکن عام مسلمانوں کو معمولی کھانا بھی نصیب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے افسروں کی طرف دیکھا انھوں نے عرض کی کہ اس ملک میں تمام چیزیں آزاد ہیں جتنی قیمت پر حجاز میں روٹی اور کھجور ملتی ہے یہاں اسی قیمت پر پرندہ کا گوشت اور سیدہ ملتا ہے حضرت عمرؓ افسروں کو مجبور نہ کر سکے لیکن حکم دیدیا کہ مال غنیمت اور تنخواہ کے علاوہ ہر سپاہی کا کھانا بھی مقرر کر دیا جائے۔

ایک دن نماز کے وقت بلالؓ سے درخواست کی کہ آج اذان دو بلالؓ نے کہا میں غم کر چکا تھا کہ رسول اللہؐ کے بعد کسی کے لئے اذان نہ پڑے گا۔ لیکن آج (اور صرف آج) آپ کا ارشاد بجا لاؤں گا اذان دینی شروع کی تو تمام صحابہ کو رسول اللہؐ کا ہمد مبارک یاد آگیا اور رقت طاری ہوئی۔ ابو عبیدہ و معاذ بن جبل روتے روتے بیتاب ہو گئے، حضرت عمرؓ کی ہچکلی لگ گئی اور دیر تک ایک اثر رہا۔

ایک دن سجدہ اقصیٰ میں گئے اور کعبہ جبار کو بلایا اور ان سے پوچھا کہ نماز کہاں پڑھی جائے مسجد اقصیٰ میں ایک مختصر ایوان عیسائیوں کی یادگار ہو اسکو منقرہ کہتے ہیں اور یہی وہی اسی طرح خطیم کرتے ہیں جس طرح مسلمان حجرات کی حضرت عمرؓ نے کہتا تھا کہ کعبہ نے کہا کہ منقرہ کی طرف حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم میں اب تک یہودیت کا اثر باقی

باقی ہے اور اسی کا اٹھ تھا کہ تم نے معترکہ کے پاس گرجائی اٹھادی۔ اس قلعہ سے حضرت عمر کا جو طرز عمل اس قسم کی یادگاروں کی نسبت تھا ظاہر ہوتا ہے۔ اس موقع پر ہماری اس کتاب کے دوسرے حصہ کے صفحہ ۱۶۹ و ۱۷۰ کو بھی ملاحظہ کرنا چاہیے

محرم پر عیسائیوں کی دوبارہ کشت

یہ سحر کہ اس لحاظ سے یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس سے جزیرہ اور آرمینیہ کی فتوحات کا موقع پیدا ہوا۔ ایران اور روم کی قہمتیں جن اسباب سے پیش آئیں وہ ہم اوپر لکھے آئے ہیں لیکن اس وقت تک آرمینیہ پر لشکر کشی کے لئے کوئی خاص سبب نہیں پیدا ہوا تھا۔ اسلامی فتوحات چونکہ روز بروز وسیع ہوتی جاتی تھیں اور حکومت اسلام کے حدود برابر بڑھتے جاتے تھے۔ بسا یہ سلطنتوں کو خود بخود خوف پیدا ہوا۔ کہ ایک دن ہماری باری بھی آتی ہے۔ چنانچہ جزیرہ والوں نے قیصر کو لکھا کہ تے سر سے قہمت کیجئے، ہم ساتھ دینے کو موجود ہیں۔ چنانچہ قیصر نے ایک فوج کثیر محرم کو روانہ کی۔ اوھر سے جزیرہ واسے۔ نہر اسکی بھیڑ بھاڑ کے ساتھ شام کی طرف بڑھے۔

ابو عبیدہ نے بھی اوھر اوھر سے فوجیں جمع کر کے محرم کے باہر صفیں جائیں ساتھ ہی حضرت عمر کو تمام حالات سے اطلاع دی حضرت عمر نے آٹھ بڑے بڑے شہروں میں فوجی چھاونیاں قائم کر رکھی تھیں۔ اور ہر جگہ نگار نگار نہر اگھوڑے فقط اس غرض سے ہر وقت تیار رہتے تھے کہ کوئی اتفاقیہ موقع پیش آجائے تو فوراً ہر جگہ سے فوجیں لٹیا کر کے موقع پر پہنچ جائیں۔ ابو عبیدہ کا خط آیا تو ہر طرف قاصد دوڑا دیئے۔ قحطاع بن عمر کو جو کوفہ میں مقیم تھے لکھا کہ فوراً چار نہر اسوار لیکر محرم پہنچ جائیں۔ عبد اللہ بن عدی کو حکم بھیجا کہ جزیرہ پہنچ کر جزیرہ والوں کو محرم کی طرف بڑھنے سے روکیں۔ عبد اللہ بن عثمان کو نصیبین کی طرف روانہ کیا۔ ولید بن عقبہ کو مامور کیا کہ جزیرہ پہنچ کر عرب کے اُن قبائل کو قہام

رہیں جو جزیہ میں آباؤ اجداد تھے۔ حضرت عمرؓ نے ان انتظامات پر بھی قناعت نہ کی بلکہ خود مدینہ سے روانہ ہو کر دمشق میں آئے۔ جزیہ والوں نے جب سنا کہ نوذان کے ملک میں مسلمانوں کے قدم آگئے تو محسن کا محاصرہ چھوڑ کر جزیہ کو پلٹے۔ عرب کے قبائل جو عیسائیوں کی مدد کو آئے تھے وہ بھی پچھپائے اور خلیفہ خالد کو پیغام بھیجا کہ تمہاری مرضی ہو تو ہم اسی وقت یا عین موقع پر عیسائیوں سے الگ ہو جائیں۔ خالد نے کہا ابھی کہ افسوس! میں دوسرے شخص (ابو عبیدہ) کے ہاتھ میں ہوں۔ اور وہ حملہ کرنا پسند نہیں کرتا ورنہ مجھ کو تمہارے ٹھہرنے اور چلے جانے کی مطلق پروا نہ ہوتی۔ تاہم اگر تم سچے ہو تو محاصرہ چھوڑ کر کسی طرف نکل جاؤ۔ اہل فوج نے ابو عبیدہ سے تلقاضا شروع کیا کہ حملہ کرنے کی اجازت ہو انھوں نے خالد سے پوچھا خالد نے کہا میری جوارے بہ معلوم ہے، عیسائی ہمیشہ کثرت فوج کے بل پر لڑتے ہیں اب کثرت بھی نہیں رہی۔ پھر اس بات کا اندیشہ ہے، اس پر بھی ابو عبیدہ کا دل مطمئن نہ تھا۔ تمام فوج کو جمع کیا اور نہایت پر زور اور مؤثر تقریر کی کہ مسلمانو! آج جو ثابت قدم رہ گیا وہ اگر زندہ بچا تو ملک و مال ہاتھ آئیگا اور مارا گیا تو شہادت کی دولت ملیگی۔ میں گواہی دیتا ہوں (اور جھوٹ بولنے کا موقع نہیں) کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص مرے اور مشرک ہو کر نہ مرے وہ ضرور جنت میں جائیگا۔ فوج پہلے ہی سے حملہ کرنے کے لیے تیار تھی۔ ابو عبیدہ کی تقریر نے اور بھی گرا دیا اور فوج نے ہتھیار سنبھال لیے، ابو عبیدہ قلب فوج اور خالد و عباس سمیت اور میسرہ کو لیکر بڑے تعفان جو کوفہ سے چار ہزار فوج کے ساتھ مدد کو آتے تھے محسن سے چند میل پر راہ میں تھے کہ اس واقعہ کی خبر سنی۔ فوج چھوڑ کر تسو سواروں کے ساتھ ابو عبیدہ سے آئے مسلمانوں کے حملے کے ساتھ عرب کے قبائل (جیسا کہ خالد سے اقرار ہو چکا تھا) اٹھری کے ساتھ پیچھے ہٹے، ان کے بیٹنے سے عیسائیوں کا بازو ٹوٹ گیا اور مقوڑی دھار لڑ کر اس میں عیسیٰ سے بھاگے کہ برج الدیباں تک اُن کے قدم نہ جھے یا غیر محرم تھا جسکی ابتدا خود عیسائیوں کی طرف ہوئی اور جبکہ بعد اُن کو پھر کبھی پیش قدمی کا حوصلہ نہیں ہوا۔

حضرت خالد کا معزول ہونا

شام کی فتوحات اور یہاں کے واقعات میں حضرت خالد کا معزول ہونا ایک اہم واقعہ ہے عام مورخین کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ نے حنان خلافت ماقہ میں لینے کے ساتھ پہلا جو حکم دیا وہ خالد کی معزولی تھی۔ ابن الاثیر وغیرہ سب یہی کہتے آتے ہیں لیکن یہ انکی سخت غلطی ہے۔ افسوس ہے کہ ابن الاثیر کو خود اپنی اختلاف بیانی کا بھی خیال نہیں۔ خود ہی سلسلہ کے واقعات میں خالد کا معزول ہونا لکھا ہے اور خود ہی سلسلہ کے واقعات میں انکی معزولی کا الگ عنوان قائم کیا ہے اور دونوں جگہ بالکل ایک سے واقعات نقل کر دیے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ خالد کی بعض بے عہدالیوں کی وجہ سے مدت سے ناراض تھے تاہم آغاز خلافت میں ان سے کچھ تعرض کرنا نہیں چاہا۔ لیکن چونکہ خالد کی عادت تھی کہ وہ کاغذات حساب و دربار خلافت کو نہیں بھیجتے تھے اس لیے انکو تادیب کبھی کہ آئندہ سے بسکا خیال رکھیں خالد نے جواب میں لکھا کہ میں حضرت ابو بکرؓ کے زمانے سے ایسا ہی کرتا آیا ہوں اور اب اس کے خلاف نہیں کر سکتا۔ حضرت عمرؓ کو انکی یہ خود مختاری کیونکر پسند ہو سکتی تھی اور وہ بیت المال کی رقم کو اس طرح بیدریغ کیونکر کسی کے ہاتھ میں دیکھتے تھے۔ چنانچہ خالد کو لکھا کہ تم اسی شرط پر سپہ سالار رہ سکتے ہو کہ فوج کے مصارف کا حساب ہمیشہ بھیجتے رہو۔ خالد نے اس شرط کو نا منظور کیا اور اس بیت پر وہ سپہ سالاری کے عہدے سے معزول کر دیئے گئے۔ چنانچہ اس واقعہ کو حافظ ابن حجر نے کتاب البصائر میں حضرت خالد کے حال میں تفصیل لکھا ہے۔

✓ باہنیمہ انکو بالکل معزول نہیں کیا بلکہ ابو عبیدہ کے ماتحت کر دیا۔ اس کے بعد یہاں سپہ سالاری پیش آیا کہ حضرت خالد نے ایک شاعر کو دس ہزار روپے انعام میں دیئے۔ پرچہ نویسوں نے انسی

وقت حضرت عمرؓ کو پرچہ لکھا۔ حضرت عمرؓ نے ابو عبیدہ کو خط لکھا کہ خالدؓ نے یہ نعام اپنی گروہ سے دیا تو ارف کیا اور بیت المال سے دیا تو خیانت کی۔ دونوں صورتوں میں وہ معزولی کے قابل ہیں۔

خالدؓ جس کیفیت سے معزول کیے گئے وہ سننے کے قابل ہے قاصد نے جو معزولی کا خط لے کر آیا تھا مجمع عام میں خالدؓ سے پوچھا کہ یہ نعام تنے کہاں سے دیا۔ خالدؓ اگر اپنی خطا کا اقرار کر لیتے تو حضرت عمرؓ کا حکم تھا کہ ان سے درگزر کیا جائے لیکن وہ خطا کے اقرار کرنے پر راضی نہ تھے۔ مجبوراً قاصد نے معزولی کی علامت کے طور پر ان کے سر سے ٹوپی اتار لی اور ان کی سرنامی کی منزا کے لئے ان ہی کے عمامہ سے انکی گردن باندھ لی۔ یہ واقعہ کچھ کم حیرت انگیز نہیں کہ ایسا بڑا سپہ سالار جب کا نظیر تمام اسلام میں کوئی شخص موجود نہ تھا اور جب کی تلوار نے عراق و شام کا فیصلہ کر دیا تھا اس طرح ذلیل کیا جا رہا ہے اور مطلق روم نہیں مارتا۔ اس واقعہ سے ایک طرف تو خالدؓ کی نیک نفسی اور حق پرستی کی شہادت ملتی ہے۔ اور دوسری طرف حضرت عمرؓ کی سطوت و جلال کا اندازہ ہوتا ہے۔

خالدؓ نے حصہ پنچکرا اپنی معزولی کے متعلق ایک تقریر کی۔ تقریر میں یہ بھی کہا کہ امیر المؤمنین عمرؓ نے مجھ کو شام کا امیر مقرر کیا اور جب میں نے تمام شام کو زیر کر لیا تو مجھ کو معزول کر دیا اس فقرے پر ایک سپاہی اٹھ کھڑا ہوا اور کہا کہ اے سردار چپ رہ! ان باتوں سے فتنہ پیدا ہو سکتا ہے۔ خالدؓ نے کہا ہاں لیکن عمرؓ کے ہوتے فتنہ کا کیا احتمال ہے۔

خالدؓ مدینہ آئے اور حضرت عمرؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ عمرؓ! خدایا قسم تم میرے معاملے میں نا انصافی کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا کہ تمہارے پاس اتنی دولت کہاں سے آئی خالدؓ نے کہا کہ مال غنیمت سے۔ اور یہ کہہ کر کہا کہ ساتھ ہزار سے جب قدر زیادہ رقم نکلے وہ میں آپ کے حوالے کرتا ہوں چنانچہ تیس ہزار روپے زیادہ نکلے اور وہ بیت المال میں داخل کر دیئے گئے۔ حضرت عمرؓ نے خالدؓ کی

طرف مخاطب ہو کر کہا کہ خالد! واللہ تم مجھ کو محبوب بھی ہو اور میں تمہاری موت بھی کرتا ہوں۔ یہ کہہ کر تمام سمالان ملکی کو کچھ بھیجا کہ میں نے خالد کو تاراجی سے یا نجات کی بنا پر موتوف نہیں کیا لیکن چونکہ میں یہ دیکھتا تھا کہ لوگ ان کے مقتول ہوتے جاتے ہیں ایسے میں نے ان کا حذول کرنا مناسب سمجھا تاکہ لوگ یہ سمجھ لیں کہ جو کچھ کرتا ہے خدا کرتا ہے ان واقعات سے ایک نکتہ ہیں شخص آسانی یہ سمجھ سکتا ہے کہ خالد کی مغزولی کے کیا اسباب تھے اور اس میں کیا تلخیتیں تھیں۔

عمواس کی وراثت

۱۸
۶۳۹ھ

اس سال تمام مصر و عراق میں سخت وبا پھیلی۔ اور اسلام کی بڑی بڑی یادگاریں خاک میں چھپ گئیں۔ وبا کا آغاز ۱۸ھ کے اخیر میں ہوا اور کئی مہینے تک نہایت شدت رہی حضرت عمرؓ کو اول جب خبر پہنچی تو اس کی تدبیر اور انتظام کے لئے خود روانہ ہوئے۔ سرخ پتھر کا ابو عبیدہ وغیرہ سے جو ان کے استقبال کو آئے تھے معلوم ہوا کہ بیماری کی شدت بڑھتی جاتی ہے مہاجرین اولین اور انصار کو بلایا اور رائے طلب کی۔ مختلف لوگوں نے مختلف رائے دیں۔ لیکن مہاجرین فتح نے یک زبان ہو کر کہا کہ آپ کا یہاں ٹھہرنا مناسب نہیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ کو حکم دیا کہ پکار دیں کہ کل کو صبح ہے۔ حضرت ابو عبیدہ چونکہ تقدیر کے مسئلہ پر نہایت سختی کے ساتھ اعتقاد رکھتے تھے انکو نہایت غصہ آیا۔ اور طیش میں آکر کہا۔

یہی اس عمرہ! تقدیر الہی سے بھاگتے ہو؟

افراراً من قدر الله

حضرت عمرؓ نے انکی سخت کلامی کو گوارا کیا اور کہا۔

یہی ان! تقدیر الہی سے بھاگتا ہوں مگر بھانٹا ہی تقدیر الہی کی طرف ہوں

ثم افر من قضاء الله الى قضاء الله

۱۵ ہجری ۲۵۲ھ ایک مقام کا نام ہے ۱۲

غرض خود مدنیہ چلے آئے اور ابو عبیدہ کو لکھا کہ مجھ کو تم سے کچھ کام ہے کچھ دنوں کے لیے یہاں آ جاؤ۔
 ابو عبیدہ کو خیال ہوا کہ وہاں کے خوف سے بلایا ہے۔ جواب میں لکھ بھیجا کہ جو کچھ تقدیر میں لکھا ہے وہ
 ہوگا۔ میں مسلمانوں کو چھوڑ کر اپنی جان بچانے کے لیے یہاں سے مل نہیں سکتا۔ حضرت عمر خط
 پڑھ کر روئے اور لکھا کہ فوج جہاں اتری ہے وہ نشیب اور مرطوب جگہ ہے۔ اس لیے کوئی عمدہ موقع
 تجویز کر کے وہاں اٹھ جاؤ۔ ابو عبیدہ نے اس حکم کی تعمیل کی اور جابیہ میں جا کر تمام کبا جوت ہو کی خوبی شہر تھا
 جابیہ پہنچ کر ابو عبیدہ بیمار پڑے۔ جب زیادہ شدت ہوئی تو لوگوں کو جمع کیا اور نہایت پُر اثر الفاظ میں
 وصیت کی۔ معاویہ بن جبل کو اپنا جانشین مقرر کیا اور چونکہ نماز کا وقت آچکا تھا حکم دیا کہ وہی نماز پڑھائیں
 ادھر نماز ختم ہوئی ادھر انھوں نے دعویٰ بل کو بٹیک کہا۔ بیماری اسی طرح زوروں پر تھی اور فوج
 میں انتشار پھیلنا ہوا تھا۔ عمرو بن العاص نے لوگوں سے کہا کہ یہ وہاں ہی بلاؤں میں سے ہے جو
 بنی اسرائیل کے زمانے میں مصر پر نازل ہوئی تھیں اسی لیے یہاں سے بھاگ چلنا چاہیے۔ معاویہ نے
 سنا تو ممبر پر چڑھ کر خطبہ پڑھا اور کہا کہ یہ وہاں نہ ہیں بلکہ خدا کی رحمت ہے۔ خطبہ کے بعد خیمہ میں آئے
 تو بیٹے کو بیمار پایا۔ نہایت استقلال کے ساتھ کہا باہت الحق من ربک فلا تکلون من المماتین سیعے
 اے فرزند۔ یہ خدا کی طرف سے ہے۔ دیکھ شہر میں نہ پڑنا بیٹے نے جواب دیا استجد فی انشاء اللہ
 من الصابرین۔ یعنی خدا نے چاہا تو آپ مجھ کو صابر پائیں گے یہ کہہ کر انتقال کیا معاویہ بیٹے کو وفنا کر
 آئے تو خود بیمار پڑے عمرو بن العاص کو غلیفہ مقرر کیا اور اس خیال سے کہ زندگی خدا کے قرب حجاب
 تھی۔ بڑے اطمینان اور سست کے ساتھ جان دی۔

مذہب کا نشہ بھی عجیب چیز ہے۔ وہاں کا وہ زور تھا اور نہراؤں آدمی طعمہ اہل ہوتے جاتے
 تھے۔ لیکن معاویہ اس کو خدا کی رحمت سمجھائے اور کسی قسم کی کوئی تدبیر نہ کی۔ لیکن عمرو بن العاص کو یہ نشہ
 کم تھا۔ معاویہ کے مرنے کے ساتھ انھوں نے مجمع عام میں خطبہ پڑھا اور کہا کہ واجب شرع ہوئی

ہے تو آگ کی طرح پھیلتی جاتی ہے۔ اس لیے تمام فوج کو یہاں سے اٹھ کر پہاڑوں پر جا رہنا چاہیے
 اگرچہ اُن کی رائے بعض صحابہ کو جو معاذ کے ہتھیال تھے ناپسند آئی یہاں تک ایک بزرگ نے علانیہ کہا
 کہ ”تو جھوٹ کہتا ہے“ تاہم عمرو نے اپنی رائے پر عمل کیا۔ فوج اُن کے حکم کے مطابق اِدھر اُدھر پہاڑوں
 پر پھیل گئی اور وبا کا خطرہ جاتا رہا۔ لیکن یہ مدبیر اس وقت عمل میں آئی کہ ۲۵ ہزار مسلمان جو اوصعی دنیا
 کے فتح کرنے کے لیے کافی ہو سکتے تھے، موٹ کے وہاں ہو چکے تھے۔ نہیں ابو عبیدہ۔ معاویہ بن جہل
 یزید بن ابی سفیان۔ حارث بن ہشام۔ سہیل بن عمرو۔ عقبہ بن سہیل۔ بڑے درجے کے لوگ تھے۔
 حضرت عمر کو ان تمام حالات سے اطلاع ہوتی رہتی تھی۔ اور مناسب احکام بھیجتے رہتے تھے۔ یزید بن
 ابی سفیان اور معاذ کے مرنے کی خبر آئی تو معاویہ کو دمشق کا اور شرجیل کو اردن کا حاکم مقرر کیا۔
 اِس قیامت خیز وبا کی وجہ سے فتوحات اسلام کا سیلاب دفع شدہ رک گیا
 فوج بجائے اسکے کہ مخالف پر حملہ کرتی خود اپنے حال میں گرفتار تھی۔ ہزاروں لڑکے یتیم ہو گئے۔ سہاروں
 عورتیں بیوہ بن گئیں۔ جو لوگ مرے تھے انکا مال و اسباب مدامارا پھرتا تھا۔ حضرت عمر نے ان حالات
 سے مطلع ہو کر شام کا قصد کیا۔ حضرت علی کو مدینہ کی حکومت دی اور خود ایلہ کو روانہ ہوئے۔ یرفانجا
 غلام اور بہت سے صحابہ ساتھ تھے۔ ایلہ کے قریب پہنچے تو کسی مصلحت سے اپنی سواری غلام کو دی
 اور خود اُسکے اونٹ پر سوار ہوئے۔ راہ میں جو لوگ دیکھتے تھے پوچھتے تھے کہ امیر المومنین کہاں ہیں
 فرماتے کہ تمھارے آگے! اِسی حیثیت سے ایلہ میں آئے اور یہاں دو ایک روز قیام کیا۔ گزی کا رتہ
 جو زب بدن تھا کھائے کی گڑھا کر پیچھے سے پھٹ گیا تھا۔ مَرمت کے لیے ایلہ کے پادری کو حوالہ
 کیا، اُس نے خود اپنے ہاتھ سے پیوند لگائے۔ اور اُس کے ساتھ ایک نیا کرتہ تیار کر کے پیش کیا۔ حضرت
 عمر نے اپنا کرتہ پہن لیا اور کہا کہ ہمیں پسینہ خوب جذب ہوتا ہے۔ ایلہ سے دمشق آئے۔ اور شام کے
 اکثر اضلاع میں دو دو چار چار دن قیام کر کے مناسب انتظامات کیے۔ فوج کی تنخواہیں تقسیم کیں

جو لوگ وہاں مایک ہوئے۔ تھے اُن کے دُور و نزدیک کے وارثوں کو بلا کر اُن کی میراث دلائی یہ جڑی مقامات پر فوجی چھاؤنیاں قائم نہ ہوئیں۔ جو سامیاں خالی ہوئی تھیں اُنہیں نئے عہدے دار مقرر کیے اور ان باتوں کی پوری تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی، چلتے وقت لوگوں کو جمع کیا، اور جو انتظامات کیے گئے تھے اُن کے تعلق تقریر کی۔

اس سال سب میں سخت قحط پڑا۔ اور اگر حضرت عمرؓ نے نہایت مستعدی سے انتظام نہ کیا ہوتا تو ہزاروں لاکھوں آدمی بھوکوں مر جاتے۔ اسی سال۔ مہاجرین اور انصار اور قبائل عرب کی تنخواہیں اور روزیے مقرر کیے۔ چنانچہ ان انتظامات کی تفصیل دوسرے حصہ میں آئیگی۔

قیساریہ کی فتح۔ شوال ۱۹ھ

یہ شہر بحر شام کے ساحل پر واقع ہے اور فلسطین کے ضلع میں شمار کیا جاتا ہے۔ آج ویران پڑا ہے لیکن اُس زمانے میں بہت بڑا شہر تھا اور بقول بلاذری کے تین سو بازار آباد تھے۔ اس شہر پر اول اول ۱۹ھ میں عمرو بن العاص نے چڑھائی کی اور مدت تک محاصرہ کیے پڑے ہے لیکن فتح نہ ہو سکا۔ ابو عبیدہ کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے یزید بن ابی سفیان کو اُن کی جگہ مقرر کیا تھا اور حکم دیا تھا کہ قیساریہ کی محکم پر جائیں۔ وہ ۷۰ انہار کی جمعیت کے ساتھ روانہ ہوئے اور شہر کا محاصرہ کیا۔ لیکن ۱۹ھ میں جب بیمار ہوئے تو امیر معاویہؓ نے اپنے بھائی کو اپنا قائم مقام کر کے دمشق چلے آئے اور یہیں وفات پائی۔ امیر معاویہؓ نے بڑے سرو سامان سے محاصرہ کیا۔ شہر والے کئی دفعہ قلعہ سے نکل کر لڑے لیکن ہر دفعہ شکست کھائی۔ تاہم شہر پر قبضہ نہ ہو سکا۔ ایک دن ایک یہودی نے جس کا نام یوسف تھا۔ امیر معاویہؓ کے پاس آکر ایک سُرنگ کا نشان دیا۔ جو شہر کے اندر اندر قلعہ کے دروازے تک گئی تھی۔ چنانچہ چند بہادروں نے اُسکی راہ قلعہ کے اندر پہنچ کر دروازہ کھول دیا۔ ساتھ ہی

تمام فوج ٹوٹ پڑی اور کشتوں کے پستے لگا دیے۔ مؤرخین کا بیان ہے کہ کم سے کم ہسائیوں کی
اسی ہزار فوج تھی جس میں بہت کم زندہ بچی بچ گئے یہ ایک شہر ہتھام تھا اکیس سو گوباشام
کا مطلع صاف ہو گیا۔

جزیرہ سیدہ ہجری

مدائن کی فتح سے دفعۃً تمام عجم کی آنکھیں کھل گئیں عرب کو یا تو دیکھ کر یا نہ دیکھتے
تھے یا اب انکو عرب کے نام سے لرزہ آتا تھا۔ اسکا یہ اثر ہوا کہ ہر ہر صوبے نے، ہر ہر قوم عرب
کے مقابلے کی تیاریاں شروع کیں سب پہلے جزیرہ نے ہتھیار سمجھا لیا کیونکہ اہل عرب عراق سے
بالکل ملی ہوئی تھی۔ سعد نے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع دی۔ وہ اس سے عبدالدرہ بن
الحکم مامور ہوئے اور چونکہ حضرت عمر کو اس سرکہ کا خاص خیال تھا اور افسروں کو بھی خود ہی
نامزد کیا۔ چنانچہ مقدادہ الحبشہ پر ربیع بن الاقل، سمینہ پر حارث بن حسان، میسرہ پر فرات بن
حیان، ساقہ پر ہانی بن قیس مامور ہوئے۔ عبدالمدین الحکم پانچھرا کی جمعیت سے ٹکرت کی
طرف بڑھے۔ اور شہر کا محاصرہ کیا۔ مہینے سے زیادہ زیادہ محاصرہ رہا۔ اور ۲۴ دفعہ حملے ہوئے چونکہ
عجمیوں کے ساتھ عرب کے چند قبائل یعنی ایاد، تغلب، نحر بھی شریک تھے عبدالمدین
تحقیق پیام بھیجا اور غیرت دلائی کہ تم عرب ہو کر عجم کی غلامی کیوں گوارا کرتے ہو؟ اس کا یہ اثر ہوا کہ
سب نے اسلام قبول کیا اور کہلا بھیجا کہ تم شہر پر حملہ کرو۔ ہم عین موقع پر عجمیوں سے ٹٹ کر تم سے
آئیں گے یہ بندوبست ہو کر تاریخ معین پر دھاوا ہوا۔ عجمی مقابلے کو سکے تو خود ان سے ساتھ کے
سروں نے عقب سے اُنپر حملہ کیا۔ عجمی دونوں طرف سے گھر کر بالکل پامال ہو گئے

۱۔ جزیرہ سیدہ آدوی کا نام ہے جو جبل اور واد کے بیچ میں ہے نسبی مدودہ مدیر ہیں عرب اسکیہ کا قیدہ اور انیساب کے کو جبکہ
جنوب شام مشرقی۔ وادی شمال کر سیدہ کہہ سکتے۔ عام واد سیدہ ۱۲ میلے تکریب، جزیرہ کا سب سے اعلیٰ حصہ، نسبی مدیر سے ملی ہوئی
ہے واد کے عربی جانب واد سے اور مومل سے ۴۰ میلے پر ہے ۱۱

یہ سحر کہ اگرچہ جزیرہ کی قہات میں شامل ہے لیکن چونکہ اسکا موقع اتفاقی طور سے عراق کے سلسلے میں آگیا تھا اس لیے مؤرخین اسلام بزرگ کی فتوحات کو اس واقعہ سے شروع نہیں کرتے۔ اور خود اُس زمانے میں یہ سحر کہ عراق سے، سلسلے سے الگ نہیں خیال کیا جاتا تھا، اسلئے میں جب عراق و شام کی طرف سے اطمینان ہو گیا تو سعد کے نام حضرت عمرؓ کا حکم پہنچا کہ جزیرہ پر فوجیں بھیجی جائیں سعد نے یہی اقتضائے حکم کو پانچ بار کی جمعیت سے اس ہم پر ہامور کیا۔ وہ عراق سے چل کر جزیرہ کی طرف بڑھے اور شمرؓ کے قریب کسی زمانے میں رومن امپائر کا یادگار مقام تھا، ڈیڑھ ڈالے یہاں سے شام نے تیغ سی، وک ٹوک کے بعد جزیرہ پر صلح کر لی رہا، کے بعد چند روز میں تمام جزیرہ اس سرے سے اُس سرے تک فتح ہو گیا۔ جن من مقامات پر خفیف خفیف لڑائیاں پیش آئیں ان کے نام یہ ہیں۔ رقد۔ حران۔ نصیبین۔ میار فاقین۔ سساط۔ سروج۔ قرقسیا۔ زولان۔ علیہ الرحمۃ

خوزستان

سلسلہ ہجری میں مغیرہ بن شعبہ بصرہ کے حاکم مقرر ہوئے اور چونکہ خوزستان کی سرحد بصرہ سے ملتی ہوئی ہے۔ انھوں نے خیال کیا کہ اس کے فتح کے بغیر بصرہ میں کافی طور سے امن و امان قائم نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ پہلے ہجری کے شروع میں ابواز پر جبکو ایرانی ہرگز شہر کہتے تھے حملہ کیا۔ یہاں کے رئیس نے ایک مختصر سی رقم دے کر صلح کر لی۔ مغیرہ وہیں ٹک گئے۔ سلسلہ ہجری میں مغیرہ معزول ہو کر ان کی جگہ ابو موسیٰ اشعری مقرر ہوئے۔ اس انقلاب میں ابواز کے رئیس نے سالانہ رقم بند کر دی اور علانیہ بغاوت کا اظہار کیا۔ مجبوراً ابو موسیٰ نے لشکر کشی کی۔ اور ابواز کو جاگیر۔ شاہی فوج جو یہاں رہتی تھی اُس نے بڑی پامردی سے مقابلہ کیا۔ لیکن آخر شکست کھائی اور شہر فتح ہو گیا۔

لے خوزستان اس حد آبادی کا نام ہے جو عراق و فارس کے درمیان واقع ہے۔ اُس میں ۱۴۸۰۰۰ سترہ سترہ ہزار ۱۲۰۰۰ ہے جو مشرق میں بھی بچ کر دیا گیا ہے ۱۲

غنیمت کے ساتھ ہزاروں آدمی لوٹدی غلام بن کر تقسیم کیے گئے۔ لیکن جب حضرت عمر کو اطلاع ہوئی تو انھوں نے لکھ بھیجا کہ سب رہا کر دیئے جائیں چنانچہ وہ سب چھوڑ دیئے گئے۔ ابو موسیٰ نے ابواز کے ہمسافر کا رخ کیا۔ یہ خود ایک محفوظ مقام تھا۔ شہر والوں نے بھی ہمت اور استقلال سے تلے کو روکا اس مہر کے یہ مہاجرین زیادہ ایک معزز افسر تھے شہید ہوئے۔ اور قلعہ والوں نے ان کا سر کاٹ کر برج کے کنگرہ پر لٹکا دیا۔ ابو موسیٰ نے مہاجر کے بھائی ربیع کو یہاں چھوڑا اور خود سوس کو روانہ ہوئے ربیع نے مسافر کو بچ کر لیا اور ابو موسیٰ نے سوس کا محاصرہ کر کے ہر طرف سے سد بند کر دی۔ قلعہ میں کھانے پینے کا سامان ہو چکا تھا۔ مجبوراً رئیس شہر نے اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ اس کے خاندان کے سوا آدمی زندہ چھوڑ دیئے جائیں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ رئیس ایک ایک آدمی کو نامزد کرتا جاتا تھا اور اسکو اسن ویدیا جاتا تھا۔ قیدی سے شمار میں نہیں نے خود اپنا نام نہیں لیا تھا۔ چنانچہ جب تنو کی تعداد پوری ہو گئی تو ابو موسیٰ نے رئیس کو جو شمار سے باہر تھا قتل کرا دیا۔ سوس کے بعد امیر کا محاصرہ ہوا اور آٹھ لاکھ سالانہ پر صلح ہو گئی۔ یزدگرد اسوقت قحط میں مقیم تھا اور خاندان شاہی کے تمام ارکان ساتھ تھے۔ ابو موسیٰ کی دست درازیوں کی خبریں اسکو برا بھلا پہنچتی تھیں۔ ہر فرمان نے جو شیر ویکاموں اور بڑی قوت و اقتدار کا سروار تھا یزدگرد کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کی اگر ابواز و فارس میری حکومت میں دیدیئے جائیں تو میں عرب کے سیلاب کو آگے بڑھنے سے روک دوں۔ یزدگرد نے اسی وقت فرمان حکومت عطا کر کے ایک جمعیت عظیم ساتھ کر دی۔ خوارستان کا صدر مقام شوشتر تھا اور شاہی عمالت اور قوجی چھاندنیاں جو کچھ تھیں یہیں تھیں۔ ہر فرمان نے وہاں پنچہ قلعہ کی مرت کرائی۔ اور خندق اور برجوں سے مستحکم کیا۔ اس کے ساتھ ہر طرف نقیب اور ہر کا سے دوڑا دیئے کہ لوگوں کو خوش دلا کر جنگ کے لئے آمادہ کریں۔ اس تدبیر سے قومی جوش و افسردہ ہو گیا تھا پھر تازہ ہو گیا اور چند روز میں ایک جمعیت عظیم فراہم ہو گئی۔ ابو موسیٰ نے

دوبارہ خلافت کو نامہ بکھا اور مدد کی درخواست کی۔ وہاں سے عمار بن یاسر کے نام جو اُس وقت کوفہ کے گورنر تھے، حکم آیا کہ ثمان بن مقرن کو نہر آدمی کے ساتھ مدد کو بھیجیں۔ لیکن غنیم نے جو مسلمان کہا تھا اُس کے سامنے یہ جمعیت بیکار تھی۔ ابو موسیٰ نے دوبارہ بکھا جس کے جواب میں عمار کو حکم پہنچا کہ عبداللہ بن مسعود کو آدمی فوج کے ساتھ کوفہ میں چھوڑ دو اور باقی فوج لے کر خود ابو موسیٰ کی مدد کو جاؤ۔ ادھر جریر بن لعل ایک بڑی فوج لیکر جلو لائے پہنچا۔ ابو موسیٰ نے اس سرد سامان سے توشہ کھانچ کیا اور شہر کے قریب پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ ہر زمان کثرتِ فوج کے بل پر خود شہر سے نکل کر حملہ آور ہوا۔ ابو موسیٰ نے بڑی ترتیب سے صف آرائی کی۔ یمنہ بن مالک کو دیا۔ یہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کے بھائی تھے۔

میسرہ پر ہار بن عازب انصاری کو مقرر کیا۔ سواروں کا رسالہ حضرت انس کی رکاب میں تھا۔ دو توں فوجیں خوب جی توڑ کر لڑیں۔ ہار بن مالک مارتے دھاڑتے شہر پہنچا کے پھانک تک پہنچ گئے۔ ادھر ہر زمان نہایت بہادری کے ساتھ فوج کو لڑا رہا تھا۔ عین پھانک پر دونوں کو سامنا ہوا میرا مارے گئے۔ ساتھ ہی مخزوم بن ثور نے جو یمنہ کو لڑا ہے تھے بڑھ کر وار کیا۔ لیکن ہر زمان نے انکا بھی کام تمام کر دیا۔ تاہم میدانِ سلمانوں کے ماتھے رنایا۔ عجمی ایک نہر مقتول اور چھ سو زندہ گرفتار ہوئے۔ ہر زمان نے قلعہ بند ہو کر لڑائی جاری رکھی۔

ایک دن شہر کا ایک آدمی چھپ کر ابو موسیٰ کے پاس آیا اور کہا کہ اگر میرے جان و مال کو امن دیا جائے تو میں شہر پر قبضہ کرادوں۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا۔ اس نے ایک عوب کو جس کا نام اشرس تھا ساتھ لیا اور نہرِ جلیل سے جو درجلہ کی ایک شاخ ہے اور شوستر کے نیچے بہتی ہے پار اتر کر ایک تہ خانے کی راہ شہر میں داخل ہوا۔ اور اشرس کے ٹوٹے پر چادر ڈال کر کہا کہ تو کر کی طرح میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ چنانچہ شہر کے گلی کوچوں سے گزرتا ہوا خاص ہر منظر کے محل میں آیا

ہرمزان رئیسوں اور وباریوں کے ساتھ جلسہ جائے بیٹھا ہوا تھا۔ شہر ہی نے ان کو تمام عمارات کی سیر کرائی اور موقع کے نشیب فراز دکھا کر ابو موسیٰ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ میں اپنا فرض ادا کر چکا آگے تمہاری ہمت اور تقدیر ہے۔ اشرس نے اُس کے بیان کی تصدیق کی اور کہا کہ وہ سنو جاننا میرے ساتھ ہوں تو شہر فوراً فتح ہو جائے۔ ابو موسیٰ نے فوج کی طرف دیکھا۔ وہ سنو بہادر! نے بڑھ کر کہا کہ خدا کی راہ میں ہماری جان مانگر ہے۔ اشرس اسی تہ خانے کی راہ شہر پناہ کے دروازے پر پہنچے۔ اور پہرہ والوں کو تہ تیغ کر کے اندر کی طرف سے دروازے کھول دیے۔ اور ابو موسیٰ فوج کے ساتھ موقع پر موجود تھے۔ دروازہ کھلنے کے ساتھ تمام لشکر ٹوٹ پڑا اور شہر میں ہل چل پڑ گئی۔ ہرمزان نے بھاگ کر قلعے میں پناہ لی۔ مسلمان قلعہ کے نیچے پہنچے تو اُس نے بیچ پر چڑھ کر کہا کہ میرے ترکش میں اب بھی تنویر ہیں اور جب تک اتنی ہی لاشیں یہاں نہ بچ جائیں میں گرفتار نہیں ہو سکتا۔ تاہم میں اس شرط پر اُتر آتا ہوں۔ کہ تم مجھ کو حدیث شہر پہنچا دو اور جو کچھ فیصلہ ہو عمر کے ہاتھ سے ہو۔ ابو موسیٰ نے منظور کیا اور حضرت انس کو مامور کیا کہ مدینہ تک اُس کے ساتھ جائیں۔ ہرمزان بڑی شان و شوکت سے روانہ ہوا۔ بڑے بڑے رئیس اور خاندان کے تمام آدمی سکا ب میں لے۔ مدینہ کے قریب پہنچ کر شانانہ ٹھاٹھ سے آراستہ ہوا۔ تاج مرقع جو افریقہ کے لقب سے شہور تھا سر پر رکھا۔ دیبا کی قبازیب بدن کی۔ اور شانانہ عجم کے طریقے کے موافق زیور پہنے۔ کمر سے مرقع تلوار لگائی۔ غرض شان و شوکت کی تصویر بن کر دینے میں نفل ہوا اور لوگوں سے پوچھا کہ امیر المومنین کہاں ہیں؟ وہ سمجھتا تھا کہ جس شخص کے دبدبے نے تادم نیا میں غلغلہ ڈال رکھا ہے اسکا و بار بھی بڑے سرو سامان کا ہوگا۔ حضرت عمر اس وقت مسجد میں تشریف رکھتے تھے اور فرش خاک پر لیٹے ہوئے تھے۔

ہرمزان مسجد میں داخل ہوا تو سینکڑوں تماشائی ساتھ تھے جو اس کے ذرق برق لباس

کو بار بار دیکھتے تھے اور تعجب کرتے تھے۔ لوگوں کی آہٹ سے حضرت عمرؓ کی آنکھ کھلی تو حلی نشانِ شکریت کا مرقع سامنے تھا۔ اوپر سے نیچے تک دیکھا اور حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ یہ دنیا کے دوں کی، و ہر بیبیاں ہیں۔ اس کے بعد ہر فرآن کی طرف مخاطب ہوئے۔ اس وقت تک مترجم نہیں آیا تھا۔ بغیر ہن متعجب کچھ نہا۔ سی سے آشنائے ایسے انھوں نے ترجمانی کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے دہن پوچھا۔ مغیرہ، وطن کی فارسی نہیں جانتے تھے اس لیے کہا کہ از کلام ارضی؟ پچہ اور باتیں شروع ہوئیں۔ قادیسیہ کے بعد ہر فرآن نے کئی دفعہ سعد سے صلح کی تھی اور ہمیشہ اقرار سے پھر پھر جاتا تھا۔ شہ ستر کے معرے میں دو بڑے مسلمان افسر اس کے ہاتھ سے مارے گئے تھے۔ حضرت عمرؓ کو ان باتوں کا اس قدر رنج تھا کہ انھوں نے ہر فرآن کے قتل کا پورا ارادہ کر لیا تھا۔ تاہم تمام حجت کے طور پر عرض معروض کی اجازت دی۔ اس نے کہا کہ عمر! جب تک خدا ہمارے ساتھ تھا تم ہمارے غلام تھے اب خدا تمھارے ساتھ ہے اور ہم تمھارے غلام ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے کا پانی مانگا۔ پانی آیا تو پیالہ ہاتھ میں لے کر درخواست کی کہ جب تک پانی نہ پی لوں مارا نہ جاؤں۔ حضرت عمرؓ نے منظور کیا۔ اس نے پیالہ ہاتھ سے کھدیا اور کہا کہ میں پانی نہیں پیتا اور اس لیے شرط کے موافق تم مجھ کو قتل نہیں کر سکتے۔ حضرت عمرؓ اس معاملے پہ حیران رہ گئے۔ ہر فرآن نے کلمہ توحید پڑھا اور کہا کہ میں پہلے ہی اسلام لا چکا تھا لیکن یہ تدبیر اس نے کی کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ میں نے تمھارے دُور سے اسلام قبول کیا۔ حضرت عمرؓ نہایت خوش ہوئے، اور خاص مدینہ میں رہنے کی اجازت دی۔ اس کے ساتھ دو ہزار سالانہ روزیہ مقرر کر دیا۔ حضرت عمرؓ، فارس وغیرہ کی مہمات میں اکثر اس سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ شہ ستر کے بعد جندی ساہو پر حملہ ہوا جو شہ ستر سے ۲۴ میل ہے۔ کئی دن تک محاصرہ رہا لیکن شہ والوں نے خود شہر نہاد کے دروازے کھول دیے۔

اطمینان کے ساتھ تمام لوگ اپنے کاروبار میں مصروف ہوئے۔ مسلمانوں کو ان کے اطمینان پر چڑھا اور اس کا سبب ریافت کیا شہر الویج کہا تم کو جزیہ کی شرط پر امن دے چکے۔ اب کیا جھگڑا رہا۔ سب کو حیرت تھی کہ اس کس نے دیا؟ تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایک غلام نے لوگوں سے چھپا کر آتن کا رتھ لکھ دیا ہے۔ ابو موسیٰ نے کہا ایک غلام کی خود رنی نجات نہیں پہنچتی۔ شہر والے کہتے تھے کہ ہم آزاد اور غلام نہیں جانتے۔ آخر حضرت عمر کو خط لکھا گیا۔ انھوں نے جواب میں لکھا کہ مسلمانوں کا غلام بھی مسلمان ہے اور جس کو اس نے امان دیدی تمام مسلمان امان دے چکے۔ اس شہر کی فتح نے تمام خوزستان میں اسلام کا سکہ بٹھا دیا۔ اور فتوحات کی فہرست میں ایک اور نیا ملک اضافہ ہو گیا

عراق عجم ۱۶۶۱ھ ہجری

جلولہ کے بعد جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یزدگرد رومی چلا گیا۔ لیکن یہاں کے رئیس ابان جادویہ نے بیوفائی کی۔ اس لئے سے سے نکل کر اصغمان اور کرمان ہوتا ہوا خراسان پہنچا یہاں پہنچ کر مرو میں اقامت کی۔ آتش پارسی ساتھ تھی۔ اسکے لئے آتشکدہ تیار کر دیا اور مٹھن ہو کر پھر سلطنت و حکومت کے ٹھاٹھ لگا دیئے۔ یہیں خبر لگی کہ عربوں نے عراق کے ساتھ خوزستان بھی فتح کر لیا اور ہرمزان جو سلطنت کا زور بازو تھا زندہ گرفتار ہو گیا۔ یہ حالات سن کر نہایت طیش میں آیا۔ اگرچہ سلطنت کی حیثیت سے اس کا وہ پہلا رعب و اب باقی نہیں با تھا تاہم تین ہزار برس کا خاندانی اثر و فتوہ نہیں مٹ سکتا تھا۔ ایرانی اس وقت تک یہ سمجھے تھے کہ عرب کی آندھی حدی متھاتا ہوگا۔ پہنچ کر رک جائے گی۔ اس لئے ان کو اپنی خاص سلطنت کی طرف سے اطمینان تھا لیکن خوزستان

۱۔ سرزمین عراق دو حصوں پر منقسم ہے مغربی حصے کو عراق عرب کہتے ہیں اور مشرقی حصے کو عراق عجم۔ عراق عجم کی حدود دار بعد یہ ہیں کہ شمال میں خوزستان، جنوب میں شیراز، مشرق میں خوزستان، اور عرب میں شمر واقع ہے۔ اس وقت اس کے بڑے شہر اصفہان، ہمدان اور کربلا تھے۔ اس وقت نری بابل و بیلن ہو گیا اور اسی کے قریب طران آباد ہو گیا ہے۔ حوسان کا قہار کا دار السلطنت ہے ۱۲

کے واقعہ سے اُن کی آنکھیں کھلیں۔ ساتھ ہی شہنشاہ کے فرامین اور تعقیب پہنچے، اس سے وقفہ طرشتا
جر جان، دماوند، رے، اصفہان، ہمدان سے گذر کر خراسان۔ اور سند تک تلامیج گیا۔ اور ڈیڑھ
لاکھ کا بیڑی دل قحہ میں آکر ٹھہرا۔ یزید گردنے مروان شاہ کو بر سرِ کار فرزند تھا، سرِ شکر مقرر کر کے
تہاوند کی طرف روانہ کیا۔ اس سحر کے میں درفش کاویانی جو کوعجم قال ظفر سمجھتے تھے، مبارک خانی کے
محاط سے نکالا گیا۔ چنانچہ مروان شاہ جب روانہ ہوا تو اس مبارک علم کا پھر برا افسر سایہ کرتا جاتا تھا
عمار بن یاسر نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر کو ان حالات سے اطلاع دی حضرت عمر
عمار کا خط لے ہوئے مسجد نبوی میں آئے۔ اور سب کو سنائے کہا کہ گروہ عرب! اس مرتبہ تمام ایران
کمر بستہ ہو کر چلا ہے کہ مسلمانوں کو دنیا سے مٹائے۔ تم لوگوں کی کیا رائے ہے؟ طلحہ بن عبید اللہ
نے اُٹھ کر کہا کہ امیر المومنین! واقعات نے آپ کو تجربہ کار بنا دیا ہے ہم اس کے سوا کچھ نہیں جانتے
کہ آپ جو حکم دیں بجالائیں۔ حضرت عثمان نے کہا کہ: میری رائے ہے کہ شام، یمن، بصرہ کے
افسروں کو نکھا جائے کہ اپنی اپنی فوجیں لیکر عراق کو روانہ ہوں۔ اور آپ خود اہل حرم کو لیکر مدینہ سے
اٹھیں۔ کوفہ میں تمام فوجیں آپ کے علم کے نیچے جمع ہوں اور پھر تہاوند کی طرف رخ کیا جائے۔
حضرت عثمان کی اس رائے کو سب نے پسند کیا۔ لیکن حضرت علیؓ چپ تھے۔ حضرت عمر نے اُن کی
طرف دیکھا وہ بولے کہ شام اور بصرہ سے فوجیں ہیں تو ان مقامات پر سرحد کے دشمنوں کا قبضہ
ہو جائیگا اور آپ نے مدینہ چھوڑا تو عرب میں ہر طرف قیامت برپا ہو جائیگی اور خود اپنے ملک کا
تھما متا مشکل ہوگا۔ میری رائے ہے کہ آپ یہاں سے نہ ہٹیں اور شام، یمن، بصرہ وغیرہ میں
فرمان بھیج دیتے جائیں کہ جہاں جہاں جب قدر فوجیں ہیں ایک ایک ٹلٹ اور روانہ کر دیجائیں۔ حضرت عمر نے
کہا میری بھی یہی رائے تھی لیکن میں تنہا اسکا فیصلہ کرنا نہیں جانتا تھا اب بحث پیش آئی کہ اسی ٹبری ہم میں سے لانا کہ
کون جائے؟ لوگ ہر طرف خیال دوڑاتے تھے لیکن سیدہ کا کوئی شخص نظر نہیں آتا تھا۔ جو لوگ اس منصب کے قابل تھے

وہ اور اور قہات میں مصروف تھے۔

حضرت عمر کے مرتب کمال میں یہ بات بھی داخل ہے کہ اُنھوں نے ملک کے حالات سے ایسی واقفیت حاصل کی تھی کہ قوم کے ایک ایک فرد کے اوصاف اُنکی نگاہ میں تھے۔ چنانچہ اس موقع پر حاضرین نے خود کہا کہ اسکا فیصلہ آپ سے بڑھ کر کون کر سکتا ہے، حضرت عمر نے نعمان بن مقرن کو انتخاب کیا اور سب نے اسکی تائید کی۔ نعمان تیس ہزار کی حیثیت سے کرکوئہ سے روانہ ہوئے۔ اس فوج میں بڑے بڑے صحابہ شامل تھے جن میں سے خدیج بن ایہان عبداللہ بن عمر، جریر بن حنظلہ، خیر بن شعبہ، عمر و معدی کرب۔ زیادہ مشہور ہیں۔ نعمان نے چاہا کہ کوہچکر معلوم کیا کہ نہاد وند تک رستہ صاف ہے۔ چنانچہ نہاد وند تک برابر بڑھتے چلے گئے نہاد وند سے نویں ادھر اسپدان ایک مقام تھا وہاں پہنچ کر پڑاؤ ڈالا۔ ایک بڑی تدبیر حضرت عمر نے یہ کہ فارس میں جو اسلامی فوجیں موجود تھیں اُن کو کجا کہ ایرانی اُس طرف سے نہاد وند بڑھنے نہ پائیں۔ اس طرح دشمن ایک بہت بڑی مدد سے محروم رہ گیا۔

بحکم نے نعمان کے پاس سفارت کے لیے پیغام بھیجا۔ چنانچہ خیر بن شعبہ جو پہلے ہی اسکا کام کو انجام دے چکے تھے خیر بن کر گئے۔ بحکم نے بڑی شان سے درود بار آراستہ کیا، مردان شاہ کو تاج پہنا کر تخت زرہ پر بٹھایا۔ تخت کے دائیں بائیں ملک ملک کے شاہزادے، دیوانے، نکوش کی قبائیں۔ سر پر تلج زرہ ہاتھوں میں سونے کے گنگن، پہن کر بیٹھے۔ اُن کے پیچھے دُور دُور تک سپاہیوں کی صفیں قائم ہوئیں جنکی برہنہ تلواروں سے آنکھیں خیرہ ہوئی جاتی تھیں۔ ستر زم کے ذریعے سے گفتگو شروع ہوئی۔ مردان شاہ نے کہا۔ اہل عرب! سب سے زیادہ بد بخت، سب سے زیادہ فاقہ مست، سب سے زیادہ ناپاک، جو قوم ہو سکتی ہے تم ہو! یہ قدر انداز جو میرے تخت کے گرد کھڑے ہیں ابھی تمھارا فیصلہ کر دیتے۔ لیکن مجھکو یہ گوارا نہ تھا کہ ابن کے تیر تمھارے

نہا پاک خون میں آلودہ ہوں۔ اب بھی اگر تم یہاں سے چلے جاؤ تو میں تم کو معاف کر دوں گا۔" غیر کرنے
 کہا ہاں ہم لوگ ایسے ہی ذلیل و حقیر تھے۔ لیکن اس ملک میں اگر ہم کو دولت کا مفرہ پڑ گیا اور یہ مفرہ
 ہم سے اسی وقت چھوٹیں گے جب ہماری لاشیں خاک پر بچھ جائیں۔ غرض سفارت بچال گئی
 اور دونوں طرف جنگ کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ نعمان نے یمینہ اور میسرہ خلیفہ اور یوسف
 بن مقرن کو دیا۔ جبرہہ پر قحط کو مقرر کیا۔ ساقہ پر مجاشع۔ تنعین ہوئے۔ ادھر یمینہ پر زردک
 اور میسرہ پر بہمن تھا۔ عجمیوں نے میدان جنگ میں پہلے سے ہر طرف کو گھروں بچا دیئے تھے جس
 کی وجہ سے مسلمانوں کو آگے بڑھنا مشکل ہوتا تھا۔ اور عجمی جب چاہتے تھے شہر سے نکل کر
 حملہ آور ہوتے تھے۔ نعمان نے یہ حالت دیکھ کر افسروں کو جمع کیا اور سب سے الگ الگ رائے
 لی۔ طلحہ بن خالد الاسدی کی رائے کے موافق فوجیں آراستہ ہو کر شہر سے چھ سات میل کے
 فاصلہ پر ٹھہریں۔ اور قحط کو تھوڑی سی فوج دے کر بھیجا کہ شہر پر حملہ آور ہوں۔ عجمی بڑے جوش
 سے مقابلے کو نکلے اور اس بندوبست کے لئے کہ کوئی شخص پیچھے نہ ہٹنے پائے جس قدر بڑھتے
 آتے تھے پیچھے کو گھروں بچاتے آتے تھے۔ قحط نے لڑائی چھیڑ کر آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا شروع
 کیا۔ عجمی برابر بڑھتے چلے آئے۔ یہاں تک کہ کوکھرو کی سرحد سے نکل آئے۔ نعمان نے ادھر جو
 فوجیں جارکتی تھیں موقع کا انتظار کر رہی تھیں۔ جوں ہی عجمی زور پر آئے انھوں نے حملہ کرنا چاہا۔
 لیکن نعمان نے روکا۔ عجمی جو برابر تیر بر سار ہے تھے اُس سے سینکڑوں ہزاروں مسلمان کام
 آئے لیکن افسر کی یہ اطاعت تھی کہ زخم کھاتے تھے اور ہاتھ روکے کھڑے تھے۔ غیرتہ بابا
 کہتے جاتے تھے کہ فوج بیکار ہوئی جاتی ہے اور موقع ہاتھ سے نکلا جاتا ہے۔ لیکن نعمان اس
 خیال سے دوپہر کے ڈھلنے کا انتظار کر رہے تھے کہ رسول اللہ جب دشمن پر حملہ کرتے تھے تو اسی
 وقت کرتے تھے۔ غرض دوپہر و صبحی تو نعمان نے دستور کے موافق تین گھنٹے مائے پہلے

غمرہ پر فوج سرور سامان سے درست ہو گئی۔ دوسرے پر لوگوں نے تلہاریں تول لیں۔ تیسرے پر وہتہ حملہ کیا اور اس بے جگری سے ٹوٹ کر گرے کہ کشتوں کے پتے لگ گئے۔ میدان میں اسقدر زبون بہا کہ گھوڑوں کے پانوں پھیل پھیل جاتے تھے۔ چنانچہ نعمان کا گھوڑا پھیل کر گرا ساتھ ہی خود بھی گرے اور زخموں سے چور ہو گئے۔ انکا امتیازی لباس جس سے وہ معرکے میں پہچانے جاتے تھے کلاہ اور سفید قباحتی۔ جو ہی وہ گھوڑے سے گرے۔ نعیم بن مقرن ان کے بھائی نے علم کو چھپٹ کر تھام لیا اور ان کی کلاہ اور قبا پہن کر ان کے گھوڑے پر سوار ہو گئے۔ اس تدبیر سے نعمان کے مرنے کا حال کسی کو معلوم نہ ہوا اور لڑائی بدستور قائم رہی۔ اس مبارک رات میں مسلمانوں کو خدا نے جو ضبط و استقلال دیا تھا اسکا اندازہ ذیل کے واقعہ سے ہو سکتا ہے، نعمان جسوقت زخمی ہو کر گرے تھے اعلان کر دیا تھا کہ میں مری جاؤں تو کوئی شخص لڑائی کو چھوڑ کر میری طرف متوجہ نہ ہو۔ اتفاق سے ایک سپاہی ان کے پاس سے نکلا، دیکھا تو کچھ سانس باقی ہے اور دم توڑ رہے ہیں۔ گھوڑے سے اتر کر ان کے پاس بیٹھنا چاہا کہ ان کا حکم یاد آگیا۔ اسبطرح چھوڑ کر چلا گیا۔ فتح کے بعد ایک شخص سر ہانے گیا۔ انھوں نے آنکھیں کھولیں اور پوچھا کہ کیا انجام ہوا؟ اس نے کہا مسلمانوں کو فتح ہو گئی، خدا کا شکر ادا کر کے کہا کہ فوراً عمر کو اطلاع دو۔

رات ہوتے ہوتے عجیبوں کے پانوں اکھڑ گئے اور بھاگ نکلے۔ مسلمانوں نے ہمدان تک تعاقب کیا۔ خدیفہ بن الیمان نے جو نعمان کے بعد سر لشکر مقرر ہوئے نماز نہ پیکر مقام کیا یہاں ایک مشہور آتشکدہ تھا، اسکا توبہ خدیفہ کی خدمت میں حاضر ہوا کہ مجھ کو امن دیا جائے تو میں ایک متاع بے بہا کا تہہ دوں۔ چنانچہ کسرے پرویز کے نہایت بیش بہا جواہرات لاکر پیش کیئے جسکو کسرے نے شکل وقتوں کے لیے محفوظ رکھا تھا۔ خدیفہ نے مال غنیمت کو تقسیم کیا اور

پانچواں حصہ جواہرات کے حضرت عمر کی خدمت میں بھیجا حضرت عمر کو مفتوں سے لڑائی کی خبر نہیں پہنچی تھی۔ قاصد نے مُردہ فتح سنا یا تو بے انتہا خوش ہوئے۔ لیکن جب نوحان کا شہید ہونا سنا تو بے اختیار رو پڑے اور دیر تک سر پر ہاتھ رکھ کر روتے رہے۔ قاصد نے اُور شہدا کے نام گناے اور کہا کہ بہت سے اُور لوگ بھی شہید ہوئے جنگوں میں نہیں جانتا۔ حضرت عمر پھر روئے اور فرمایا کہ عمر نہ جانے تو نہ جانے خدا اُنکو جانتا ہے۔ جواہرات کو دیکھ کر حصہ سے کہا کہ فوراً واپس لے جاؤ اور خلیفہ سے کہو کہ بیچ کر فوج کو تقسیم کر دیں۔ چنانچہ یہ جواہرات چار کروڑ درہم کو فروخت ہوئے اس لڑائی میں قریباً تیس ہزار عجمی لڑکر مارے گئے۔ اس معرکہ کے بعد عجم نے پھر بھی زور نہیں پکڑا۔ چنانچہ عرب نے اس فتح کا نام فتح الفتوح رکھا فیروز جیسے ہاتھ حضرت فاروق کی شہادت کھٹی تھی اسی لڑائی میں گرفتار ہوا تھا۔

عام لشکر کشی ۵۲۱ھ

اس وقت تک حضرت عمر نے ایران کی عام تسخیر کا ارادہ نہیں کیا تھا۔ اب تک جو لڑائیاں ہوئیں وہ صرف اپنے ملک کی حفاظت کے لئے تھیں۔ عراق البتہ ممالک محروسہ میں اضافہ کر لیا گیا تھا لیکن وہ درحقیقت عرب کا ایک حصہ تھا کیونکہ اسلام سے پہلے اُس کے ہر حصہ میں عرب آباد تھے عراق سے آگے بڑھ کر جو لڑائیاں ہوئیں وہ عراق کے سلسلے میں خود بخود پیدا ہوتی گئیں۔ حضرت عمر خود فرمایا کرتے تھے کہ کاش ہمارے اور فارس کے بیچ میں آگ کا پہاڑ ہوتا کہ نہ وہ ہم پر حملہ کر سکتے نہ ہم ان پر چڑھ کر جاسکتے۔

لیکن ایرانیوں کو کسی طرح چین نہیں آتا تھا وہ ہمیشہ نئی فوجیں تیار کر کے مقابلے آتے تھے اور جو ممالک مسلمانوں کے قبضے میں آچکے تھے وہاں غدر کروادیا کرتے تھے نہایت

کے معرکے سے حضرت عمر کو سپر خیال ہوا اور اکابر صحابہ کو بلا کر پوچھا کہ ممالک مفتوحہ میں ہر بار کیا کیا کیوں ہو جاتی ہے؟ بزرگس نے کہا جب تک زور و ایران کی حدود سے نکل نہ جائے یہ تہہ قرار نہیں رہے گا کیونکہ جب تک ایرانیوں کو یہ حیاں یہ شکاک تخت کی پان کا وارث موجود رہے اسوقت تک ان کی اُسیدیں متعلق نہیں ہو سکتیں۔

اس بنا پر حصہ ششم۔ بنہ عام شکر نشی کا ارادہ کیا۔ اپنے ہاتھ سے متعدد علم تباریے اور تہا
جہا مالک کے نام سے نامہ ہر کے شہور افسروں کے پاس بھیجے۔ پناچہ خراسان کا علم اخف
بن قیس کو۔ ساہووار و شیراز بن اشع بن مسعود کو۔ اسیلہ کا عثمان بن العاص الشقی کو۔ فنا کا ساریہ
بن رحم الکفانی کو کرمان کا بہل بن عدی کو۔ سیستان کا۔ عام بن عمر کو۔ کران کا حکم بن علی بن علی کو
افریجیا کا عقبہ کو۔ غازیہ کا۔ اسیلہ بن یافسہ بن یافسہ اپنے متینہ مالک کی طرف روانہ ہوئے
چنانچہ ہم انکو الگ الگ۔ بنایا۔ یہ سب کیسے رہے۔ لکھتے ہیں۔

[illegible]

سرسے آباد کیا جائے۔ حضرت عمر کے حکم کے مطابق نعیم نے خورسے میں قیام کیا اور اپنے بھائی سوید کو قوس پر بھیجا جو بغیر کسی جنگ کے فتح ہو گیا۔ اس فتح کے ساتھ عراق عجم پر پورا پورا قبضہ ہو گیا۔

آذربایجان

جیسا کہ ہم پہلے لکھ آئے ہیں حضرت عمر نے آذربایجان کا علم عقبہ (بن فرقد) اور بکیر کو بھیجا تھا اور ان کے بڑھنے کی سمتیں بھی متعین کر دی تھیں۔ بکیر جر میدان میں پہنچے تو اسفندیار کا سامنا ہوا۔ اسفندیار نے شکست کھائی اور زندہ گرفتار ہو گیا۔ دوسری طرف اسفندیار کا بھائی بہرام عقبہ کا سدراہ ہوا۔ لیکن وہ بھی شکست کھا کر بھاگ گیا۔ اسفندیار نے بھائی کی شکست کی خبر سنی تو بکیر سے کہا کہ اب لڑائی کی آگ بجھ گئی۔ اور میں جزیہ پر تم سے صلح کر لیتا ہوں۔ چونکہ آذربایجان انہی دونوں بھائیوں کے قبضہ میں تھا عقبہ نے اسفندیار کو اس شرط پر رہا کر دیا کہ وہ آذربایجان کا رئیس رہ کر جزیہ ادا کرتا رہے۔ مورخ بلاذری کا بیان ہے کہ آذربایجان کا علم۔ خذیفہ بن یمان کو ملا تھا۔ وہ نہاوند سے چلکر اردبیل پہنچے جو آذربایجان کا پایہ تخت تھا۔ یہاں کے رئیس نے ماجروان۔ یمند۔ سراق۔ سبز۔ میانج وغیرہ سے ایک انہوہ کشیز جمع کر کے مقابلہ کیا اور شکست کھائی پھر آٹھ لاکھ سالانہ صلح ہوئی خذیفہ نے اس کے بعد موتقان و جیلانی پر حملہ کیا اور فتح کے پھر پرے اڑائے۔

اسی آثار میں و بار خلافت سے خذیفہ کی مغربی کا فرمان پہنچا اور عقبہ بن فرقد انہی جگہ پر قیام رہے عقبہ کے پہنچنے پہنچتے آذربایجان کے تمام اطراف میں نواوت پھیل چکی تھی چنانچہ عقبہ نے دوبارہ ان مقامات کو فتح کیا۔

۱۔ نقشہ دیکھئے سے آذربایجان کا پتہ اس طرح لکھا کہ شہر تبریز کو اسکا صدر مقام سمجھنا چاہیئے و سابق میں شہر راضہ والی صدر تھا، پر وہ اور اور و جلی ای صدر ہیں آباد ہیں آذربایجان کی وجہ تسمیہ میں دو روایتیں ہیں ایک یہ کہ سوماؤز آباد نے ایک لشکر بنا یا تھا جکا نام آنداؤکان تھا۔ دوسری روایت یہ کہ کلفت پہلوی ہیں آندے سے آتش کے ہیں اور مانچاک سے ہیں خاندانی لکھا دارندہ آتش چونکہ اس صوبہ میں لشکر کے کثرت تھی اس وجہ سے یہ نام ہو گیا جسکو عربوں نے اپنی زبان میں آذربایجان کر دیا ۱۲

طبرستان

ہم آؤ پرکھ آئے ہیں کہ یغیم نے جب رستے فتح کر لیا تو ان کے بھائی سوید-توس پر پڑے اور یہ صلح صوبہ بغیر جنگ و جدل کے قبضہ میں آگیا۔ یہاں سے جرجان جو طبرستان کا مشہور ضلع ہے نہایت قریب ہے۔ سوید نے وہاں کے رئیس روزبان سے نامہ و پیام کیا۔ اُس نے جزیہ پر صلح کر لی اور معاہدہ صلح میں تبصرع لکھ دیا گیا کہ مسلمان جرجان اور دہستان وغیرہ کے ان کے ذمہ دار ہیں اور ملک والوں میں جو لوگ بیرونی حملوں کے روکنے میں مسلمانوں کا ساتھ دیں گے وہ جزیہ سے بری ہیں۔ جرجان کی خبر سن کر طبرستان کے رئیس نے بھی جو سپہدار کہلاتا تھا اس شرط پر صلح کر لی کہ پانچ لاکھ درہم سالانہ دیا کرے گا۔ اور مسلمانوں کو ان پیرایان کو مسلمانوں پر کچھ حق نہ ہوگا۔

آرمینیہ

بکیر جو آذربایجان کی مہم پر مامور ہوئے تھے آذربایجان فتح کر کے باب کے متصل پہنچ گئے تھے کہ حضرت عمر نے ایک نئی فوج تیار کر کے انکی مدد کو بھیجی۔ باب کا رئیس جسکا نام تشر برا تھا جو تھا اور سلطنت ایران کا ماتحت تھا۔ مسلمانوں کی آمد سنکر خود حاضر ہوا اور کہا کہ مجھ کو آرمینیہ کے کینوں سے کچھ ہمدردی نہیں ہے۔ میں ایران کی نسل سے ہوں اور جب خود ایران فتح ہو چکا تو میں بھی تمھارا مطیع ہوں۔ لیکن میری درخواست ہے کہ مجھ سے جزیہ نہ لیا جائے بلکہ جب ضرورت پیش

۱۵ نقشہ میں صوبہ طبرستان، قزاقستان، عثمانی میں دیکھا جاسکے کہ خلافت فاروقی میں خیزدیکہ چھوڑا گیا تھا اسکی حدود واریہ میں مشرقی ایران و جرجان مغرب میں آذربایجان، شمال میں بحر جرجان اور غرب میں بلخ و خراسان و اسلام اور مشرق میں اس کے مشہور شہر ہیں ۱۲۵۰ صوبہ آرمینیہ کو بلاد ارمن بھی کہتے ہیں جو ایشیائے کوچک کا ایک حصہ ہے شمال میں بحر اسود، جنوب میں کوہی اور صحرائی حصہ دوتنگ چلا گیا ہے مشرق میں گرجستان اور مغرب میں بلاد دوم واقع ہیں۔ چونکہ یہ صوبہ خلافت عثمانی میں کابل فتح ہوا تھا اس لیے نقشہ میں فاروقی رنگ سے جدا ہے ۱۲

پیش آئے تو فوجی امداد لیجائے۔ چونکہ جریرہ درحقیقت صرف محافظت کا معاوضہ ہے اس لیے یہ شرط منظور کر لی گئی۔ اس سے فارغ ہو کر فوجیں آگے بڑھیں۔ عبدالرحمن بن ربیعہ بن لیث کی طرف جو مملکت خزر کا پائے تخت تھا روانہ ہوئے۔ شہر براز ساتھ تھا اُس نے تعجب سے کہا کہ کیا الرڈ ہے؟ ہم لوگ اپنے عہد میں اسی کو غنیمت سمجھتے تھے کہ وہ لوگ ہم پر چڑھ کر نہ آئیں عبدالرحمن نے کہا لیکن میں جب تک اس کے جگر میں نہ گھس جاؤں باز نہیں آسکتا۔ چنانچہ پیچھا کیا تھا کہ خلافت فاروقی کا زمانہ تمام ہو گیا۔ ادھر بکیر نے قان کو جہاں سے اُتان کی سرحد شروع ہوئی ہے فتح کر کے اسلام کی سلطنت میں ملا لیا۔ حبیب بن مسلمہ اور خلیفہ نے تسلیس اور جہاں الامان کا رخ کیا۔ لیکن قبل اس کے کہ وہاں اسلام کا پھر اُڑتا۔ حضرت عمر کی خلافت کا زمانہ ہو چکا۔ چنانچہ یہ ناتمام تہمت حضرت عثمان کے عہد میں انجام کو نہیں۔

فارس۔ ۲۳

۶۶۴

فارس پر اگرچہ اول اول سلاہ میں حملہ ہوا لیکن چونکہ حضرت عمر کی اجازت سے نہ تھا اور نہ اسوقت چنداں کامیابی ہوئی ہم نے اُس زمانے کے واقعات کے ساتھ اسکو کھنا مناسب سمجھا اور اسے اور اس وقت کے ہمایہ قسے فتح ہو چکے تو حضرت عمر اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہمارے اور فارس کے بیچ میں آتشیں پہاڑ حائل ہوتا تو اچھا تھا۔ لیکن فارس سے ایک انسانی طور پر جنگ چھڑ گئی علامہ ابن ابی نعیر سلاہ میں بحرین کے عال مقرر ہوئے۔ وہ بڑی ہمت اور عہدہ کے آدمی تھے اور چونکہ سعد وقاص سے بعض اسباب کی وجہ سے رقابت تھی ہرمیدان میں اُن سے بڑھ کر قدم لے مال کے خزانہ میں حواف کی حدود گھٹا کر اس کی حدود بڑھا دی گئی ہیں مگر ہم نے اسوقت کا نقشہ دیا ہے اسوقت خدس کے حدود

یہ تھے شمال میں ہمدان، جنوب میں عوف فارس، مشرق میں کرمان اور مغرب میں عوفیہ عرب اسکا سب سے بڑا شہر شیراز ہے ۱۲

ماترنا چاہتے تھے۔ سعد نے جب قادیسیہ کی لڑائی جیتی تو علما کو سخت رشک ہوا۔ یہاں تک کہ بار بار خلافت سے اجازت تک نہ لی اور فوجیں تیار کر کے دریائی راہ فارس پر چڑھائی کر دی۔ خلید بن منذر سر شکر تھے اور جبار و بن اعلیٰ اور سوار بن ہمام کے ماتحت الگ الگ فوجیں تھیں۔ اسطرح پہنچ کر جہاز نے لنگر کیا اور فوجیں کنارے پر اتریں۔ یہاں کا حاکم ایک ہیر بد تھا وہ ایک انبوہ شیر کے کر مہنچا اور دریا اتر کر اس پار صفیں قائم کیں کہ مسلمان جہاز تک پہنچنے نہ پائیں اگرچہ مسلمانوں کی جمعیت نہایت کم تھی اور جہاز بھی گویا دشمن کے قبضہ میں آگئے تھے لیکن سپہ سالار فوج کی نہایت قدمی میں فرق نہ آیا۔ بڑے جوش کے ساتھ مقابلہ کو بڑھے اور فوج کو لٹکارا کہ مسلمانو! بیدل نہو! دشمن نے ہمارے جہازوں کو چھینا چاہے لیکن خدا نے چاہا تو جہاز کے ساتھ۔ دشمن کا ملک بھی ہمارا ہے۔ خلید اور جبار و بڑی جانبازی سے رجز پڑھ پڑھ کر لڑے اور نہراؤں کو تہ تیغ کیا۔ خلید کا رجز تھا۔

بال عبدالقیس للنزاع فدحفل الامداد بالحرع

وکلہم فی سنن اللصاع بحسن ضرب القوم بالقطع

غرض سخت معرکہ ہوا اگرچہ فتح مسلمانوں کو نصیب ہوئی لیکن چونکہ فوج کا بڑا حصہ برباد ہو گیا آگے نہ بڑھ سکے پیچھے ہٹنا چاہا مگر غنیم نے جہازات غرق کر دیئے تھے مجبور ہو کر خشکی کی راہ بصرہ کا رخ کیا۔ بد قسمتی سے اُدھر بھی راہیں بند تھیں۔ ایرانیوں نے پہلے سے ہر طرف ناکہ روک رکھے تھے اور جابجا فوجیں متین کر دی تھیں۔

حضرت عمر کو فارس کے حملہ کا حال معلوم ہوا تو نہایت برہم ہوئے۔ علما کو نہایت تمہید کا نامہ لکھا۔ ساتھ ہی عتبہ بن غزوآن کو بھیجا کہ مسلمانوں کے بچانے کے لیے فوراً لشکر تیار ہو اور فارس پر جائے۔ چنانچہ بارہ نہراؤں فوج جس کے سپہ سالار ابوسہرہ تھے تیار ہو کر فارس پر بڑھی اور مسلمان

جہاں رُکے پڑے تھے وہاں پہنچ کر ڈیرے ڈالے۔ اُدھر مجوسیوں نے ہر طرف نقیب دوڑا دیئے تھے اور ایک انبوہ کثیر جس کا سرشکر شہرک تھا اکٹھا کر لیا تھا۔ دونوں حریف دل توڑ کر لڑے بالآخر ابو سرتو نے فتح حاصل کی۔ لیکن چونکہ آگے بڑھنے کا حکم نہ تھا بصرہ واپس چلے آئے۔ واقعہ نہاوند کے بعد جب حضرت عمرؓ نے ہر طرف فوجیں روانہ کیں تو فارس پر بھی چڑھائی کی اور جدا جدا فوجیں متعین کیں پارسیوں نے توج کو صدر مقام قرار دیکر یہاں بڑا سامان کیا تھا لیکن جب اسلامی فوجیں مختلف مقامات میں پھیل گئیں تو انکو بھی منتشر ہونا پڑا اور یہ انہی شکست کا وسیعہ تھا۔ چنانچہ سابور۔ اردشیر۔ توج۔ اصطر۔ سب باری باری فتح ہو گئے لیکن حضرت عمرؓ کی اخیر خلافت یعنی ۳۳ھ میں جب عثمان بن ابی العاصؓ بحرین کے عامل تھے ہوئے تو شہرک نے جو فارس کا مرزبان تھا بغاوت کی اور تمام منقوضہ مقامات ہاتھ سے لے گئے۔ عثمان نے اپنے بھائی حکم کو ایک جمعیت کثیر کے ساتھ اس جہم پر مامور کیا۔ حکم جزیرہ ابکاوان فتح کر کے توج پر بڑھے اور اس کو فتح کر کے وہیں چھاونی ڈال دی۔ مسجدیں تعمیر کیں اور عرب کے بہت سے قبائل آباد کیے یہاں سے کبھی کبھی اٹھ کر سرحدی شہروں پر حملہ کرتے اور پھر واپس آ جاتے۔ اس طرح اردشیر سابور اصطر۔ ارجان کے بہت سے حصے و بایئے۔ شہرک یہ دیکھ کر نہایت طیش میں آیا اور ایک فوج عظیم جمع کر کے توج پر بڑھا۔ رامشہر پہنچا تھا کہ اُدھر سے حکم خود آگے بڑھ کر متقابل ہوئے۔ شہرک نے نہایت ترتیب سے صف آرائی کی۔ ایک دستہ سب سے پیچھے رکھا کہ کوئی سپاہی پیچھے پانوں نہ پڑے تو وہیں قتل کر دیا جائے۔ غرض جنگ شروع ہوئی اور دیر تک معرکہ رہا۔ پارسیوں کو شکست ہوئی اور شہرک جان سے مارا گیا۔ اس کے بعد عثمان نے ہر طرف فوجیں بھیج دیں اس معرکہ سے تمام فارس میں دھاک پڑ گئی۔ عثمان نے جس طرف رخ کیا ملک کے ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ چنانچہ گازرون نو بند جان۔ ارجان۔ شیراز۔ سابور۔ جو فارس کے صدر مقامات ہیں خود عثمان کے ہاتھ سے فتح

ہوئے۔ قسا۔ دارالحجرو وغیرہ پر فوجیں گئیں اور کامیاب آئیں۔

کرمان - ۲۳ھ ۶۴۴ھ

کرمان کی فتح پر سہیل بن سعدی مامور ہوئے تھے چنانچہ ۲۳ھ میں ایک فوج لیکر جبکہ اول بشیر بن عبد العجل کی افسری میں تھا کرمان پر حملہ آور ہوئے۔ یہاں کے مرزبان نے فقس وغیرہ کے لئے ان کے مقابلہ کیا لیکن وہ خود میدان جنگ میں نسیر کے ہاتھ سے مارا گیا۔ چونکہ آگے کچھ روک ٹوک نہ تھی جیرفت اور سیرجان تک فوجیں بڑھتی چلی گئیں اور ہشتاراونٹ اور بکریاں غنیمت میں ہاتھ آئیں۔ جیرفت کرمان کا تجارت گاہ اور سیرجان کرمان کا سب سے بڑا شہر تھا۔

سیستان - ۲۳ھ ۶۴۴ھ

یہ ملک عاصم بن عمر کے ہاتھ سے فتح ہوا۔ باشندے سرحد پر بلے نام لڑکر بھاگ نکلے عاصم برابر بڑھتے چلے گئے یہاں تک کہ زنج کا جو سیستان کا دوسرا نام ہے محاصرہ کیا محصوروں نے چند روز کے بعد اس شرط پر صلح کی درخواست کی کہ ان کی تمام اراضی حمیٰ سمجھی جائے مسلمانوں نے یہ شرط منظور کر لی اور اس طرح وفا کی کہ جب ضروریات کی طرف نکلتے تھے تو بعدی سے گزرتے جاتے تھے کہ زراعت چھوڑنا نہ جائے۔ اس ملک کے قبضے میں آنے سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ سندھ سے لے کر نہر بلخ تک جو قدر ممالک تھے ان کی فتح کی کلید ہاتھ میں آگئی چنانچہ وقتاً

۱۵ھ اسکافیم نام کراچیہ ہے حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں کوہستان، جنوب میں کھوہاں، مشرق میں سیستان اور مغرب میں فارس جو زمانہ سابق میں ہکا و لارہد کو انیسویں صدی میں گلاب جیفت آباد ہے ۱۱ھ سیستان کو عربوں نے مسلمان کئے ہیں۔ حدود اربعہ یہ ہیں شمال میں ہرات، جنوب میں کرمان، مشرق میں سندھ اور مغرب میں کوہستان ہے مشرق پر زنج ہے جہاں یہ وہ اسناد سے پہلا ہوتا ہے رقم ۲۵۰۰ میل مرتب ہے ۱۲

فوقتاً ان ملکوں پہلے ہوتے بہتے تھے۔

مکران - ۲۳ھ ۶۹۴ھ

۴

مکران پر حکم بن عمرو تغلبی مامور ہوئے تھے چنانچہ ۲۳ھ میں روانہ ہو کر نہر مکران کے اس طرف فوجیں اتاریں۔ مکران کا بادشاہ جس کا نام رسل تھا خود پاراوتر کر آیا اور صف آرائی کی ایک بڑی جنگ کے بعد رسل نے شکست کھائی اور مکران پر قبضہ ہو گیا۔ حکم نے نامہ فتح کے ساتھ چند ماقفی بھی جو لوٹ میں آئے تھے دربار خلافت میں بھیجے۔ صحابہ عبدی جو نامہ فتح لیکر گئے تھے حضرت عمر نے اُن سے مکران کا حال پوچھا۔ انھوں نے کہا ارض سہلبا حیل و ماء و شل و تمر و اقل و عد و ہا بطل و خیر ہا قلیل و شر ہا طویل و الکتب بہا ملیل۔

حضرت عمر نے فرمایا واقعات کے بیان میں تاقیہ بندی کا کیا کام ہے۔ انھوں نے کہا میں ماقفی حالات بیان کرتا ہوں۔ حضرت عمر نے کچھ بھیجا کہ فوجیں جہان تک پہنچ چکی ہیں وہیں رک جائیں چنانچہ فتوحات فاروقی کی اخیر حد یہی مکران ہے لیکن یہ طبری کا بیان ہے۔ مؤرخ بلاذری کی توشا ہے کہ وہیل کے نشیبی حصہ اور تھانہ تک فوجیں آئیں۔ اگر یہ صحیح ہے تو حضرت عمر کے عہد میں اسلام کا قدم سندھ ہند میں بھی آچکا تھا۔

خراسان کی فتح اور نیردگرد کی ہزیمت ۲۳ھ ۶۹۴ھ

۱۵۔ آج کل کرمان کا نصف حصہ بلوچستان کہلاتا ہے اگرچہ مؤرخ بلاذری فتوحات فاروقی کی حد سندھ کے شہر وہیل تک سمجھتا ہے مگر طبری نے مکران ہی کو اخیر حد قرار دیا ہے ایسے ہی تھے بھی ان میں فتوحات فاروقی کی وہیں تک حد قرار دی ہو ۱۲ھ علامہ بلاذری کے نزدیک تمام بلاد ہند و خراسان و طبرستان و سمرقند و خراسان میں داخل تھا مگر اہل یہاں کے اس کے حدود ہزمنے میں مختلف ہے ہیں جس کے مشہور شہر ہندوستان، ہرات، بلخ، طوس، نسا، امیر، مرو، غزوہ بن میں سے پچھلے دو اب باطل بیان ہیں ۱۲

او پر ہم لکھ آئے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے جن جن افسروں کو ملک گیری کے علم بھیجے تھے ان میں اخف
 بن قیس بھی تھا اور انکو خراسان کا علم غایت ہوا تھا اخف نے سترہ سال میں خراسان کا رخ کیا،
 طبرستان ہو کر بہت پہنچے اور اسکو فتح کر کے مرو شاہجہاں پر بڑھے پڑوگردشاہنشاہ فارس ہیں
 مقیم تھے۔ انکی آمد منکر وہ مرو روڈ چلا گیا اور خاقان چین اور دیگر سلاطین کو استدعا کے نامے لکھے
 اخف نے مرو شاہجہاں پر عارف بن النعمان باہلی کو چھوڑا اور خود مرو روڈ کی طرف بڑھے۔ یزدگردشاہ
 سے بھی دعا کا اور سید ہالغ پہنچا۔ اس اثناء میں کوفہ سے امدادی فوجیں آگئیں جسکے ہمینہ و میسرہ
 وغیرہ سترہ ہزار تھے۔ انصاری۔ ربیع بن عامر تمیمی عبداللہ بن ابی عقیل لقی۔ ابن ام غزال
 الہمدانی۔ اخف نے تازہ و م فوج لیکر بلخ پر حملہ کیا۔ یزدگرد نے شکست کھائی اور دریائے ترک
 خاقان کی حکومت میں چلا گیا۔ اخف نے میدان خالی پا کر ہر طرف فوجیں بھیج دیں اور نیشاپور
 سے طایستان تک فتح کر لیا۔ مرو روڈ کو تخت گاہ قرار دے کر مقام کیا۔ اور حضرت عمر کو نامہ لکھا
 کہ خراسان اسلام کے قبضہ میں آگیا۔ حضرت عمر فتوحات کی وسعت کو چنداں پسند نہیں کرتے
 تھے خط پڑھ کر فرمایا کہ ہمارے اور خراسان کے بیچ میں آگ کا دریا جابل ہوتا تو خوب ہوتا۔ اخف
 کے مروانہ حوصلوں کی اگرچہ بڑی تعریف کی اور فرمایا کہ اخف شہر قیوں کا سرتاج ہے تاہم جواب
 میں جو نامہ لکھا اس میں لکھا کہ جہاں تک پہنچ چکے ہو وہاں سے آگے نہ بڑھنا۔ اودھ پڑوگردشاہ خاقان
 کے پاس گیا تو اس نے بڑی عزت و توقیر کی اور ایک فوج کثیر ہمراہ لیکر یزدگرد کے ساتھ ساتھ خراسان
 کو روانہ ہوا۔ اخف جو بیس ہزار فوج کے ساتھ بلخ میں مقیم تھے خاقان کی آمد منکر مرو روڈ کو روانہ
 ہوئے اور وہاں پہنچ کر مقام کیا۔ خاقان۔ بلخ ہوتا ہوا مرو روڈ پہنچا۔ یزدگرد خاقان سے الگ ہو کر
 مرو شاہجہاں کی طرف بڑھا۔ اخف نے کھلے میدان میں مقابلہ کرنا مناسب نہ سمجھا۔ نہر آتر کر ایک
 میدان میں جسکی پشت پر پہاڑ تھا صف آرائی کی۔ دونوں فوجیں مدت تک آمنے سامنے صفیں

جائے پڑی رہیں۔ عجمی صبح اور شام ساز و سامان سے آراستہ ہو کر میدان جنگ میں جاتے تھے اور چونکہ اوہر سے کچھ جواب نہیں دیا جاتا تھا بغیر لڑے بھڑے واپس آجاتے تھے۔ ترکوں کا عام ہوا ہے کہ پہلے تین بہادر میدان جنگ میں باری باری ٹبل و دمامہ کے ساتھ جاتے ہیں پھر سارا لشکر جنبش میں آتا ہے۔ ایک دن اخف خود میدان جنگ میں گئے۔ اوہر سے معمول کے موافق ایک ترک ٹبل و علم کے ساتھ نکلا۔ اخف نے حملہ کیا اور ویر تک رو دو بدل رہی آخر اخف نے ایک بر بھی ماری۔ ترک زمین پر گر کر مر گیا۔ اخف نے جوش میں آکر کہا۔

ان علی کل رئیس حقاً ان یخضب الصعدۃ او یندقا

قاعدے کے موافق دو اور بہادر ترکی میدان میں آئے۔ اور اخف کے ہاتھ سے مارے گئے۔ خاقان جب خود میدان میں آیا تو اپنے بہادروں کی لاشیں میدان میں پڑی دیکھیں۔ چونکہ لشکر ہڑا تھا۔ نہایت پیچ و تاب کھایا اور فوج سے کہا کہ ہم بنیادہ، پرایا جھکڑا کیوں مول لیں۔ چنانچہ اسی وقت کو فتح کا حکم دیدیا۔

یزوگرو ورموشا جہاں کا محاصرہ کیے پڑا تھا کہ یہ خبر پہنچی۔ فتح سے نا اُمید ہو کر خزانہ اور جو ہر اپنے ساتھ لیا اور ترکستان کا قصد کیا۔ درباریوں نے یہ دیکھ کر کہ ملک کی دولت ہاتھ سے نکل جاتی ہے وکا اور جب اُسے نہ مانا تو برسرِ مقابلہ آکر تمام مال اور اسباب ایک ایک کر کے چھین لیا۔ یزوگرو بے سر و سامان، خاقان کے پاس پہنچا اور حضرت عمر کی اخیر خلافت فرغانہ میں جو خاقان کا دار السلطنت تھا مقیم رہا۔ اخف نے حضرت عمر کو فتح کا نامہ لکھا۔ قاصد مدینہ پہنچا تو حضرت عمر نے تمام آدمیوں کو جمع کر کے قرآنِ فتح سنایا اور ایک پُر اثر تقریر کی۔ آخر میں فرمایا کہ آج مجوسیوں کی سلطنت بڑھ ہو گئی اور اب وہ اسلام کو کسی طرح ضرر نہیں پہنچا سکتے لیکن اگر تم بھی راست کرداری پر ثابت قدم نہ رہے تو خدا تم سے بھی حکومت چھین کر دوسروں کے ہاتھ میں دیدیگا۔

مصر کی فتح - ۲۰

مصر کی فتح اگرچہ فاروقی کارناموں میں داخل ہے لیکن اس کے بانی مسابنی عمرو بن العاص تھے۔ وہ اسلام سے پہلے تجارت کا پیشہ کرتے تھے اور مصر انکی تجارت کا جولانگہ تھا۔ ان زمانہ میں مصر کی نسبت گورس قسم کا خیال بھی ان کے دل میں نہ گزرا ہوگا لیکن اسکی زرخیزی اور شادابی کی تصویر ہمیشہ انکی نظریں بھرتی رہتی تھی حضرت عمرؓ نے شام کا جو اخیر سفر کیا آپس یہاں سے آئے اور مصر کی نسبت گفتگو کی۔ حضرت عمرؓ نے پہلے احتیاط کے لحاظ سے انکار کیا لیکن آخر ان کے اصرار پر رضی ہو گئے اور چار ہزار فوج ساتھ کر دی، اس پر بھی انکا دل مطمئن نہ تھا۔ عمروؓ سے کہا کہ خدا کا نام لے کر روانہ ہو۔ لیکن مصر پہنچنے سے پہلے اگر میرا خط پہنچ جائے تو اُسے پھر آنا۔ عیش منیجے تھے کہ حضرت عمرؓ کا خط نہ پہنچا۔ اگرچہ آپس آگے بڑھنے سے روکا تھا لیکن چونکہ شرط یہ حکم تھا عمروؓ نے کہا کہ اب ہم مصر کی حدیں آچکے۔

غرض عیش سے چلکر فرما پہنچے۔ یہ شہر بحر روم کے کنارے پر واقع ہے اور گلاب ویران پہاڑ ہے لیکن اُس زمانے میں آباد تھا اور جالیبنوس کی زیارت گاہ ہونے کی وجہ سے ایک ممتاز شہر گنا جاتا تھا۔ یہاں سرکاری فوج رہتی تھی۔ اُس نے شہر سے ٹکڑا مقابلہ کیا اور ایک مہینے تک محاصرہ کا رازا گرم رہا۔ بالآخر رومیوں نے شکست کھائی۔ عمروؓ فرما سے چل کر بلبیس اور اُتم دین کو فتح کرتے ہوئے فسطاط پہنچے۔ فسطاط اُس زمانے میں کف دست میدان تھا اور اُس قطعہ زمین کا

۱۰ مقررہ دیوین تھا جو کہ تا مد شام فتح میں عمروؓ سے ملا۔ انھوں نے اُس خیال سے کہ آگے بڑھنے سے تنگ کیا ہوگا تا مد سے غلط نہیں کیا اور کہا کہ جلدی کیا ہے منزل پر پہنچکر دیوں گا۔ عیش کے قریب پہنچے تو خط لے کر کھولا اور پڑھا کہ امیر المؤمنین نے تجھ سے کہہ کر پہنچ چکے ہو تو کہتا ہوں لیکن ہم مصر کی حدیں آچکے، لیکن عمرو بن العاص کی نسبت ایسی جلد بازی کے انتہام کی کیا ضرورت ہے آؤ لا تو ہادری وغیرہ نے تھریج کی ہے کہ خط انکو عیش ہی میں ملا لیکن رنج میں ملا ہو تب بھی کچھ ہرج نہیں۔ کیونکہ رنج خود مصر میں داخل ہے ۱۱

تمام مخا جو دریائے نیل اور جبل مقطم کے بیچ میں واقع ہے اور جہاں اُس وقت زراعت کے کھیت
یا چراگاہ کے تختے تھے لیکن چونکہ یہاں سرکاری قلعہ تھا اور رومی سلطنت کے حکام جو مصر میں تھے
تھے یہیں بنا کرتے تھے اسکے علاوہ چونکہ دریائے نیل واقع تھا اور جہازات و کشتیاں قلعہ کے دروازے پر اگر لگتی
تھیں ان وجہ سے سرکاری ضرورتوں کے لئے نہایت مناسب مقام تھا۔ عمرو نے اول اسی
کو تاکا۔ اور محاصرہ کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس جو مصر کا فرماں روا اور قبصر کا باج گزار تھا عمرو بن العاص سے پہلے قلعہ میں پہنچ چکا
تھا اور طائی کا بندوبست کر رہا تھا۔ قلعہ کی مضبوطی اور فوج کی قلت دیکھ کر عمرو نے حضرت عمرؓ کو خط
لکھا اور اعانت طلب کی۔ انھوں نے وٹس نہرا فوج اور چار افسر بھیجے اور خط میں لکھا کہ ان افسروں
میں ایک ایک ہزار ہزار سوار کے برابر ہے۔ یہ افسر زبیر بن العوام۔ عبادہ بن الصامت۔ مقداد بن عمرو
سلمہ بن مخلد تھے۔ زبیر کا جو رتبہ تھا اُس کے لحاظ سے عمرو نے ان کو افسر بنایا اور محاصرہ وغیرہ کے
انتظامات ان کے ہاتھ میں دیدیئے، انھوں نے گھوڑے پر سوار ہو کر خندق کے چاروں طرف چکر
لگایا اور جہاں جہاں مناسب تھا۔ مناسب تعداد کے ساتھ سوار اور پیادے متعین کیئے اس کے
ساتھ منجیقوں سے پتھر بڑے شروع کیئے۔ ہر پورے سات مہینے گزر گئے اور فتح و شکست کا کچھ
فیصلہ نہ ہوا۔ زبیر نے ایک دن تنگ آکر کہا کہ آج میں مسلمانوں پر قہر ہوتا ہوں۔ یہ کہہ کر ننگی تلوار ہاتھ
میں لی اور شیرھی لگا کر قلعہ کی فصیل پر چڑھ گئے، چند اور صحابہ نے اُسکا ساتھ دیا۔ فصیل پر پہنچ کر سب نے
ایک ساتھ تکبیر کے نعرے بلند کیئے، ساتھ ہی تمام فوج نے نعرہ مارا کہ قلعہ کی زمین دہل اٹھی عیسائی
یہ سمجھ کر کہ مسلمان قلعہ کے اندر گھس آئے۔ بدحواس ہو کر بھاگے اور زبیر نے فصیل سے اتر کر
قلعہ کا دروازہ کھول دیا۔ اور تمام فوج اندر گھس آئی۔ مقوقس نے یہ دیکھ کر صلح کی درخواست کی اور
اُسی وقت سب کو امان دیدی گئی۔

ایک دن عیسائیوں نے عمرو بن العاص اور افسران فوج کی بڑی دھوم دھام سے دعوت کی عمرو بن العاص نے قبول کیا اور سلیقہ شعار لوگوں کو ساتھ لے گئے۔

دوسرے دن عمرو نے ان لوگوں کی دعوت کی۔ رومی بڑے ترک و احتشام سے آئے اور خلی گرسیوں پر بیٹھے۔ کھانے میں خود مسلمان بھی شریک تھے اور جیسا کہ عمرو نے پہلے سے حکم دیا تھا سادہ عربی لباس میں تھے اور عربی انداز اور عادت کے موافق کھانے پر بیٹھے۔ کھانا بھی سادہ یعنی معمولی گوشت اور روٹی تھی۔ عربوں نے کھانا شروع کیا تو گوشت کی بوٹیاں شور بے میں ہو کر اس زور سے دانتوں سے نوچتے تھے کہ شور بے کی چھینٹیں اڑ کر رومیوں کے کپڑوں پر پڑتی تھیں کھانے کے بعد رومیوں نے کہا وہ لوگ کہاں ہیں جو کل ہماری دعوت میں شریک تھے۔ یعنی وہ ایسے گنوار و بے سلیقہ نہ تھے۔ عمرو نے کہا وہ اہل الاری تھے اور یہ سپاہی ہیں۔

مقوقس نے اگرچہ تمام مصر کے لیے معاہدہ صلح لکھوایا تھا لیکن ہر قل کو جب خبر ہوئی تو اس نے نہایت ناراضی ظاہر کی اور کچھ بھیجا کہ قبلی اگر عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے تھے تو رومیوں کی تعداد کیا کم تھی۔ اس وقت ایک عظیم الشان فوج روانہ کی کہ اسکندریہ پہنچ کر مسلمانوں کے مقابلے کے لیے تیار ہو

اسکندریہ کی فتح ۳۱ھ

فسطاط کی فتح کے بعد عمرو نے چند روز تک یہاں قیام کیا اور یہیں سے حضرت عمر کو خط لکھا کہ فسطاط فتح ہو چکا۔ اجازت ہو تو اسکندریہ پر فوجیں بڑھائی جائیں۔ وہاں سے منظوری آئی عمرو نے کوچ کا حکم دیا۔ اتفاق سے عمرو کے خیمہ میں ایک کبوتر نے گھونسل بیا لیا تھا۔ خیمہ اکھاڑا جانے لگا تو عمرو کی نگاہ پڑی۔ حکم دیا کہ اسکو یہیں رہنے دو کہ ہمارے جہان کو تکلیف نہ ہونے پائے۔ چونکہ عربی میں خیمہ کو فسطاط کہتے ہیں اور عمرو نے اسکندریہ سے واپس آ کر اسی خیمہ کے قریب شہر بسایا

اس بے خود شہر بھی قسطنطین نام سے مشہور ہو گیا اور آج تک یہی نام لیا جاتا ہے۔ بہر حال اس میں عمرو نے اسکندریہ کا رخ کیا۔ اسکندریہ اور قسطنطین کے درمیان میں رومیوں کی جو اباویاں تھیں انھوں نے سدراہ ہونا چاہا مگر چنانچہ ایک جماعت عظیم سے جس میں ہزاروں قبیلے بھی شامل تھے قسطنطین کی طرف بڑھے کہ مسلمانوں کو وہیں روک لیں مقام گربوں میں دونوں حریفوں کا سامنا ہوا۔ مسلمانوں نے نہایت طہش میں آکر جنگ کی اور بیشمار عیسائی مارے گئے۔ پھر کسی نے روک ٹوک کی جرات نہ کی۔ اور عمرو نے اسکندریہ پہنچ کر دم لیا۔ مقوقس جزیرہ دیکر صلح کرنا پاتا تھا۔ لیکن رومیوں کے ڈر سے نہیں کر سکتا تھا۔ تاہم یہ درخواست کی کہ ایک مدت معین کے لیے صلح ہو جائے عمرو نے انکار کیا۔ مقوقس نے مسلمانوں کے مرعوب کرنے کے لیے شہر کے تمام آدمیوں کو حکم دیا کہ ہتھیار نکال کر شہر بنیاد کی فصیل پر مسلمانوں کے آنے سے صف بجا کر کھڑے ہوں۔ عورتیں بھی اس علم میں داخل تھیں اور اس غرض سے کہ پہچانی نہ جاسکیں انھوں نے شہر کی طرف منھ کر لیا تھا۔ عمرو نے کہا مہیجا کہ ہم تمھارا مطلب سمجھے لیکن تم کو معلوم نہیں کہ مجھے اب تک جو تک فتح کیے کثرت فوج کے بل پر نہیں کیے۔ تمھارا بادشاہ ہرقل جس سرور سامان سے ہمارے مقابلے کو آیا تم کو معلوم ہے اور جو نتیجہ ہوا وہ بھی مخفی نہیں۔ مقوقس نے کہا بیچ ہے یہی عرب ہیں جنھوں نے ہمارے بادشاہ کو قسطنطینیہ پہنچا کر چھوڑا۔ سپر رومی سرور نہایت غضبناک ہوئے۔ مقوقس کو بہت برا بھلا کہا اور لڑائی کی تیاریاں شروع کیں۔

مقوقس کی مرضی چونکہ جنگ کی نہ تھی۔ اس نے عمرو سے اقرار لے لیا تھا کہ چونکہ میں رومیوں سے الگ ہوں۔ اس وجہ سے میری قوم اپنی قبیلے کو تمھارے ہاتھ سے ضرر نہ پہنچنے پائے، قبیلوں نے صرف یہی نہیں کیا کہ اس معرکہ میں دونوں سے الگ ہے بلکہ مسلمانوں کو بہت کچھ مدد دی

فسطاط سے اسکندریہ تک فوج کے آگے آگے پلوں کی مرتب کرتے اور سرکس بتاتے گئے۔ خود اسکندریہ کے محاصرہ میں بھی رسد وغیرہ کا انتظام انہی کی بدولت ہو سکا۔ رومی کبھی کبھی قلعہ سے باہر نکل کر لڑتے تھے۔ ایک دن نہایت سخت معرکہ ہوا۔ تیر و خدنگ سے گزر کر بلوار کی نوبت آئی ایک رومی نے صف سے نکل کر کہا کہ جسکو دعویٰ ہو تنہا میرے مقابلے کو آئے۔ مسلمہ بن خالد گھوڑا بڑھا یا۔ رومی نے انکو زہن پر مے پٹکا۔ اور جھک کر تلوار مارنا چاہتا تھا کہ ایک سوار نے اگر جان بچائی عمر کو اس پر اس قدر غصہ آیا کہ تنانت ایک طرف مسلمہ کے رتبہ کا بھی پاس نہ کر کے کہا کہ ”زنخوں کو میدان جنگ میں آنے کی کیا ضرورت ہے“ مسلمہ کو نہایت ناگوار ہوا لیکن مصلحت کے لحاظ سے کچھ نہ کہا۔

لڑائی کا زور اسی طرح قائم تھا۔ آخر مسلمانوں نے اس طرح دل توڑ کر حملہ کیا کہ رومیوں کو دبانے ہوئے قلعہ کے اندر گھس گئے۔ دیر تک قلعہ کے صحن میں معرکہ رہا آخر میں رومیوں نے سنبھل کر ایک ساتھ حملہ کیا اور مسلمانوں کو قلعہ سے باہر نکال کر دروازے بند کر دیے۔ اتفاق یہ کہ عمرو بن عاص اور مسلمہ اور دو شخص اور اندر رہ گئے۔ رومیوں نے ان لوگوں کو زندہ گرفتار کرنا چاہا لیکن جب ان لوگوں نے مردانہ جان دینی چاہی تو انھوں نے کہا دونوں طرف سے ایک ایک آدمی مقابلے کو نکلے۔ اگر ہمارا آدمی مارا گیا۔ تو ہم تمکو چھوڑ دیں گے کہ قلعہ سے نکل جاؤ۔ اور تمھارا آدمی مارا جائے تو تم سب تہیارتوال دو۔ عمرو بن العاص نے نہایت خوشی سے منظور کیا اور خود مقابلے کے لئے نکلنا چاہا مسلمہ نے روکا کہ تم فوج کے سردار ہو۔ تم پر آئینہ آئی تو انتظام میں خلل ہوگا۔ یہ کہہ کر گھوڑا بڑھا یا۔ رومی بھی تہیارت سنبھال چکا تھا۔ دیر تک وار ہوتے رہے۔ بالآخر مسلمہ نے ایک ہاتھ مارا کہ رومی وہیں ڈھیر ہو کر رہ گیا۔ رومیوں کو یہ معلوم نہ تھا کہ ان میں کوئی سردار جو انھوں نے اقرار کے موافق قلعہ کا دروازہ کھول دیا اور سب صحیح سلامت باہر نکل آئے۔ عمرو نے مسلمہ سے اپنی پہلی گستاخی کی معافی مانگی اور

انہوں نے نہایت صاف دلی سے معاف کر دیا۔

محاصرہ جقد رطلول کھینچتا جاتا تھا حضرت عمر کو زیادہ پریشانی ہوتی تھی۔ چنانچہ عمرو کو خط لکھا کہ تم لوگ وہاں رہ کر عیسائیوں کی طرح عیش پرست بن گئے۔ ورنہ فتح میں اسقدر دیر نہ ہوتی جب دن میرا خط پہنچے۔ تمام فوج کو جمع کر کے جہاد پر خطبہ دیا اور پھر اس طرح حملہ کرو کہ جنکو میں نے افسر کر کے بھیجا تھا فوج کے آگے ہوں اور تمام فوج ایک دفعہ دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ عمرو نے تمام فوج کو یکجا کر کے خطبہ پڑھا اور ایک پُراثر تقریر کی کہ مجھے ہوئے جوش تازہ ہو گئے۔ عبادہ بن صامت کو جو برسوں رسول اللہ کی صحبت میں رہے تھے بلا کر کہا کہ اپنا نیزہ مجھ کو دیکھے۔ خود سر سے عمامہ اتارا اور نیزہ پر لگا کر انکو حوالہ کیا کہ یہ سپہ سالار کا علم ہے اور آج آپ سپہ سالار ہیں۔ زبیر بن العوام اور سلمہ بن مغلہ کو فوج کا ہر اول کیا غرض اس سرور سامان سے قلعہ پر دھاوا ہوا اور پہلے ہی حملہ میں شہر فتح ہو گیا عمرو نے اُسی وقت معاویہ بن خدیج کو بلا کر کہا کہ جقد رتیز جاسکو جاؤ اور امیر المومنین کو خروہ فتح سناؤ۔ معاویہ اُنٹنی پر سوار ہوئے اور وومنزلہ تہ منزلہ کرتے ہوئے مدینہ پہنچے۔ چونکہ شیک دو پہر کا وقت تھا اس خیال سے کہ یہ آرام کا وقت ہے بارگاہِ خلافت میں تونہ گئے سجدہ بجا دیں اور کہا اتفاق سے حضرت عمر کی نوٹندی ادھر آگئی اور اُن کو مسافر کی ہیئت میں دیکھ کر پوچھا کہ کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ انہوں نے کہا۔ اسکندریہ سے۔ اُس نے اُسی وقت ہا کر خبر کی اور ساتھ ہی واپس آئی کہ چلو تم کو امیر المومنین بلاتے ہیں۔ حضرت عمر اتنا بھی انتظار نہیں کر سکتے تھے خود چلنے کے لیے تیار ہوئے اور چادر منبھال ہے تھے کہ معاویہ پہنچ گئے۔ فتح کا حال سن کر زمین پر گرے اور سجدہ شکر ادا کیا۔ اُنھ کو مسجد میں آئے اور منادی کرا دی کہ الصلوٰۃ جامعۃ سنئے ہی تمام مدینہ اُمٹا آیا۔ معاویہ نے سب کے سامنے فتح کے حالات بیان کیے وہاں سے اُنھ کو حضرت عمر کے ساتھ اُن کے گھر

پہر گئے۔ حضرت عمرؓ نے لوٹدی سے بوجھ کچھ کھانے کو ہے۔ وہ روٹی اور روغن زیتون لائی۔ مہمان کے آگے رکھا اور کہا کہ آنے کے ساتھ میرے پال کیوں نہیں چلے آئے؟ انھوں نے کہا میں نے خیال کیا کہ یہ آرام کا وقت ہے شاید آپ سوتے ہوں! فرمایا کہ افسوس! تمہارا۔ میری نسبت یہ خیال ہے میں دن کو سوؤں گا تو خلافت کا بار کون سنبھالے گا۔

عمرو اسکندریہ کی فتح کے بعد قسطنطین کو واپس گئے اور وہاں شہر بسنا چاہا۔ الگ الگ قلعے متعین کیے اور دواغ بیل ڈال کر عرب کی ساوہ وضع کی عمارتیں تیار کرائیں تفصیل ابھی دوسرے حصے میں آئیگی۔

اسکندریہ اور قسطنطین کے بعد اگرچہ برابر کا کوئی حریف نہیں رہا تھا تاہم چونکہ مصر کے تمام اضلاع میں رومی پھیلے ہوئے تھے ہر طرف تھوڑی تھوڑی فوجیں روانہ کیں کہ آئندہ کسی خطرے کا احتمال نہ بجائے۔ چنانچہ خاریم بن مذاقۃ العدوی۔ فیوم۔ اشمونین۔ اجمیم۔ بشرودات۔ سعید اور اس کے تمام مضافات میں چکر لگا آئے اور ہر جگہ کے لوگوں نے خوشی سے جزیہ دینا قبول کیا۔ اسی طرح عمیر بن وہب الحمیری۔ تینس۔ و میاط۔ تونہ۔ و میرہ۔ شطا۔ وقہلہ۔ بنا۔ بوہیرہ کو مسخر کیا۔ عقبہ بن عامر الجہنی نے مصر کے تمام نشیبی حصے فتح کیے۔

چونکہ ان لڑائیوں میں نہایت کثرت سے قحطی گرفتار ہوئے تھے۔ عمرو نے دربار خلافت کو لکھا کہ ان کی نسبت کیا کیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے جواب لکھا کہ سب کو ہٹا کر کہہ دو کہ ان کو اختیار ہے مسلمان ہو جائیں یا اپنے مذہب پر قائم رہیں۔ اسلام قبول کریں گے تو انکو وہ تمام حقوق حاصل ہوں گے جو مسلمانوں کو حاصل ہیں ورنہ جزیہ دینا ہوگا جو تمام زمینوں سے لیا جاتا ہے۔ عمرو نے تمام قیدی جو تعداد میں نہاروں سے زیادہ تھے۔ ایک جامع کیے۔ عیسائی سواروں کو بھی طلب کیا

اور سلمان و عیسائی الگ الگ ترتیب سے آنے سامنے بیٹھے۔ بیچ میں قیدیوں کا گروہ تھا۔ فرمان
خلافت پڑھا گیا تو بہت سے قیدیوں نے جو مسلمانوں میں رہ کر اسلام کے ذوق سے آشنا ہو گئے تھے
اسلام قبول کیا اور بہت سے اپنے مذہب پر قائم رہے جب کوئی شخص اسلام کا اظہار کرتا تھا تو تمام
مسلمان اس کا بڑا نعرہ بلند کرتے تھے۔ اور خوشی سے نہچتے جاتے تھے اور جب کوئی شخص عیسائیت
کا اقرار کرتا تھا تو تمام عیسائیوں میں سب کا دوا کا اعلیٰ پڑتا تھا اور مسلمان اس قدر غمزدہ ہوتے تھے کہ تہوں
کے آنسو نکل پڑتے تھے۔ دیر تک یہ سلسلہ جاری رہا اور دونوں فریق اپنے اپنے حصہ رسد کی
موافقی کا سیلاب آئے۔

حضرت عمرؓ کی شہادت ۲۶۔ نووا الجحیم: ۲۳۳، المابنق ۴۴۴ھ

(کل تہذیب خلافت ارس ۱ مہرہ طاووس)

مدینہ منورہ میں فیروز نام ایک پارسی غلام تھا جس کی کنیت ابو لوطی۔ اُس نے ایک دن
حضرت عمرؓ سے اگر شکایت کی کہ میرے آقا خیرہ ابن شعبہ نے مجھ پر بہت عبادی حصول مقرر کیا ہے
آپ کم کر دیجئے۔ حضرت عمرؓ نے تعداد پوچھی اُس نے کہا روزانہ دو روپہم روزیہا سات آئے حضرت
عمرؓ نے پوچھا تو کون سا پیشہ کرتا ہے بولا کہ ”تجاری“ نقاشی۔ آہنگی۔ فرمایا کہ ان صنعتوں کے مقابلہ
میں یہ رقم کچھ بہت نہیں ہے۔ فیروز۔ دل میں سخت ناراض ہو کر چلا آیا۔

دوسرے دن حضرت عمرؓ صبح کی نماز کے پئے نکلے تو فیروز زنجیر لے کر مسجد میں آیا حضرت عمرؓ کے
حکم سے کچھ لوگ اس کام پر مقرر تھے کہ جب جماعت کھڑی ہو تو صفیں درست کریں جب صفیں
سیدھی ہو جیتی تھیں تو حضرت عمرؓ شریف لاتے تھے اور امامت کرتے تھے۔ اُس دن بھی حسب

معمول سنبس و دست پہنچیں تو حضرت عمر امانت کے لیے بڑھے اور جوں ہی نماز شروع کی - فیروز نے
وفعتہ گمان میں نے کل کر چھ وار کیے جن میں سے ایک ناف کے نیچے پڑا - حضرت عمر نے فوراً
عبدالرحمن بن عوف کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور خود زخم کے صدمہ سے گر پڑے۔

عبدالرحمن بن عوف نے اس حالت میں نماز پڑھائی کہ حضرت عمر سامنے بسمل پڑے تھے - فیروز
نے اور لوگوں کو بھی زخمی کیا لیکن بالآخر پکڑ لیا گیا اور ساتھ ہی اُس نے خودکشی کر لی - حضرت عمر کو لوگ
اٹھا کر گھڑ لائے سب سے پہلے انھوں نے پوچھا کہ میرا قاتل کون تھا؟ : لوگوں نے کہا فیروز فرمایا کہ وہ
احمد سعد کہ میں ایسے شخص کے ہاتھ سے نہیں مارا گیا جو اسلام کا دعویٰ رکھتا تھا : لوگوں کو خیال تھا کہ زخم
چنداں کاری نہیں ہے - غالباً شفا ہو جائے چنانچہ ایک طبیب بلایا گیا اُس نے نمید اور دودھ پلایا اور
دونوں چیزیں زخم کی راہ بہر کل آئیں - اسوقت لوگوں کو یقین ہو گیا کہ وہ اس زخم سے جانبر نہیں ہو سکتے
چنانچہ لوگوں نے اُن سے کہا کہ اب آپ اپنا ولی عہد منتخب کر جائیے۔

حضرت عمر نے عبدالسہیلے فرزند کو بلا کر کہا کہ ”عائشہ کے پاس جاؤ و کہو کہ عمر آپ سے اجازت
طلب کرتا ہے کہ رسول اللہ کے پہلو میں دفن کیا جائے“ عبدالسہیلے عائشہ کے پاس آئے - وہ
رو رہی تھیں حضرت عمر کا سلام کیا اور پیغام پہنچایا - حضرت عائشہ نے کہا کہ ”اس جگہ کو میں اپنے لیے محفوظ
رکھنا چاہتی تھی - لیکن آج میں عمر کو اپنے آپ پر ترجیح دوں گی“ عبدالسہیلے واپس آئے - لوگوں نے حضرت
عمر کو خبر کی - بیٹے کی طرف مخاطب ہوئے اور کہا کہ کیا خبر لائے؟ انھوں نے کہا کہ جو آپ چاہتے تھے فرمایا
کہ ”یہی سب بڑی آرزو تھی“ اُس وقت اسلام کے حق میں جو سب سے اہم کام تھا وہ ایک خلیفہ کا انتخاب
کرنا تھا، تمام صحابہ بار بار حضرت عمر سے درخواست کرتے تھے کہ اس ہم کو آپ طے کر جائیے - حضرت عمر
نے خلافت کے معاملہ پر مدتوں غور کیا تھا اور اکثر اسکو سوچا کرتے تھے بار بار لوگوں نے اُنکو اس حالت میں
دیکھا کہ سب سے الگ متفکر بیٹھے ہیں اور کچھ سوچ رہے ہیں - دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ خلافت کے

باب میں غلطیاں پچاں ہیں۔

مردت کے غور و فکر پر بھی ان کے انتخاب کی نظر کسی شخص پر متنی نہ تھی۔ بارہا ان کے نمونہ سے بیعت
آہ نکل گئی کہ وہ افسوس اس بار گراں کا کوئی اٹھائیو والا نظر نہیں آتا۔ تمام صحابہ میں اُس وقت شخص
تھے جبیر انتخاب کی نگاہ پر سکتی تھی۔ علی۔ عثمان۔ زبیر۔ طلحہ۔ سعد وقاص۔ عبدالرحمن بن عوف۔ لیکن
حضرت عمر ان سب میں کچھ نہ کچھ کمی پاتے تھے۔ اور اُسکا اٹھنوں نے مختلف موقعوں پر اٹھارہ بھی کر دیا

۱۔ حضرت عمر نے اور بزرگوں کی نسبت جو عہد میرا کیا گوشت ان کو ادب سے نہیں لکھا لیکن ان میں بائی کام نہیں۔ البتہ
حضرت علی کے متعلق جو کچھ اپنی حضرت عمر کی زبانی عام تاریخوں میں منقول ہے یعنی یہ کہ ان کے مزاج میں نرافت ہے۔ یا ایک خیال
ہی خیال معلوم ہوتا ہے۔ حضرت علی ظریف تھے مگر اس قدر جتنا ایک لیلیف المزاج بزرگ ہوتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت علی کے تعلقات قریش کے ساتھ کچھ ایسے پیچ و پیچ تھے کہ قریش کسی طرح ان کے آگے سر نہیں جھکا سکتے تھے۔
علامہ فہر نے اس معاملہ کے متعلق حضرت عمر کے خیالات مکاہ کی حدوت میں نقل کیے ہیں ہم انکو اس موقع پر اس لئے درج کرتے ہیں کہ
اس سے حضرت عمر کے خیالات کا از سر بستہ معلوم ہوگا۔ مکالمہ عبداللہ بن عباس سے جو تھا جو حضرت علی کے ہم قبیلہ اور طرفدار تھے۔

حضرت عمر۔ کیوں عبداللہ بن عباس، علی ہمارے ساتھ کیوں نہیں شریک ہوئے۔؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ تمہارے باپ رسول اللہ کے چچا اور تم رسول اللہ کے چچے بھائی ہو۔ پھر تمہاری قوم تمہاری طرفدار کیوں ہوئی؟

عبداللہ بن عباس۔ میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر۔ لیکن میں جانتا ہوں، تمہاری قوم، تمہارا رشتہ ہونا گوارا نہیں کرتی تھی۔

عبداللہ بن عباس۔ کیوں؟

حضرت عمر وہ یہ نہیں پسند کرتے تھے کہ ایک ہی خاندان میں نبوت اور خلافت دونوں آجائیں شاید تم یہ کہو گے کہ حضرت ابو بکر نے

انکو خلافت سے محروم کر دیا لیکن خدا کی قسم یہ بات نہیں، ابو بکر نے وہ کیا جس سے زبان سب کوئی بات نہیں کہہ سکتی تھی اگر وہ مکرر خلافت

تھا، پہاچہ طبری وغیرہ میں ان کے ریاکارانہ تفصیل مذکور ہیں، مذکورہ بالا بزرگوں میں وہ حضرت علی کو سب سے بہتر جانتے تھے، لیکن بعض اسباب سے انکی نسبت بھی قطعی نہ ملے نہیں کر سکتے تھے۔

غرض وفات کے وقت جب لوگوں نے اصرار کیا تو فرمایا کہ ان چھ شخصوں میں جسکی نسبت کثرت ائے ہو، اہل بیت منتخب کر لیا جائے۔

و مشفقہ حضرت عباس (ع) دبا بھی چاہئے اور ان کا اہسا کرنا تمہارے فی بن کچھ بھی وعدہ نہ ہوتا۔

دوسرا کمالہ اس سے زیادہ معتدل کچھ باتیں نوہی ہیں حویٹے رکالہ میں گریں کچھ نئی ہیں۔ اور وہ یہ ہیں۔

حضرت عمر کیوں عبداللہ ابن عباس (ع) تمہاری نسبت میں بعض بعض باتیں سن کر تا تھا لیکن میں نے اس خیال سے اسکی تحقیق نہیں کی کہ تمہاری عزت سری آکھوں میں کم ہو جائے گا۔

عبداللہ ابن عباس وہ کیا باتیں ہیں؟

حضرت عمر میں نے سنا ہے کہ تم کہتے ہو کہ لوگوں سے ہمارے حادان سے خلافت حسدا اور ظالم جھیں لی۔

عبداللہ ابن عباس ظالم کی نسبت اس نہیں کہہ سکتا۔ کیونکہ وہ کسی شخص نہیں لیکن حسدا۔ تو ہمارا عجب کیا ہے ایسی آدم پر حسد کیا اور ہم لوگ آدم ہی کی اولاد ہیں پھر حسد ہوں تو کیا نتیجہ؟

حضرت عمر انوس ہی ہانم کے دلوں سے میرا نے رنج اور کہنے نہ عاہیں گے۔

عبداللہ ابن عباس ایسی بات نہ کہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی ہانمی ہی تھے

حضرت عمر اس تذکرہ کو جاے دو۔

عبداللہ ابن عباس بہت مناسب، دیکھو تاریخ طبری صفحہ ۲۶۶ تا ۲۷۱ (۲۷۱)

ان مکالمات سے علاوہ اصل ائمہ کے تمہا بات کا بھی اندازہ کر سکو گے کہ حضرت عمر کے سارک عہد میں لوگ کس لہری اور ساکی سے اپنے خیالات کا اظہار کرتے تھے۔ اور یہ زیادہ تر ہجو سے تھا کہ حضرت عمر خود آراوی اور شی گونی کو نوم میں پھیلانا چاہئے تھے۔

حضرت عمر کو قوم اور ملک کی بہنوی کا جو خیال تھا، اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ میں کرب تکلیف کی حالت میں
 جہان تک اُمّی قوت اور جو اس نے پارسی می اسی وطن میں مختصر وقت ہے لوگوں کو مخاطب کر کے کہا کہ جو شخص
 منتخب ہوا اسکو میں وصیت کرتا ہوں کہ پانچ فرقوں کے حقوق کا نہایت خیال رکھئے۔ مہاجرین۔ انصار اور
 وہ اہل عرب جو اُردو رشتہروں میں جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ اہل ذمہ یعنی عیسائی۔ یہودی۔ پارسی جو ہلام کی
 رعایا تھے، پھر ہر ایک کے حقوق کی تسریع کی چنانچہ اہل ذمہ کے حق میں جو الفاظ کہے وہ یہ تھے میں
 خلیفہ وقت کو وصیت کرتا ہوں کہ وہ خدا کی ذمہ داری اور رسول اللہ کی ذمہ داری کا لحاظ رکھے یعنی اہل ذمہ سے
 جو اقرار ہے وہ پورا کیا جائے اُن کے دشمنوں سے لڑا جائے اور اُن کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہ دی
 جائے قوم کے کام سے فراغت ہو چکی تو اپنے ذاتی مطالب پر توجہ کی۔ عبداللہ اپنے بیٹے کو بلا کر کہا کہ مجھ پر
 کس قدر قرض ہے؟ معلوم ہوا کہ چھپاسی ہزار درہم فرمایا کہ میرے منہ کو کہے تو بہتر ورنہ خاندان
 عدی سے درخواست کرنا اور اگر وہ بھی پورا نہ کر سکیں تو کل قرض سے۔ لیکن قریش کے علاوہ آوروں کی
 تکلیف نہ دینا یہ صحیح بخاری کی روایت ہے دیکھو کتاب المناقب حصہ ثانیہ والاتفاق علی عثمان لیکن عمر بن خطاب
 کتاب الدینیہ میں اس صحیح روایت کی ہجو کہ نافع جو حضرت عمر کے غلام تھے کہتے تھے کہ عمر پر قرض کیونکر رہ سکتا تھا؟
 حالانکہ ان کے ایک وارث نے اپنے حصہ وراثت کو ایک لاکھ ہر پچاس تھائی تھیقت یہ ہے کہ حضرت عمر پر چھپاسی ہزار کا قرض
 ضرور تھا لیکن وہ ہر طرح ادا کیا گیا کہ انکا مسکن مکان بچھا لایا جسکو امیر معاویہ نے خریدا۔ یہ مکان بالسلام
 اور باب الرحۃ کے بیچ میں واقع تھا اور اس مناسبت سے کہ اُس سے قرض ادا کیا گیا ایک مدت تک
 وارا القضا کے نام سے مشہور ہوا چنانچہ خلاصۃ الوفانی اخبار المصطفیٰ میں یہ مقدمہ تفصیل مذکور ہے حضرت
 عمر نے تین دن کے بعد انتقال کیا اور محرم کی پہلی تاریخ ہفتہ کے دن مدفون ہوئے نماز جنازہ صہیب بن
 پڑھائی۔ حضرت عبدالرحمن۔ حضرت علی۔ حضرت عثمان۔ طلحہ۔ سعد و قاص۔ عبدالرحمن بن عوف نے
 قبر میں اتارا اور وہ آفتاب عالم تاب خاک میں چھپ گیا۔ تمام شد

سلسلہ

ناموران اسلام

الفاروق

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے مفصل سوانح عمری کا

حصہ دوم

جس میں اول حضرت عمرؓ کے تمام ملکی، مالی اور فوجی انتظامات کی تفصیل ہے پھر ان کے ذاتی اخلاق، عادات اور علمی کمالات کا تذکرہ ہے اور خصوصاً ان کے مجتہدانہ کاموں کو نہایت شرح و بسط لکھا ہے

مولفؒ

شبلی نعمانی

حسب اجازت سید شاہ صاحب مہتمم اتحاد اکھنؤ

سید ظہور الحسن الکاتب القوی فریق کافرانہ تجارت ہنری جامع مسجد کٹرہ نظام الملک

قومی پریس دہلی مین پسی



حصہ دوم

فتوحات پر ایک اجمالی نگاہ

پہلے حصے میں مرقعات کی تفصیل ہے آئیے ہوا میں سے تھارے والے پر اس عہد کے مسلمانوں کے جوش، ہمت، سرمہ و استقلال، کا قومی اثر پیدا ہوا ہوگا لیکن اسلاف کی تہذیب نے سننے میں تم نے اسکی پروانہ کی ہوگی کہ واقعات کو فلسفہ تاریخی کی نگاہ سے دیکھا جائے۔

لیکن ایک نکتہ سچ منورخ کے دل میں فوراً یہ سوالات پیدا ہونگے کہ چند صحرائیوں نے کیونکر فارس و روم کا وفتراٹ دیا؟ کیا یہ تاریخ عالم کا کوئی نشتہ واقعہ ہے؟ آخر اس کے اسباب کیا تھے؟ کیا ان واقعات کو سکندر و چنگیز کی فتوحات سے تشبیہ نہیں دیجا سکتی؟ جو کچھ ہوا اُس میں فرمانروائے خلافت کا کتنا حصہ تھا؟ ہم اس موقع پر انھی سوالات کا جواب دینا چاہتے ہیں لیکن نہایت اجمال کے ساتھ پہلے یہ بتا دینا ضرور ہے کہ فتوحات فاروقی کی وسعت اور اُسکے حدود اربعہ کیا تھے؟

حضرت عمر کے مقبوضہ ممالک کا کل رقبہ ۲۵۱۰۳۰ میل مربع یعنی مکہ معظمہ سے شمال کی جانب ۱۰۳۶، مشرق کی جانب ۱۰۸۶، جنوب کی جانب ۴۸۳ میل تھا۔ مغرب کی جانب چونکہ صرف جدہ تک حد حکومت تھی اس لئے وہ قابل ذکر نہیں۔

اس میں شام، مصر، عراق، جزیرہ خوزستان، عراق عجم، آرمینیہ، آذربائیجان، فارس، کرمان، نرسان

اور مکران۔ جس میں بلوچستان کا بھی کچھ حصہ آجاتا ہے شامل تھا۔ ایشیائی کوچک پر جسکو اہل عرب روم کہتے ہیں۔ سنہ ۶۳۷ء میں حملہ ہوا تھا لیکن وہ فتوحات کی فہرست میں شمار ہونے کے قابل نہیں۔ یہ تمام فتوحات خاص حضرت عمر کی فتوحات ہیں اور اسکی تمام مدت۔ دس برس سے کچھ ہی زیادہ ہے۔

پہلے سوال کا جواب یہ دو ہیں موزخون نے یہ دیا ہے کہ اسوقت فارس و روم دونوں سلطنتیں اوج اقبال سے گری چکی تھیں۔ فارس میں خسرو پرویز کے بعد نظام سلطنت بالکل درہم برہم ہو گیا تھا۔ کیونکہ کوئی لائق شخص جو حکومت کو سنبھال سکتا موجود نہ تھا۔ دربار کے عاقد و ارکان میں سازشیں شروع ہو گئی تھیں اور انھی سازشوں کی بدولت تخت نشینوں میں اول بدل ہوتا رہتا تھا چنانچہ تین ہی چار برس کے عرصے میں عثمان حکومت چھ سات فرمانرواؤں کے ہاتھ میں آئی اور مچل گئی۔ ایک اور وجہ یہ ہوئی کہ نو شیروان سے کچھ پہلے مزدکیہ فرقہ کا بہت زور ہو گیا تھا جو احاد و زندہ قیصر طرف مائل تھا۔ نو شیروان نے گوناوار کے ذریعے سے اس مذہب کو دبا دیا لیکن بالکل مٹا نہ سکا۔ اسلام کا قدم جب فارس میں پہنچا تو اس فرقے کے لوگوں نے مسلمانوں کو اس حیثیت سے اپنا پشت پناہ سمجھا کہ وہ کسی کے مذہب اور عقائد سے تعرض نہیں کرتے تھے۔ عیسائیوں میں مسورین فرقہ جو اور کسی حکومت میں پناہ نہیں ملتی تھی۔ وہ بھی اسلام کے سایہ میں آکر انھیں لفون کے ظلم و ستم سے بچ گیا اس طرح مسلمانوں کو دو بڑے فرقے کی ہمدردی اور اعانت مفت میں بات آگئی۔

روم کی سلطنت خود کمزور ہو چکی تھی۔ اسکے ساتھ عیسائیت کے باہمی اختلافات اُن دنوں زوریوں پر تھے اور چونکہ اسوقت تک مذہب کو نظام حکومت میں دخل تھا اس لئے اس اختلاف کا اثر مذہبی خیالات تک محدود نہ تھا بلکہ اسکی وجہ سے خود سلطنت کمزور ہوئی جاتی تھی۔

یہ جواب گودا قیامت سے خالی نہیں لیکن جس قدر واقعیت ہے اُس سے زیادہ طرز استدلال کی قطع سادہی ہے جو یورپ کا خاص انداز ہے۔ بے شبہ اسوقت فارس و روم کی سلطنتیں

اصلی سہولت پر نہیں رہے۔ لیکن اس کا صرف اس قدر نتیجہ ہو سکتا تھا کہ وہ بزرگ قوی سلطنت کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ نہ یہ کہ عرب کسی بڑے سرورساں قوم سے ٹکرا کر پڑے پرزے ہو جاتے۔ روم و فارس کو کسی حالت میں شکستہ تاہم فنون جنگ میں ماہر تھے۔ یونان میں خاص تو اعراب پر جو کتابیں لکھی گئی تھیں اور جو اسباب تھے۔ دیون میں ایک مدت تک ان کا علی رواج رہا۔ اسکے ساتھ رسد کی فراوانی، سرورساں کی بسات، آلات جنگ کے متنوع، فوجوں کی کثرت، میں کمی نہ آئی تھی اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کسی ملک پر حملہ کرنا تھا بلکہ اپنے ملک میں، اپنے قلعوں میں، اپنے مروجوں میں، رہ کر ملک کی حفاظت کرنی تھی۔ مسلمانوں کے حملے سے ذرا ہی چلے خسرو پر دیر کے عہد میں جو ایران کی شکست و شان کا عین شباب تھا۔ قیصر روم نے ایران پر حملہ کیا اور ہر قدم پر فتوحات حاصل کرتا ہوا اصفہان تک پہنچ گیا۔ شام کے صوبے جو ایرانیوں نے چھین لئے تھے واپس لئے اور نئے سرے سے نظم و نسق قائم کیا۔

ایران میں خسرو پر دیر تک تو عموماً مسلم ہے کہ سلطنت کو نہایت جاہ و جلال حاصل تھا خسرو پر دیر کی وفات سے۔ اسلامی حملے تک صرف تین چار برس کی مدت ہے اتنے تھوڑے سے عرصے میں ایسی قوی اور قدیم سلطنت کہاں تک کمزور ہو سکتی تھی! البتہ تخت نشینوں کی اولیٰ بدل سے نظام میں فرق آ گیا تھا۔ لیکن چونکہ سلطنت کے اجزائے خزانہ۔ فوج۔ اور حاصل میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ اس لئے جب یزدگرد تخت نشین ہوا اور دربار یوں تے اصلاح کی طرف توجہ کی تو فوراً نئے سرے وہی ٹھاٹھ قائم ہو گئے۔ مزید کیہ فرقہ۔ گو ایران میں موجود تھا لیکن یہ تو تمام تاریخ میں ان سے کسی قوم کی مدد ملنے کا حال معلوم نہیں ہوتا۔ اسی طرح فرقہ فسٹورین کی کوئی اعانت ہو معلوم نہیں عیسائیت کے اختلاف مذہب کا اثر بھی کسی واقعہ میں خود یوروپین موزوں نے کمین نہیں بتایا۔ اب عرب کی حالت دیکھو! تمام فوجیں جو مصر و ایران و دم کی جنگ میں مصروف تھیں کئی

مجموعی تعداد کھی ایک لاکھ تک بھی نہ پہنچی۔ فنونِ جنگ سے واقفیت کا نا اہل کہ یرموک پہلا امیر ہے جسین عرب نے تعجیبہ کے طرز پر صف آرائی کی۔ خود۔ زرہ۔ جلیتہ۔ جوشن۔ بکتر۔ چار آریہ آہنی دشانے۔ جلم۔ موزے، جو ہر ایرانی سپاہی کا لازمی ملبوس جنگ تھا۔ اسین سے عربوں کے پاس صرت زرہ تھی اور وہ بھی اکثر چڑے کی ہوتی تھی۔ رکاب لوہے کے بجائے لکڑی کی بنی۔ آلات جنگ سینگرز دکنند سے عرب بالکل نا آشنا تھے۔ تیر تھے لیکن ایسے چھوٹے اور کم حیثیت کہ قادیہ کے معرکہ میں ایرانیوں نے جب پہلی پہل اُن کو دیکھا تو سمجھا کہ تلکے ہیں۔

ہمارے نزدیک اس سوال کا اصلی جواب صرف اس قدر ہے کہ مسلمانوں میں اُسوقت بانی اسلام کی بدولت جو جوش، عزم، استقلال، ہمت، بلند حوصلگی، دلیری، پیدا ہو گئی تھی اور جسکو حضرت عمرؓ نے اور زیادہ قوی اور تیز کر دیا تھا روم و فارس کی سلطنتیں عین عروج کے زمانے میں بھی اُسکی ٹکڑ نہیں اٹھا سکتی تھیں۔ البتہ اسکے ساتھ اور بھی چیزیں مل گئی تھیں جنہوں نے فتوحات میں نہیں بلکہ قیام حکومت میں مدد دی۔ اسین سب سے مقدم خیز مسلمانوں کی راستبازی اور دیانت داری تھی۔ جو ملک فتح ہو جاتا تھا وہاں کے لوگ مسلمانوں کی راستبازی کے اس قدر گردیدہ ہو جاتے تھے کہ باوجود اختلافِ مذہب کے انکی سلطنت کا زوال نہیں چاہتے تھے۔ یرموک کے معرکہ میں مسلمان جب شام کے اضلاع سے نکلے تو تمام عیسائی رعایا نے ہیکار کہ خدا انکو پھر اس ملک میں لائے، اور یہودیوں نے توریت ہاتھ میں لیکر کہا کہ ہمارے جیسے جی تمہیں صراحت یہاں نہیں آسکتا۔

رومیوں کی حکومت جو شام و مصر میں تھی وہ بالکل جاہلانہ تھی اس لئے رومیوں نے

مسلمانوں کا جو مقابلہ کیا وہ سلطنت اور فوج کے روبرو کیا۔ رعایا اس کے ماتہ نہ تھی۔ مسلمانوں کے جب سلطنت کا زور توڑ دیا تو اس کے مطلع معاف نہ کیا یعنی رعایا کی طرف سے کسی قسم کی دہشت منوئی البتہ ایران کی حالت اس سے مختلف تھی، وہاں سلطنت کے نیچے بہت بڑے بڑے رئیس تھے جو بڑے بڑے اضلاع اور صوبوں کے مالک تھے، وہ سلطنت کے لئے نہیں بلکہ خود اپنی ذاتی حکومت کی حفاظت کے لئے لڑتے تھے، یہی وجہ تھی کہ پامی تخت کے فتح کر لینے پر بہر بھی فارس میں ہر قدم پر مسلمانوں کو مزاحمتیں پیش آئیں۔ لیکن عام رعایا وہاں بھی مسلمانوں کی رو بہ ہو چکا تھا تھی اور اس لئے فتح کے بعد فاس حکومت میں ان سے بہت مدد ملتی تھی۔

ایک اور بڑا سبب یہ تھا کہ مسلمانوں کا اوّل اوّل حملہ شام و عراق پر ہوا ان دونوں مقامات میں کثرت سے عرب آباد تھے۔ شام میں دمشق کا حاکم غسانی خاندان تھا جو براہ نام قصیر کا محکوم تھا۔ عراق میں لخمی خاندان اس کے دراصل ملک کے مالک تھے گو کسریٰ کو خراج کے طور پر کچھ دیتے تھے ان عربوں نے اگرچہ اس وجہ سے کہ عیسائی ہو گئے تھے اوّل اوّل لمانوں کا مقابلہ کیا لیکن قوی اتحاد کا جذبہ راہبان نہیں جاسکتا تھا۔ عراق کے بڑے بڑے رئیس بہت جلد مسلمان ہو گئے اور مسلمان ہو جانے پر وہ مسلمانوں کے دست و بازو بن گئے۔ شام میں بھی آخر عربوں نے اسلام قبول کر لیا اور رومیوں کی حکومت سے آزاد ہو گئے۔

سکندر اور جنگیز وغیرہ کا نام لیتا یہاں بالکل بے موقع ہے۔ بے شبہ ان دونوں نے بڑی بڑی فتوحات حاصل کیں۔ لیکن کیونکر؟ قہر ظلم اور قتل عام کی بدولت۔ جنگیز کا حال تو سب کو معلوم ہے۔ سکندر کی یہ کیفیت ہے کہ جب اس نے شام کی طرف شہ صور کو فتح کیا تو جو مکہ وہاں کے لوگ دیر تک چم کر لڑے تھے اس لئے قتل عام کا حکم دیا اور ایک ہزار

اس کے محل کر ایک موقع پر ہم نے اس کے نام بھی تفصیل سے لکھے ہیں ۱۲

شہر ہون کے سہ ہسٹریا کی دیوار پر لٹا دئے۔ اسکے ساتھ ۳۰ ہزار باشندوں کو لٹھری خام بنا کر بیچ ڈالا۔ جو لوگ قدیم باشندے اور آزادی پسند تھے انہیں ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑا۔ اسی طرح فارس میں جب اچھڑ کو فتح کیا تو تمام مردوں کو قتل کر دیا اس طرح کی اور بھی سبے جہان کے کارناموں میں مذکور ہیں۔

عام طور پر مشہور ہے کہ ظلم اور ستم سے سلطنت برباد ہو جاتی ہے، یہ اس لحاظ سے صحیح ہے کہ ظلم کو بقائیں چاہے سندر اور جنگیں کی سلطنتیں ہیں دیر ہنوتیں۔ لیکن فوری فتوحات کے لئے اس قسم کی سزا کیا ان کا کر ثبات ہو میں ہیں، انکی وجہ سے ملک کا ملک مرعوب ہو جاتا ہے اور چونکہ عیال کا پرکردہ ہلاک ہو جاتا ہے اسے بغاوت و فساد کا اندیشہ باقی نہیں رہتا یہی وجہ ہے کہ چنگیز سخت نصرتیور۔ نادر۔ جتنے بڑے بڑے فاتح گذرے ہیں سب کے سب خاک بھی تھے۔ لیکن حضرت عمر کی فتوحات میں کبھی سر مو قانون انصاف سے تجاوز میں ہو سکتا تھا آدمیوں کا قتل عام ایک طرف۔ درختوں کے کاٹنے تک کی اجازت نہ تھی۔ بچوں اور بوڑھوں سے بالکل تعرض نہیں کیا جاسکتا تھا۔ بجز عین معرکہ کارزار کے کوئی شخص قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ دشمن کبھی کسی موقع پر بدھدی یا فریب دی نہیں کیا جاسکتی تھی۔ افسروں کو تاکیدیں احکام جاتے تھے کہ فاک وادلوکم ولا عدلہم وادلوکم وادلوکم وادلوکم وادلوکم وادلوکم یعنی دشمن سے لڑائی کرنا تو ان سے فریب نہ کرو کسی کی ناک کا نہ کاٹو۔ کسی بچے کو قتل نہ کرو۔

جو لوگ مطیع ہو کر باغی ہو جاتے تھے ان سے دوبارہ اقرار لیکر درگزر کی جاتی تھی۔ یہاں تک کہ حبس و اسیر تین تین قید متواتر اقرار کر کے پھر گئے تو صرف اس قدر کیا کہ ان کو وہاں سے جلا وطن کر دیا لیکن اسکے ساتھ انکی کل جائیداد مقبوضہ کی قیمت ادا کر دی۔ نیز برے یہودیوں کو سانش اور بغاوت کے جرم میں لگاتار انکی مقبوضہ ارضیات کا معاوضہ دیا اور اضملاع کے حکام کو احکام بھیج دیے کہ ہر گز انکو ہر حکمی اعانت نہ دیکھا اور جب کسی

شہر میں قیام اختیار کرین تو ایک سال تک اُن سے جبریہ نہ لیا جائے۔

جو لوگ فتوحات فاروقی کی حیرت انگیزی کا یہ جواب دیتے ہیں کہ دنیا میں اور بھی ایسے فاتح گذرے ہیں، انکو یہ دکھانا چاہیے کہ اس احتیاط۔ اس قیود۔ اس پابندی، اس درگذر کے ساتھ دنیا میں کس حکمران نے ایک چپہ بجز زمین بھی فتح کی ہے۔

اسکے علاوہ۔ سکندر۔ اور جیکیز وغیرہ خود ہر موقع اور ہر جگہ میں شریک رہتے تھے اور خود سپہ سالار بنکر فوج کو لڑاتے تھے۔ اسکی وجہ سے علاوہ اسکے کہ فوج کو ایک ماہ سپہ سالار ہات آتا تھا فوج کے دل قوی رہتے تھے اور ان میں بالطبع اپنے آقا پر خدا ہو جانے کا جوش پیدا ہوتا تھا۔

حضرت عمر تمام مدت خلافت میں ایک دفعہ بھی کسی جنگ میں شریک نہیں ہوئے، فوج میں ہر جگہ کام کر رہی تھیں البتہ انکی باگ حضرت عمر کے ہات میں رہتی تھی۔

ایک اور صریحی حق یہ ہے کہ سکندر وغیرہ کی فتوحات، گذرنے والے ماول کی طرح تھیں کہ ایک دفعہ زور سے آیا اور کل گیا۔ ان لوگوں نے جو ممالک فتح کئے وہ ان کوئی نظم حکومت نہیں قائم کیا، برخلاف اسکے فتوحات فاروقی میں یہ استواری تھی کہ جو ممالک اسوقت فتح ہوئے۔ تیرہ سو برس گذرنے پر آج بھی اسلام کے قبضے میں ہیں۔ اور خود حضرت عمر کے عہد میں ہر قسم کے ملکی اختلاط وہاں قائم ہو گئے تھے۔

اخیر سوال کا جواب عام رائے کے موافق یہ ہے کہ فتوحات میں حلیفہ وقت کی چند ان تخصیص نہ تھی۔ اسوقت کے جوش اور عزم کی جو حالت تھی وہ خود تمام فتوحات کی کفیل تھی لیکن ہمارے نزدیک یہ صحیح نہیں۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں بھی تو آخر وہی مسلمان تھے۔ لیکن کیا نتیجہ ہوا؟ جوش اور اثر بے شبہ برقی قوت میں لیکن یہ قوت اُسی وقت کام دیکھتی ہے جب کام لینے والا بھی اُسی زور و قوت کا ہو، قیاس اور استدلال کی صورت نہیں۔ واقعات

خود اسکا فیصلہ کر سکتے ہیں، فتوحات کے تفصیلی حالات پڑھ کر صاف معلوم ہوتا ہے کہ تمام فوج ہنسی کی طرح حضرت عمرؓ کے اشاروں پر حرکت کرتی تھی فوج کا جو نظم و نسق تھا وہ خاص انکی سیاست و تدبیر کی بدولت تھا۔ اسی کتاب میں آگے چل کر جب تم مفصل طور پر پڑھو گے کہ حضرت عمرؓ نے فوج کی ترتیب، فوجی مشقین، بارگاہوں کی تعمیر گھوڑوں کی پرداخت، قلعوں کی حفاظت، جائزے اور گرمی کے لحاظ سے حملوں کی تعیین، فوج کی نقل و حرکت پر چھوٹی سی کا انتظام۔ افسران فوجی کا انتخاب، قلعہ شکن آلات کا استعمال،۔۔۔ یہ اور اس قسم کے امور کے متعلق کیا کیا انتظام خود ایجاد کئے اور انکو کس عجیب و غریب زور و قوت کے ساتھ قائم رکھا تو تم خود فیصلہ کر لو گے کہ حضرت عمرؓ کے بغیر یہ کچھ ممکن مطلق کام نہیں دیکھتی تھی۔

عراق کی فتوحات میں حضرت عمرؓ نے درحقیقت خود سپہ سالاری کا کام کیا تھا۔ فوج جب مدینے سے روانہ ہوتی تو ایک ایک منزل بلکہ راستہ تک خود متعین کر دیتا تھا اور اسکے موافق تحریری احکام بھیجتے رہتے تھے۔ فوج، قادسیہ کے قریب پہنچی تو موقع کا نقشہ منگو بھجوا اور اسکے لحاظ سے فوج کی ترتیب، اور صف آرائی کے متعلق ہدایتیں بھیجیں جس قدر افسر جن جن کاموں پر مامور ہوئے تھے انکے خاص حکم کے موافق مامور ہوئے تھے۔

تاریخ طبری میں عراق کے واقعات کو تفصیل سے دیکھو تو صاف نظر آتا ہے کہ ایک بڑا سپہ سالار، دور سے تمام فوجوں کو لڑا رہا ہے اور جو کچھ ہوتا ہے اُس کے اشاروں پر ہوتا ہے ان تمام لڑائیوں میں جو دس برس کی مدت میں پیش آئیں سب سے زیادہ خطرناک دو موقعے تھے۔ ایک نہادند کا معرکہ جب ایرانیوں نے فارس کے صوبجات میں ہر جگہ نقیب دوڑا کر تمام ملک میں آگ لگا دی تھی اور لاکھوں فوج متیار کر کے مسلمانوں کی طرف بڑھے تھے۔ دوسرے جب قیصر روم نے چز میرہ دالون کی اعانت سے دوبارہ حمص پر چڑھائی

کی تھی۔ ان دونوں معرکوں میں حضرت عمرؓ کی حسن تدبیر تھی جسے ایک طرف ایک اٹھتے ہوئے طوفان کو دبا دیا اور دوسری طرف ایک کوہِ کراں کے پر خچے اُڑا دیے چنانچہ ہم ان واقعات کی تفصیل پہلے صفحے میں لکھ آئے ہیں۔

ان تمام واقعات کی تفصیل کے بعد یہ دعویٰ صاف ثابت ہو جاتا ہے کہ حبیب و نیا کی تاریخ معلوم ہے آج تک کوئی شخص فاروق اعظم کے برابر فائز اور ثور تان نہیں گذرا۔

نظامِ حکومت

اسلام میں خلافت یا حکومت کی بنیاد اگرچہ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں پڑی لیکن نظامِ حکومت کا دور حضرت عمرؓ کے عہد سے شروع ہوتا ہے۔ حضرت ابوبکرؓ کی دواۓ خلافت میں اگرچہ بڑے بڑے مہمات کا فیصلہ ہوا یعنی عرب کے مرتدون کا خاتمہ ہو گیا اور ہر دنی فتوحات شروع ہوئیں، تاہم حکومت کا کوئی خاص نظام نہیں قائم ہوا اور نہ اتنا مختصر زمانہ اسکے لئے کافی ہو سکتا تھا، حضرت عمرؓ نے ایک طرف تو فتوحات کہ یہ بہت دمی کہ قیصر و کسریٰ کی وسیع سلطنتیں ٹوٹ کر عرب میں مل گئیں، دوسری طرف حکومت و سلطنت کا نظام قائم کیا اور اسکو اس قدر ترقی دی کہ انکی وفات تک حکومت کے جس قدر مختلف شعبے ہیں وہ وہیں آچکے تھے،

لیکن قبل اسکے کہ ہم حکومت کے قواعد و آئین کی تفصیل بتائیں پہلے یہ بتانا چاہئے کہ اس حکومت کی ترکیب اور ساخت کیا تھی؟ یعنی شخصی تھی یا جمہوری؟ اگرچہ اسوقت عرب کا تمدن جس حد تک پہنچا تھا اسکے لحاظ سے حضرت عمرؓ کی خلافت پر جمہوری یا شخصی دونوں میں سے کسی ایک کا بھی اطلاق نہیں ہو سکتا۔ لیکن ایسے موقع پر صرف اس بات کا پتہ لگانا کافی ہے کہ حکومت کا جو انداز تھا وہ جمہوریت سے ملتا تھا یا شخصیت سے، یعنی سلطنت کا میلان، ذاتی اختیارات

پر تھا یا عام رائے پر

جمہوری اور
شخصی سلطنت
کا سوراہہ۔

جمہوری اور شخصی طابق حکومت میں جو نیز سب سے بڑھ کر مابہ الامتیا رہے وہ عوام کی خلت اور عدم اخلت ہے، یعنی حکومت میں جس قدر مایا کو دخل رہنے کا زیادہ حق حاصل ہوگا، اسی قدر اس میں جمہوریت کا عنصر زیادہ ہوگا۔ یہاں تک کہ سلطنت جمہوری کی اخیر حد یہ ہے کہ مشد نشین حکومت کے ذاتی اختیارات بالکل فنا ہو جائیں اور وہ جماعت کا رکن کا صرف ایک ممبر بن جائے برخلاف اسکے شخصی سلطنت میں نام دار و مدار نہایت ایک شخص پر ہوتا ہے۔ اس بنا پر شخصی سلطنت سے خواہ مخواہ نتائج ذیل پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) بجائے اسکے کہ ملک کے تمام قابل اشخاص کی قابلیتیں کام میں آئیں، صرف چند ارکان سلطنت کی عقل و تدبیر پر کام چلتا ہے۔

(۲) چونکہ ہر چند عہدہ داروں کے اور لوگوں کو ملکی انتظامات سے کچھ سروکار نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم کے اکثر افراد سے انتظامی قوت اور قابلیت رفتہ رفتہ معدوم ہونے لگتی ہے

(۳) مختلف فرقوں اور جماعتوں کے خاص خاص حقوق کی اچھی طرح حفاظت نہیں ہوتی۔ کیونکہ جن لوگوں کو ان حقوق سے غرض ہے انکو انتظام سلطنت میں دخل نہیں ہوتا اور جن لوگوں کو دخل ہوتا ہے انکو غیروں کے حقوق سے اس قدر ہمدردی نہیں ہو سکتی جتنی خود ارباب حقوق کو ہو سکتی ہے۔

چونکہ ہر چند ارکان سلطنت کے کوئی شخص ملکی اور قومی کاموں میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہوتا۔ اس لئے قوم میں ذاتی اغراض کے سوا قومی کاموں کا مذاق معدوم ہو جاتا ہے۔

یہ نتائج شخصی سلطنت کے لوازم ہیں اور کبھی اس سے جدا نہیں ہو سکتے۔ برخلاف اسکے جمہوری سلطنت میں اسکے برعکس نتائج ہوں گے۔ اس بنا پر جس سلطنت کی نسبت جمہوری شخصی

کی بحث ہو اسکی توحیت کا اندازہ نتائج سے بھی کیا جاسکتا ہے۔

یہ نہیں خیال کرنا چاہئے کہ جمہوریت کا طریقہ عرب کا فطری مذاق تھا اور اس لئے عرب میں جو حکومت قائم ہوتی وہ خواہ مخواہ جمہوری ہوتی۔ عرب میں مدت سے قین وسیع حکومتیں موجود تھیں۔ لخمی۔ حمیری۔ غسانی۔ لیکن یہ سب شخصی تئیں، قبائل کے سردار البتہ جمہوری اصول پر انتخاب کئے جاتے تھے لیکن انکو کسی قسم کی ملکی طاقت حاصل نہ تھی بلکہ انکی حیثیت سپہ سالاروں یا قاضیوں کی ہوتی تھی۔ حضرت ابوبکر کی خلافت نے بھی اس بحث کا کچھ فیصلہ نہیں کیا کیونکہ لو۔ انکا انتخاب کنہت راہ پر ہوا تھا لیکن وہ ایک انوری کاروائی تھی چنانچہ خود حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ فلا تعددنا اعرعناں ہول انما کاک سعة الی لک فلتة وتم لاوا لہا فل کاک کد لک اکو، اللہ وفی سرہا۔

حضرت عمرؓ کے گرد و پیش جو سلطنتیں تھیں وہ بنی جمہوری نہ تھیں۔ ایران میں تو سرب کبھی یہ مذاق ہی نہیں پیدا ہوا۔ روم البتہ کسی زمانے میں اس شرف سے ممتاز تھا لیکن حضرت عمرؓ کے زمانے سے بہت پہلے وہاں شخصی حکومت قائم ہو چکی تھی اور حضرت عمرؓ کے زمانے میں تو وہ بالکل ایک جابرانہ خود مختار سلطنت رکھتی تھی۔ غرض حضرت عمرؓ نے بغیر کسی مثال اور نمونے کے جمہوری حکومت کی بنیاد ڈالی اور اگرچہ وقت کے اقتضائے اس کے تمام اصول و فروع مرتب نہ ہو سکے تاہم جو چیزیں حکومت جمہوری کی روح ہیں سب وجود میں آگئیں۔ انہیں سب کے اصل اصول مجلس شوری کا انعقاد تھا یعنی جب کوئی انتظام پیش آتا تھا تو ہمیشہ ارباب شورے کی مجلس منعقد ہوتی تھی اور کوئی امر بغیر مشورہ اور کثرت رائے کے عمل میں نہیں آسکتا تھا۔ تمام جماعت اسلام میں اسوقت دو گروہ تھے جو کل قوم کے پیشوا تھے اور جنکو تمام عرب نے گویا اپنا قیام

تسلیم کر لیا تھا یعنی مجاہدین۔ و انصار۔ مجلس شوریٰ میں ہمیشہ لازمی طور پر ان دونوں گروہ کے ارکان شریک ہوتے تھے۔ انصار بھی دو قبیلوں میں منقسم تھے۔ اوس و خزرج چنانچہ ان دونوں خاندان کا مجلس شوریٰ میں شریک ہونا ضرور تھا، مجلس شوریٰ کے تمام ارکان کے نام اگرچہ ہم نہیں بتا سکتے تاہم اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عثمان۔ حضرت علی۔ عبدالرحمن بن عوف معاذ بن جبل ابی بن کعب۔ زید بن ثابت اس میں شامل تھے۔ مجلس کے انعقاد کا یہ طریقہ تھا کہ پہلے ایک منادی اعلان کرتا تھا کہ الصلوٰۃ حاکمہ۔ یعنی سب لوگ نماز کے لئے جمع ہو جائیں۔ جب لوگ جمع ہو جاتے تھے تو حضرت عمرؓ سجد نبوی میں جا کر دو رکعت نماز پڑھتے تھے، نماز کے بعد ممبر پڑھ کر خطبہ دیتے تھے اور بحث طلب امر پیش کیا جاتا۔

معمولی اور روزمرہ کے کاروبار میں اس مجلس کے فیصلے کافی سمجھے جاتے تھے لیکن جب کوئی امر اہم پیش آتا تھا تو مجاہدین اور انصار کا اجلاس عام ہوتا تھا اور سب کے اتفاق سے وہ امر طے پاتا تھا۔ مثلاً عراق و شام کے فتح ہونے پر جب بعض صحابہ نے امر کیا کہ تمام مفتوحہ علاقہ فوج کی جاگیر میں دیدے جائیں تو بہت بڑی مجلس منعقد ہوئی جس میں تمام قدامے مجاہدین اور انصار میں سے عام لوگوں کے علاوہ دس بڑے بڑے سردار جو تمام قوم میں ممتاز تھے اور زمین سے ٹھنص قبیلہ اوس اور قبیلہ خزرج کے شریک ہوئے۔ کئی دن تک اس مجلس کے جلسے رہے اور نہایت آزادی و بیباکی سے لوگوں نے تقریریں کیں۔ اس موقع پر حضرت عمرؓ نے جو تقریر کی اس کے جس جہت فقرے ہم اس لحاظ سے نقل کرتے ہیں کہ اس سے منصب خلافت کی حقیقت اور خلیفہ وقت کے اختیارات کا اندازہ ہوتا ہے ان لفظ ان کا ذکر لاہلان نشر کو

۱۵ کنز العمال بحوالہ طبقات ابن سعد جلد ۳ صفحہ ۱۳ مطبوعہ حیدر آباد ۱۲

۱۶ تاریخ طبری صفحہ ۱۲۵

۱۷ یہ تمام تفصیل کتاب الخراج قاضی ابویوسف صفحہ ۱۵۱ میں ہے ۱۲



فی امانتی فیما حملت من امورکم فانی واحد کاحدکم ہولت امریزاں تسعواہد

الذی ہوا ی۔

۱۲۔ میں جب نہاوند کا سخت معرکہ پیش آیا اور عجمیوں نے اس رسوا مان سے طیار
کی کہ لوگوں کے نزدیک خود خلیفہ وقت کا اس مهم پر جانا ضروری ٹھہرا تو بہت بڑی مجلس شوریٰ
منعقد ہوئی۔ حضرت عثمان، طلحہ بن عبید اللہ، زبیر بن العوام، عبد الرحمن بن عوف، وغیرہ نے باری باری
کھڑے ہو کر تقریریں کیں اور کہا کہ آپ کا خود موقع جنگ پر جانا مناسب نہیں۔ پھر حضرت علی کھڑے
ہوئے اور ان لوگوں کی تائید میں تقریر کی۔ غرض کثرت رائے سے یہی فیصلہ ہوا کہ خود حضرت عمر
موقع جنگ پر نہ جائیں، اسطرح فوج کی تنخواہ۔ دفتر کی ترتیب۔ عمال کا تقاضا وغیرہ قوموں
کو تجارت کی آزادی اور ان پر محصول کی تشخیص۔ اس قسم کے بہت سے معاملات بین
جنگی نسبت تاجخون میں تبصریح مذکور ہے کہ مجلس شوریٰ میں پیش ہو کر طے پائے۔ ان امور کے
پیش ہونے کے وقت ارکان مجلس نے جو تقریریں کیں وہ بھی تاریخوں میں مذکور ہیں۔

مجلس شوریٰ۔ کا انعقاد اور اہل الرائے کی مشورت، استحسان و تبرع کے طور پر نہ تھی بلکہ
حضرت عمر نے مختلف موقعوں پر صاف صاف فرمادیا تھا کہ مشورے کے بغیر خلافت سرے سے
جائز ہی نہیں اُنکے خاص الفاظ یہ ہیں۔ لا اخلایۃ الا بعد مشورۃ۔

مجلس شورے کا اجلاس اکثر خاص خاص ضرورتوں کے پیش آنے کے وقت ہوتا تھا۔ لیکن
اسکے علاوہ ایک اور مجلس تھی جہاں روزانہ انتظامات اور ضروریات پر گفتگو ہوتی تھی۔ یہ مجلس ہمیشہ مسجد نبوی
میں منعقد ہوتی تھی اور صرف مجاہدین صحابہ اس میں شریک ہوتے تھے جو بجات اور اضلاع کی روزانہ خبریں
جو دربار خلافت میں پہنچتی تھیں حضرت عمر انکو اس مجلس میں بیان کرتے تھے اور کوئی بحث طلبا م ہوتا

تھا تو اُس میں لوگوں سے استصواب کیا جاتا تھا۔ مجوسیوں پر جزیہ مقرر کرنے کا مسئلہ اول اسی مجلس میں پیش ہوا تھا۔ مورخ بلاذری نے اس مجلس کا حال ایک ضمنی تذکرے میں ان الفاظ میں لکھا ہے
 كان للامصار مجلس في المسجل فكان عمر مجلس معهم مد ولحد حكمه، استخلى له من
 اهل الانفال ما ادرى كيف اصعب بالهوس

مجلس شوریٰ کے ارکان کے علاوہ، عام رعایا کو ان خطائی امور میں مداخلت حاصل تھی، جو بجا اور اضلاع کے حاکم اکثر رعایا کی مرضی سے مقرر کئے جاتے تھے۔ بلکہ بعض اوقات بالکل انتخاب کا طریقہ عمل میں آتا تھا۔ کوفہ۔ بصرہ۔ اور شام میں جب عمال خراج مقرر کئے جاتے لگے تو حضرت عمرؓ نے ان تینوں صوبوں میں احکام بھیجے کہ وہ ان کے لوگ اپنی اپنی پسند سے ایک ایک شخص انتخاب کر کے بھیجیں جو ان کے نزدیک تمام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، چنانچہ کوفہ سے عثمان بن فرقہ بصرہ سے حجاج بن علاط شام سے معن بن یزید کو لوگوں نے منتخب کر کے بھیجا اور حضرت عمرؓ نے انھیں لوگوں کو ان مقامات کا حاکم مقرر کیا۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے اس واقعہ کو جن الفاظ میں بیان کیا ہے یہ ہیں۔

كتب عمر بن الخطاب الى اهل الكوفة سبعين الباء رحلا من احد هم و صلحهم
 والى اهل البصرة لا كذلك والى اهل الشام كذلك قال فعت الامة اهل الكوفة عاين
 فرود و لعب اليه اهل الشام معن بن ريد و لعب اليه اهل البصرة المحاح بن
 علاط كلهم مسلمون قال فاستعمل كل واحد منهم على خراج امره

سعد بن ابی وقاص بہت بڑے رتبے کے صحابی اور نو شیر وانی باسی تخت کے فاتح تھے۔
 حضرت عمرؓ نے ان کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا لیکن جب لوگوں نے انکی شکایت کی تو معزول کر دیا

حکومت جمہوری کا ایک بہت بڑا اصول یہ ہے کہ ہر شخص کو اپنے حقوق اور انصاف کی حفاظت کا پورا اختیار اور موقع دیا جائے۔ حضرت عمر کی حکومت میں ہر شخص کو نہایت آزادی کے ساتھ یہ موقع حاصل تھا اور لوگ علانیہ اپنے حقوق کا اہل کر کرتے تھے۔ انصاف سے قریب ہر سال سفارتیں آتی تھیں جنکو وفد کہتے تھے اس سفارت کا سربراہ مقصد ہوتا تھا کہ وہ بار بار نہایت کوہر قسم کے حالات اور شکایات سے مطلع کیا جائے اور دوسری چاہی ہو۔ حضرت نے خود بار بار مختلف موقعوں پر اس حق کا اعلان کر دیا تھا یہاں تک کہ خاص اسکے لئے مجمع عام میں خطبہ پڑھا۔ فرمانوں میں تصریح کی اور ایک دفعہ تمام علان سلطنت کو جمع عام میں خطاب کر کے اسکا اعلان کیا، چنانچہ اسکی پوری تفصیل عمالوں کے بیان میں آسکی۔

حکومت جمہوری کا اصلی زیور یہ ہے کہ بادشاہ ہر قسم کے حقوق میں عام آدمیوں کے ساتھ برابری رکھتا ہو۔ یعنی کسی قانون کے اثر سے مستثنیٰ نہ ہو، ملک کی آمدنی میں سے ضروریات زندگی سے زیادہ نہ لے سکے، عام معاشرت میں اسکی حاکمانہ حیثیت کا کچھ لحاظ نہ کیا جائے، اس کے اختیارات محدود ہوں، ہر شخص کو اس پر کتہ چینی کا حق حاصل ہو، یہ تمام امور حضرت عمر کی خلافت میں اس درجے تک پہنچے تھے کہ اس سے زیادہ ممکن نہ تھے اور کچھ ہوا تھا خود حضرت عمر کے طریق عمل کی بدولت ہوا تھا۔ انہوں نے متعدد موقعوں پر ظاہر کر دیا تھا کہ حکومت کے لحاظ سے انکی کیا حیثیت ہے۔ اور ان کے کیا اختیارات ہیں؟ ایک موقع پر انہوں نے اس کے متعلق جو تقریر کی تھی اس کے بعض بعض فقرے اس موقع پر لکھنے کے قابل ہیں۔

أَنَا أَنَا وَمَا لَكُمْ كَوَلِيَّ الشَّهْمَانِ اسْتَعْلَيْتُمْ
مَجْهُوْتًا رَايَ الْإِلَهِ بَيْنَ الْمَالِ بَيْنَ اسْتَدْرَاجٍ بَعْدَ حَقٍّ
اسْتَغْفَتْ فَإِنْ أَفْقَرًا أَكَلْتُ بِالْمَعْرُوفِ - بتر کے ربی کو تیرم کے ال میں اگر میں دوسرے ہو گا تو کہ نہ لو گا

لَكُمْ عَلَىٰ إِلَٰهَائِنَا صَالِحٌ وَلِي
بِهَا لَكُمْ عَلَىٰ أَنْ لَا تُحْتَمَىٰ سِوَاهِ
حُرِّ احْكُمُوا ۖ إِنَّمَا إِلَٰهُكُمُ الْإِلَٰه
وَمَنْ دُونََكُمْ عَلَىٰ أَدْوَقِ فِي بَدَىٰ ۖ
يُحْجِجُ مِثْلَ الْإِنْفِ حَمْدُ وَلَكُمْ عَلَىٰ
أَنْ تَزِيدُوا فِي عَطَايِكُمْ وَاسْأَلُوا عَوْدَكُمْ
وَذَكِّرْهُمْ بِأَنْ لَا يُؤْتُوا فِي الْمَهَالِكِ

اور صورتِ بزرگی تو دوستو کے موافق کھانے کے لئے لوگا کر دو
میرے اور تم لوگوں کے متعدد حقوق ہیں جس کا کو ٹھ سے
مواخذہ کرنا چاہیے۔ ایک یہ کہ ملک کا حراج اور مال غنیمت
حاصل طور سے نہ جمع کیا جائے ایک یہ کہ حبِ میرے ہاتھ میں
حراج اور مصیبت آئے تو سچا طور سے صرف انہوں نے ایک
میں تمہارے روزینے طرحاؤں اور سرحدوں کو محفوظ رکھوں۔
ایک یہ کہ کو حطروں میں نہ ڈالوں۔

ایک موقع پر ایک شخص نے کئی بار حضرت عمر کو مخاطب کر کے کہا کہ اَللّٰهُ يَاعُمَرُ یعنی یہی عمر
خدا سے ڈر۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے اُسکو روکا اور کہا کہ بس بہت ہوا۔ حضرت عمر نے فرمایا
”نہیں کہتے دو۔ اگر یہ لوگ نہ کہیں تو یہ بے مصرف ہیں۔ اور ہم لوگ نہ مانیں تو ہم ان باتوں کا
یہ اثر تھا کہ خلافت اور حکومت کے اختیارات اور حدود تمام لوگوں پر ظاہر ہو گئے تھے۔ اور شخصی شوکت
اور اقتدار کا تصور دلوں سے جاتا رہا تھا۔ معاویہ بن جبل نے رومیوں کی سفارت میں حضرت عمر کی خلافت
کے متعلق جو تقریر کی تھی وہ درحقیقت حکومتِ جمہوری کی اصل تصویر ہے۔ اور حکومتِ جمہوری کی
حقیقت آج بھی اس سے واضح تر اور صحیح تر نہیں بیان کی جاسکتی۔

نوعیتِ حکومت بتانے کے بعد ہم حضرت عمر کے نظامِ حکومت کی طرف متوجہ ہوتے ہیں۔
حکومت کے نظم و نسق میں جو چیز سب سے مقدم ہے یہ ہے کہ انتظام کے تمام مختلف حصے
ایک دوسرے سے ممتاز اور الگ الگ ہوں اور یہی ترقی تمدن کی سب سے بڑی دلیل ہے جس طرح
تمدن کی ابتدائی حالت میں مکانات کی یہ قطع ہوتی ہے کہ ایک ہی حجرہ تمام ضرورتوں کے لئے

۱۔ کتاب الحجج صفحہ ۷

کافی ہوتا ہے، پھر جس قدر تمدن بڑھتا جاتا ہے کھانے، سونے، ملاقات کرنے، لکھنے پڑھنے، اور دیگر ضروریات کے لئے جدا جدا کمزے بنتے جاتے ہیں۔ یہی حالت بالکل سلطنت کی ہے۔ ابتدا میں تمدن میں انتظام کے تمام صیغے ملے جلتے رہتے ہیں، جو شخص صوبہ کا گورنر ہوتا ہے وہیں لڑائی کے وقت سپہ سالار بن جاتا ہے، مقدمات کے انفصال کے وقت وہی قاضی کا کام دیتا ہے۔ براہ کی تہ میں وہی پولیس کی حیثیت رکھتا ہے، جس قدر تمدن ترقی کرتا جاتا ہے الگ الگ صیغے قائم ہوتے جاتے ہیں اور ہر صیغے کا الگ افسر ہوتا ہے۔ انگریزی حکومت کو ۱۰۰ برس ہوئے لیکن جوڈیشل اور ایگزیکٹو۔ اختیارات اب تک ملے جلتے ہیں، یعنی کلکٹر ضلع، ایگزیکٹو بھی وصول کرتا ہے اور مقدمات بھی فیصلہ کرتا ہے۔ اور غیر آئینی اضلاع میں تو بہت زیادہ خلط سبوت ہے۔ حضرت عمر کے عجیب و غریب کارناموں میں ایک یہ بھی ہے کہ باوجود اسکے کہ اس وقت عرب کا تمدن نہایت ابتدائی حالت میں تھا اور سلسلہ حکومت کے آغاز کو صرف چند برس گزرے تھے تاہم انھوں نے بہت سے شعبے جو مخلوط تھے الگ کر کے جدا گانہ محکمے قائم کئے جتنا پچھان تمام شعبوں کو ہم تفصیل سے لکھتے ہیں۔

ملک کی تقسیم

صوبجات اور اضلاع

عمدہ داران ملکی

نظام حکومت کا ابتدائی سلسلہ جس پر تمام تنظیلات متفرع ہیں، ملک کا مختلف حصوں میں تقسیم ہونا ہے جسکو صوبہ، ضلع، اور پرگنہ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ اسلام میں حضرت عمر پہلے شخص ہیں جس نے اسکی ابتدا کی اور اس زمانے کے موافق نہایت موزونی اور مناسب اسکے حدود قائم کئے۔ تمام سو و خیمین نے اسکی تصریح کی ہے کہ انھوں نے ممالک مقبوضہ کو ۸ صوبوں پر تقسیم کیا۔ مکہ۔ مدینہ۔

شام جزیرہ۔ بصرہ۔ کوفہ۔ مصر۔ فلسطین۔ مورخ یعقوبی نے ان کے بجائے صوبے لکھے ہیں۔ اور لکھا ہے کہ یہ انتظام حضرت عمرؓ نے منظم کیا تھا، مورخین کا یہ بیان اگرچہ حقیقت صحیح ہے لیکن اس میں ایک احتمال ہے۔ جس کی تفصیل بتا دینی ضرور ہے۔ فاروقی فتوحات کو جو سوت حاصل تھی اسے کاناٹہ سے صرف یہ صوبے کافی نہیں ہو سکتے تھے۔ فارس۔ حوزستان۔ کرمان۔ ہمدان۔ جی۔ آخر صوبے ہی کی حیثیت رکھتے تھے۔

اصل یہ ہے کہ جو مالک فتح ہوئے انکی جو تقسیم پہلے سے تھی اور جو مقامات صوبے یا ضلع تھے اکثر جابر حضرت عمرؓ نے اسی طرح رہنے دیے، اس لئے مورخین نے انکا نام نہیں لیا۔ البتہ جو صوبے جو حضرت عمرؓ نے قائم کئے انکا ذکر ضرور تھا اور وہ یہی آٹھ تھے۔ لیکن یہ امر بھی ملحوظ اعلیٰ ہے کہ ورنہ تاریخی تصدیقات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے پچھلی تقسیم علی بن ابی طالبؓ کے تھے فلسطین پہلے ایک صوبہ بنا کر کیا جاتا تھا۔ اور اس میں ۱۰ ضلع شامل تھے شام میں جب حضرت عمرؓ نے فلسطین جاکر معاہدہ امن لکھا تو اس صوبے کے دو حصے کر دیئے۔ ایک صدر مقام ایلیا اور دوسرے کارملہ قرار دیا، اور علقمہ بن حکیم و علقمہ بن مجرز کو الگ الگ دو نوں صوبوں میں متعین کیا۔ مصر کی نسبت جو معلوم نہیں کہ فتح سے پہلے اسکی کیا حالت تھی لیکن حضرت عمرؓ نے اسکو دو صوبوں میں تقسیم کیا۔ بالائی حصہ حبشہ کو عربی میں صعیہ کہتے ہیں اور حبشہ ۲۸ ضلع شامل تھے ایک الگ صوبہ قرار دیکر علی بن سعد بن ابی سرح کو وہاں کا حاکم مقرر کیا اور شیبی حصہ حبشہ ۱۵ ضلع شامل تھے اس پر ایک دوسرا افسر تعینات کیا۔ عمرو بن العاص بطور گورنر جنرل کے تھے۔

فارس وغیرہ میں چونکہ حضرت عمرؓ نے قریباً تمام نو شیرانی انتظامات بحال رہنے دیئے تھے۔

۱۔ طبری صفحہ ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵۔ اصل عبارت یہ ہے۔ فصار فلسطین نصفین نصف مع املہ ونصف مع اہل الرطہ

عمر کو فلسطین تعدل الشام کلہا ++ و فرق فلسطین علی حلیلین + منزل کل واحد ہا فی علمہ ۱۲

اسے صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ نوٹشیروان کے مہدین بہ مالک کئے صہین مندر ہے۔
موزن یعقوبی نے لکھا ہے کہ نوٹشیروان کی سلطنت، اوراق، علاوہ تین - - - - -
صوبوں میں منقسم تھی -

خراسان - اس میں مفضلہ ذیل اضلاع شامل تھے - نیشاپور - ہرات - موز - - - - - فاریاب -
طالقان - بلخ - بخارا - باذغیس - باورد - غرستان - طوس - سوس - جرجان -

آذربائیجان - اس میں مفضلہ ذیل اضلاع شامل تھے - جہتان - رے - مزوین - زنگان -
قم - اصفہان - ہمدان - نہاوند - انیور - حلوان - مابندان - مہجان - قدق - شہر زور - صامان - آذربائیجان

فارس - اس میں مفضلہ ذیل اضلاع شامل تھے - اصفہان - شیراز - نوبندجان - ہرہ - زردون -
فسا - داماجر - اردشیر خہ - ساہور - اہواز - جندیساہور - سوس - نہ تیری - مساز - تہ - ایاج - مام ہرہ -

صوبوں میں مفضلہ ذیل بڑے بڑے مدہ دار رہتے تھے - والی اپنی حاکم - یہ کاتب
یعنی میر غشی - کاتب دیوان یعنی دفتر نوک کامریشی - صاحب الخراج یعنی ملک - صاحب

احداث یعنی افسر پولیس - صاحب بیت المال یعنی افسر خزانہ - قاضی یعنی صدر الصلہ
و مصنف - چنانچہ کو فیض بن عمار بن یاسر - والی عثمان بن صفیہ کلک - عبداللہ بن سہرا - خزانہ -

شریح قاضی - عبداللہ بن خلف الخراجی - کاتب دیوان تھے -
ہر صوبے میں ایک فوجی افسر بھی ہوتا تھا لیکن اکثر حالات میں یہ صوبے کا ماس ہی اس خدمت

پر بھی مامور ہوتا تھا - پولیس کا محکمہ بھی جہاں تک ہر معلوم ہے ہر جگہ الگ نہ تھا - اکثر کلک یا عامل
اس خدمت کو بھی انجام دیتا تھا مثلاً عمار بن یاسر حوسوت کو فے کے حاکم تھے پولیس کا کام بھی

انہی کے سپرد تھا - بحرین میں قدامت بن نعلون صاحب الخراج تھے اور پولیس کا کام کرتے تھے - والی

کا استاف وسیع اور مستقل اسٹاف ہوتا تھا اور اُسکے ممبر خود دربارِ خلافت کی طرف سے مقرر ہوتے تھے۔ عمار کو جب حضرت عمرؓ نے کوفہ کا حاکم مقرر کر کے بھیجا تو دس مغز آدمی انکے اسٹاف میں دے گئے جن میں ایک قرطاجی بھی تھے۔

میشی قابل، تقریر اور تحریر میں یکساں ہوتا تھا۔ ابوموسیٰ شمری جو بصرہ کے گورنر تھے ان کا میشری زیادہ بن سمیہ تھا جسکی فصاحت و بلاغت پر خود حضرت عمرؓ حیران رہ گئے تھے اور عمر بن العاصؓ کہا کرتے تھے کہ اگر یہ بوجوان قریش کی نسل سے ہوتا تو تمام عرب اسے علم کے پیچھے آجاتا۔ اضلاع میں بھی عامل، افسر خزانہ، اور قاضی، وغیرہ ہوتے تھے اور یہ سب گورنر صوبہ کے ماتحت اور اس کے زیر حکومت کام کرتے تھے۔ ہر گون میں غالباً صرف تحصیلدار رہتے تھے اور اس کے ساتھ اسکا علمہ ہوتا تھا۔

صوبجات اور اضلاع کی تقسیم کے بعد سب سے مقدم جو چیز تھی ملکی عمدہ داران کا انتخاب اور انکی کارروائی کا دستور العمل بنانا تھا، کوئی فرمانروا کتنا ہی بیدار مغز اور کوئی قانون کتنا ہی مکمل ہو لیکن جب ملک حکومت کے اعضا و جوارح یعنی عمدہ داران ملکی قابل، لائق، و استباز اور متدین نہ ہوں اور ان سے نہایت بیدار مغزی کے ساتھ کام نہ لیا جائے، ملک کو کبھی ترقی نہیں ہو سکتی، حضرت عمرؓ نے اس باب میں جس نکتہ رسی اور تدبیر و سیاست سے کام لیا، انصاف یہ ہے کہ تاریخ عالم کے ہزاروں ورق اُلٹ کر بھی اسکی نظیر نہیں ملتی، اس مرحلے میں اس مامات سے بڑی مدد ملی کہ انکی طبیعت شروع سے جو ہر شے اس واقع ہوئی تھی یعنی جس شخص میں جس قسم کی قابلیت ہوتی تھی وہ اسکی تہ کو پہنچ جاتے تھے۔ اس کے ساتھ انھوں نے ملک کے نام قابل آدمیوں سے وفائیت بہم پہنچائی تھی یہی بات تھی کہ انھوں نے جس شخص کو جو کام دیا اُس کے انجام دینے کے لئے اُسے

جسے ان آدمی نہیں مل سکتا تھا۔ عرب میں پارتھنوس تھے جن کو دکھاۃ الہیہ کہا جاتا تھا یعنی ہون
سیاست و تدبیر میں اپنا جواب نہیں رکھتے تھے۔ امیر معاویہ عمرو بن العاصؓ وغیرہ ان شعبہ
زیاد بن سمیہ حضرت عمرؓ نے زیاد کے سوا تینوں کو بڑبڑ مکی حسد سے دے دیا۔ اور چونکہ
لوگ صاحب ادا بھی تھے اس لئے اس طرح ان پر قابو رکھا کہ کبھی کبھی ان کی خود سری ٹکرنے
پائے زیاد ان کے زمانے میں شانزدہ سالہ نوجوان تھا اسلئے اسکا کوئی بڑا جدہ نہیں دیا لیکن اسکی
قابلیت اور استعداد کی بنا پر ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ کاروبار حکومت میں اسکا نیکار بنائیں۔
فہر حرب میں عمرو معدی کرب اور طلحہ بن نائلہ نہایت ممتاز تھے لیکن تدبیر سیاست میں انکو
داخل نہ تھا حضرت عمرؓ نے ان دونوں کو نعمان بن مقرن کی ماتحتی میں ان کی فتوحات پر مامور کیا
لیکن نعمان کو لکھ بھیجا کہ انکو کسی صیغے کی افسر سی نہ دینا کیونکہ ہر شخص صرف اپنا فن خوب جانتا ہے
عبداللہ بن ارقم ایک معزز صحابی تھے۔ ایک دفعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پاس کہیں تہ ایک
جواب طلب تحریر آئی، آپ نے فرمایا کہ ۱۔ کا جواب کون لکھے گا؟ عبداللہ بن ارقم نے عرض
کی کہ ”میں“ یہ کہ خود اپنی طبیعت سے جواب لکھ کر لائے۔ آنحضرتؐ نے ”نسا تو نہایت پسند
فرمایا۔ حضرت عمرؓ ہی موجود ہے۔ انکی اس قابلیت پر انکو خیال ہوا ”جیسا کہ علامہ ابن الاثیر وغیرہ
نے لکھا ہے یہ ان کے دل میں ہمیشہ قائم رہا یہاں تک کہ جب خلیفہ ہوئے تو انکو میری شہرت کیا
سنا وند کی عظیم الشان مہم کے لئے جب مجلس شوریٰ کا عام اجلاس ہوا اور حضرت عمرؓ نے اسے طلب
کی کہ اس مہم پر کون بھیجا جائے؟ تو تمام مجمع نے اتفاق کہا کہ آپکو جو قیمت ہے اور آپ نے ایک ایک کی
قابلیت کا جس طرح اندازہ کیا ہے کسی نے نہیں کیا چنانچہ حضرت عمرؓ نے نعمان بن مقرن کا نام لیا اور
سب نے یوں مان ہو کر کہا کہ یہ انتخاب بالکل سچا ہے، عمار بن یاسرؓ سے رشتے کے صحابی تھے اور زہد و تقویٰ

میں بے نظیر تھے لیکن سیاست و تدبیر سے آشنائے تھے، قبولیت عام اور بعض مصلحتوں کے لحاظ سے حضرت عمرؓ نے اُنکو کوئٹہ کا حاکم مقرر کیا لیکن چند روز کے بعد جب اُن سے کام نہ چل سکا تو معزول کر دیا اور اُنکے طرفداروں کو دکھا دیا کہ وہ اس کام کے لئے موزوں نہ تھے، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جیسا کہ استقصا نہیں کیا جاسکتا۔ کسی شخص کو شوق ہو تو رجال کی کتابوں سے عرب کے تمام لایق آدمیوں کا پتہ لگائے اور پھر دیکھے کہ حضرت عمرؓ نے ان پڑھوں کو حکومت کی کل میں کیسے مناسب معون پر لگایا تھا تاہم اتنا بڑا کام صرف ایک شخص کی ذمہ داری پر چھوڑا نہیں جاسکتا تھا۔ اس لئے حضرت عمرؓ نے مجلس شوریٰ منعقد کی اور مناجات سے خطاب کر کے کہا کہ اگر آپ لوگ میری مدد نہ کریں گے تو کون کرے گا؟ حضرت ابوہریرہؓ نے کہا کہ ہم آپکو مدد دیں گے، لیکن اسوقت ملکی انتظام میں حصہ لینا زہد اور تقدس کے خلاف سمجھا جاتا تھا چنانچہ حضرت ابوعبیدہؓ نے فرمایا کہ اے محمدؐ تم رسول اللہؐ کے اصحاب کو دنیا میں آلودہ کرتے ہو۔ حضرت عمرؓ نے کہا میں ان بزرگوں سے مدد نہ لوں تو کس سے لوں، ابوعبیدہؓ نے کہا اگر ایسا ہی ہے تو تنخواہیں بیش قرار مقرر کرو کہ لوگ خیانت کی طرف مائل نہ ہوں، پائیں غرض حضرت عمرؓ نے لوگوں کی راسی و مشورت سے نہایت دیانت دار اور قابل لوگ انتخاب کئے اور انکو علیٰ حقین سپرد کر دیا۔ زیادہ اہم خدمات کے لئے مجلس شوریٰ کے عام اجلاس میں انتخاب ہوتا تھا۔ اور جو شخص نام اعلان مجلس کی طرف سے انتخاب کیا جاتا تھا وہ اُس خدمت پر مامور ہوتا تھا چنانچہ عثمان بن حنیف کا تقرر اسی طریقے پر ہوا تھا۔ بعض اوقات صوبے یا ضلع کے لوگوں کو حکم بھیجتے تھے کہ جو شخص نام لوگوں سے زیادہ دیانت دار اور قابل ہو، اُسکو انتخاب کر کے بھیج دو چنانچہ انہی منتخب لوگوں کو وہاں کا عامل مقرر کرتے تھے عثمان بن قرقہ۔ معن بن یزید جملہ بن غلاط اسی قاعدے کے موافق مقرر کئے گئے تھے۔ چنانچہ

۱۷ کتاب الحج ص ۶۰۲۔ اصل عبارت یہ ہے ان عمر بن الخطاب دعا اصحاب رسول اللہ فقال انا لم تعینونی

فمن تعیننی الخ ۱۲ کتاب الحج ص ۶۰۲۔

ہم اسکی تفصیل اور پلکھ آئے ہیں۔

ایک وقت یحییٰ کو کہ لو کہ میں خدمت کے میں وہ جسے میں تنخواہ لینا پسند نہیں کرتے تھے۔ یہ اسکو زبردستی کے خلاف سمجھتے تھے بعینہ اس طرح اس طرح آج کل کے مفقود و انظوائی کو اگر اسے کہ وہ باقاعدہ اپنی خدمتوں کو انجام دینا چاہتا ہے تو اسے ہرگز نہ مانگا اور ہرگز نہ مانگا۔ لیکن نہ رینا کہ نام سے برقیں ملتی ہیں اس سے انکو احتیاج نہیں ہوتا حضرت عمر کے زمانے میں یہ بھی ہوتا تھا کہ اس غلطی میں مبتلا تھے لیکن یہ امر تمدن اور اصلاح نظام کے خلاف تھا اس لئے حضرت عمر نے بڑی کوشش سے اس غلطی کو رفع کیا اور تنخواہ میں مقررین ایک موقع پر حضرت ابو عبیدہؓ نے یہ مشہور بھیجا کہ اوپر سالار تھے حق الخدمت لینے سے انکار کیا تو حضرت عمر نے بڑی مشکل سے انکو انصاف کیا۔ حکیم بن حزام نے حضرت عمر کے بار بار اصرار پر بھی کبھی وزیرینہ یا وظیفہ لینا گوارا نہ کیا۔

جو شخص عامل مقرر ہوتا تھا اسکو ایک فرمان عطا ہوتا تھا جس میں اسکی تقرری اور اختیارات اور فرائض کا ذکر ہوتا تھا اس کے ساتھ بہت سے تمایزین اور انصاری کی کو اسی ثبت ہوتی تھی۔ عامل جس مقام پر جاتا تھا نام لوگوں کو جمع کر کے یہ فرمان پڑھتا تھا جسکی وجہ سے لوگ اس کے اختیارات اور فرائض سے واقف ہو جاتے تھے، اور جب وہ اُن اختیارات کی حد سے آگے قدم نہ بڑھتا تھا تو لوگوں کو اس پر گرفت کا موقع نہ ملتا تھا، حضرت عمر کو اس بات کا سخت اہتمام تھا کہ عاملوں کے جو فرائض ہیں ایک ایک اُن سے واقف ہو جائے چنانچہ بارہ مختلف مقامات اور مختلف موقوفوں پر اس کے مشفق خطبے دیئے ایک خطبے میں جو مجمع عام میں دیا تھا عاملوں کو مخاطب کر کے یہ الفاظ فرمائے۔

۱۵ طری صفحہ ۲۵۷-۲۵۸ کز التوال جلد ۲ صفحہ ۲۲۲ ۱۶ طری صفحہ ۲۴۷-۲۴۸ اُسہ الفافہ (تذکرہ نبیہ علیہ السلام)

سے بھی اسکی تصدیق ہوتی ہے اس کے الفاظ میں کان عملہ ۱۲ اسعمل عامہ کب عہدہ قدعت دلا ما و امرتہ لکلا

فلما قدم الملائم اسنصلہ الدھافس فلما مرع عہدہ ۱۲

الاولیٰ لہم انکم امراء ولا حاربن ولکن
 بعدکم اماء الہدیٰ بکرم فادروا علی
 المسلمین حفوفہم ولا نصربوہم مندلوہم
 ولا یحذل وہم ففسدوہم ولا یلعنوا
 الا نواب دونہم مباکل فونہم ضعفہم
 ولا تناسروا علیہم مظلومہم

مادر کھوکھو کس سے ہم لوگوں کو ہر اور صحت مقرر کر کے ہیں بھیجا
 سے ملکہ امام ماکر صحت سے کہ لوگ متہاری مصلحت کریں تم لوگ
 شہداءوں کے حقوق اور اگر وہ ان کو رد و کوب نہ کر دے کہ وہ پہل پہل
 ان کی سے حاضر نہ کہ وہ غلطی میں ٹریں ان کے لئے دروازے
 نہ مقرر کھوکھو کہ وہ دست کم و ردوں کو کھائیں ان سے کسی مان میں
 ہے آک کو نہ حرج نہ وہ کہ ان پر ظلم کر رہے۔

جب کوئی شخص کہیں کا عامل مقرر کیا جاتا تھا تو حضرت عمر صحابہ کے ایک گروہ کے سامنے اس کو
 فرمان تفری غایت کرتے تھے اور ان صحابہ کو گواہ مقرر کرتے تھے جس سے یہ مقصد تھا کہ شخص مقرر
 کیا جاتا ہے اس کی لیاقت اور فرائض کا اعلان ہو جائے۔

ہر عامل سے عہد لیا جاتا تھا کہ ترکی گھوڑے پر سوار نہ ہوگا۔ باریک کپڑے نہ پہنے گا۔ چٹھا ہوا آٹا نہ
 کھائے گا۔ دروازے پر دربان نہ رکھے گا اہل حاجت کے لئے دروازہ ہمیشہ کھلا رکھے گا۔ یہ شرطیں اکثر
 پروانہ تفری میں درج کی جاتی تھیں اور ان کو مجمع عام میں پڑھ کر سنایا جاتا تھا۔

جس وقت کوئی عامل مقرر ہوتا تھا اس کے پاس جس قدر مال اور اسباب ہوتا تھا اس کی مفصل
 فہرست تیار کر کر محفوظ رکھی جاتی تھی اور عامل کی مالی حالت میں غیر معمولی ترقی ہوتی تھی تو اس سے
 مواخذہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ اکثر عامل اس بلا میں مبتلا ہوئے خالد بن صق نے اشعار کے ذریعہ
 سے حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی حضرت عمر نے سب کی موجودات کا جائزہ لیکر آدھا آدھا مال شایا
 اور بیت المال میں دخل کر دیا۔ اشعار میں سے چند شعر یہ ہیں: اے میں ان عاملوں کے نام بھی تفصیل

۱۔ کتاب الخراج ص ۶۶ میں ہے کہ عمر ادا اسمعیل رحلا اسمہد علیہ دھطاص الانصار ۲۔ کتاب الخراج ص ۶۶

۳۔ معابد ص ۲۱۹ میں ہے کہ عمر بن الخطاب مکتب اموال عمالہ ادا د لاہور ص ۲۱۹ سمہر ص ۲۱۹

سے بتائے ہیں

اسلم اسبہ المئ سین رسد۔ الہ	ماسا اصر، اللہ فی المال واکرام
فلا تد عن اهل الروما نق۔ الصری	ما معور، ان اللہ فی الہام الہ عز
فوسل الی الحجاج، واعرف حمہ ماہ	وارسل از آخر وارسر ان لہر
ولا تنسین الاعمین کلہما	ولا اس علاف من ہر اہل بنی نصر
وما عاصم منها سفہ عباسہ	وذاک اللدی فی اسوف، مولیٰ ہر مدہ
وستبلا فسلہ المال دان محسن	فقد کان فی اهل الرسا بن دادار
نوءب ادا الواد فغرو ادا عروا	فالی لہم وقر ولسنا اولی وقر
ادالتا حوالداری جائہ بشارہ	مر لیسک راحت فی مقارصہم فخرہ

زمانہ میں
تھا حالوں
کی طبیعت

تمام عمال کو حکم تھا کہ ہر سال حج کے زمانے میں حاضر ہوں، حج کی تقریب سے تمام طرف کے لوگ موجود ہوتے تھے۔ حضرت عمر کھڑے ہو کر باعلان کہتے تھے کہ جس کسی کو کسی عامل سے کچھ شکایت ہو پیش کرے۔ چنانچہ ذرا اسی شکایتیں پیش ہوتی تھیں اور تحقیقات ہو کر اس کا تذکرہ کیا جاتا تھا۔ ایک دفعہ حضرت عمر نے بہت بڑا مجمع کر کے خطبہ دیا اور کہا کہ صاحبو! عمال جو مقرر کر کے بھیجے جاتے ہیں اس لیے نہیں بھیجے جاتے کہ تمکو طمانچہ ماریں یا تمہارا مال چھین لیں، بلکہ میں انکو ایسے بھیجتا ہوں کہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کا طریقہ سکھائیں، سو اگر کسی عامل نے اس کے خلاف کیا ہو تو مجھ سے بیان کر و تا کہ میں اسکا انتقام لوں، عمر بن العاص نے جو مصر کے گورنر تھے اٹھ کر کہا کہ اگر کوئی عامل اوب فیئ کے لیے کسی کو مار گچا تب بھی آپ اسکو سزا دیں گے

سابع طریقیہ ۲۶۸ میں ہے وکان من سمدہ عمرو وسبرتہ ان باخذ عمالہ عواذہ الی فی کل سمدہ لاسباسہ

ولم یحرمہ منک عن الرعة ولم یکن لسلکة النعیہ وقنا عابۃ بنحو ہامیہ الیہ

حضرت عمرؓ نے کہا اُس خدا کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ضرور میں سزا دوں گا کیونکہ میں نے خود رسول اللہ کو ایسا کرتے دیکھا ہے، خبردار مسلمانوں کو نہ مارا کرو ورنہ وہ ذلیل ہو جائیں گے، اُن کے حقوق تلف نہ کرو ورنہ وہ کفرانِ نعمت پر مجبور ہو جائیں گے۔

ایک دفعہ مجمع تمام عمال حاضر تھے ایک شخص اٹھ اُور کہا کہ آپ کے عامل نے مجھ کو بے قصور سزا کوڑے مارے، حضرت عمرؓ نے استغیث کہ حکم دیا کہ وہ ہیں مجمع عام میں عامل کو سزا کوڑے لگانے عمرو بن العاص نے کھڑے ہو کر کہا کہ یہ اہلِ اہل ہوگا، حضرت عمرؓ نے فرما دیا لیکن یہ نہیں ہو سکتا کہ میں ملزم سے انتقام نہ لوں۔ عمرو بن العاص نے منت کر کے استغیث کو اس شرط پر راضی کیا کہ ایک ایک نازیبا نے کے عوض میں دو دو اشرفی لیکر اپنے حق سے بازا آئے ہوں۔

وقتاً فوقتاً عمال کی جو شکایتیں پیش ہوتی تھیں اسکی تحقیق کے لیے ایک خاص عہدہ قائم کیا جس پر محمد بن مسلمہ انصاری مامور تھے، یہ بزرگ اکابر صحابہ ہیں سے تھے۔ تمام غزوات میں رسول اللہؐ کے ہمراہ رہتے تھے ایک دفعہ رسول اللہؐ ایک ہم پیشرف لیگے تو انکو مدینہ میں اپنا نائب مقرر کرتے گئے، ان میں سے حضرت عمرؓ نے ایسے بُرے کام کے لیے انہی کو انتخاب کیا جب کہ ہی عامل کی شکایت آتی تھی تو یہ تحقیقات پر مامور ہوتے تھے۔ اور موقع پر جا کر مجالِ عامہ میں لوگوں کا اظہار لیتے تھے۔ اس میں سعد قاصد بنحوں نے قادیسیہ کی ہم سر کی تھی اور کوفہ کے گورنر تھے، ان کی نسبت لوگوں نے حضرت عمرؓ کے پاس جا کر شکایت کی یہ وہ وقت تھا کہ ایرانیوں نے بڑے زور شور سے لڑائی کی تیاریاں کی تھیں اور لاکھ ڈیڑھ لاکھ فوج لیکر نہادند کے قریب آپہنچے تھے۔ مسلمانوں کو سخت تردد تھا اور اُن کے مقابلے کے لیے کوفہ سے فوجیں روانہ ہو رہی تھیں، عین اسی حالت میں یہ لوگ پہنچے، حضرت عمرؓ نے فرمایا

اس کتاب الحراج صفحہ ۶۶۔ کتاب الحراج صفحہ ۶۶۔ اسد الغابہ ذکر محمد بن مسلمہ جو وہو کا صاحب العمل ابام عہدہ کا عمر اذا شکی اللہ عامل رسل عجل بکشف الحال وهو الذی ارسلہ عمر الی عمالہ لیلحد سطر موالہ لہ لری نے مختلف مقامات میں تصریح کی جو کہ محمد بن مسلمہ عمال کی تحقیقات پر مامور تھے ۱۲

کہ اگرچہ یہ نہایت تنگ اور پرخطر وقت ہے تاہم یہ تڑو نہج کو سعد بن ابی وقاص کی تحقیقات سے نہیں دھکیلا جاتا۔ اسی وقت محمد بن مسلمہ کو کوفہ روانہ کیا انھوں نے کوفہ کی ایک ایک جگہ میں جا کر لوگوں کے اظہارِ رائے اور سعد بن وقاص کو ساتھ لیکر مدینے میں آئے یہاں حضرت عمرؓ نے خود انکا اظہارِ رائے کیا۔

بعض اوقات کمیشن کے طور پر چند آدمی تحقیقات کے لئے بھیجے جاتے تھے چنانچہ اس قسم کے متعدد واقعات تاریخوں میں مذکور ہیں۔ بعض اوقات اہل عدل کو مدینہ میں بلا کر براہ راست تحقیقات کرتے تھے اور یہ اکثر اُس وقت ہوتا تھا جب عامل صوبہ کا حاکم یا معزز افسر نہ ہوتا تھا چنانچہ ابو موسیٰ اشعری جو بصرہ کے گورنر تھے انکی نسبت جب شکایت گزری تو حضرت عمرؓ نے مستغث کا بیان خواہ اپنے ہاتھ سے لے لیا اور ابو موسیٰ کو اپنے حضور میں بلا کر تحقیقات کی الزامات یہ تھے کہ ابو موسیٰ نے اسیرانِ جنگ میں سے ۶۰ رئیس زادے چھانٹ کر اپنے لئے رکھے ہیں انکی ایک ٹڈی ہے جسکو دونوں وقت نہایت عمدہ غذا بہم پہنچانی جاتی ہے حالانکہ اس قسم کی غذا عام مسلمانوں کو میسر نہیں آسکتی۔ کاروبارِ حکومت زیادہ دین سمیٹہ کو سپرد کر رکھا ہے اور وہی سیاہ و سپید کا مالک ہے تحقیقات سے پہلے الزام غلط ثابت ہوا، تیسرے الزام کا ابو موسیٰ نے یہ جواب دیا کہ زیادہ سیاست و تدبیر کا آدمی ہے اس لئے میں نے اُسکو اپنا مشیر بنا رکھا ہے، حضرت عمرؓ نے زیادہ کو طلب کیا اور امتحان لیا تو حقیقت میں قابل آدمی تھا اس لئے خود بصرہ کے حکام کو ہدایت کی کہ زیادہ کو مشیر بنائیں، دوسرا الزام پیش ہوا تو ابو موسیٰ کچھ جواب نہ دے سکے چنانچہ نوٹ دی ان سے چھین لی گئی۔

عاملوں کی خطاؤں پر سخت گرفت کی جاتی تھی خصوصاً ان باتوں پر جن سے ترقی اور امتیاز یا نمود و مخمر ثابت ہوتا تھا سخت مواخذہ کیا جاتا تھا جس سے عامل کی نسبت ثابت ہوتا تھا کہ بیمار کی عیادت

۱۔ یہ پوری تفصیل جامع طری ص ۶۶ ۶۷ ۶۸ ۶۹ ۷۰ میں ہے صحیح عسائی میں ص ۱۱۱ اس واقعہ کا تذکرہ ہے دیکھو کتاب مذکورہ اہل صحیح

نہیں کرتا یا کمزور اُس کے دربار میں بار نہیں پاتا وہ فوراً موقوف کر دیا جاتا تھا۔

ایک دفعہ حضرت عمر بازاریں پھر رہے تھے ایک طرف سے آواز آئی کہ عمر اکیا عالموں کے لیے چند قواعد کے مقرر کرنے سے تم عذاب الہی سے بچ جاؤ گے، تم کو یہ خبر ہے کہ عیاض بن غنم جو مصر کا عامل ہے، باریک کپڑے پہنتا ہے اور اُس کے دروازہ پر دربان مقرر ہے "حضرت عمر نے محمد بن مسلمہ کو بلایا اور کہا کہ عیاض کو جس حالت میں پاؤ ساتھ لوالاؤ۔ محمد بن مسلمہ نے وہاں پہنچ کر دیکھا تو وہی دروازہ پر دربان تھا اور عیاض باریک کپڑے کا کرتہ پہنے بیٹھے تھے اسی ہیئت اور لباس میں ساتھ لیکر دینے آئے حضرت عمر نے وہ کرتہ اتروا کر بالوں کا کرتہ پہنایا اور بکریوں کا ایک گلہ سنگو اگر حکم دیا کہ جنگل میں لیجا کر چراؤ، عیاض کو ہنسا کی مجال نہ تھی مگر بار بار کہتے تھے کہ اس سے مر جانا بہتر ہے حضرت عمر نے فرمایا تجھ کو اس سے عار کیوں ہے تیرے باپ کا نام غنم اسی وجہ سے پڑا تھا کہ وہ بکریاں چراتا تھا۔ غرض عیاض نے دل سے توبہ کی اور جب تک زندہ ہے اپنے فرائض نہایت خوبی سے انجام دیتے رہے۔

حضرت سعد وقاص نے کوفہ میں اپنے لیے ایک محل بنوایا تھا جہیں ڈیوڑھی بھی تھی حضرت عمرؓ نے اس خیال سے کہ اس سے اہل حاجت کو رکاوٹ ہوگا محمد بن مسلمہ کو مامور کیا کہ جا کر ڈیوڑھی میں آگ لگا دیں چنانچہ اس حکم کی پوری تعمیل ہوئی اور سعد وقاص چمکے دیکھائے۔

اس قسم کی باتیں اگرچہ بظاہر قابلِ اعتراض ہیں کیونکہ لوگوں کے طرز معاشرت و ذاتی انعام سے تعرض کرنا اصولِ آزادی کے خلاف ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ حضرت عمرؓ تمام ملک میں مساوات اور جمہوریت کی جو روح پھونکنی چاہتے تھے وہ بغیر اس کے ممکن نہ تھی کہ وہ خود اور ان کے دست و بازو یعنی اسکانِ سلطنت اس رنگ میں ڈوبے نظر آئیں، عام آدمیوں کو اختیار ہے جو چاہیں کریں، ان کے

انحال کا اثر بھی اپنی تک محدود رہیگا لیکن جو لوگ سلطنت کے ارکان میں ان کے طرز معاشرت کا متنازع ہونا لوگوں کے دلوں میں اپنی حقارت کا خیال پیدا کرتا ہے اور رفتہ رفتہ اس قسم کی باتوں سے سلطنت شخصی کی وہ تمام خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں جسکے یہ معنی ہیں کہ ایک شخص کے لئے اور باقی تمام لوگ غلام ہیں، اس کے علاوہ جو شخص حرب کی فطرت سے واقف ہے وہ باسانی اس قسم کی باتیں، پولیکل مصالح سے خالی نہ تھیں، مساوات اور عدم ترجیح جسکو آج کل میں سوشلزم کہتے ہیں، حرب کا اصلی مذاق ہے اور حرب میں جو سلطنت اس اصول پر قائم ہوگی وہ یقیناً بہ نسبت اور ہر قسم کی سلطنت کے زیادہ کامیاب ہوگی، یہی وجہ ہے کہ یہ کام زیادہ تر حرب کی آبادیوں میں محدود تھے۔ ورنہ امپیر معاویہ شام میں بڑے سرد سامان سے بے تھے اور حضرت عمرؓ ان سے کچھ تعرض نہیں کرتے تھے۔ شام کے سفر میں حضرت عمرؓ نے ان کے خدم و حشم کو دیکھ کر استغدر کہا اکسرا نیت یعنی یہ نوشتیروانی جاہ و جلال کیسا، مگر جب انھوں نے جواب دیا کہ یہاں رویوں سے سابقہ رہتا ہے اور ان کی نظر میں بغیر اس کے سلطنت کا حرب، واجب نہیں قائم رہ سکتا تو حضرت عمرؓ نے پھر تعرض نہیں کیا۔

عمال کی دیانت اور راستبازی کے قائم رکھنے کے لیے نہایت عمدہ اصول یہ اختیار کیا تھا کہ خواہ بیش قرار تقرر کی تھیں۔ یورپ نے مدتوں کے تجربے کے بعد یہ اصول سیکھا ہے اور ایشیائی سلطنتیں تو اب تک اس راز کو نہیں سمجھیں۔ جسکی وجہ سے رشوت اور غبن ایشیائی سلطنتوں کا خاصہ ہو گیا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں اگرچہ معاشرت نہایت آرزوں اور روپیہ گراں تھا تاہم تنخواہیں علی قدر مراتب عموماً بیش قرار تھیں۔ صوبہ داروں کی تنخواہ پانچ پانچ ہزار تک ہوتی تھی اور غنیمت کی تقسیم سے جو ملتا تھا وہ الگ چنانچہ امیر معاویہ کی تنخواہ ہزار دینار اور امینی پانچ ہزار روپیہ تھی۔

اب ہم عمالانِ فاروقی کی ایک اجمالی فہرست درج کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ حضرت عمرؓ نے حکومت کی کئی میں کس قسم کے پُرزے ہمتاں کیے تھے۔

نام	تمام ماموریت	عہدہ	کیفیت
ابو عبیدہ	شام	والی	مشہور صحابی اور عشرہ مبشرہ میں داخل ہیں۔
یزید بن ابی سفیان	"	"	تمام ہوا مسیہ میں ایسے بڑھکر کوئی شخص لائق نہ تھا۔
امیر معاویہ	"	"	سیاست و تدبیر میں مشہور ہیں۔
عمر بن العاص	مصر	"	مصر انہی نے فتح کیا۔
سعد بن ابی وقاص	کوفہ	"	آنحضرتؐ کے ماموں تھے۔
عقبہ بن غزوہ	بصرہ	"	مہاجرین میں سے ہیں۔ بصرہ انہی نے آباد کرایا۔
ابو موسیٰ اشعری	"	"	مشہور جلیل القدر صحابی ہیں۔
عتاب بن اسید	مکہ معظمہ	"	آنحضرتؐ نے انکو مکہ معظمہ کا عامل مقرر کیا تھا۔
نافع بن عبد الجارث	"	"	فضلائی صحابہ میں سے ہیں۔
خالد بن العاص	"	"	ابو جہل کے بھتیجے اور مغرر شخص تھے۔
عثمان بن ابی العاص	طائف	"	آنحضرتؐ کے بعد جب اتنا دھچکا تو طائف کے لوگوں انہی نے تھا ما
یعلیٰ بن امیہ	یین	"	صحابہ میں سے تھے اور فیاضی میں شہرہ عام رکھتے تھے۔
عمار بن ابی حفصہ	"	"	بڑے صاحب اثر تھے آنحضرتؐ نے انکو یمن کا عامل مقرر کیا تھا۔
نعمان	مدائن	صاحب الخراج	
عثمان بن حنیف	اصلاح وراث	کشتہ بند سوت	صاحب کتاب اور سپاہی کے کام میں نہایت ماہر تھے۔
عباس بن نفم	جزیرہ	والی	جزیرہ انہی نے فتح کیا۔

نامہ	شام و بیت	عہدہ	کیفیت
عمر بن سعد	حمص	والی	حضرت عمرؓ کی نبایت عزت کرتے تھے۔
خدیقہ بن الیمان	مدائن		مشہور صحابی اور حضرت کے رازدار تھے۔
تابع بن عبدالحارث			بڑے خاندان کے آدمی تھے
خالد بن حارث ہمامی	ہضوبان	افسر خانہ	اکابر صحابہ میں ہیں۔
سمرة بن خندب	سوق الابلوز		صحابہ میں سے اول نبی کو وراثت کا مال ملا۔
نعمان بن عدی	بisan		موسل میں انہی نے فوجی جھانوی بنوائی۔
عوف بن ہرثہ	موسل	کشمیر لکڑی	

صبغہ محال

خراج کا نظم و نسق عرب کی تاریخ تمدن میں ایک نیا اضافہ تھا اسلام سے پہلے اگرچہ عرب کے مختلف خاندان، تہذیب و تخت کے مالک ہوئے جنہوں نے سلطنت کے تمام کاروبار قائم کر دیے تھے لیکن محال کا باقاعدہ انتظام باطل موجود نہ تھا۔ اسلام کے آغاز میں اس قدر ہوا کہ جب جیسر فتح ہوا تو یہودیوں نے درخواست کی کہ زراعت کا کام ہم چھوڑ جانتے ہیں ایسے زمین ہمارے ہی قبضہ میں چھوڑ دی جائے جناب رسول اللہؐ نے انہی درخواست منظور کر لی اور بھائی پر معاملہ ہو گیا۔ اس کے سوا جن مقامات کے باشندے سب مسلمان ہو گئے تھے انہی زمین پر عشر مقرر کر دیا جو ایک قسم کی زکوٰۃ تھی۔ حضرت ابو بکر کے عہد میں عراق کے کچھ حصے فتح ہوئے لیکن خراج وغیرہ کا کچھ انتظام نہ ہوا بلکہ سرسری طور پر کچھ رقم مقرر کر دی گئی۔ حضرت عمرؓ کو جب جنگی مہمات کی طرف سے فی الجملہ اطمینان ہوا، یعنی ۱۶ھ میں اہل عراق عرب پر پورا قبضہ ہو گیا اور اُس طرف یرموک کی فتح نے رومیوں کی فوت کا اتیسال کر دیا تو حضرت

عمرؓ نے خراج کے نظم و نسق کی طرف توجہ کی اس مرحلے میں پہلی پیشکش پیش آئی کہ اُمراء فوج نے اہل رکیا کہ تمام مفتوحہ مقامات صلح فتح کے طور پر ان کی جاگیر میں غنایت کیے جائیں، اور باشندوں کو ان کی غلامی میں دیدیا جائے۔ حضرت عمرؓ نے عواقب فتح کے ساتھ سعد بن وقاصؓ کو دہاں کی مردم شماری کے لئے حکم دیا تھا۔ سعدؓ نے نہایت جانچ کے ساتھ مردم شماری کا کاغذ مرتب کر کے بھیجا مگر باشندوں اور اہل فوج کی تعداد کا موازنہ کیا گیا تو ایک ایک مسلمان کے حصے میں تین تین آدمی پڑتے تھے۔ اسی وقت حضرت عمرؓ کی رائے قائم ہو چکی تھی کہ زمین باشندوں کے قبضے میں رہنے دیجائے اور ان کو ہر طرح پر آزاد چھوڑ دیا جائے۔ لیکن اکابر صحابہ میں سے عبدالرحمن بن عوفؓ وغیرہ اہل فوج کے ہمرہاں تھے حضرت بلالؓ نے استغدر کہہ کر کہ حضرت عمرؓ نے حق ہو کر فرمایا اللھم الکفنی دلا لایمنہ اے خدا مجھ کو بلالؓ سے نجات دے، حضرت عمرؓ یہ استدلال پیش کرتے تھے کہ اگر ممالک مفتوحہ فوج کو تقسیم کر دیے جائیں تو آئندہ افواج کی تیاری، بیرونی حملوں کی حفاظت، ملک کے امن و امان قائم رکھنے کے مصارف کہاں سے آئیں گے؟ عبدالرحمن بن عوفؓ کہتے تھے کہ جنگی تلواروں نے ملک کو فتح کیا ہے انہی کو قبضے کا بھی حق ہے آئندہ نسلیں ہفت کیونکر پاسکتی ہیں۔ چونکہ حضرت عمرؓ کی حکومت کا طریقہ جمہوری تھا یعنی جو فیصلہ ہوتا تھا اکثریت رائے پر ہوتا تھا، اس لئے ایک عام اجلاس ہوا جس میں تمام قدامت مہاجرین اور انصار میں سے پانچ قبیلہ اوس اور پانچ قبیلہ خزرج کے سردار وکیل کے طور پر شریک ہوئے۔ حضرت علیؓ، حضرت عثمانؓ، اور طلحہؓ نے حضرت عمرؓ کی رائے سے اتفاق کیا تاہم کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔ کسی دن تک یہ مرحلہ رہا۔ حضرت عمرؓ کو دفعۃً قرآن مجید کی ایک آیت یاد آئی جو اس بحث کے لئے نص قاطع تھی یعنی **لِلْفُقَرَاءِ الَّذِیْنَ اَخْرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَاَمْوَالِهِمْ** اس آیت کے اخیر فقر **وَالَّذِیْنَ جَاءُوْا مِنْ بَعْدِهِمْ** سے حضرت عمرؓ نے یہ استدلال کیا کہ غنیمت میں آئندہ نسلوں کا بھی حق

عرب ملک
استدلالعراق
سندانسان
مذہب

ہے، لیکن اگر فاتحین کو تقسیم کر دیا جائے تو آنے والی نسلوں کے لیے کچھ باقی نہیں رہتا، سنہ ۱۰۰۰ء میں
 کھڑے ہو کر نہایت پُر زور ترقی کی اور اس آیت کو استدلال میں پیش کیا تھا، یہ بول سکتے ہیں کہ
 شہدائے آب کی رائے بالکل صحیح ہے، اس استدلال کی بنا پر یہ اصول قائم ہو گیا کہ جو ممالک فتح کیے
 جائیں وہ فوج کے ملک نہیں ہیں بلکہ حکومت کے ملک قرار پائیں گے اور کچھ قابضین کو میل
 نہیں کیا جائیگا، اس اصول کے قرار پانے کے بعد حضرت عمرؓ نے ممالک مفتوحہ کے بندوبست و ترقی کی
 عراق چونکہ عرب سے نہایت قریب اور عربوں کے آباد ہو جانے کی وجہ سے عرب ایک
 صوبہ بن گیا تھا، سب سے پہلے اس سے شروع کیا۔ حضرت عمرؓ کا ایک یہ بھی اصول تھا کہ ہر ملک کے
 انتظام میں وہاں کے قدیم رسم و رواج سے واقفیت حاصل کرتے تھے اور اکثر حالتوں میں کسی قدر
 اصلاح کے ساتھ قدیم انتظامات کو بحال رکھتے تھے۔ عراق میں اسوقت مال گزائی کا جو طریقہ جاری تھا
 یہ تھا کہ ہر قسم کی فروغ پر ایک خاص شرح کے لگان مقرر تھے جو تین قسطوں میں ادا کیے جاتے تھے
 یہ طریقہ سب سے پہلے قباو نے قائم کیا تھا اور نوشیرواں نے اسکی تکمیل کی تھی نوشیرواں تک
 تعین لگان میں یہ اصول ملحوظ رہتا تھا کہ اصل پیداوار کے نصف سے زیادہ نہ ہونے پائے، لیکن
 خسرو پرویز نے اس پر اضافہ کیا اور نیرد گرو کے زلنے میں اور بھی تبدیلیاں ہوئیں۔ حضرت عمرؓ نے مزید
 تحقیقات کے لحاظ سے پیمائش کا حکم دیا۔ اس کام کے لیے چونکہ دیانت کے ساتھ فن مساحت سے واقف
 ہونا ضرور تھا اور عرب میں اس قسم کے فنون اسوقت تک رائج نہ تھے، اس لیے فی الجملہ وقت پیش
 آئی، آخر وہ شخص انتخاب کیے گئے، عثمان بن حنیف اور ضلیقہ بن الیمان، یہ دونوں بزرگ اکابر صحابہ
 سے تھے اور عراق میں زیادہ تر رہنے سے اس قسم کے کاموں سے واقف ہو گئے تھے، خصوصاً
 عثمان بن حنیف کو اس فن میں پوری مہارت حاصل تھی۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج

میں سمجھا ہے کہ انھوں نے اس تحقیق اور صحت کے ساتھ پیمائش کی جس طرح قیمتی کپڑا ناپا جاتا ہے حضرت عمرؓ نے پیمائش کا ہتھیانہ خود اپنے دست مبارک سے تیار کر کے دیا کئی مہینے تک بڑے اہتمام اور جانچ کے ساتھ پیمائش کا کام جاری رہا مکمل قریب طول میں ۳۷۵ میل اور عرض میں ۴۰۰ مہینیٰ مکمل ۳۰۰ میل مکسٹر ٹھیلر اور پہاڑ بھٹور اور نہروں کو چھوڑ کر قابل زراعت زمین تین کروڑ ساٹھ لاکھ جریب بٹھری خاندان شاہی کی جاگیر آتشکدوں کے اوقات - لاوارثوں - مفروروں اور بانگیوں کی جائداد - وہ زمینیں جو سڑکوں کی تیاری اور دوستی اور ڈاک کے مصارف کے لئے مخصوص تھیں، دریا برآورد جنگل - ان تمام زمینوں کو حضرت عمرؓ نے خالصہ قرار دیکر انکی آمدنی جس کی تعداد سالانہ ستر لاکھ تھی رفاہ عام کے کاموں کے لیے مخصوص کر دی - کبھی کبھی کسی شخص کو اسلامی کوششوں کے سبب میں جاگیر عطا کی جاتی تھی تو انہی زمینوں کی بجائی تھی لیکن یہ جاگیریں کسی حال میں خراج یا عشرے مستثنیٰ نہیں ہوتی تھیں باقی تمام زمین قدیم قبضہ داروں کو دیدی گئی اور حسب ذیل لگان مقرر کیا گیا۔

لگان کا

۲ درہم سال	فی جریب یعنی پون بیگمہ نچتہ	گہوں
۱ درہم سال	"	جو
۶ درہم سال	"	نیشکر
۵ درہم سال	"	روٹی
۱۰ درہم سال	"	انگور
۱۰ درہم سال	"	نخلستان
۸ درہم سال	"	تل
۳ درہم سال	"	ترکاری

بعض بعض جگہ زمین کی لیاقت کے اعتبار سے اس شرح میں تفاوت بھی ہوا یعنی گہوں پر فی

تھی نہ دنیا کی، عمر بن الخطابؓ نے عراق کی مالگذاری ۱۰ کروڑ ۲۸ لاکھ درہم وصول کی، زیاد نے، اگر وہ ۱۵ لاکھ اور حجاجؓ نے باوجود جبر اور ظلم کے صرف ۲ کروڑ ۸ لاکھ وصول کیے، ماموں الرشید کا زمانہ عدل و انصاف کے یہ مشہور ہے لیکن اُس کے عہد میں بھی عراق کے خراج کی تعداد ۵ کروڑ ۴ لاکھ درہم سے کبھی نہیں بڑھی۔

جہاں تک ہم کو معلوم ہے، عراق کے سوا حضرت عمرؓ نے اور کسی صوبے کی بیپائش نہیں کرائی بلکہ جہاں جس قسم کا بندوبست تھا اور بندوبست کے جو کاغذات پہلے سے تیار تھے انکو اسی طرح قائم رکھا، یہاں تک کہ دفتر کی زبان تک نہیں بدلی یعنی جس طرح اسلام سے پہلے عراق و ایران کا دفتر فارسی میں، شام کا رومی میں، مصر کا قبطی میں تھا حضرت عمرؓ کے عہد میں بھی اسی طرح رہا۔ خراج کے محکمے میں جس طرح قدیم سے پارسی، یونانی اور قبطی ملازم تھے بدستور بحال ہے۔ تاہم حضرت عمرؓ نے قدیم طریقہ نظام میں جہاں جو کچھ غلطی دیکھی اُسکی اصلاح کر دی چنانچہ اُسکی تفصیل آگے آتی ہے۔

مصر میں فرعون کے زمانے میں جو بندوبست ہوا تھا، ٹالومیز (بطالمہ) نے بھی وہی قائم رکھا، اور رومن امپایر میں بھی وہی جاری رہا۔ فرعون نے تمام اراضی کی بیپائش کرائی تھی اور شخص جمع اور طریقہ اوا کے مقدم اصول یہ قرار دیے تھے۔

(۱) خراج نقد اور اصل پیداوار دونوں طریقے سے وصول کیا جائے۔

(۲) چند سالوں کی پیداوار کا اوسط نکال کر، اُس کے لحاظ سے جمع تشخیص کی جائے۔

(۳) بندوبست چار سالہ ہو

پروفیسر E. VAN DERCHAM نے ایک کتاب فریق زبانوں میں مسلمانوں کے تعاون میں لکھی ہے۔ یہ حالات تین حصوں میں
LA PROPRIETE. اس کتاب سے یہ ہے کہ جس ملک کے حوالے آئے اس کتاب کا پورا نام یہ ہے
TERRITORIAL ET L'IMPOT FONCIER SONS LES
PREMIERS CALIFES

۱۱۲

عراق کا دفتر
فارسی اور
عربی زبان
میں تھا

مصر میں
فرعون کے
زمانے کے
تواضع
میں تھی۔

روہو کا
منا

رومیوں نے اپنے عہد حکومت میں اور تمام قاعدے بحال رکھے لیکن یہ زیادہ مستور مقرر کیا کہ ہر سال
خراج کے علاوہ، مصر سے غلے کی ایک مقدار کثیر پائے تخت قسطنطنیہ کو روانہ کیجاتی تھی اور سلطنت کے
ہر صوبے میں فوج کی رسد کے لیے یہیں سے غلہ جاتا تھا جو خراج میں محسوب نہیں ہوتا تھا حضرت
عمر نے یہ دونوں جابرانہ قاعدے موقوف کر دیے۔ یورپ کے مورخوں نے بکھارت کہ حضرت عمر کے عہد
میں بھی یہ رسم جاری رہی چنانچہ قحط کے سال مصر سے مدینہ منورہ کو جو غلہ بھیجا گیا اسی اصول کے موافق
بھیجا گیا، لیکن یہ انکی سخت غلطی اور قیاس بازی ہے بے شبہ عام لفظ میں مصر سے غلہ آیا اور پھر یہ
ایک رسم قائم ہو کر مدتوں تک جاری رہی، لیکن یہ وہی غلہ تھا جو خراج سے وصول ہوتا تھا، کوئی
نیا خراج یا مکس نہ تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے فتوح البلدان میں صاف صاف تصریح کر دی ہے
اس بات کا بڑا ثبوت یہ ہے کہ جب خراج میں صرف نقدی کا طریقہ رہ گیا تو حریمین کے لیے جو غلہ
بھیجا جاتا تھا، خرید کر کے بھیجا جاتا تھا۔ چنانچہ امیر معاویہ کے عہد حکومت کی نسبت علامہ مقرریری نے صاف
کی تصریح کی ہے۔ حضرت عمر نے ہر صوبہ میں فوج کی رسد کے لیے غلے کے کشتوں کا بھی نظام کیا تھا لیکن
یہ بھی وہی خراج کا غلہ تھا۔

حضرت عمر
نے نہ صرف
اسی طرح کیمصر میں
مال گزاری
کا طریقہ

حضرت عمر نے مال گزاری کے وصول کا طریقہ بھی نہایت نرم کر دیا اور اس لحاظ سے دونوں ملک
کے قدیم قاعدوں میں فی الجملہ ترمیم کر دی، مصر ایک ایسا ملک ہے جہاں پیداوار کا مدار دریائے نیل کی
طغیانی ہے اور چونکہ اسکی طغیانی کے مدارج میں نہایت تفاوت ہوتا رہتا ہے ایسے پیداوار کا کوئی
خاص اندازہ نہیں ہو سکتا، چند سالوں کے اوسط کا حساب اس لیے مفید نہیں کہ جاہل کل شکار اپنے
مصاف کی تقسیم ایسی باقاعدہ نہیں کر سکتے کہ خشک سالی میں اوسط حساب کے لحاظ سے ان کا کام چل
بہر حال حضرت عمر کے زمانے میں مال گزاری کے وصول کا یہ طریقہ تھا کہ جب مال گزاری کی گھنٹیں

کھلتی تھیں تو تمام گہنہ جات سے بیس اور زمیندار اور عرف، طلب کیے جاتے تھے اور وہ پیداوار
 حال کے لحاظ سے کل ملک کے خراج کا ایک تخمینہ پیش کرتے تھے، اس کے بعد اسی طرح ہر ہر ضلع
 اور ہر سرپرگنے کا تخمینہ مرتب کیا جاتا تھا جس میں مقامی زمیندار اور کھسپا شریک ہوتے تھے یہ تخمینہ رقم
 ان لوگوں کے مشورے سے ہر ہر گائوں پر پھیلا دی جاتی۔ پیداوار جو ہوتی تھی اس میں سے اول گرجاؤں
 اور حتاموں کے مصارف اور مسلمانوں کی مہانی کا خرچ، نکال لیا جاتا تھا، باقی جو بچتا تھا اس میں سے
 جمع مشخصہ ادا کی جاتی تھی، ہر گائوں پر جو جمع تشخیص ہوتی تھی پڑتے سے اس کا ایک حصہ گائوں کے
 پیشہ وروں سے بھی وصول کیا جاتا تھا۔

اس طریقہ میں اگرچہ بڑی زحمت تھی اور گویا ہر سال نیا بند و بست کرنا پڑتا تھا لیکن مصر کے حالات
 کے لحاظ سے عدل و انصاف کا یہی مقتضا تھا اور مصر میں یہ طریقہ تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ ایک
 سے معمول بھی تھا۔

لگان کی شرح فی جریب ایک دینار اور تین اُردب غلہ قرار دی گئی۔ اور یہ معاہدہ کھدیا گیا کہ اس
 مقدار پر کھمی اضافہ نہیں کیا جائیگا۔

اس عدل و انصاف کے ساتھ حضرت عمر کے زمانے میں جو خراج وصول ہوتا تھا اسکی تعداد اکرور
 ۲۰ لاکھ دینار تھی جسکے تقریباً پانچ کروڑ چھ لاکھ روپے ہوتے ہیں۔ علامہ نفریزی نے لکھا ہے کہ یہ صرف
 جزیرے کی رقم تھی، خراج اس کے علاوہ تھا، ابو جہل نجدادی نے بھی اپنے جغرافیہ میں قاضی ابو حازم
 کا جو قول نقل کیا ہے وہ اسی کے مطابق ہے، لیکن میرے نزدیک دونوں نے غلطی کی ہے، خود علامہ
 نفریزی نے لکھا ہے کہ ”جب عمرو بن العاص نے پہلے سال ایک کروڑ دینار وصول کیے تو حضرت عمر نے
 اس خیال سے کہ مقوقس نے ابھی پچھلے سال ۲۰ کروڑ وصول کیے تھے۔ عمرو بن العاص سے باز پرس

کی۔ یہ ستم ہے کہ مقوقس کے عہد میں خزیبے کا دستور نہ تھا، اسلئے عمرو بن العاص کی یہ رقم اگر خزیبہ تھی تو مقوقس کی رقم سے اسکا مقابلہ کرنا بالکل بے معنی تھا۔ اس کے علاوہ تمام مورخین نے اور خود تفریزی نے جہاں خراج کی حیثیت سے اسلام کے قبل اور ابعد زمانوں کا مقابلہ کیا ہے اسی تعداد کا نام لیا ہے۔ بہر حال حضرت عمر کے عہد میں خراج کی مقدار جہاں تک پہنچی زمانہ مابعد میں کبھی اس حد تک نہیں پہنچی۔

ہذا کا خراج
وہاں سے
بائیں کے
تائیں میں

بنو امیہ اور بنو العباس کے زمانے میں تیس لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہیں ہوئی۔ ہشام بن عبدالملک نے جب بڑے اہتمام سے تمام ملک کی اراضیات کی پیمائش کرائی جو تین کروڑ دان ٹھہری، تو ۳۰ لاکھ سے ۴۰ لاکھ ہو گئے۔ البتہ حضرت عثمان کے زمانے میں عبدالودود سعد گورنر مصر نے ایک کروڑ ۴۰ لاکھ دینار وصول کیے تھے، لیکن جب حضرت عثمان نے فخریہ عمرو بن العاص سے کہا کہ اب تو اوشنی نے زیادہ دودھ دیا، تو عمرو بن العاص نے آزادانہ کہا کہ، "ہاں لیکن بچہ بھوکا رہا"۔ ہیر معاویہ کا زمانہ ہر قسم کی دنیاوی ترقی میں یادگار ہے ان کے عہد میں مصر کے خراج کی تعداد ۹۰ لاکھ دینار تھی۔ فاطمین کے عہد میں خلیفہ المغربین السد کے گورنر نے باوجود یکہ لگان کی شرح دو گنی کر دی تاہم ۳۲ لاکھ دینار سے زیادہ وصول نہ ہوئے۔

شام میں اسلام کے عہد تک وہ قانون جاری تھا جو ایک یونانی بادشاہ نے اپنے تمام ممالک مقبوضہ میں قائم کیا تھا، اس نے پیداوار کے مختلف کے لحاظ سے زمین کے مختلف مروج قرار دیئے تھے اور ہر قسم کی زمین پر بعد اگانہ شرح کے لگان مقرر کیے تھے یہ قانون چھٹی صدی عیسوی کے آغاز میں یونانی زبان سے شامی زبان میں ترجمہ کیا گیا اور اسلام کی فتوحات تک وہی ان تمام ممالک میں جاری تھا۔ قرابن اور قیاسات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے مصر کی طرح یہاں بھی وہی قدیم قانون جاری رہنے دیا، حضرت عمر کے زمانے میں شام سے جو خراج وصول ہوتا تھا اسکی کل تعداد ۸۰ کروڑ ۴۰ لاکھ دینار یعنی ۸۰ لاکھ روپے تھی۔

۱۔ دیکھو تفریزی ص ۹۰ جلد اول ۲۔ سم البلدان ذکر مصر ۳۔ ابن حوقل ذکر مصر ۴۔ دیکھو پرفیسر رنجیم کی کتاب لازون کے قانون انگلری پڑ

عراق، مصر اور شام کے سوا اور ممالک مفتوحہ یعنی فارس، کرمان، آرمینیا وغیرہ کے بندوبست اور تشخیص خراج کے حالات ہم بہت کم معلوم کر سکے۔ مورخین ان ملکوں کے حالات فتح میں صرف اتنا لکھتے ہیں کہ وہاں کے لوگوں پر جزیہ اور زمین پر خراج مقرر کیا گیا۔ کہیں کہیں کسی خاص رقم پر معاہدہ ہو گیا ہے تو اسکی تعداد کچھ دی ہے، باقی اور قسم کی تفصیل کو ہاتھ نہیں لگایا ہے، اور چونکہ اس قسم کی جزئی تفصیلوں سے کچھ بڑے نتائج متعلق نہیں آسکتے ہم بھی اسکی چنداں پروا نہیں کرتے۔

البتہ ایک محقق کی نگاہ اس بات پر پڑ سکتی ہے کہ اس صیغے میں فتوحات فاروقی کی خاص ایجادات

اور اصلاحیں کیا ہیں اور ہم اسی خاص پہلو پر نگاہ ڈالنا چاہتے ہیں۔ سب سے بڑا انقلاب جو حضرت عمرؓ نے اس صیغے میں کیا اور جسکی وجہ سے رعایا کی بہبودی اور خوشحالی و نعمت نہایت ترقی کر گئی۔

یہ تھا کہ زمینداری اور ملکیت زمین کا جو قدیم قانون تھا اور بالکل جاہلانہ تھا مٹا دیا۔ رومیوں نے جب شام اور مصر پر قبضہ کیا تو تمام اراضیات صلی باشندوں سے چھین کر کچھ افسران فوج اور کچھ اراکین و بارکودیس، کچھ شاہی جاگیر قرار پائیں، کچھ کلیسیا اور چرچ پر وقف کر دی گئیں۔ صلی باشندوں کے ہاتھ میں ایک پتہ زمین بھی نہیں رہی۔ وہ صرف کاشتکاری کا حق رکھتے تھے اور اگر مالک زمین انہی کاشتکاری کی زمین کو کسی کے ہاتھ منتقل کرتا تھا تو زمین کے ساتھ کاشتکار بھی منتقل ہو جاتے تھے اخیر میں باشندوں کو بھی کچھ زمینداریاں ملنے لگیں لیکن زمینداری کی حفاظت اور اس سے متعلق ہونے کے لیے، رومی زمینداروں سے اعانت لینے پڑتی تھی، اس بہانے سے زمیندار خود اس زمین پر ہتھیار ہو جاتے تھے اور وہ غریب کاشتکار کا کاشتکار رہ جاتا تھا، یہ طریقہ کچھ رومی سلطنت کے ساتھ نہیں نہ تھا بلکہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے تمام دنیا میں قریب قریب یہی طریقہ جاری تھا کہ زمین کا بہت بڑا حصہ افسران فوج یا ارکان دولت کی جاگیر میں ویدیا جاتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے ملک پر قبضہ کرنے کے ساتھ، اس ظالمانہ قانون کو مٹا دیا، رومی تو اکثر ملک کے

قانون
میں
کی

منقول ہوئے ہی کل گئے اور وہ گئے ان کے قبضے میں لگا لیں جسے ان
تمام اراضیات کو جو شاہی جاگیر تھیں یا جن پر رومی افسر قابض تھے باشندگان ملک کے حوالے
کرویں اور وہی اس کے کہ وہ مسلمان اور نہ ہوں سوائے ان کے خواستہ کیا قبضہ
بنادیا کہ مسلمان کسی حالت میں ان زمینوں پر قابض نہیں ہو سکتے یعنی ممالک ان کی دست
و گیر خرید یا چاہیں تو نہ خرید ہی نہیں سکتے یہ قاعدہ ایک مدت تک جاری رہا چنانچہ شہنشاہ
سعد نے مصر میں کچھ زمین مول لی تھی تو بڑے بڑے پیشواؤں نے سبب مثلاً امام مالک، امام
بن زید، بن لہیعہ نے ان پر سخت اعتراض کیا حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس وجہ
کو جو ان ممالک میں پھیل گئے تھے زراعت کی ممانعت کر دی، چنانچہ تمام فوجی انیسویں کے نام کام
بھیج دیئے کہ لوگوں کے روزیے مقرر کر دیئے گئے ہیں اس لئے کوئی شخص زراعت نہ کرنے پائے
یہ حکم اس قدر سختی سے دیا گیا کہ شریک غطفی ایک شخص نے مصر میں کچھ زراعت کرنی تو حضرت عمرؓ نے
اسکو جاکر سخت مومنہ کیا اور فرمایا کہ میں تجھ کو ایسی نذر دوں گا کہ انیسویں کو جبرت ہو

ان قاعدوں سے ایک طرف تو حضرت عمرؓ نے اس کے انصاف کا نمونہ قائم کیا، دوسری طرف یہاں
کہیں موجود نہ تھی کیونکہ کسی نتائج تو م نے مقتویں کے ساتھ کبھی ایسی رعایت نہیں ہوتی تھی دوسری
طرف زراعت اور آبادی کو اس سے نہایت ترقی ہوئی ایسے کہ اصل باشندے جو مدت سے ان کا سوا
میں مہارت رکھتے تھے عرب کے خاتمہ بدوش بدوانی برابری نہیں کر سکتے تھے، سب بڑھ کر یہ کہ
اس تدبیر نے فتوحات کی وسعت میں بڑا کام دیا، قرآن کے ایک نہایت لائق مستف نے لکھا
ہے کہ یہ بات مسلم ہے کہ اسلام کی فتوحات میں خراج اور مال گزاری کے معاملے کو بہت غفلت
روشن سلطنت میں باشندگان ملک کو جو سخت خراج ادا کرنا پڑتا تھا اس نے مسلمانوں کی فتوحات

کو نہایت پیہری سے بڑھایا، مسلمانوں کے حلوں کا جو معاملہ کیا گیا وہ اہل ملک کی طرف سے تھا بلکہ حکومت کی طرف سے تھا، مسرتزہن خود قبضی کا شکار اس نے یونانیوں کے برخلاف مسلمانوں کو بددوی، دشمن اور حص میں، عیسائی باشندوں نے ہرقل کی نوج کے مقابلے میں شہر سپاہ کے وازے بند کر دیئے، اوتلیانوس سے کہہ کر، باگم نہ دیا، ہی حکومت کو بمقابلہ بے رحم و مہور ہاکے بہت زبردست کر کے دیئے۔

بہنیں خیال کرنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے خیر خواہوں کے ساتھ انصاف کرنے میں اپنی قوم کی شرافت کی بے انتہائی اعلیٰ اہمیت اور عظمت سے روک دیا، وہ حقیقت اس سے حضرت عمرؓ کی بڑی انجام دہی کی ثابت ہوئی ہے۔ سب سے پہلی جو ہر یعنی ولیری، بہادری، جفاکشی، اہمیت، عزم، اسی وقت تک قائم رہے جب تک وہ کاشنکار می اور زمینداری سے الگ ہے جس دن انھوں نے زمین کو لگا یا، ان دن یہ تمام اوصاف بھی ان سے رخصت ہو گئے۔

اس معاملے میں ایک اور نہایت انصافانہ اصول جو حضرت عمرؓ نے برتا ہوا تھا کہ بندوبست اور اس کے متعلق تمام امور میں عمومی رعایا سے جو پارسی یا عیسائی تھی ہمیشہ رائے طلب کرتے تھے اور ان کی معروضات پر لحاظ فرماتے تھے۔ عراق کا جب بندوبست کرنا چاہا تو پہلے عمال کو کھٹاکہ عراق کے دور میسوں کو ہمارے پاس بھیج جن کے ساتھ مترجم بھی ہوئے۔ پیمائش کا کام جاری ہو چکا تو پھر وٹس وٹس بڑے بڑے زمیندار عراق سے بلوائے اور ان کے اظہار رائے اسی طرح مصر کے انتظام کے وقت وہاں کے گورنر کو کھٹاکہ مقوقس سے (جو پہلے مصر کا حاکم تھا) خراج کے معاملہ میں رائے لو اس پر نہ تسلی ہوئی تو ایک واقف کا قبضی کو مدینے میں طلب کیا اور اس کا اظہار یہ طریقہ جس طرح عدل انصاف کا نہایت اعلیٰ نمونہ تھا اسی طرح انتظام کی حیثیت سے بھی مفید تھا۔

ان باتوں کے ساتھ ان اصلاحات کو بھی شامل کرنا چاہیے جس کا بیان ہم بندوبست کے شروع میں کر آئے ہیں۔

بت

بندوبست کے ساتھ حضرت عمرؓ نے زمین کی آبادی اور زراعت کی ترقی کی طرف توجہ کی، عام حکم و پدیا کہ تمام ملک میں جہاں جہاں افتادہ زمینیں ہیں جو شخص ان کو آباد کرے اُس کی مالک جائے لیکن اگر کوئی شخص اس قسم کی زمین کو آباد کرنے کی غرض سے اپنے قبضے میں لائے اور زمین برس کے اندر آباد نہ کرے تو زمین اُس کے قبضے سے نکل جائیگی، اس طریقہ سے افتادہ زمینیں نہایت جلد آباد ہو گئیں، جسے کی وقت جہاں جہاں کی رعایا لگھڑچھڑ کر نکل گئی تھی ان کے لیے اشتہار دیا گیا کہ ایں آجائے اور اپنی زمینوں پر قابض ہو جائے، زراعت کی حفاظت اور ترقی کا حضرت عمرؓ کو جو خیال تھا اس کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ ایک فوج ایک شخص نے ان سے اگر شکایت کی کہ شام میں میری کچھ زراعت تھی آپ کی فوج اُدھر سے گزری اور اُس کو برباد کر دیا، حضرت عمرؓ نے اُسی وقت اُس کو وٹس نہر اور ہم معاوضے میں دلوائے، تمام مالک مفتوحہ میں نہر بنی جا رہی تھیں اور بند باندھنے کا ماب تیار کرتے، پانی کے تقسیم کرنے کے دبانے بنائے، نہروں کے شعبے نکالنے، اس قسم کے کاموں کا ایک بڑا محکمہ قائم کیا، علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ خاص مصر میں ایک لاکھ ۲۰ نہر اور دوسرے سال بھر اس کام میں لگے رہتے تھے اور یہ تمام مصارف بیت المال سے ادا کیے جاتے تھے۔ خوزستان اور اہواز کے اضلاع میں خبر بن معاویہؓ نے حضرت عمرؓ کی اجازت سے بہت سی نہر بن کھدوائیں جن کی وجہ سے بہت سی افتادہ زمینیں آباد ہو گئیں۔ اسی طرح اور سیکڑوں نہر بن تیار ہوئیں جن کا پتہ جستہ جستہ تاریخوں میں ملتا ہے۔

ایمانی

نوعیت قبضہ کے لحاظ سے زمین کی ایک اُو تقسیم کی یعنی خراجی اور عشری۔ خراجی کا بیان

خارجی

اوپر گزر چکا، عشری اُس زمین کا نام تھا جو مسلمانوں کے قبضے میں ہوتی تھیں اور جس کے اقسام بہ ذیل تھے۔

(۱) عرب کی زمین جس کے تابینین اوایل اسلام میں مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مدینہ منورہ وغیرہ
(۲) جو زمین کسی ذمی کے قبضے سے نکل کر مسلمانوں کے قبضے میں آتی تھی مثلاً وہ لاوارث مر گیا یا مفرور ہو گیا، یا بنا و سالی، یا استعفا و یدیا،

(۳) جو اوقادہ زمین کسی شہیت سے کسی کی ملک نہیں ہوتی تھی اور اُسکو کوئی مسلمان آباد کر لیتا تھا۔
ان اقسام کی تمام زمینیں عشری کہلاتی تھیں اور چونکہ مسلمانوں سے جو کچھ لیا جاتا تھا وہ زکوٰۃ کی مذہب و فعل تھا، اس لئے ان زمینوں پر بجائے خراج کے زکوٰۃ مقرر تھی جسکی مقدار اصل پیداوار کا، و سواں حصہ ہوتا تھا، یہ شرح خود جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقرر فرمائی تھی اور وہی حضرت عمر کے عہد میں بھی قائم رہی، حضرت عمر نے اُنسا کیا کہ ایران وغیرہ کی جو زمینیں مسلمانوں کے قبضے میں آئیں اگر وہ ذمیوں کی قدیم نہروں یا کنوؤں سے سیراب ہوتی تھیں، تو اُن پر خراج مقرر کر دیا، چنانچہ اس قسم کی زمینیں عبد اللہ بن مسعود و جناب وغیرہ کے قبضے میں تھیں اور اُن سے خراج لیا جاتا تھا اور اگر خود مسلمان ہی نہر یا کنواں کھود کر اُس کی آبپاشی کرتے تھے تو اسپر عایت عشر مقرر کیا جاتا تھا۔

مسلمانوں کے ساتھ عشر کی تخصیص اگرچہ بظاہر ایک قسم کی نا انصافی یا قومی ترجیح معلوم ہوتی ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے، اولاً تو مسلمانوں کو بمقابلہ ذمیوں کے بہت سی زائد فہمیں ادا کرنی پڑتی تھیں مثلاً مویشی پر زکوٰۃ، گھوڑوں پر زکوٰۃ، رُپے پر زکوٰۃ۔ حالانکہ ذمی ان محصولوں سے بالکل مستثنیٰ تھے۔ اس بنا پر خاص زمین کے معاملے میں جو نہایت اقل قبیل مسلمانوں کے قبضے

میں آئی تھی، اس قسم کی رعایت بالکل مقتضائے انصاف تھی۔ دوسرے یہ کہ عشر ایک ایسی رقم تھی جو کسی حالت میں کم یا معاف نہیں ہو سکتی تھی، یہاں تک کہ خود خلیفہ یا بادشاہ معاف کرنا چاہے تو معاف نہیں کر سکتا تھا، بخلاف اس کے خراج میں تخفیف اور معافی دونوں جائز تھی، اور وقتاً فوقتاً اس پر عملدرآمد بھی ہوتا تھا، اس کے علاوہ خراج سال میں صرف ایک دفعہ لیا جاتا تھا بخلاف اس کے عشر کا یہ حال تھا کہ سال میں جتنی فصلیں ہوتی تھیں سب کی پیداوار سے الگ الگ عشر وصول کیا جاتا تھا۔

اوقسم کی آمدنیاں

خراج و عشر کے سوا آمدنی کے جو اقسام تھے وہ حسبِ ذیل تھے۔ زکوٰۃ۔ عشر۔ جزیہ مال غنیمت کا خمس۔ زکوٰۃ۔ مسلمانوں کے ساتھ مخصوص تھی۔ اور مسلمانوں کی کسی قسم کی جاد او یا آمدنی اس سے مستثنیٰ نہ تھی یہاں تک کہ بھیر، بکری، اونٹ، بھیڑ پر زکوٰۃ تھی، زکوٰۃ کے متعلق تمام حکام خود جناب رسول اللہ کے عہد میں مرتب ہو چکے تھے۔ حضرت عمر کے عہد میں جو اضافہ ہوا، یہ تھا کہ تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر ہوئی حالانکہ آنحضرت نے گھوڑوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ فرمایا تھا لیکن اس سے عیاذ باللہ یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ حضرت عمر نے جناب رسول اللہ کی مخالفت کی۔ آنحضرت نے جو الفاظ فرمائے تھے، اُس سے بظاہر سواری کے گھوڑے مفہوم ہوتے ہیں اور حضرت عمر نے اسی مفہوم کو قائم رکھا، آنحضرت کے وقت میں تجارت کے گھوڑے وجود نہیں رکھتے تھے۔ اس لیے اُن کے زکوٰۃ سے مستثنیٰ ہونے کی کوئی وجہ نہیں تھی، بہر حال زکوٰۃ کی مذمت ایک نئی آمدنی تھی اور اول حضرت عمر ہی کے عہد میں شروع ہوئی۔ عشر خاص حضرت عمر کی ایجاد ہے جسکی ابتدا یوں ہوئی کہ مسلمان جو غیر ملکوں میں تجارت کے لیے جاتے تھے اُن سے وہاں کے دستور کے موافق مال تجارت پر فی صدی دس روپیہ کس لیا جاتا تھا۔ ابو موسیٰ اشعری نے حضرت

گھوڑوں پر
زکوٰۃ۔

مگر اس واقعہ سے اطلاع دی، نہت عمر نے حکم دیا کہ ان ملکوں کے تاجروں ہمارے ملک میں آئیں
 اُن سے بھی اسبقہٴ محصول لیا جائے۔ پہنچ کے عیسائیوں نے جو اسوقت تک اسلام کے محکوم نہیں
 ہوئے تھے، خود حضرت عمر کے پاس تحریری درخواست بھیجی کہ ہکو عشرہ اور کرنے کی شرط پر عرب میں
 تجارت کرنے کی اجازت دی جائے حضرت عمر نے منظور کر لیا اور چھڑتیوں اور مسلمانوں پر بھی قاعدہ
 جاری کر دیا گیا۔ البتہ تعداد میں تفاوت رہا، یعنی عربوں سے فیصدی ۱۰، نہتیوں سے ۵، مسلمانوں
 سے ڈھائی لیا جاتا تھا، رفتہ رفتہ حضرت عمر نے تمام مالک منصوصہ میں یہ قاعدہ جاری کر کے اسکا ایک
 خاص محکمہ قائم کر دیا جس سے بہت بڑی آمدنی ہو گئی، یہ محصول خاص تجارت کے مال پر لیا جاتا تھا اور
 اسکی درآمد برآمد کی میعاد سال بھر تھی، یعنی تاجریک سال جہاں جہاں چاہے مال لیجائے اُس سے
 دوبارہ محصول نہیں لیا جاتا تھا، یہ بھی قاعدہ تھا کہ دوسو درہم سے کم قیمت مال پر کچھ نہیں لیا جاتا تھا
 حضرت عمر نے محصولوں کو یہ بھی تاکید کر دی تھی کہ کھلی ہوئی چیزوں سے عشر لیا جائے یعنی کیسے اسباب کی
 تلاش نہ کی جائے۔ جزیہ کے متعلق پوری تفصیل آگے آئیگی۔

صبغہٴ عدالت

یہ صبغہ بھی اسلام میں حضرت عمر کی بدولت وجود میں آیا۔ ترقی تمدن کا پہلا دیا جب یہ ہے کہ
 صبغہٴ عدالت، انتظامی صیغے سے علیحدہ قائم کیا جائے۔ دنیا میں جہاں جہاں حکومت و سلطنت کے
 سلسلے قائم ہوئے مدتوں کے بعد ان دونوں صیغوں میں تفریق ہوئی لیکن حضرت عمر نے خلافت
 کے چند ہی روز بعد اس صیغے کو الگ کر دیا، حضرت ابوبکر کے زمانے تک خود خلیفہ وقت اور افسران
 ملکی قضا کا کام بھی کرتے تھے۔ حضرت عمر نے بھی ابتدا میں یہ رواج قائم رکھا اور ایسا کر نافرور تھا
 حکومت کا نظم و نسق جب تک کامل نہیں ہوتا۔ ہر صیغے کا اجراء عرب و اب کا محتاج رہتا ہے

اس لیے فصل قضا یا کا کام وہ شخص انجام نہیں دے سکتا جسکو فصل قضا یا کے سوا اور کوئی اختیار نہ ہو
یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے ابو موسیٰ اشعریؓ کو لکھا کہ جو شخص با اثر اور صاحب غلبت نہ ہو قاضی نہ مقرر
کیا جائے بلکہ اسی بنا پر عبداللہ بن مسعود کو فصل قضا یا سے رکھا دیا۔

لیکن جب نظام کا سکہ اچھی طرح جم گیا تو حضرت عمرؓ نے قضا کا سیعہ بالکل لگ کر دیا اور تمام
اضلاع میں عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے اس کے ساتھ قضا کے اصول و آئین پر ایک
فرمان لکھا جو ابو موسیٰ اشعریؓ کو رز کوفہ کے نام تھا اور جس میں سیعہ عدالت کے تمام اصولی احکام
درج تھے۔ ہم اسکو بغینہ اس مقام پر نقل کرتے ہیں۔ رومن امپائر کے دوازدہ گانہ قواعد جو رومیوں
کے بڑے متاخر خیال کہے جاتے ہیں اور جنکی نسبت سیسرو رومن کا مشہور بچہ لکھتا ہے کہ یہ قوانین تمام

۱۷ اخلاف الفضا لمح بن خلف الکح۔

۱۸ اس فرمان کو علامہ ابو النجی تیسراریؒ نے طبقات الفقہاء میں اور علامہ ابن ماجہؒ نے صحیح میں
درج فرمایا ہے۔

۱۹ قبل مسیح۔ رومن امپائر نے یونان میں سفر بھیجے کہ وہاں قانون کی تعلیم حاصل کر کے آئیں اور سلطنت کے لیے ایک مستقل
قانون سنبھالیں یہ سہارونان گئے اور وہاں سے واپس آکر ایک دستور العمل بنایا جس میں بارہ امور نظامی پر بارہ بارہ قواعد تھے یہ
تمام قواعد مہمہ کی نئی پرکندہ کہنے گئے اور مدت تک۔ رومن امپائر کا وہی شاہی قانون رہا جس میں خلاصہ کے تعلق کے حکام نے وہ حدتیل کیا
(۱) جب ہم عدالت میں طلب کیے جاؤ تو فوراً فریضہ کے ساتھ حاضر ہو۔

(۲) اگر مدعا علیہ انکار کرے تو ہم گواہ پیش کرو تا کہ وہ جبراً حاضر کیا جائے۔

(۳) مدعا علیہ جگانا چاہے تو ہم اسکو کیڑے تھو۔

(۴) مدعا علیہ سباریا بڑھا ہو تو ہم اسکو سواری دو۔ ورنہ اسپر عاضری کے لیے جبر نہیں کیا جاسکتا

(۵) مدعا علیہ ضامن پیش کرے تو ہم اسکو چھوڑ دو۔

فلا سفروں کی تعصیفات سے بڑھکر ہیں، وہ بھی ہمارے سامنے ہیں، ان دونوں کا موازنہ کر کے شخص فیصلہ کر سکتا ہے کہ، وہ اس میں سے تمدن کے وسیع اصول کا کس میں زیادہ تپہ لگتا ہے۔
حضرت عمر کا فرمان بجا رہا ذیل میں درج ہے۔

امام عبد اللہ بن الفصحاء فی صیلة عیسیٰ و سیدہ صبیحة اس دن الماس فی و حہک و مجلسک و عدالتک حے لا باس الصمص من عدالتک ولا یطمع الشریف فی حبفتک الدین علی من ادعی والیمین علی من انکر والصلح حایز الا صلحا احل حراما و حرم حلالا۔ لا تمسک فضاء قضیة بالا من فواجبت فیہ لفسادک ان ترجع الی الحق	حد کی تعریف کے بعد قضا ایک سروری فرض ہے جو لوگوں کو لئے حضور میں، اسے مجلس میں، اپنے انصاف، بین ابڑھو نما کہ کم رور، انصاف سے باورس ہو، اور روادار کو مختاری رور عاہت کی ہستہ ہدا ہو، جو شخص دعویٰ کرے اس پر مارتوت ہے اور جو شخص منکر ہو اس پر من صلح حایز ہے بشرطیکہ اس سے حرام، حلال، او طلال، حرام ہوئے ہائے کل اگر تم نے کوئی فیصلہ کما نواع عور کے بعد اس سے رجوع کر سکتے ہو۔ جس مسئلہ میں شبہ ہو اور فرآن و حدیث میں شکا
------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸، (۶) دولت کا ضامن دولت مند ہونا چاہیے۔

(۷) حج کو رمضان کے انتہائی سے فیصلہ کرنا چاہیے۔

(۸) حج صبح سے دوپہر تک مقدمہ نہ لگا۔

(۹) بیصلہ۔ دوپہر کے بعد فریقین کی حاضری میں ہوگا۔

(۱۰) غرب کے بعد عدالت بند ہے گی۔

(۱۱) فریقین اگر ثالث پیش کرنا چاہیں تو انکو ضامن دینا چاہیے۔

(۱۲) جو شخص گواہ نہیں رہتا کہ سکتا۔ مدعا علیہ کے دورانے یہ دعویٰ کو نیکار کر کے۔

ہو یا عدہ ہیں۔ جسکو یاد کر کے پورب۔ رومن اسپر پنا کر تلب ہے۔

نماز میں
کے سبب
عمر کی

صحت
دوسرے
کے قواعد

<p>الْفهم الفهم فيما يختلج في صدرك مما لم يبلغك في الكتاب والسنة واعرف الامثال والاستباهات في الامور عندك و احل لمن ادعى اليك امداً استلحق الله فان احصر الله اخذت له حمله والا وجعت العصاة عليه. وللمسلمون عدل بعضهم على بعض الا محلود افي حيا او محرماً في شهادة زور او طعن في اهل او راسخه</p>	<p>دکرہ ہو اس رعو کر اور بھہ عور کو۔ اور اس کی سانوں اور سطوں رجال کر، بھہ اس گناہ و - اس سرب ہس کر ماہاسے اس کے بے ایک معاہدہ کر۔ اگر وہ ہوٹ ہے اس کا من وادہ۔ ورنہ نفع نہ حارج مسلمان سلف ہس، ساسے اس اسما کے جن کو حد کی سزا میں ڈرے لکے گئے ہوں ماہموں کے معونی گواہی دی ہو ماولا اور راسخ ہس مسکو ہوں</p>
-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

اس فرمان میں قضا کے متعلق جو قانونی احکام مذکور ہیں حنبلی ہیں
(۱) قاضی کو عدالتانہ حیثیت سے تمام لوگوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرنا چاہیئے۔
(۲) باریتوت عموماً مدعی پر ہے۔

(۳) مدعا علیہ اگر کسی قسم کا ثبوت یا شہادت نہیں رکھتا تو اس سے قسم لیا جائیگی۔
(۴) فریقین ہر حالت میں صلح کر سکتے ہیں لیکن جو امر خلاف قانون بنے اس میں صلح نہیں کی جاسکتی ہے۔
(۵) قاضی خود اپنی مرضی سے مقدمہ کے فیصلہ کرنے کے بعد اس میں نظر ثانی کر سکتا ہے۔

(۶) مقدمہ کی پیشگی ایک تاریخ معین ہونی چاہیئے

(۷) تاریخ معینہ پر اگر مدعا علیہ نہ حاضر ہو تو مقدمہ کی طرف فیصلہ کیا جائیگا۔

(۸) ہر مسلمان قابل دوائے شہادت ہے لیکن جو شخص سزا یافتہ ہو یا جس کا جھوٹی گواہی دینا
تابت ہو وہ قابل شہادت نہیں۔

صیغہ قضا کی عمدگی یعنی فصل خصومات میں پورا عدل انصاف تین باتوں پر موقوف ہے

(۱) عمدہ اور مکمل قانون جسکے مطابق فیصلے عمل میں آئیں

(۲) قابل اور متدین حکام کا انتخاب۔

(۳) وہ اصول اور آئین جنکی وجہ سے حکام رشوت اور دیگر ناجائز وسائل کے سببے فصل خصوصیات میں رورعایت نہ کرنے پائیں۔

(۴) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کا کافی ہونا، تاکہ مقدمات کے انفصال میں ہرج نہ ہونے پائے۔

حضرت عمرؓ نے ان تمام امور کا اس خوبی سے انتظام کیا کہ اس سے بڑھ کر نہیں ہو سکتا تھا قانون کے بنانے کی تو کوئی ضرورت نہ تھی، اسلام کا اصلی قانون قرآن مجید میں موجود تھا البتہ چونکہ اس میں جزیات کا احاطہ نہیں، اس لیے حدیث و اجماع و قیاس سے مدد لینے کی ضرورت تھی، حضرت عمرؓ نے قضاۃ کو خاص طور پر ایسی ہدایت لکھی، قاضی شریع کو ایک فرمان میں لکھا کہ مقدمات میں، اول قرآن مجید کے مطابق فیصلہ کرو۔ قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہو، تو حدیث اور حدیث نہ ہو تو اجماع و کثرت رائے کے مطابق اور کہیں پتہ لگے تو خود اجتہاد کرو۔

حضرت عمرؓ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ہمیشہ وقتاً فوقتاً حکام عدالت کو شکل و رسم مسائل کے متعلق فتاویٰ لکھ کر بھیجتے رہتے تھے اگر انکو ترتیب دیا جائے تو ایک مختصر مجموعہ قانون بن سکتا ہے

لے کر اعمال سے، ۴، ۳۔ سند دارمی میں یہ فرمان تھوڑے سے اختلاف کے ساتھ مذکور ہے۔ چنانچہ اسکی اہلی عبارت یہ ہے
عن سریر بن ان عمر بن الخطاب کتب الیہ ان حاکم شعی ۲ کتاب اللہ فاقص بہ فان حاکم مالس فی کتاب اللہ فاطر سنة رسول اللہ فاقصھا فان حاکم مالس فی کتاب اللہ ولم یکن فی سنة رسول اللہ ولم یتکلم بہ احد قلمک و احقرای الامر بن سبب۔ ان متبت ان تمھد برباک ثم نضد مقدم وان شئت تناخ من احر ولا اری الماحر
الا حیلک

لیکن اس موقع پر انکا استقصا نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی چاہے تو کئے العمال اور ازالۃ الخنا وغیرہ سے کر سکتا ہے۔ اخبار القضاۃ میں بھی متعدد فتاوے مذکور ہیں۔

قضاۃ کے انتخاب میں جو احتیاط اور نکتہ سنجی کی گئی اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ جو لوگ انتخاب کیے گئے وہ اس حیثیت سے تمام عرب میں انتخاب تھے پائے تخت یعنی مدینہ منورہ کے قاضی۔ زید بن ثابتؓ تھے جو رسول اللہؐ کے زمانے میں کاتب وحی رہے تھے۔ وہ سریانی اور عبرانی زبان کے ماہر تھے اور علوم فقہیہ میں سے فاضل کے فن میں تمام عرب میں ان کا جواب نہ تھا۔ کعب بن سور لازوی جو بصرہ کے قاضی تھے بہت بڑے معاملہ فہم اور نکتہ شناس تھے۔ امام بن سیرین نے ان کے بہت سے فیصلے اور احکام نقل کیے ہیں۔ فلسطین کے قاضی عبادہ بن الصامت تھے جو بخلمہ ان پانچ شخصوں کے ہیں جنہوں نے رسول اللہؐ کے عہد میں تمام قرآن حفظ کیا تھا اور اسی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان کو اہل صفہ کی تعلیم سپرد کی تھی۔ حضرت عمرؓ انکا استقدار احترام کرتے تھے کہ جب میر معاویہؓ نے ان کے ساتھ ایک موقع پر مخالفت کی تو حضرت عمرؓ نے انکو بیجاویہ کی ماتحتی سے الگ کر لیا۔ کوفہ کے قاضی عبداللہ بن مسعود تھے جنکا فضل و کمال محتاج بیان نہیں فقہ حنفی کے مورث اول وہی ہیں۔ عبداللہ بن مسعود کے بعد ۹۷ھ میں قاضی شریح مقرر ہوئے وہ اگرچہ صحابہ میں سے نہ تھے لیکن استقدار ذہین اور معاملہ فہم تھے کہ تمام عرب میں انکا جواب نہ تھا چنانچہ انکا نام آج تک شمال کے طور پر لیا جاتا ہے۔ حضرت علیؓ انکو انصی العرب کہا کرتے تھے بن زبیرؓ کے سوا۔ جمیل بن سمر الجعفی۔ ابو مریم الحنفی۔ سلمان بن ربیعہ الباہلی عبدالرحمن بن

عبداللہ بن مسعود

۱۷ اخبار القضاۃ میں ہے ان عمر تامل زید علی القضاۃ و قرض لہ زرقا ۱۷ دیکھو سدا العائز فی احوال اصحابہ و استیجاب قاضی بن عبداللہ

تذکرہ کعب بن سور لازوی ۱۷ استیجاب قاضی بن عبداللہ

ربیعہ - ابو قرة الکندی - عمران بن الحصین - جو حضرت عمر کے زمانے کے قضاۃ ہیں - ان کی عظمت و جلالت نشان رجال کی کتابوں سے معلوم ہوتی ہے۔

قاضی - اگرچہ حاکم صوبہ یا حاکم ضلع کا ماتحت ہوتا تھا اور ان لوگوں کو قضاۃ کے تقرر کا پورا اختیار حاصل تھا، تاہم حضرت عمر زیادہ احتیاط کے لحاظ سے اکثر خود لوگوں کو انتخاب کر کے بھیجتے تھے۔ انتخاب کے لیے اگرچہ خود اہمیت داروں کی شہرت کافی تھی لیکن حضرت عمر اس پر اکتفا نہیں کرتے تھے بلکہ اکثر علی امتحان اور ذاتی تجربہ کے بعد لوگوں کو انتخاب کرتے تھے۔

قدماؤ کا
تجربہ سے
مستفید ہونا

قاضی شریح کی تقرری کا یہ واقعہ ہے کہ حضرت عمر نے ایک شخص سے پسند کی شرط پر ایک گھوڑا خریدا اور امتحان کے لیے ایک سوار کو دیا۔ گھوڑا سواری میں چوٹ کھا کر داعی ہو گیا حضرت عمر نے اسکو واپس کرنا چاہا۔ گھوڑے کے مالک نے انکار کیا، اسپر نزاع ہوئی اور شریح ثالث مقرر کیے گئے۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ اگر گھوڑے کے مالک سے اجازت لیکر سواری لی گئی تھی تو گھوڑا واپس کیا جاسکتا ہے، ورنہ نہیں حضرت عمر نے کہا کہ حق یہی ہے اور اسی وقت شریح کو کوثرہ کا قاضی مقرر کر دیا۔ کعب بن سور لازمی کے ساتھ بھی اسی قسم کا واقعہ گزرا۔

ناجانہ وسائل آمدنی کے روکنے کے لیے بہت سی بندشیں کیں۔

(۱) تنخواہیں بیش قرار مقرر کیں کہ بالائی رقم کی ضرورت نہ ہو۔ مثلاً سلمان ربیعہ اور قاضی شریح کی تنخواہ پان پان سو درہم ماہوار تھی۔ اور یہ تعداد اُس زمانے کے حالات کے لحاظ سے بالکل کافی تھی۔

(۲) قاعدہ مقرر کیا کہ جو شخص دولت اور معزز نہ ہو قاضی مقرر نہ ہونے پائے۔ ابو موسیٰ اشعری گوزر کوثرہ کو جو فرمان تھا اس میں اس قاعدے کی وجہ یہ لکھی کہ، دولت مند رشوت کی طرف راغب نہ

ہو گا اور معزز آدمی پر فیصلہ کرنے میں کسی کے رتبہ و کجا اثر نہ ہوگا۔

ان باتوں کے ساتھ کسی قاضی کی تجارت اور خرید و فروخت کرنے کی اجازت نہ تھی اور یہ وہ اصول ہے جو مدتوں کے تجربہ کے بعد ترقی یافتہ ممالک میں اختیار کیا گیا ہے۔

انصاف
برابر

عدالت، انصاف کا ایک بڑا لازمہ عام، مساوات کا لحاظ ہے یعنی ایوان عدالت میں شاہ و گدا امیر و غریب، شریف و زویل سب ہم مرتبہ سمجھے جائیں۔ حضرت عمر کو اس کا اس قدر اہتمام تھا کہ اس کے تجربے اور امتحان کے لیے متعدد دفعہ عدالت میں فریق مقدمین کر گئے۔ ایک دفعہ ان میں اورابی بن کعب میں کچھ نزاع تھی ابی نے زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ دیا کیا۔

حضرت عمر مدعا علیہ کی حیثیت سے حاضر ہوئے۔ زید نے تلیم دی۔ حضرت عمر نے فرمایا یہ تمہارا پہلا ظلم ہے۔ یہ کہہ کر اپنی کے برابر بیٹھ گئے۔ زید کے پاس کوئی ثبوت نہ تھا اور حضرت عمر کو دعوے سے انکار تھا۔ ابی نے قاعدے کے موافق حضرت عمر کے قسم پینی چاہی۔ لیکن زید نے ان کے رتبے کا پاس کر کے ابی سے درخواست کی کہ امیر المؤمنین کو قسم سے معاف رکھو، حضرت عمر طرف داری پر نہایت رنجیدہ ہوئے۔ زید کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ جب تک تمہارے نزدیک ایک عام آدمی اور عمر دونوں برابر نہ ہوں تم منصب قضا کے قابل نہیں سمجھے جاسکتے۔

قضاۃ اور ان کی کارروائیوں کے متعلق حضرت عمر نے جس قسم کے اصول اختیار کیے ہوں یہ نتیجہ ہوا کہ ان کے عہد خلافت میں بلکہ نبو امیہ کے دور تک عموماً قضاۃ ظلم و نا انصافی کے الزام سے پاک رہے۔ علامہ ابو ہلال عسکری نے کتاب الاوائل میں لکھا ہے کہ اسلام میں سب سے پہلے جس قاضی نے خلاف انصاف عمل کیا وہ بلال بن ابی بروتھے (یہ نبو امیہ کے زمانے میں تھے) آبادی کے لحاظ سے قضاۃ کی تعداد کافی تھی کیونکہ کوئی ضلع، قاضی سے خالی نہیں تھا

آبادی کے لحاظ
سے قضاۃ
کی تعداد کا
کافی ہونا

لہذا احبال قضاۃ لمحہ بن خلف الکریمی

اور چونکہ غیر مذہب والوں کو اجازت تھی کہ آپس کے مقدمات بطور جو فیصلہ کر لیا کریں ایسے سلامی عدالتوں میں اُن کے مقدمات لم آئے۔ اور اس باپ ہر ضلع میں ایک قاضی کا ہونا چاہیے تھا

صنعتی اور خصوصاً اصول شہادت کے متعلق حضرت عمرؓ نے جو نادریاں ایجاد کیں اور قضا کا بیان اُن کے اجتہادات کے نوکرین سے کیا، ان میں ایک ماہر فن کی شہادت تھی یعنی جو اگر کسی خاص فن سے متعلق رکھتا تھا اس میں اُس فن کے ماہر کا اظہار لیا جاتا تھا۔ مثلاً طبیب نے زہر قاتل بن بدر کی ہجو میں ایک شعر کہا جس سے صاف طور پر ہجو نہیں ظاہر ہوتی تھی نوبل نے حضرت عمرؓ کے ہاں مقدمہ رجوع کیا چونکہ یہ شعر و شاعری کا معاملہ تھا اور شاعرانہ اصطلاحیں اور طرز ادا عام بول چال سے الگ ہیں۔ حضرت عمرؓ نے حسان بن ثابتؓ کو جو بہت بڑے شاعر تھے بلا کر پوچھا اور اُن کی رائے کے مطابق فیصلہ کیا۔ اس طرح اشتباہ نسب کی صورت میں حلیمہ شناسوں کے اظہار یہیے۔ چنانچہ کنز العمال باب القذف میں اس قسم کے بہت سے مقدمات مذکور ہیں۔

مصلحتوں کے متعلق اگرچہ حضرت عمرؓ نے بہت سے آئین و اصول مقرر کیے لیکن یہ سب وہیں تک تھا جہاں تک انصاف کی ارزانی اور آسانی میں کوئی خلل نہیں پڑ سکتا تھا، ورنہ سب مقدم اُن کو جس چیز کا لحاظ تھا وہ انصاف کا ارزاں اور آسان ہونا تھا۔ آج کل مہذب ملکوں نے انصاف اور داری کو ایسی قیود میں بکڑ دیا ہے کہ داؤد خواہوں کو دبو سے باز آنا اُسکی بہ نسبت زیادہ آسان ہے۔ لیکن حضرت عمرؓ کے اصول اور آئین اس قدر سہل و آسان تھے کہ انصاف کے حاصل کرنے میں ذرا بھی وقت نہیں ہو سکتی تھی اور حضرت عمرؓ کو خاص سبب کا ہمیشہ لحاظ تھا یہی مصلحت تھی کہ عدالت کے لیے خاص عمارتیں نہیں بنوائیں بلکہ مسجدوں پر اکتفا کیا کیونکہ مسجد کے مفہوم میں جو تعلیم اور اجازت عام تھی وہ اور کسی عمارت میں پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

ماہر فن کی شہادت

عدالت کا مکان

مقدمات کے رجوع کرنے میں کوئی صرف برداشت کرنا نہیں پڑتا، عدالت کے دروازے پر کسی قسم کے روک ٹوک نہ تھی، تمام قضاۃ کو تاکید تھی کہ جب کوئی غریب اور متبذل شخص مقدمہ کا فریق بن کر آئے تو اس سے نرمی اور کشادہ روی سے پیش آئیں تاکہ اظہارِ مدعا میں اُس پر مسطوق خوف کا اثر نہ ہو۔

افتاء

عدالت کے متعلق یہ ایک نہایت ضروری صیغہ ہے جو آغازِ اسلام میں قائم ہوا اور جسکی مثال اسلام کے سوا اور کہیں پائی نہیں جاتی۔ قانون کے جو مقدم اصول ہیں ان میں ایک یہ بھی ہے کہ شخص کی نسبت یہ فرض کرنا چاہیے کہ قانون سے واقف ہے، یعنی مثلاً اگر کوئی شخص کوئی جرم کرے تو اسکا یہ عذر کام نہیں آسکتا کہ وہ اُس فعل کا جرم ہونا نہیں جانتا تھا۔ یہ قاعدہ تمام دنیا میں مستلزم ہے اور حال کے ترقی یافتہ ملکوں نے اس پر زیادہ زور دیا ہے۔ بے شبہ یہ قاعدہ صحیح ہے لیکن تعجب یہ ہے کہ اُور تو قوموں نے اس کے لئے کسی قسم کی تدبیر اختیار نہیں کی، یورپ میں تعلیم استعدا عام ہو چکی لیکن اس درجے کو نہیں پہنچ سکی اور نہ پہنچ سکتی ہے کہ ہر شخص قانون داں بن جائے کوئی جاہل شخص قانون کا کوئی مسئلہ جانا چاہے تو اُس کے لئے کوئی تدبیر نہیں۔ لیکن اسلام میں اس کا ایک خاص محکمہ تھا جسکا نام محکمہ افتاء تھا۔ اسکا یہ طریقہ تھا کہ نہایت لائق قانون داں یعنی فقہاء ہر جگہ موجود رہتے تھے اور جو شخص کوئی مسئلہ دریافت کرنا چاہتا تھا ان سے دریافت کر سکتا تھا، اُن پر فرض تھا کہ نہایت تحقیق کے ساتھ اُن مسائل کو بتائیں۔ اس صورت میں گویا ہر شخص جب چاہے قانون کے مسائل سے واقف ہو سکتا تھا اور اس لئے کوئی شخص عذر نہیں کر سکتا تھا کہ وہ قانون کے مسئلے سے ناواقف تھا۔ یہ طریقہ آغازِ اسلام میں خود بخود پیدا ہوا اور اب تک قائم ہے لیکن حضرت عمر کے عہد میں جس پابندی کے ساتھ اس پر عمل لازماً نہ مابعد بلکہ اُن سے پہلے حضرت ابوبکر کے عہد میں بھی نہیں ہا۔

اس طریقے کے لئے سب ضروری امر یہ ہے کہ عام اجازت ہو ملکہ خاص خاص قابل لوگ اقتدار کے لئے مقرر کر دیے جائیں۔ تاکہ ہر کس ناکس۔ غلط سائل کی ترویج نہ کر سکے حضرت عمرؓ نے اس تخصیص کو ہمیشہ ملحوظ رکھا۔ جن لوگوں کو انھوں نے اِقتا کی اجازت دی۔ مثلاً حضرت علیؓ حضرت عثمانؓ۔ معاذ بن جبلؓ۔ سعد الرحمن بن عوفؓ۔ ابی بن کعبؓ۔ زید بن ثابتؓ۔ ابو ہریرہؓ ابو ذرؓ وغیرہ وغیرہ ان کے سوا اور لوگ فتوے دینے کے مجاز نہ تھے، اثناء ولی اللہ صاحب ازالہ انہما میں لکھتے ہیں: ماہنی وعظ وفتوے موقوف ہو دہر اسے خلیفہ۔ بدون امر خلیفہ وعظ نمی گفتند وفتوے نمی دادند و آخر بغیر توقف بر اسے خلیفہ وعظ اے گفتند وفتوے می دادند و تاریخوں میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں کہ جن لوگوں کو فتوے کی اجازت نہ تھی انھوں نے فتوے دیے تو حضرت عمرؓ نے ان کو منع کر دیا چنانچہ ایک دفعہ عبداللہ بن مسعودؓ کے ساتھ بھی یہ واقعہ گزرا۔ بلکہ ان کو یہاں تک احتیاط تھی کہ مقرر شدہ مفتیوں کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے حضرت ابو ہریرہؓ سے مارھا پوچھا کہ تم نے اس مسئلے میں کیا فتوے دیا؟ اور جب انھوں نے اپنا جواب دیا تو فرمایا کہ اگر تم اس مسئلے کا اور کچھ جواب دیتے تو آئندہ ہم کبھی فتوے کے محارمہ ہوتے؟

دوسرا امر جو اس طریقہ کے لئے ضرور ہے یہ ہے کہ مفتیوں کے نام کا اعلان کر دیا جائے اس وقت گزٹ اور اخبار تو نہ تھے لیکن مجالس عامہ میں جنسے بڑھ کر اعلان عام کا کوئی ذریعہ نہ تھا حضرت عمرؓ نے بار بار اعلان کیا شام کے سفر میں بتمام جابریہ۔ ہیشمار آدمیوں کے سامنے جو شہر خطبہ پڑھا اُس میں یہ الفاظ بھی فرمائے۔

مراد الفرائض و فیات ابوامن اراد ان بسال الفرائض	میں جو جس نے لکھا ہے وہ ابی بن کعب کے پاس اور ان کے مسئلے کو دیکھا ہے
فیات زید و اراد ان بسال عن الفقہ قلبات معاذ	تو یہ کہ اس اور فقہ کے متعلق جو دیکھا ہے وہ معاذ کے پاس طرہ

فوجداری اور پولیس

جہاں تک ہم تحقیق کر سکیں، مقدمات فوجداری کے لئے حضرت عمرؓ نے کوئی حد محکمہ قائم نہیں

کیا، بعض قسم کے مقدمات مثلاً زنا، اور سرقہ، قضاۃ کے ہاں فیصلہ ہوتے تھے، اور ابتدائی قسم کی تمام کارروائیاں پولیس سے متعلق تھیں، پولیس کا صبیحہ مستقل طور پر قائم ہو گیا تھا اور اس وقت اس کا نام **احداث** تھا چنانچہ افسر پولیس کو صاحب الاحداث کہتے تھے، بحرین پر حضرت عمرؓ نے قدامتہ بن مطعون اور حضرت ابو ہریرہؓ کو مقرر کیا تو قدامتہ کو تحصیل مالگزاری کی خدمت ملی اور حضرت ابو ہریرہؓ کو تصریح کے ساتھ پولیس کے اختیارات دیئے۔ احتساب کے متعلق جو کام ہیں مثلاً ووکاندار ترازو میں دھوکا نہ دینے پائیں، کوئی شخص سڑک پر مکان نہ بنائے، جانوروں پر زیادہ بوجھ نہ لاو اجائے، شراب علانیہ نہ پئے پائے وغیرہ وغیرہ ان تمام امور کا کافی انتظام تھا اور اس کے بیٹے ہر جگہ اہلکار اور افسر مقرر تھے لیکن یہ تپہ نہیں چلتا کہ احتساب کا مستقل صبیحہ قائم ہو گیا تھا یا یہ خدمتیں بھی صاحب الاحداث سے متعلق تھیں اکثر الحال میں جہاں ابن سعد کی یہ روایت نقل کی ہے کہ حضرت عمرؓ عمرتے بازار کی نگرانی کے لیے عبدالسدر بن عقبہ کو مقرر کیا تھا وہاں بٹھا ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ فعل عہدہ احتساب کا ماخذ ہے۔

اس صیغے میں حضرت عمرؓ کی ایک ایجاد یہ ہے کہ **جیلیخانے** بنوائے ورنہ ان سے پہلے عرب میں جیلیخانے کا نام و نشان نہ تھا اور یہی وجہ تھی کہ سزائیں سخت دی جاتی تھیں، حضرت عمرؓ نے اول مکہ معظمہ میں صفوان بن امیہ کا مکان چار ہزار درہم پر خریدا اور اس کو جیلیخانہ بنایا پھر اور اضلاع میں بھی جیلیخانے بنوائے علامہ بلاذری کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ کوفہ کا جیلیخانہ نزل سے بنایا تھا، اس وقت تک صرف مجرم قید خانے میں رکھے جاتے تھے لیکن دور خلافت کے بعد قاضی شہیر مدیونوں کو بھی قید کی سزائے تھے اور جیلیخانے میں بھجواتے تھے جیلیخانہ تعمیر ہونے کے بعد بعض بعض سزائوں میں بھی تبدیلی ہوئی مثلاً ابو محجن تقضی بار

جیلیخانے
کی ایجاد

بارتھراپ پہنچے۔ بجرم میں مانوڑ ہوئے تو اخیر وفات حضرت عمرؓ نے ان کو حد کی بجائے قید کی سزا دی
جلاوطنی کی سزا بھی حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے چنانچہ ابوجحن کو حضرت عمرؓ نے یہ سزا بھی دی تھی
اور ایک جزیرہ میں بھیج دیا تھا۔

بیت المال یا خزانہ

یہ صیغہ بھی سنت عمرؓ کی ذات سے وجود میں آیا۔ آل حضرت عمرؓ کے زمانے میں سب اخیر جو
رقم وصول ہوئی وہ بحرین کا خراج تھا جسکی تعداد آٹھ لاکھ درہم تھی لیکن آنحضرتؐ نے یہ کل
رقم ایک ہی جلسہ میں تقسیم کر دی۔ حضرت ابوبکرؓ نے بھی اپنی خلافت میں کوئی خزانہ نہیں قائم
کیا بلکہ جو کچھ غنیمت کا مال آیا اسی وقت لوگوں کو بانٹ دیا چنانچہ پہلے سال ۱۰-۱۱ اور ہم اور دوسری
سال ۲۰-۲۱ درہم ایک ایک شخص کے حصے میں آئے۔ یہ کتاب الاوائل اور ابن سعد کی روایت
ہے، ابن سعد کی ایک دوسری روایت ہے کہ حضرت ابوبکرؓ نے ایک مکان بیت المال کے
لیئے خاص کر لیا تھا لیکن وہ ہمیشہ بند پڑا رہتا تھا کیونکہ جو کچھ آتا اسی وقت تقسیم کر دیا جاتا تھا اور اس
کی نوبت نہیں پہنچتی تھی کہ خزانے میں کچھ داخل کیا جائے۔ وفات کے وقت بیت المال کا جائزہ
لیا گیا تو صرف ایک درہم نکلا۔

تقریباً ۱۱ھ میں حضرت ابوہریرہؓ کو حضرت عمرؓ نے بحرین کا عامل مقرر کیا وہ سال تمام
میں پانچ لاکھ کی رقم اپنے ساتھ لائے، حضرت عمرؓ نے مجلس شہوے کا اجلاس عام کر کے کہا کہ ایک
رقم کثیر بحرین سے آئی ہے، آپ لوگوں کی کیا مرضی ہے، حضرت علیؓ نے رائے دی کہ جو رقم
آئے وہ سال کی سال تقسیم کر دیجائے اور خزانے میں جمع نہ رکھی جائے۔ حضرت عثمانؓ نے

۱۔ اسرافیات ذکر ابوجحن نقفی۔

جلال
کی سزا

مسند
پہلے صفحہ

مسند
پہلے صفحہ

اس کے خلاف رائے دی، ولید بن ہشام نے کہا میں نے سلاطین شام کے ہاں بھجوا ہے کہ
خزانہ اور دفتر کا جدِ اجداد محکمہ قائم ہے۔

آج کل کا زمانہ ہوتا تو غیر مذہب والوں کے نام سے اجتناب کیا جاتا لیکن حضرت عمر نے اس
راے کو پسند کیا اور بیت المال کی بنیاد والی سب سے پہلے، اور خلافت یعنی، مینہ منہ دین بیت
بڑا خزانہ قائم کیا اور چونکہ اسکی نگرانی اور حساب کتاب کے لیے نہایت قابل اور دیانت دار
آدمی کی ضرورت تھی عبداللہ بن ارقم کو جو نہایت معزز صحابی تھے اور لکھنے پڑھنے میں کمال
رکھتے تھے، خزانہ کا افسر مقرر کیا۔ اس کے ساتھ اور لائق لوگ ان کے ماتحت مقرر کیے جن میں
سے عبدالرحمن بن عبید القاری اور عقیب بھی تھے۔ عقیب کو یہ شرف حاصل تھا کہ وہ رسول اللہ
کے انگشتری بردار تھے اور اسوجہ سے ان کی دیانت اور امانت بہ طرح پر قطعی اور مسلم الثبوت تھی
دار الخلافہ کے علاوہ تمام صوبجات اور صدر مقامات میں بیت المال قائم کیے اور اگرچہ
وہاں کے اعلیٰ حکام کو ان کے متعلق بہ قسم کے اختیارات حاصل تھے۔ لیکن بیت المال کا محکمہ
بالکل الگ ہوتا تھا اور اس کے افسر جداگانہ ہوتے تھے، مثلاً اصفہان میں خالد بن حرث اور کوفہ
میں عبداللہ بن مسعود، خاص خزانہ کے افسر تھے۔ حضرت عمر اگرچہ تعمیر کے باب میں نہایت
کفایت شعاری کرتے تھے لیکن بیت المال کی عمارتیں مستحکم اور شاندار بنوائیں، کوفہ میں بیت المال
کے لیے اول ایک محل تعمیر ہوا جسکو روزہ ایک مشہور مجوسی سمار نے بنایا تھا اور جب کا مصالحہ
خسروان فارس کی عمارت سے آیا تھا لیکن جب اسیں نقب کے ذریعے سے چوری ہوئی تو حضرت
عمر نے سعد وقاص کو لکھا کہ مسجد کی عمارت، بیت المال سے ملا دی جائے کیونکہ مسجد نمازیوں
کی وجہ سے ہمیشہ آباد رہے گی اور ہر وقت لوگوں کا مجمع ہے گا۔ چنانچہ سعد وقاص کے حکم سے

بیت المال
کے افسر

بیت المال
کے افسر

روزہ نے بیت المال کی عمارت کو استقدروسیع کیا کہ مسجد سے مل گئی۔ اور اس طرح چوری وغیرہ کی طرف سے اطمینان ہو گیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ مابعد میں زیادہ احتیاط کے لحاظ سے خزانے پر سپاہیوں کا پہرہ بھی رہنے لگا تھا۔ بلا درسی نے لکھا ہے کہ جب طلحہ وزیر حضرت علیؑ سے باغی ہو کر بصرہ میں آئے اور خزانے پر قبضہ کرنا چاہا تو سیاحجہ کے ۴۰ سپاہی خزانہ کے پہرہ پر متعین تھے اور انھوں نے طلحہ وزیر کے ارادہ کی مزاحمت کی۔ سیاحجہ کی نسبت اسی مؤرخ نے تصریح کی ہے کہ وہ سندھ سے گرفتار ہو کر آئے تھے اور ایرانیوں کی فوج میں داخل تھے، حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران فتح ہوا تو یہ قوم مسلمان ہو گئی اور ابو موسیٰ نے ان کو بصرہ میں آباد کرایا۔

صوبجات اور اضلاع میں جو خزانے تھے انکا یہ انتظام تھا کہ جب قدر رقم وہاں کے ہرتم کے مصارف کے لیے ضروری ہوتی تھی رکھ لی جاتی تھی باقی سال کے ختم ہونے کے بعد صدر خزانہ یعنی مدینہ منورہ کے بیت المال میں بھیج دی جاتی تھی چنانچہ اس کے متعلق عمال کے نام حضرت عمرؓ کے تاکید پر احکام آتے رہتے تھے۔ یہ دریافت کرنا مشکل ہے کہ ہر جگہ کے خزانے میں کس قدر رقم محفوظ رہتی تھی، مؤرخ یعقوبی کی تصریح سے استقدر معلوم ہے کہ دارالخلافۃ کے خزانے سے۔ خاص دارالخلافۃ کے باشندوں کو جو تنخواہیں اور وظائف وغیرہ مقرر تھے اسکی تعداد تین کروڑ سالانہ تھی۔

بیت المال کی حفاظت اور نگرانی میں حضرت عمرؓ کو جو اہتمام تھا اس کے متعلق تاریخوں میں بہت سے دلچسپ واقعات ہیں جنکی تفصیل ہم نظر انداز کرتے ہیں۔

۱۔ نہ نام تفصیل تابع طبری ذکر آبادی کو نہ میں ہے ۵۷ مروج البلدان ۱۵۳، ۱۵۴ تا ۱۵۷ ۵۷ عمرو بن العاصؓ کو مقرر ہو کر وہاں لکھا تھا اس میں یلف لفظ ملو اصل الکب و حنفہ اخر جت عطا السلسلہ بالفتح اس لفظ مدہم لفظ فیاضل بعد وک فاعلمہ الی ذکر الحال محو الاس سعد جلد ۲ ص ۱۷۴

پتیک ورک یا نظارتِ نافعہ

یہ صیغہ مستقل حیثیت سے زمانہ حال کی ایجاد ہے اور یہی وجہ ہے کہ عربی زبان میں اس کے لیے کوئی اصطلاحی لفظ نہیں مگر وِثَام میں اس کا ترجمہ نظارتِ نافعہ کیا گیا ہے۔ اس صیغہ میں منفصلہ ذیل چیزیں داخل ہیں۔ سرکاری عمالات۔ نہریں۔ سڑکیں۔ پل۔ شفا خانے۔ حضرت عمر کے زمانے میں اسکے لئے کوئی مستقل صیغہ نہیں قائم ہوا تھا۔ لیکن شفا خانوں کے سوا اس صیغہ کے متعلق اور کتنی چیزیں ہیں سب موجود تھیں اور نہایت منظم اور وسیع طور پر تھیں۔ زراعت کی ترقی کے لئے۔ حضرت عمر نے جس قدر نہریں تیار کرائیں اُن کا مختصر حال ہم صیغہ محال کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔ یہاں اُن نہروں کا ذکر کرتے ہیں جو زراعت کے صیغہ سے مخصوص نہ تھیں۔

نہرائی موسیٰ۔ یہ نہریں کی لمبی تھی جسکی تیاری کی تاریخ یہ ہے کہ ایک دفعہ بصرہ کے لوگ ڈپوٹیشن کے طور پر حضرت عمر کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمر نے معمول کے موافق ایک ایک حالات پوچھے۔ ان میں حنیف بن قیس بھی تھے۔ انھوں نے نہایت پراثر تقریر میں جو کتابوں میں بالقاطبہ منقول ہے اس بات کی شکایت کی کہ بصرہ بالکل شورستان ہے اور پانی ہیل سے لانا پڑتا ہے۔ حضرت عمر نے اُسی وقت ابو موسیٰ اشعری کے نام اس ضمنوں کا تحریری حکم بھیجا کہ بصرہ کے لوگوں کے لئے نہر کھدوا دی جائے چنانچہ وجہ سے ہیل لمبی نہر کاٹ کر بصرہ میں لائی گئی جس کے ذریعے سے گھر گھر پانی کی افراط ہو گئی۔

نہر معقل یہ ایک مشہور نہر ہے جسکی نسبت عربی میں یثیل مشہور ہے ادا جادہ علیہ السلام

۱۱ متح البلدان صفحہ ۳۵۶ و ۳۵۷ میں اسکا حال تفصیل سے لکھا ہے۔ جغرافیہ بخاری میں بھی اسکا ذکر ہے ۱۱

مطل - منفعل - نہر بھی وجہ سے کاٹ کر لائی گئی تھی اور چونکہ اسکی بیاری کا اہتمام متعل بن بیار کو سپرد کیا گیا تھا جو ایک مقدس صحابی تھے اس لیے انہی کے اسے منہور ہوئی۔

نہر سعد - اس نہر کے لیے انبار والوں نے پہلے شمشاد فارس سے درخت کی تھی اسلام کا زمانہ آیا تو ان لوگوں نے سعد و قاص (کہ زکوفہ) سے خواہش ظاہر کی، سعد نے سعد بن عمر کو مامور کیا انھوں نے بڑے اہتمام سے کام لگایا لیکن کچھ دور تک پہنچ کر ایک پہاڑ نیچ میں آگیا اور وہیں چھوڑ دی گئی۔ پھر خراج نے اپنے زمانہ میں پہاڑ کاٹ کر قبضہ کام پورا کیا تاہم نہر سمہی کے نام سے مشہور ہوئی۔

سب سے بڑی اور فائدہ رساں نہر جو حضرت عمر کے خاص حکم سے بنی وہ نہر تھی جو نہر امیر المؤمنین کے نام سے مشہور ہے اور جس کے ذریعے سے دریائے نیل کو بحر قلزم سے ملا دیا گیا تھا۔ اسکی مختصر تاریخ یہ ہے کہ سلسلہ میں جب تمام عرب میں قحط پڑا تو حضرت عمر نے تمام اضلاع کے حکام کو لکھا کہ ہر جگہ سے کثرت کے ساتھ غلہ اور ناج روانہ کیا جائے۔ اگرچہ اس حکم کی فوراً تعمیل ہوئی لیکن تمام اور مصر سے خشکی کا جو رستہ تھا بہت دور دراز تھا۔ اس لیے غلہ کے بیچنے میں پھر بھی دیر لگی۔ حضرت عمر نے ان وقتوں پر خیال کر کے، عمرو بن العاص (گورنر مصر) کو لکھا کہ مصر کے باشندوں کی ایک جماعت ساتھ لیکر دار الخلافہ میں حاضر ہو، جب وہ آئے تو فرمایا کہ دریائے نیل اگر سمندر سے ملا دیا جائے تو عرب میں قحط و گرانی کا کبھی اندیشہ نہ ہوگا۔ ورنہ خشکی کی راہ غلہ کا آنا وقت سے خالی نہیں۔ عمرو نے واپس جا کر کام شروع کر دیا اور قسطاط سے (جو قاہرہ سے دس بارہ میل ہے) بحر قلزم تک نہر تیار کرائی۔ اس ذریعے سے دریائے نیل جو قسطاط کے نیچے بہتا ہے بحر قلزم میں مل گیا۔ جہازات نیل سے چل کر قلزم میں آتے تھے اور یہاں سے جار پہنچ کر لنگر کرتے تھے جو مدینہ منورہ کا بندر گاہ تھا۔ یہ نہر تقریباً ۶۹ میل لمبی تھی اور عجیب

یہ ہے کہ کچھ مہینے میں بکرتیار ہوگئی چنانچہ پہلی ہی سال میں ۲۰ بڑے بڑے جہاز جن میں ساٹھ ہزار ارب روپے جہاز ہوا تھا اس نہر کے ذریعے سے مدینہ منورہ کے بندر گاد میں آئے، یہ نہر مدتوں تک جاری رہی اور اس کے ذریعے سے مصر کی تجارت کو نہایت ترقی ہوئی عمر بن عبدالعزیز کے بعد عمالوں نے بے پروائی کی اور وہ جا بجا تے اٹ گئی یہاں تک کہ مقام ذنب التمساح تک آکر بالکل بند ہوگئی۔ مسئلہ میں منصوبہ جاسی نے ایک ذاتی مصلحت سے اسکو بند کر دیا لیکن بعد کو پھر جاری ہوگئی اور مدتوں تک جاری رہی۔

ایک عجیب نہیب بات یہ ہے کہ عمرو بن العاص نے بحرِ روم و بحرِ قزقم کو براہ راست ملاؤنے کا ارادہ کیا تھا چنانچہ اس کے لیے موقع اور جگہ کی تجویز بھی کر لی تھی اور چاہا تھا کہ قمر کاے پاس سے جہاں سے بحرِ روم و بحرِ قزقم میں صرف ۷۰ میل کا فاصلہ رہ جاتا ہے نہر نکال کر دونوں دریاؤں کو ملا دیا جائے، لیکن حضرت عمرؓ کو جب ان کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو ناراض نہ ہوئے ظاہر کی اور کچھ بھیجا کہ اگر ایسا ہوا تو یونانی جہازوں میں آکر حاجیوں کو اڑایا جائیں گے اگر عمرو بن العاص کو اجازت ملی ہوتی تو نہر سوزی کی ایجاد کا فخر و حقیقت عرب کے حصہ میں آتا۔

عمارت جو حضرت عمرؓ نے تعمیر کرائیں تین قسم کی تھیں۔

- (۱) مذہبی جیسے مساجد وغیرہ۔ انکا بیان تفصیل کے ساتھ مذہبی مینے میں آئیگا۔ یہاں استدر کہنا کافی ہے کہ بقول صاحب روضۃ الاحباب چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں
- (۲) قوجی جیسے قلعے، چھاونیاں۔ بارگیاں، انکا بیان قوجی انتظامات کے بیان میں آئیگا۔
- (۳) ملکی۔ مثلاً دارالامارۃ وغیرہ۔ اس قسم کی عمارتوں کے تفصیلی حالات معلوم نہیں لیکن ان

۱۔ تفصیل اس الحاقہ سیرطی صفحہ ۹۳ و ۹۴ و مفرری جلد اول صفحہ ۳۹ و جلد دوم صفحہ ۳۹ تا ۴۲ میں ہے

۲۔ تفہیم السلطان ابو الفدا صفحہ ۱۰۹

کی اقسام کی تفصیل سبیل ب۔

(۱) وار الامارۃ۔ یعنی صورتات اور اسلئے کے حکام جہاں قیام رکھتے تھے اور جہاں اُن کا دفتر رہتا تھا کوفہ و بصرہ کے وار الامارۃ کا حال طبری و بلاذری نے کسیتقدیر تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔
(۲) واپوان۔ یعنی جہاں دفتر کے کاندات رہتے تھے فوج کا دفتر بھی سی مکان میں ہوتا تھا۔
(۳) بیت المال۔ یعنی خزانے کا مکان یہ عمارت مضبوط اور مستحکم ہوتی تھی۔ کوفہ کے بیت المال کا ذکر بیت المال سے سال میں گزر چکا۔

(۴) قید خانے۔ مدینہ منورہ کے قید خانے کا حال۔ صنیعہ پولیس کے بیان میں گذر چکا بصرہ میں جو قید خانہ تھا وہ وار الامارۃ کی عمارت میں شامل تھا۔

(۵) جہان خانے۔ یہ مکانات اس لیے تعمیر کیے گئے تھے کہ باہر والے جو دو چار روز کے لیے شہر میں آجاتے تھے وہ ان مکانات میں ٹھہرائے جاتے تھے۔ کوفہ میں جو جہان خانہ بنا اسکی نسبت علامہ بلاذری نے لکھا ہے امرعمران بنجد مل بردس الافاق دارافکا واندرو لوهٹا مدینہ منورہ کا جہان خانہ شامہ میں تعمیر ہوا چنانچہ ابن جہان نے کتاب الثقات میں اس کا تذکرہ کیا ہے۔

اس موقع پر بتادینا ضرور ہے کہ عمارتوں کی نسبت یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ بڑی شان شوکت کی ہوتی تھیں اسلام۔ فضول تحلفات کی اجازت نہیں دیتا۔ زمانہ مابعد میں جو کچھ ہوا ہوا لیکن اُس وقت تک اسلام بالکل اپنی سادہ اور اصلی صورت میں تھا اور حضرت عمر کو نہایت تنہا تھا کہ یہ سادگی جانے نہ پائے۔ اسکے علاوہ اس وقت تک بیت المال پر حاکم وقت کو آزادانہ اختیار حاصل نہ تھے۔ بیت المال تمام قوم کا سرمایہ سمجھا جاتا تھا اور لوگ اُس کا اصلی مصرف یہ سمجھتے تھے

کہ چونکہ پتھر کے بجائے زیادہ تر آدمیوں کے کام آئے۔ یہ خیال مدتوں تک رہا اور اسی کا اثر تھا کہ جب ولید بن عبد الملک نے دمشق کی جامع مسجد پر ایک رقم کثیر صرف کر دی تو عام ناراضی پھیل گئی اور لوگوں نے علانیہ کہا کہ بیت المال کے روپیہ کا یہ مصرف نہیں ہے۔ بہر حال حضرت عمرؓ کے زمانے میں جو غارتیں بنیں وہ عموماً اینٹ اور گارے کی تھیں۔ بصرہ کا ابوان حکومت بھی جی حشیت کا تھا، البتہ فوجی عمارتیں نہایت مضبوط اور محکم ہوتی تھیں۔

سڑکوں اور پلوں کا انتظام اگرچہ نہایت عمدہ تھا لیکن براہِ راست حکومت کے اہتمام میں نہیں تھا۔ مقتوحہ قوموں سے جو معاہدہ ہوتا تھا اس میں یہ شرط بھی ہوتی تھی کہ وہ سڑک اور پل وغیرہ اپنے اہتمام اور اپنے صرف سے بنوائیگی۔ حضرت ابو عبیدہؓ نے شام فتح کیا تو شرائط صلح میں یہ امر بھی داخل تھا۔

مکہ معظمہ اگرچہ مدتوں سے قبلہ گاہِ خلائق تھا لیکن اس کے راستے بالکل ویران اور بے آب تھے۔ حضرت عمرؓ میں جب مکہ معظمہ گئے تو ان کی اجازت سے مدینہ سے لیکر مکہ تک ہر برتنرل پر چوکیاں اور سرائیں اور چٹھے تیار ہوئے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ حفظہ میں لکھتے ہیں: ازاں جملہ آنکھ سائے بقصد عمرہ مکہ محترمہ توجہ فرمود و نزدیک مراجعت امر فرمود و در منازل کہ مابین حرمین واقع اند سایہ و پناہ سازند و ہر جایکہ آسائش شدہ باشد آن پاک کتد و صاف نمایند و در منازل کم آب چاہار کنند تا بر حجاج باسراحت تمام قطع امرل متشیوہ

شہروں کا آباد کرنا

۱۔ تاج البلدان صفحہ ۳۲، ۳۳ کتاب الخراج صفحہ ۱۰۰ میں ہے و علی ان علیہم ارضاً و انصبال و بناء القنات طر علی الا
تھار من الموالھہ تاریخ طبری و انماں سلسلہ صفحہ ۲۲۴ میں سڑک اور پل دونوں کا ذکر ہے ۱۲
۲۔ طبری صفحہ ۲۵۱۹ و بلا ذری صفحہ ۵۳ -

حضرت عمر کے زمانے میں جو بڑا شہر آباد ہوئے وہ جن ضرورتوں سے آباد ہوئے اور جو خصوصیات ان میں پیدا کی گئیں ان کے لحاظ سے ہر شہر تاریخ اسلام کا ایک صفحہ کہا جاسکتا ہے ان میں سے بصرہ و کوفہ ایک مدت تک اسلامی آثار کے منظر ہے۔ عربی نحو کی بنیاد یہیں پڑی نحو کے اصلی دارالعلوم یہی دو شہر تھے۔ حنفی فقہ جو آج تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے اس کا سنگ بنیاد کوفہ ہی میں رکھا گیا۔ ان اسباب سے ان شہروں کی بنیاد اور آبادی کا حال تفصیل سے لکھنا ناموزون ہوگا۔

اس کتاب کے پہلے حصے میں ہم لکھ آئے ہیں کہ فارس اور ہند کے بحری جلوں سے سطن ہن کے لیے حضرت عمر نے ۳۱ھ میں عقبہ بن غزوٰان کو متعین کیا کہ بندر گاہ اہلب کے قریب جہاں بحر فارس کے خلیج کے ذریعے سے ہندوستان و فارس کے جہازات لنگر کرتے تھے ایک شہر بسائیں، زمین کا موقع اور منظر خود حضرت عمر نے بتا دیا تھا، عقبہ آٹھ سو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے اور خرمیہ میں آئے جہاں اب بصرہ آباد ہے۔ یہاں پہلے کف دست میلان پڑا ہوا تھا اور چونکہ زمین کنکر ملی مٹی اور آس پاس پانی اور چارہ کا سامان تھا، عرب کے مذاق کے بالکل موافق تھی۔ غرض عقبہ نے بنیاء کی داغ بیل ڈالی، اور مختلف قبائل کے لیے الگ الگ احاطہ کھینچ کر گھاس اور پھونس کے مختصر مکانات بنوائے۔ عاصم بن دلف کو مقرر کیا کہ جہاں جہاں جس قبیلے کو اتارنا مناسب ہو اتاریں۔ خاص سرکاری عمارتیں جو تعمیر ہوئیں ان میں سے مسجد جامع اور ایوان حکومت جسکے ساتھ دفتر اور قید خانہ کی عمارت بھی شامل تھی زیادہ متناہ تھا۔ ۳۱ھ میں آگ لگی اور بہت سے مکانات جل گئے۔ سعد بن وقاص نے جو اس وقت کوفہ کے گورنر تھے حضرت عمر کے پاس سفارت بھیجی اور اجازت طلب کی کہ نچتہ عمارتیں بنائی جائیں حضرت عمر نے منظور کیا لیکن تاکید کی کہ کوئی شخص ایک مکان میں تین کمروں کا زیادہ نہ بنائے۔

بصرہ سے ورباے وجہ و نل یل ربے ایسے حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ وجہ سے بصرہ تک نہر کاٹ کر لائی جائے چنانچہ اسکا حال کسی قدر تفصیل کے ساتھ پہلک ورک کے بیان میں گذر چکا۔ بصرہ کی آبادی نہایت جلد ترقی کر گئی یہاں تک کہ زیاو بن ابی سفیان کے زمان حکومت میں صرف اُن لوگوں کی تعداد جن کے نام فوجی جیسٹرس درج تھے ۸۰ ہزار اور ان کی آل و لاہ ایک لاکھ ۲۰ ہزار تھی۔

یہاں کی خاک کو علم و فضل سے جو مناسبت تھی اسکا اندازہ اس سے کرنا پابست کہ علوم عربیہ کی بنیاد یہیں پڑی، دنیا میں سب سے پہلی کتاب جو عربی سلطنت میں لکھی گئی یہیں لکھی گئی اور جب کا نام کتاب العین ہے اور جو خلیل بصری کی تصنیف ہے عربی علم و فضل اور موسیقی کی بھی یہیں سے ابتدا ہوئی علم نحو کا سب سے پہلا مصنف سیدو یہ یہیں کا تعلیم یافتہ تھا۔ ائمہ مجتہدین میں سے حسن بصریؒ یہیں کی خاک سے پیدا ہوئے۔

دوسرا شہ جو بصرہ سے زیادہ مشہور ہو ا کو فہ تھا مدائن وغیرہ جب فتح ہو چکے تو سعدؓ نے حضرت عمرؓ کو خط لکھا کہ میں رکھرا ہل عرب کا رنگ روپ بالکل بدل گیا حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ اہل عرب کو وٹاں کی آب و ہوا اس نہیں آسکتی۔ ایسی جگہ تلاش کرنی چاہیے جو تری بحری و دونوں جنیت رکھتی ہو چنانچہ سلمان و خدیجہ سنہ جو ناص اسی قسم کے کاموں پر مامور تھے کو فہ کی زمین انتخاب کی، یہاں کی زمین ریتلی اور کنکریلی تھی اور اسی وجہ سے اسکا نام کو فہ رکھا گیا اسلام سے پہلے نعمان بن منذر کا خاندان جو عراق عرب کا فرماں روا تھا ان کا پائے تخت یہی مقام تھا اور ان کی مشہور عمارتیں خورتق اور سدیر وغیرہ اسی کے آس پاس واقع تھیں منظر نمایاں خوش نما اور دریاے فرات سے صرف ڈیڑھ دو میل کا فاصلہ تھا۔ اہل عرب اس مقام کو خد اللہ یعنی عارض محبوب کہتے تھے۔ کیونکہ وہ مختلف عمدہ قسم کے عربی ٹھیلوں مثلاً اقحوان۔ شقاقین۔

اس مقام کو خد اللہ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبد شمس نے یہاں پر ایک مسجد بنوائی تھی اور یہاں سے ان کی قبر بھی ہے۔ اس مقام کو خد اللہ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبد شمس نے یہاں پر ایک مسجد بنوائی تھی اور یہاں سے ان کی قبر بھی ہے۔ اس مقام کو خد اللہ کہتے ہیں کہ عمرو بن عبد شمس نے یہاں پر ایک مسجد بنوائی تھی اور یہاں سے ان کی قبر بھی ہے۔

قیصوم - خزامی - کاچمن - زارتھا غرض شاہ میں اسکی بنیاد شروع ہوئی۔ اور جیسا کہ حضرت عمرؓ نے تصریح کے ساتھ لکھا تھا۔ ۴۰ ہزار آدمیوں کی آبادی کے قابل مکانات بنائے گئے۔ ہیلج بن مالک کے اہتمام سے عربی جد اجد قبیلے جد اجد محلوں میں آباد ہوئے۔ شہر کی وضع اور سخت کے لیے خود حضرت عمرؓ کا تحریری حکم آیا تھا کہ شہر ہائے عام ۴۰ - ۴۰ ہاٹ اور اس سے گھٹ کر ۳۰ - ۳۰ ہاٹہ اور ۲۰ - ۲۰ ہاٹہ چوڑی رکھی جائیں اور گلیاں ۷ - ۷ ہاٹہ چوڑی ہوں، جامع مسجد کی عمارت جو ایک مربع بلند چوتراہے کر بنائی گئی تھی۔ استقدرو وسیع تھی کہ اس میں ۴۰ ہزار آدمی آسکتے تھے۔ اس کے ہر چار طرف دُور دُور تک زمین کھلی چھوڑ دی گئی تھی۔

عمار میں اول گھانس پھونس کی بنیں لیکن جب آگ لگنے کا واقعہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے اجازت دی اور اینٹ گائے کی عمارتیں تیار ہوئیں۔ جامع مسجد کے آگے ایک وسیع سائبان بنایا گیا جو دوسو ہاٹہ لمبا تھا اور سنگ ریت کے ستونوں پر قائم کیا گیا تھا جو نو شیرانی عمارت سے نکال کر لائے گئے تھے اس موقع پر یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ باوجود اس کے کہ دراصل نو شیرانی عمارت کا کوئی وارث نہ تھا اور اصول سلطنت کے لحاظ سے اگر کوئی وارث ہو سکتا تھا تو خلیفہ وقت ہوتا۔ لیکن حضرت عمرؓ کا یہ عدل و انصاف تھا کہ مجوسی رعایا کو ان ستونوں کی قیمت ادا کی گئی یعنی ان کی تنجینی جو قیمت ٹھیری وہ ان کے جزیہ میں مجرا دی گئی۔ مسجد سے دوسو ہاٹہ کے فاصلہ پر ایوان حکومت تعمیر ہوا جس میں بیت المال یعنی خزانے کا مکان بھی شامل تھا ایک بہان خانہ عام بھی تعمیر کیا گیا جس میں باہر کے آئے ہوئے مسافر قیام کرتے تھے اور ان کو بیت المال سے کھانا ملتا تھا۔

چند روز کے بعد بیت المال میں چوری ہو گئی اور چونکہ حضرت عمرؓ کو ہر ہر جزی و واقعہ کی خبر پہنچتی تھی انھوں نے سعد کو لکھا کہ ایوان حکومت مسجد سے ملا دیا جائے چنانچہ روزیہ نام ایک پارسی

سماں نے جو شہر اُستاد بنا اور تعمیرات کے کام یہ مامور تھا نہایت خوبی اور سونہری سے ایوان حکومت کی عمارت کو بڑھا کر مسجد سے ملا دیا۔ سعد نے روز بہ کوچ اور کاریکروں کے اس ضلع میں دربار خلافت کو روانہ کیا، حضرت عمرؓ نے اسکی بڑی قدروانی کی، ہمیشہ کے لیے روزیہ مقرر کر دیا۔ جامع مسجد کے سوا ہر قبیلے کے لیے ہوا نجد، مسجدیں تعمیر ہوئیں۔ جو قبیلے آباد کیے گئے ان میں یمن کے بارہ، ہزار اور نزار کے آٹھ ہزار آدمی تھے اور قبائل جو آباد کیے گئے ان کے نام سب قریل میں۔ سلیم، قتیف، ہمدان، بجیلہ، نیم اللات، تغلب، بنو اسد، شخ و کندہ، ازد، مضر، بنو تیم، محارب، اسد و عامر، بجالہ، جدیلہ و اخلاط، جعیثہ، مدح، ہوازن، وغیرہ وغیرہ۔

یہ شہر حضرت عمرؓ ہی کے زمانے میں اس عظمت و شان کو پہنچا کہ حضرت عمرؓ کو اس اسلام فرماتے تھے اور حقیقت وہ عرب کی طاقت کا اصلی مرکز بن گیا تھا۔ زمانہ مابعد میں اسکی آبادی برابر ترقی کرنی لگی لیکن یہ خصوصیت قائم رہی کہ آباد ہونے والے عموماً عرب کی نسل سے ہوتے تھے ۳۷۳ء میں مردم شماری ہوئی تو ۵۰ ہزار گھر خاص قبیلہ ربیعہ و مضر کے اور ۲۴ ہزار اور قبائل کے تھے۔ اہل یمن کے ۶ ہزار گھر ان کے علاوہ تھے۔

زمانہ مابعد کی تغیرات اور ترقیوں اگرچہ قدیم آثار کو قائم نہیں رکھا تاہم یہ کچھ کم تعجب کی بات نہیں کہ بعض بعض عمارات کے نشانات زمانہ وراثت تک قائم رہے ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی میں اس مقدس مقام کو دیکھا تھا اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ سعد بن قحطان نے جو ایوان حکومت بنایا تھا اسکی بنیاد اب بھی قائم ہے۔

اس شہر کی علمی حیثیت یہ ہے کہ فن نحو کی ابتدا یہیں ہوئی یعنی ابو الاسود دؤلی نے اول اول نحو کے قواعد یہیں بیٹھ کر منضبط کیے۔ فقہ حنفی کی بنیاد یہیں پڑی۔ امام ابو حنیفہ صاحب تفسیر قاضی ابویوسف وغیرہ کی شرکت سے فقہ کی جو مجلس قائم کی وہ یہیں قائم کی۔ حدیث و فقہ

اور علوم و عربیت کے بڑے بڑے ائمہ فن جو یہاں پیدا ہوئے ان میں ابراہیم مخفی - حماد - امام
ابو حنیفہ - امام شعبی - یادگار زمانہ تھے۔

فسطاط - عمرو بن العاص نے جب اسکندریہ فتح کر لیا تو یونانی جو کثرت سے وہاں آباد تھے
عموماً شہر چھوڑ کر نکل گئے، ان کے مکانات خالی دیکھ کر عمرو بن العاص نے ارادہ کیا کہ اسی کو مستقر
حکومت بنائیں۔ چنانچہ دربار خلافت سے اجازت طلب کی، حضرت عمر دریا کے حائل ہونے سے
بہت ڈرنے لگے۔ بصرہ و کوفہ کی آبادی کے وقت بھی افسروں کو تھا تھا کہ شہر جہاں بسایا جائے
وہاں سے مدینہ تک کوئی دریا راہ میں نہ آئے، چونکہ اسکندریہ کی راہ میں دریائے نیل پڑتا تھا
اس لیے اسکو مستقر ریاست بنانا حضرت عمر نے ناپسند کیا۔

عمرو بن العاص - اسکندریہ سے چل کر قصر اشمع میں آئے، یہاں انکا وہ خیمہ اب تک
اسی حالت سے کھڑا تھا جسکو وہ اسکندریہ کے حملے کے وقت خالی چھوڑ گئے تھے، چنانچہ اسی خیمے
میں اترے اور وہیں نئی آبادی کی بنیاد ڈالی۔ ہر ہر قبیلے کے لیے الگ الگ احاطے کیلئے اور
سحابہ بن خبیج - شریک بن نبی - عمرو بن مخرم - حیول بن ناسرہ - کو متعین کیا کہ جس قبیلے کو چاہا
مناسب سمجھیں آباد کریں۔ مستقر تھے اسوقت تھے اور جو قبائل ان میں آباد ہوئے ان کے نام
علامہ مقریزی نے تفصیل سے لکھے ہیں جامع مسجد خاص اہتمام سے بنی۔ عام روایت ہے کہ نہ
صحابہ نے جمع ہو کر اس کے قبیلہ کی سمت متعین کی، ان صحابہ میں زبیر - مقداد - حبابہ - ابو درود
اور بڑے بڑے اکابر صحابہ نہ رہے تھے، یہ مسجد گزلبی اور سگر چڑی تھی، تین طرف دروازے
تھے جن میں سے ایک دار الحکومت کے مقابل تھا اور دونوں عمارتوں میں سات گز کا فاصلہ تھا
عمرو بن العاص نے ایک مکان خاص حضرت عمر کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ لیکن جب حضرت عمر

کو کوفہ بصرہ کے حالات طبری بلاذری اور مسیحی اہلداں سے پتے لگے ہیں۔

نے لکھ بھیجا کہ میرے کس کام کا ہے تو وہاں بازار آباد کر آیا گیا۔ چونکہ اس شہر کی آبادی خیمہ گاہ سے شروع ہوئی تھی اس لیے اس کا نام قسطنطاط پڑا جس کے معنی عربی میں خیمہ کے ہیں۔ آبادی کا سن ۲۱ ہجری ہے۔

قسطنطاط نے تہایت جلد ترقی کی اور اسکندریہ کے بجائے مصر کا عمدہ مقام بن گیا۔ امیر خاواہ کے زمانے میں ۴۰ ہزار اہل عرب کے نام و فخر میں قلمبند تھے۔ مؤرخ قسطنطاط کا بیان ہے کہ ایک زمانے میں یہاں ۳۶ مسجدیں ۸ ہزار ٹرکیں ۷۰ حمام تھے۔ اسکی وسعت اور بزرگم کی سروسامان کی کثرت کو مقریزی نے کئی صفحہ میں تفصیل سے لکھا ہے۔ مدت تک یہ شہر سلطان مصر کا پایہ تخت اور تمدن و ترقی کا مرکز رہا۔ علامہ بشاری جسے چوتھی صدی میں دنیا کا سفر کیا تھا اس شہر کی نسبت اپنے جغرافیہ میں لکھا ہے ناسم بغداد صفحہ الاسلام۔ خزائن المغرب یس فی الاسلام اکبر مجالس من جامعہ ولا احسن تجملا من اہلہ ولا اکثر مرکب من ساحلہ یعنی یہ شہر بغداد کا نام، مغرب کا خزانہ، اور اسلام کا فخر ہے تمام اسلام میں یہاں سے زیادہ کسی جامع مسجد میں علمی مجلسیں نہیں ہوتیں۔ نہ یہاں سے زیادہ کسی شہر کے ساحل پر جہازات لنگر ڈالتے۔

موصل۔ یہ مقام اسلام سے پہلے بھی موجود تھا لیکن اسوقت اسکی حالت یہ تھی کہ ایک قلعہ اور اس کے پاس عیسائیوں کے چند معبد تھے، حضرت عمر کے عہد میں شہر کی حیثیت آباد ہوا، ہرثمہ بن عرقبہ نے اسکی بنیاد رکھی اور قبائل عرب کے متعدد محلے آباد کیے، ایک خاص جامع مسجد بھی تعمیر کرائی۔ ملکی حیثیت سے یہ شہر ایک خاص حیثیت رکھتا ہے یعنی اس کے درمیان سے مشرق اور مغرب کا وائڈ املتا ہے اور شاید یہی مناسبت سے اس کا نام موصل

رکھا گیا۔ یا قوت حموی نے لکھا ہے کہ یہ شہر سب کے ذہن کے بڑے بڑے شہر ہیں۔ نیشاپور جو مشرق کا دروازہ ہے، اردشیر جو مغرب کا دروازہ ہے، اور وصل جو مشرق و مغرب کا گذر گاہ ہے، بینی آدمی کی طرف جانا چاہے تو اسکو یہاں سے ضرور گذرنا پڑتا ہے۔ اس شہر نے بھی فتنہ رفت نہایت ترقی کی چنانچہ اسکی وسعت اور عظمت کے حالات بمعجم البلدان اور جغرافیہ ہستاری وغیرہ میں تفصیل سے ملتے ہیں۔

چیرق یہ ایک اچھوٹا شہر ہے جو دریائے نیل کے غریب جانب فسطاط کے مقابل واقع ہے۔ عمر بن العاص اسکندریہ کی فتح کے بعد جب فسطاط میں آئے تو اس غرض کے لئے کہ رومی و ایرانی کی طرف سے نہ چڑھ آئیں، تھوڑی سی فوج اس مقام میں متعین کر دی جس میں حمیرا، ہمدان کے قبیلے کے لوگ تھے۔ فسطاط کی آبادی کے بعد عمرو بن العاص نے ان لوگوں کو ہلالینا چاہا لیکن ان کو دریا کا منظر ایسا پسند آیا تھا کہ وہ یہاں سے ہٹنا نہیں چاہتے تھے اور حجت یہ پیش کی کہ ہم جہاد کے لئے یہاں آئے تھے اور ایسے عمدہ مقصد کو چھوڑ کر اور یہاں نہیں جاسکتے عمرو بن العاص نے ان حالات کی اطلاع حضرت عمر کو دی، وہ اگرچہ دریا کے نام سے گھبراتے تھے لیکن مصلحت دیکھ کر اجازت دی اور ساتھ ہی یہ حکم بھی کہ ان کی حفاظت کے لئے ایک قلعہ تعمیر کیا جائے چنانچہ سلمہ میں قلعہ کی بنیاد پڑی اور سلمہ میں بنکر تیار ہوا۔ یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ جب قلعہ بننا شروع ہوا تو قبیلہ ہمدان نے کہا کہ ہم نامردوں کی طرح قلعہ کی پناہ میں نہیں رہنا چاہتے، ہمارا قلعہ ہماری تلوار ہے، چنانچہ یہ قبیلہ اور ان کے ساتھ بعض اور قبیلوں نے قلعہ سے باہر کھلے میدان میں ڈیرے ڈالے اور ہمیشہ وہیں رہے۔

حضرت عمر کی برکت سے یہ چھوٹا سا مقام بھی علمی حیثیت سے خالی نہیں رہا چنانچہ بڑے بڑے محدث یہاں پیدا ہوئے ان میں سے بعض کے نام بمعجم البلدان میں مذکور ہیں۔

صیف فوج

اسلام سے پہلے دنیا میں اگرچہ بڑی بڑی غلیم نشان سلطنتیں گزر چکی تھیں جن کی بقیہ یادگاریں خود اسلام کے عہد میں بھی موجود تھیں۔ لیکن فوجی سسٹم جہاں جہاں تھا غیر منظم اور اصول سیاست کے خلاف تھا۔ روم کبیر میں جبکی سلطنت کسی زمانے میں تمام دنیا پر چھا گئی تھی فوج کے انتظام کا یہ طریقہ تھا کہ ملک میں جو لوگ نام و نمود کے ہوتے تھے اور سپہ گری و سپہ سالاری کا جو ہر رکھتے تھے ان کو بڑی بڑی جاگیریں دی جاتی تھیں اور یہ عہد لیا جاتا تھا کہ جنگی مہمات کے وقت۔ اس قدر فوج لیکر حاضر ہونگے، یہ لوگ تمام ملک میں پھیلے ہوئے ہوتے تھے اور خاص خاص تعداد کی فوجیں رکھتے تھے، لیکن ان فوجوں کا تعلق براہ راست سلطنت سے نہیں ہوتا تھا اور اس وجہ سے اگر یہ لوگ کبھی علم بغاوت بلند کرتے تھے تو انکی فوج ان کے ساتھ ہو کر خود سلطنت کا مقابلہ کرتی تھی۔ اس طریقے کا نام فیوڈل سسٹم تھا اور یہ فوجی افسر بیرن کہلاتے تھے، اس طریقے نے یہ وسعت حاصل کی کہ بیرن لوگ بھی اپنے نیچے اس قسم کے جاگیر دار اور علاقہ دار رکھتے تھے اور سلسلہ سلسلہ بہت سے طبقے قائم ہو گئے تھے، ایران میں بھی قریب قریب یہی دستور تھا، فارسی میں جنکو مزربان اور دہقان کہتے ہیں وہ اسی قسم کے جاگیر دار اور زمیندار تھے، اس طریقے نے روم کی سلطنت کو دراصل برباد کر دیا تھا اور آج تو عام طور پر مسلم ہے کہ یہ نہایت برا طریقہ تھا۔

فوجی نظام
رومی
میں

فوجی نظام
فارسی

فوجی نظام
فارسی

فرانس میں لاشہ تک فوج کی تنخواہ یا روزنیہ کچھ نہیں ہوتا تھا۔ فتح کی لوٹ میں جو مل جاتا تھا وہی قمرے وال کر تقسیم کر دیا جاتا تھا، اس زمانے کے بعد کچھ ترقی ہوئی تو وہی روم کا فیوڈل سسٹم قائم ہو گیا چنانچہ اسلام کے بعد لاشہ تک یہی طریقہ جاری رہا۔

عرب میں شاہانِ مین وغیرہ کے ہاں فوج کا کوئی منتظم بندوبست نہیں تھا۔ اسلام کے آغاز تک اسکی ضرورت ہی نہیں پیش آئی، حضرت ابوبکر کے عہد میں صرف اسقدر ہوا کہ خلافت کے پہلے سال غنیمت سے جسقدر بچا وہ سب لوگوں پر ۱۰-۱۰ روپے کے حساب سے تقسیم کر دیا گیا، دوسرے سال آمدنی زیادہ ہوئی تو یہ تعداد اس سے بیس تک پہنچ گئی، لیکن فوج کی کچھ تنخواہ نہ رہی ہوئی، نہ اہل فوج کا کوئی رجسٹر بنا، نہ کوئی حکمہ جنگ قائم ہوا، حضرت عمر کی اوائلِ خلافت تک بھی یہی حال رہا لیکن سلسلہ ہی میں حضرت عمر نے اس صیغے کو اسقدر منتظم اور باقاعدہ کر دیا کہ اسوقت کے لحاظ سے تعجب ہوتا ہے۔

حضرت عمر کے توجہ کرنے کے مختلف اسباب بیان کیے گئے ہیں عام روایت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر یہ جو بحرین کے حاکم مقرر کیے گئے تھے پانچ لاکھ درہم لیکر مدینہ میں آئے اور حضرت عمر کو اس کی اطلاع دی، پانچ لاکھ کی رقم اس وقت اسقدر عجوبہ چیز تھی کہ حضرت عمر نے فرمایا خیر ہے! کہتے کیا ہو؟ انھوں نے پھر پانچ لاکھ کہا، حضرت عمر نے فرمایا تم کو گنتی بھی آتی ہے؟ ابوبکر یہ نے کہا ہاں، یہ کہہ کر پانچ دفعہ لاکھ لاکھ کہا۔ حضرت عمر کو یقین آیا تو مجلسِ شوریٰ منعقد کی اور رائے پوچھی کہ اسقدر زرِ کثیر کیونکر صرف کیا جائے؟ حضرت علی، حضرت عثمان اور دیگر صحابہ نے مختلف تجویزیں پیش کیں، ولید بن ہشام نے کہا کہ میں نے شام کے والیان ملک کو دیکھا ہے کہ ان کے ہاں فوج کا دفتر اور رجسٹر مرتب رہتا ہے، حضرت عمر کو یہ رائے پسند آئی اور فوج کی اسم نویسی اور ترتیبِ دفتر کا خیال پیدا ہوا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ رائے دہندہ نے سلاطینِ عجم کا حوالہ دیا اور یہی روایت قرینِ قیاس ہے کیونکہ جب دفتر مرتب ہوا تو اس کا نام دیوان رکھا گیا اور یہ فارسی لفظ ہے، دبستان - دبیر - دفتر دیوان - سب ایک مادہ کے الفاظ

ہیں جنکا مشترک مادہ وہ وہ ایک پہلوی لفظ ہے جسے ملتے جلتے نگاہ رکھنے کے ہیں۔

بہر حال سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے فوج کا ایک مستقل محکمہ قائم کرنا چاہا، اس باب میں اُن کی سب سے زیادہ قابل لحاظ وجوہ ترقی وہ تمام ملک کا فوج بنانا تھا۔ انھوں نے اس سلسلے کو کم ہر مسلمان، فوج اسلام کا ایک سپاہی ہے، باقاعدہ طور سے عمل میں لانا چاہا لیکن چونکہ ابتدا میں ایسی تعمیر ممکن نہ تھی اول قریش اور انصار سے شروع کیا۔ مدینہ منورہ میں اس وقت تین شخص بہت بڑے تساب اور حساب کتاب کے فن میں استاد تھے۔ مخمر بن نوفل، جبیر بن مطعم عقیل بن ابی طالب۔ علم الانساب۔ عرب کا موروثی فن تھا۔ اور خاص کر یہ تینوں بزرگ اس فن کے لحاظ سے تمام عرب میں ممتاز تھے، حضرت عمرؓ نے اُن کو بلا کر یہ خدمت سپرد کی کہ تمام قریش اور انصار کا ایک دفتر تیار کریں جس میں ہر شخص کا نام و نسب تفصلاً درج ہو، ان لوگوں نے ایک نقشہ بنا کر پیش کیا جس میں سب سے پہلے بنو ہاشم پھر حضرت ابو بکرؓ کا خاندان پھر حضرت عمرؓ کا قبیلہ تھا، یہ ترتیب اُن لوگوں نے خلافت و حکومت کے لحاظ سے قرار دی تھی لیکن اگر وہ قائم رہتی تو خلافت خود غرضی کا آلہ بن جاتی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ "یوں نہیں بلکہ آنحضرتؐ کے قرابت داروں سے شروع کرو اور درجہ بدرجہ جو لوگ جتقدر آنحضرتؐ سے دور ہوتے گئے ہیں اسی ترتیب سے اُن کے نام آخر میں لکھتے جاؤ یہاں تک کہ جب میرے قبیلے تک نہایت آئے تو میرا نام بھی لکھو۔" اس موقع پر یہ یاد رکھنا چاہیے کہ خلفائے اربعہ میں سے حضرت عمرؓ کا نسب سب سے اخیر میں جا کر آنحضرتؐ سے ملتا ہے، غرض اس ہدایت کے موافق رجسٹر تیار ہوا اور حسب ذیل تنخواہیں مقرر ہوئیں۔

سلسلہ جاحظ نے کتاب البیان و التبيين در جلد دوم صفحہ ۳۰ مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ تمام قریش میں چار شخص شامی عرب اور سائبانہ کے حافظ تھے مخمر بن نوفل، ابو جہم، حبیط بن عبد العزیٰ عقیل بن ابی طالب ۱۲ سلسلہ تنخواہوں کی تفصیل میں مختلف رد ہیں۔ میں نے کتاب الخراج صفحہ ۲۲ و تفریزی جلد اول صفحہ ۹ و ہامز صفحہ ۴۴ و بیہقی جلد اول صفحہ ۷۵ و طبری صفحہ ۲۴۱ کے بیانات کو ملے الامکان مطابق کر کے لکھا ہے ۱۲

نام ملک
بج بنانا

(۱) جو ہر وقت جنگی مہمات میں مصروف رہتے تھے۔ گویا یہ فوج نظام یعنی باقاعدہ فوج تھی،
 (۲) جو معمولاً اپنے گھروں پر رہتے تھے لیکن ضرورت کیوقت طلب کیے جاسکتے تھے ان کو
 عربی میں مطلوبہ کہتے ہیں اور آجکل کی اصطلاح میں اس قسم کی فوج کو وائسیر کہا جاتا ہے البتہ
 انسا فرق ہے کہ آج کل وائسیر تنخواہ نہیں پاتے۔

فوجی نظم و نسق کا یہ پہلا دیباچہ تھا اور اسوجہ سے اس میں بس بے ترتیبیاں بھی تھیں سب
 بڑا خلط بھٹ یہ تھا کہ فوجی تنخواہوں کے ساتھ پولٹکل تنخواہیں بھی شامل تھیں اور دونوں
 کا ایک ہی رجسٹر تھا لیکن رفتہ رفتہ یعنی سلسلہ میں حضرت عمرؓ نے اس صیغے کو اس قدر مرتب اور
 منظم کر دیا کہ غالباً اس عہد تک کہیں اور کبھی نہیں ہوا تھا۔ چنانچہ ہم ایک ایک جزئی انتظام کو اس
 مجموعہ پر نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں جس سے معلوم ہو گا کہ عرب کے ابتدائے تمدن میں نظامات
 فوجی کی اس قدر نشانیں قائم کرنی اور ایک ایک شلح کا اس حد تک مرتب اور باقاعدہ کرنا اسی شخص کا
 کام تھا جو فاروق اعظم کا لقب رکھتا تھا۔

اس صیغے میں سب سے مقدم اور اصولی انتظام ملک کا جنگی حیثیت سے مختلف حصوں میں
 تقسیم کرنا تھا، حضرت عمرؓ نے سلسلہ میں فوجی اور ملکی حیثیت سے ملک کی دو تقسیمیں کیں ملکی اور فوجی۔ ملکی کا

(تقریباً صفحہ ۷۷) بچے چنانچہ حضرت عمرؓ کے ولی کے قول پر عمل کیا، دوسرے بہ کن لوگوں سے جنگی خدمت نہیں بھاتی تھی اور قدیم
 جنگی خدمتوں کا اشتقاق بھی نہیں رکھتے تھے حضرت عمرؓ کی تنخواہ میں مقرر ہاتے ہی بارگاہ کہ لوگوں کو تنخواہ نہیں ملتی تھی منجہ اہلخانہ میں
 ہے ان عمر کاں لاسطی اہل مملکتہ سلطانہ اولاً یصوب علیہم اعتباراً یعنی جو بھی کہ حسب مرتبہ بنوں نے حضرت ابو عبیدہؓ سے حواہ
 کی تعزیری کی دفعہ دست کی نو اصرار فرمایا کہ جب تک آبادی میں رہے والوں کی تنخواہیں مقرر نہ ہوں تو میں مقرر نہیں ہو سکتا،
 البتہ ہمیں شک نہیں کہ اول اول فوج کے رجسٹر میں اور بھی بہت سی قسم کے لوگ شامل تھے مثلاً جو لوگ قرآن مجید حفظ کر لیتے تھے یا کسی فن
 میں صاحب کمال تھے لیکن انھار سے معلوم ہوتا ہے کہ رفتہ رفتہ یہ طبقہ محبت جو بغیر وقت اختیار کیا گیا تھا شاید ہی مضمون میں آگے پہنچے
 آتی ہے۔

وجہ صدر
مقامات

حال دیوانی انتظامات کے ذکر میں گزر چکا۔ فوجی حیثیت سے چند بڑے بڑے فوجی مرکز قرار دیئے
جس کا نام چند رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے، اُن کی تفصیل یہ ہے۔ مدینہ۔ کوفہ۔ بصرہ
موصل۔ فسطاط۔ مصر۔ دمشق۔ حمص۔ اردن۔ فلسطین۔ حضرت عمر کے زمانے میں فتوحات کی حد
اگرچہ بلوچستان کے ڈانڈے سے لگتی تھی لیکن جو ممالک آئینی ممالک کہے جاسکتے تھے وہ
صرف عراق۔ مصر۔ جزیرہ۔ اور شام۔ تھے، چنانچہ اسی اصول پر فوجی صدر مقامات بھی ان ہی
ممالک میں قائم کیے گئے۔ موصل۔ جزیرہ کا صدر مقام تھا۔ شام کی وسعت کے لحاظ سے وہاں
متعدد صدر مقام کرنے ضرور تھے اس لیے دمشق۔ فلسطین۔ حمص۔ اردن چار صدر
مقام قرار دیئے۔ فسطاط کی وجہ سے جو اب قاہرہ سے بدل گیا ہے۔ تمام مصر پر اثر پڑتا تھا۔ بصرہ
کوفہ۔ یہ دو شہر فارس اور خوزستان اور تمام مشرق کی فتوحات کے دروازے تھے۔
ان صدر مقامات میں جو انتظامات فوج کے لیے تھے حذف تھے۔

وجہ ہجر

(۱) فوجوں کے رہنے کے لیے بارکیں تھیں۔ کوفہ۔ بصرہ۔ فسطاط یہ تینوں شہر تو دواصل فرج
کے قیام اور بود و باش کے لیے آباد ہی کیے گئے تھے۔ موصل میں عجمیوں کے زمانے کا ایک قلعہ اور
چند گرجے اور معمولی مکانات تھے۔ ہرثمہ بن عوفہ ازوی (گورنر موصل) نے حضرت عمر کی ہدایت کے
بموجب وایع بیل ڈال کر اسکو شہر کی صورت میں آباد کیا اور عرب کے مختلف قبیلوں کے لیے جلا جلا
محلے بنائے۔

مکہ شریف
مکہ

(۲) ہر جگہ بڑے بڑے مطبل خانہ تھے جن میں چار چار نہر ارگھوٹے ہر وقت ساز و سامان کے
ساتھ تیار رہتے تھے۔ یہ صرف اس غرض سے نہیں رکھے جاتے تھے کہ دفعۃً ضرورت پیش آجائے تو

۱۵ خدیجہ بنی کے لیے دیکھو متوجہ اہل دین صفحہ ۱۳۲۔ سورج نقوی نے وائس سلطہ میں لکھا ہے کہ اس سال حضرت عمر نے وجہ صدر مقامات

قائم کیے لیکن سورج مذکور نے صرف فلسطین۔ جزیرہ۔ موصل۔ اور فلسطین کا نام بھاسے، یہ مرنع غلطی ہے۔

۳۲ ہزار سواروں کا رسالہ فو اتیار ہو جائے۔ سترہ برس میں جریرہ والوں نے دفعۃً بغاوت کی تو یہی بھیر
کلیدہ طغر تھیری۔ ان گھوڑوں کی پردخت اور تربیت میں نہایت اہتمام کیا جاتا تھا مدینہ منورہ کا
انتظام حضرت عمرؓ نے خود اپنے اہتمام میں رکھا تھا شہ سے چار منرل پرایک چراگاہ تیار کرائی تھی
اور خود اپنے غلام کو جب کا نام ہنٹی تھا اسکی حفاظت اور نگرانی کے بے سقر کیا تھا۔ ان گھوڑوں کی
رانوں پر داغ کے ذریعے سے ایف ساط لکھے جاتے تھے حسن فی سلسلہ اللہ کو فہیں اس کا
اہتمام سلمان بن ربیعہ السبلی کے متعلق تھا جو گھوڑوں کی شناخت اور پردخت میں کمال کتے
تھے یہاں تک کہ ان کے نام میں بیضی صوبت دخل ہو گئی تھی۔ اور سلمان انیل کے ماہ سے بیکار
جاتے تھے۔ جاڑوں میں یہ گھوڑے عطبل خانے میں رکھے جاتے تھے چنانچہ حوضی سی تک
یہ جگہ آری کے نام سے مشہور تھی جس کے منے عطبل خانہ کے ہیں اور سی لحاظ سے عجی اس کو
آخر شاہ جہاں کہتے تھے۔ بہار میں یہ گھوڑے ساحل فرات پر عاقول کے قریب شاہ اجپا کا ہوا
میں چرائے جاتے تھے۔ سلمان ہمیشہ گھوڑوں کی تربیت میں نہایت کوشش کرتے تھے اور ہمیشہ
سال میں ایک دفعہ گھوڑو ڈور بھی کراتے تھے۔

خاص کر عمدہ نسل کے گھوڑوں کو انھوں نے نہایت ترقی دی، اس سے پہلے اہل عرب
نسل میں ماں کی پروا نہیں کرتے تھے، سب سے پہلے سلمان نے یہ امتیاز قائم کیا چنانچہ جس گھوڑے

۱۵ تاریخ طبری ص ۲۵۰ میں ہو کار، العمار دعة الاف حرس عدة لکوں ان کان یستنبہا فی قبلہ قصر الکوفة۔ وبالبحر
نحو مہاو فیدہ علیہا حوٹس معاویہ وفی کل مصر من الامصار التمانہ علی قدر ہادان ماتمہ نایبہ وکب قوم وفقدوا
الی ان یسعد الداس ۱۲ حضرت عمرؓ کے گھوڑوں اور اونٹوں کی بردش اور پردخت کے لیے وہیں متعدد چراگاہیں تیار کرائی تھیں سب سے
بڑی چراگاہ مقام ربیعہ میں سی حیدر منورہ سے ۴ منرل کے فاصلے پر سی ملع میں واقع ہے یہ چراگاہ۔ ۱۰ میل ہی اور سجدہ چڑی تھی دوسری مقام
ضرہ میں سی جبکہ سجدہ سے سات منرل پر ہے اسکی وحسن ہر طرف سے فوجیہ سل تھی ہیں فریادہ ہزار اونٹ پردش پٹے تھے ان چراگاہوں کی
پوری تفصیل علامۃ الوباء خاں دارالصلطہ مطبوعہ مصر ۱۲۵۵ و ۲۵۹۶ میں ہے ۱۵ کثر التماہل طرہ ص ۳۴۱۔

کی ماں عربی نہیں ہوتی تھی اُسکو دُغلا فرارے کر تقسیم غنیمت میں سوار کو حصے سے محروم کر دیتے تھے
بصرہ کا اہتمام خربن معاویہ کے متعلق تھا جو صوبہ اہواز کے گورنر رہ چکے تھے۔

(۳۷) فوج کے متعلق ہر قسم کے کاغذات اور دفرائی مقامات میں رہتا تھا۔

(۳۸) رسد کے لیے جو غلہ اور اجناس مہیا کی جاتی تھیں وہ انہی مقامات میں رکھی جاتی تھیں
اور یہیں سے اور مقامات کو بھیجی جاتی تھیں۔

ان صدر مقامات کے علاوہ حضرت عمرؓ نے بڑے بڑے شہروں اور مناسب مقامات میں
نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔ اور عرب کو تمام ممالک مفتوحہ میں پھیلا دیا اگرچہ یہ
انکا عام اصول تھا کہ جو شہر فتح ہوتا تھا اُسی وقت ایک مناسب تعداد کی فوج وہاں متعین کر دی
جاتی تھی جو وہاں سے ملتی نہ تھی۔ چنانچہ حضرت ابو عبیدہؓ نے جب شام فتح کیا تو ہر بر ضلع میں
ایک عامل مقرر کیا جس کے ساتھ ایک معتد بہ فوج رہتی تھی، لیکن انہی واماں قائم ہونے پر بھی
کوئی بڑا ضلع یا شہر ایسا نہ تھا جہاں فوجی سلسلہ قائم نہیں کیا گیا۔

ساتھ میں حضرت عمرؓ نے جب شام کا سفر کیا تو ان مقامات میں جہاں ملک کی سرحد
دشمن کے ملک سے ملتی تھی یعنی دلوک، بنج، رعیان، قورس، تیرین، انطاکیہ وغیرہ (عربی
میں ان کو فرج یا ثغور کہتے ہیں) ایک ایک شہر کا دورہ کیا اور ہر قسم کا فوجی نظم و نسق اور مناسب
انتظامات کیے۔ جو مقامات دریا کے کنارے پر واقع تھے اور بلاد ساحلیہ کہلاتے تھے رہنمی
عسقلان، یافا، قیساریہ، ارسوف، عکا، صور، بیروت، طرسوس، صیدا، ایاس، لاؤقیہ، جونکہ

لے کتب رجال میں سلمان بن ربیعہ کا تذکرہ دیکھو ۱۲۵ فتح البلدان صفحہ ۱۲۸ میں یہ دو کاں المسلموں کتباً صحواً مدسہ ظاہرہ
اوعد ساحل رتوا فہا قدر من محاج لھا اللہ من المسلمین فان حدث فی شئی صہا حدث من فل العہد
الہما الامداد اور صفحہ ۱۲۸ میں ہے ودی ابو عبدہ کل کورۃ فحما عا ملا و صم اللہ جامعہ من المسلمین و شیعہ
الواحی الخوفہ ۱۲

رومیوں کی بحرِ طاق کی زد پر تھے اس لیے اسکا مستقل جہگاہ نہ منظم کیا اور اسکا افسر کل
عبداللہ بن قیس کو مقرر کیا۔ اس چونکہ غنی فرات کے ساحل پر تھا اور عراق سے ہمسہ جہ تھا،
وہاں فوجی انتظام کے ساتھ اسقدر اور انما نہ کیا کہ شامی سرب جو اسلام قبول کر چکے تھے آہا
کئے۔ ۱۰۸ھ میں جب یزید بن ابی سفیان کا انتقال ہوا تو ان کے بھائی معاویہ نے حضرت عمر
کو اہل عام وحی کہ سوا حل تمام پر زیادہ تیاری کی نہ دیتے تھے۔ حضرت عمر نے اسوقت علم جیسا کہ
تمام قلعوں کی نئے سرے مرمت کرائی جائے اور ان میں فوجیں مرتب کی جائیں اس کے ساتھ
تمام دریائی منظر گاہوں پر پہرہ والے تعینات کیے جائیں اور آگ و دشمنی کے انتظام کیا جائے
اسکندریہ میں یہ انتظام تھا کہ عمر بن العاص کی انسہری میں بقدر فوجیں تھیں اس کی
ایک چوتھائی اسکندریہ کے لیے مخصوص تھی۔ ایک چوتھائی ساحل کے مقامات میں رہتی تھی
باقی آدھی فوج خود عمر بن العاص کے ساتھ فسطاط میں اقامت رکھتی تھی۔ یہ فوجیں بڑے
بڑے وسیع ایوانوں میں رہتی تھیں اور ہر ایوان میں ان کے ساتھ ایک عریف رہتا تھا۔
جو ان کے قبیلہ کا سردار ہوتا تھا اور جبکی معرفت ان کو تنخواہیں تقسیم ہوتی تھیں۔ ایوانوں
کے آگے صحن کے طور پر وسیع اقامتہ زمین ہوتی تھی۔

۱۰۸ھ تاریخ طبری میں سنہ ۲۵۲ھ میں عبارت یہ ہے قسم عمر الادراق و سبی الشوائب و الصلوف و سب فوج الشام و
مسالحھا و احزابہ و رجاء و سبی ذلک فی کل کورۃ و استعمل عبداللہ بن قیس علی السواحل من کل کورۃ ۱۲

۱۰۸ھ فتح اہل ان صوم ۱۵۰ھ میں ہے و مرتب ابو عبیدۃ بالس حمانہ من المقاتلۃ و اسکھا فوہا من العرب الذین کانوا
بالشام فاسلموا بعد قدم المسلمین الشام ۱۳

۱۰۸ھ نزع اہل ان صوم ۱۵۰ھ میں ہے ان معویۃ مکتب الی عمر بن الخطاب بعد موت اخہ زید بصف لہ حال
السواحل فمکتب الیہ فی مرۃ حصونھا و ترتب المقاتلۃ فیہا و اقامۃ الحرس علی مناظرھا
و اتخاذ المواقف لھا ۱۴ تقریری حلال صوم ۱۵۰ھ میں ہے و کان کل عریف قصر ینزل قبہ من معہ من اصحابہ
و اتحد وافیہ اخا ین ۱۲

سلسلہ میں، جب سقل نے دریا کی راہ سے مصر پر حملہ کرنا چاہا تو حضرت عمرؓ نے تمام سواحل پر فوجی چھاؤنیاں قائم کر دیں یہاں تک کہ عمرو بن العاص کی ماتحتی میں جستقدرونج تھی اُسکی ایک ہر تسانی انہی مقامات کے بیٹے مخصوص کر دی گئی۔ عواقب میں بصرہ و کوفہ اگرچہ خود محفوظ مقام تھے۔ چنانچہ خاص کوفہ میں چالیس ہزار سپاہی ہمیشہ موجود رہتے تھے اور انتظام یہ تھا کہ ان میں سے انہر۔ بیرونی قہات میں مصروف رکھے جائیں۔ تاہم ان اضلاع میں عجموں کی جو فوجی چھاؤنیاں پہلے سے موجود تھیں از سر نو تعمیر کر کے فوجی قوت سے مضبوط کر دی گئیں۔ خرمیہ اور زبوقہ میں سات چھوٹی چھوٹی چھاؤنیاں تھیں وہ سب نئے ہر سے تعمیر کر دی گئیں۔

صوبہ خوستان میں نہایت کثرت سے فوجی چھاؤنیاں قائم کی گئیں چنانچہ نہر تیری ساؤر سوق الاسواز سرق، ہرمران، سوس، بنیان، جندی ساہور، مہر جانتقدق، یہ تمام مقامات فوجوں سے معمور ہو گئے۔ رے اور آفر با پچان کی چھاؤنیوں میں ہمیشہ انہر فوجیں موجود رہتی تھیں۔

اسی طرح اور سینکڑوں چھاؤنیاں با بجا قائم کی گئیں جن کی تفصیل کی چنداں ضرورت نہیں البتہ اس موقع پر یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ اس سلسلے کو استقدرونج کیوں کہی گئی تھی اور فوجی مقامات کے انتخاب میں کیا اصول ملحوظ تھے؟ اصل یہ ہے کہ اس وقت تک اسلام کی فوجی قوت نے اگرچہ بہت زور اور وسعت حاصل کر لی تھی لیکن بحری طاقت کا کچھ سامان نہ تھا اُدھر یونانی مدت سے اس فن میں شائق ہوتے آتے تھے۔ اسوجہ سے شام و مصر میں اگرچہ کسی اندرونی بغاوت کا کچھ اندیشہ نہ تھا کیونکہ اہل ملک باوجود اختلاف مذہب کے سلمانوں

۱۔ دیکھو بطری صفحہ ۲۵۹۳ و مقریزی صفحہ ۱۶۷ ۲۔ تاریخ طبری صفحہ ۱۸۰ میں جو مکان بالکوتہ اذاک اربعوی الف صفاتل مکان یعز و ہذین الثغریں ای الوری واذبیحان ہم عشر الف فی کل سلسلہ مکان الوحل یصبرہ فی کل اربع سنین غزوۃ ۱۲ ۳۔ فتوح ابدال صفحہ ۳۵۰ ۴۔ طبری صفحہ ۳۶۵-۱۲

یسیائیوں سے زیادہ پسند کرتے تھے۔ لیکن رومیوں کے بحری حملوں کا ہمیشہ کھڑکا لگا رہتا تھا، اس کے ساتھ ایشیائے کوچک ابھی تک رومیوں کے قبضے میں تھا اور وہاں انکی قوت کو کوئی صدمہ نہیں پہنچا تھا۔ ان وجوہ سے ضرور تھا کہ سرحدی مقامات اور بندرگاہوں کو نہایت مستحکم رکھا جائے۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت عمرؓ نے جس قدر فوجی چھاؤنیاں قائم کیں انہی مقامات میں لیکن جو یا ساحل پر واقع تھے یا ایشیائے کوچک کے ناکے پر تھے عراق کی حالت اس سے مختلف تھی کیونکہ وہاں سلطنت کے سوا ملک کے بڑے بڑے رئیس جو مرزبان کہلاتے تھے اپنی بقاے ریاست کے لیے لڑتے رہتے تھے اور بکر مطیع بھی ہو جاتے تھے تو ان کی اطاعت پر اطمینان نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے ان ممالک میں ہر جگہ فوجی سلسلہ کا قائم رکھنا ضرور تھا کہ مدعیان ریاست بغاوت کا خواب نہ دیکھنے پائیں۔

حضرت عمرؓ نے اس سلسلے کے ساتھ انتظامات کے اور صفیوں پر بھی توجہ کی اور ایک ایک صیغے کو مستقر منظم کر دیا کہ اس وقت کے تمدن کے لحاظ سے ایک مجذہ سامعہ معلوم ہوتا ہے، فوجوں کی بھرتی کا دستہ جسکی ابتدا مہاجرین اور انصار سے ہوتی تھی وسیع ہونے ہوتے قریباً تمام عرب کو محیط ہو گیا۔ مدینہ سے عسفان تک جو مکہ معظمہ سے دو منزل اور ہر جگہ قبائل آباد تھے ایک ایک کی مردم شماری ہو کر جبرٹ بنے۔ بحرین جو عرب کا انتہائی صوبہ ہے بلکہ عرب کے جغرافیہ نویس اسکو عراق کے ضلع میں شمار کرتے ہیں وہاں کے تمام قبائل کا دفتر تیار کیا گیا۔ کوفہ، بصرہ، موصل، قسطنطنیہ، وغیرہ میں جس قدر عرب آباد ہو گئے تھے سب کے رجسٹر مرتب ہوئے۔ اس بشمار گروہ کی علی قدر مراتب تنخواہیں مقرر کی گئیں اور اگرچہ ان سب کا مجموعی شمار تارنخوں سے معلوم نہیں ہوتا تاہم قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ کم سے کم آٹھ وٹ لاکھ ہتھیار بند آدمی تھے۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ ہر سال تیس ہزار نئی فوج

ہزار تین
ہزار چالیس
یہ ہزار تھی

فتوحات پہنچی جاتی تھی۔ کوفہ کی نسبت علامہ طبری نے تصریح کی ہے کہ وہاں ایک لاکھ آدمی
رٹنے کے قابل بسائے گئے، جن میں سے ۴۰ ہزار باقاعدہ فوج تھی یعنی اُن کو باری باری
سے ہمیشہ رکے اور آذربائیجان کے مہمات میں حاضر رہنا ضرور تھا۔

یہی نظام تھا جس کی بدولت ایک مدت تک تمام دنیا پر عرب کا عرب و اب قائم رہا اور
فتوحات کا سیلاب برابر بڑھتا گیا، جس قدر اس نظام میں کمی ہوتی گئی عرب کی طاقت میں ضعف
آتا گیا۔ سب سے پہلے امیر معاویہ نے اسی تبدیلی کی بنیے شیر خوار بچوں کی تنخواہ بند کر دی
عبدالملک بن مروان نے اور بھی اسکو گھٹایا اور معتمد بالمد نے سرے سے فوجی دفتر میں
سے عرب کے نام نکال دیئے۔ اور اسی دن درحقیقت، حکومت بھی مسلمانوں کے ہاتھ سے
نکل گئی۔ یہ ایک اتفاقیہ جملہ بیچ میں آگیا تھا، ہم پھر حضرت عمر کے فوجی نظام کی طرف واپس
آتے ہیں۔ حضرت عمر نے فوجی دفتر کو یہاں تک وسعت دی کہ اہل عجم بھی اُسیں داخل کیے
گئے۔ یزید و گردشاہنشاہ فارس نے ولیم کی قوم سے ایک منتخب دستہ تیار کیا تھا جس کی
تعداد چار ہزار تھی اور جندشاہنشاہ یعنی فوج خاصہ کہلاتا تھا۔ یہ فوج قادیسیہ میں کئی معرکوں
کے بعد ایرانیوں سے علیحدہ ہو کر اسلام کے حلقے میں آگئی، سعد بن ابی وقاص گورنر کوفہ نے
ان کو فوج میں داخل کر لیا اور کوفہ میں آباد کر کے اُن کی تنخواہیں مقرر کر دیں۔

فوج ہجری
۱۱۱ اور ۱۱۲
اور ۱۱۳
وہاں تھے

چنانچہ اسلامی فتوحات میں ان کا نام بھی جا بجا تاریخوں میں آتا ہے۔ یزید جردی فوج ہزل
کا سردار ایک بڑا نامی افسر تھا جو سپاہ کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ ساتھ میں یزید و گردشاہنشاہ
کو روانہ ہوا تو سپاہ کو تین سو سواروں کے ساتھ جن میں نشر بڑے بڑے نامی پہلوان تھے
اصطخر کی طرف بھیجا کہ ہر ہر شہر سے چیدہ بہا و منتخب کر کے ایک دستہ تیار کرے۔ ابو بکر

۱۱۱ کنز العمال جلد ۱ صفحہ ۳۳۱ امام مالک نے ۳۳ ہزار کے بجائے ۴۰ ہزار کی تعداد بیان کی جو ۱۱۲ھ میں ہمدان ۲۸۰

اشعری نے جب سترہ میں سوس کا محاصرہ کیا تو نیر و گردو نے سیاہ کو حکم دیا کہ اس چیدہ ریلے کے ساتھ ابو موسیٰ کے مقابلے کو جائے، سوس کی فتح کے بعد سیاہ نے مع تمام سرداروں کے ابو موسیٰ سے چند شرائط کے ساتھ امن کی درخواست کی۔ ابو موسیٰ کو ان شرائط پر راضی نہ تھے لیکن کیفیت واقعہ سے حضرت عمر کو اطلاع دی۔ حضرت عمر نے لکھ بھیجا کہ تمام شرائط منظور کر لیے جائیں چنانچہ وہ سب کے سب بصرہ میں آباد کیے گئے اور فوجی دفتر میں نام لکھا جا کر ان کی تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔ انہیں سے چھ افسروں کی رجن کے نام یہ تھے سیاہ، خسرو، شہر پار، شہر ویہ، شہر وین، (افرو دین) ڈھانی ڈھانی نہر اور تسو بہادروں کی دودو نہر تنخواہ مقرر ہوئی۔ تتر کے معرکہ میں سیاہ ہی کی تدبیر سے فتح حاصل ہوئی۔

ہاذان۔ تو شیروان کی طرف سے مین کا گورنر تھا، اسکی رکاب میں جو ایرانی فوج تھی انہیں سے اکثر مسلمان ہو گئے تھے۔ ان کا نام بھی دفتر فوج میں لکھا گیا۔ تعجب یہ ہے کہ فاروقی لشکر ہندوستان کے بہادروں سے بھی خالی نہ تھا۔ سندھ کے جاٹ جنکو اہل عرب زط کہتے تھے، نیر و گردو کے لشکر میں شامل تھے۔ سوس کے معرکہ کے بعد وہ اسلام کے حلقہ بگوش ہوئے اور فوج میں بھرتی ہو کر بصرہ میں آباد کیے گئے۔

یونانی اور رومی بہادر بھی فوج میں شامل تھے۔ چنانچہ فتح مصر میں ان میں سے پانچو آدمی شریک جنگ تھے۔ اور جب عمرو بن العاص نے قسطنطین آباد کیا تو یہ جہاگانہ محلے میں آباد کیے گئے۔ یہودیوں سے بھی یہ سلسلہ خالی نہ تھا، چنانچہ مصر کی فتح میں ان میں سے ایک نہر آدمی اسلامی فوج میں شریک تھے۔

سلسلہ ہری و نقات سترہ کن فتح سوس و فتح اسبدان از صفحہ ۲۷ تا ۲۸ فتح اسبدان صفحہ ۲۷

سلسلہ تفریض صفحہ ۲۹ میں ان سب کے حالات کسی قدر تفصیل سے کیے ہیں۔

غرض حضرت عمرؓ نے صبیحہ جنگ کو جو وسعت دی تھی اُس کے لیے کسی قوم اور کسی ملک کی تخصیص نہ تھی یہاں تک کہ مذہب و ملت کی بھی کچھ قید نہ تھی، والٹیر فوج میں تو نبراروں مجوسی شامل تھے جنکو مسلمانوں کے برابر شاہرے ملتے تھے۔ فوج نظام میں بھی مجوسیوں کا تہ ملنا ہے چنانچہ اکی تفصیل غیر قوموں کے حقوق کے ذکر میں لگی لیکن یہ یاد رکھنا چاہیے کہ صبیحہ جنگ کی یہ مدت جس میں تمام قوموں کو داخل کر لیا گیا تھا صرف اسلام کی ایک فیاضی تھی ورنہ فتوحات ملکی کے لیے یہ سب کو اپنی تلوار کے سوا اور کسی کا کسی ممنون ہونا نہیں پڑا۔ البتہ اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ جرن قوموں متقابلہ تھا انھیں کے ہتھیاروں کو اُن سے لڑنا مناف جنگ کا بڑا اصول تھا۔

کہ خیر گوش بہر مزر ابے شکفت سب ان ولایت تواند گرفت

جیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ ابتدائے نظام میں فوجی صنف صاف جداگانہ حیثیت نہیں رکھتا تھا یعنی جو لوگ اوز اور حیثیت سے تنخواہیں پاتے تھے اُن کے نام بھی فوجی جہت میں درج تھے اور اوقات یہی مصلحت تھی۔ حضرت عمرؓ نے اب یہ پردہ بھی اٹھا دینا چاہا شروع شرع میں تنخواہ کی کمی بیشی میں قرآن خوانی کے وصف کا بھی لحاظ ہوتا تھا لیکن چونکہ اس کو فوجی امور سے کچھ تعلق نہ تھا۔ حضرت عمرؓ نے اُسکو صبیحہ تعلیم سے تعلق کر کے اس دفتر سے الگ کر دیا۔ چنانچہ سعد بن وقاص کو یہ القاط لکھ بھیجے کہ لا لعل علی القرآن احداً

اسکے بعد تنخواہوں کی ترقی کی طرف توجہ کی، چونکہ وہ فوج کو زراعت، تجارت، اور اس قسم کے تمام اشتغال سے بزور بازو رکھتے تھے اس لیے ضرور تھا کہ اُن کی تمام ضروریات کی کفالت کی جائے، اس لحاظ سے تنخواہوں میں کافی اضافہ کیا ادنیٰ سے ادنیٰ شرح جو ۲۰۰ سالانہ تھی ۳۰۰ کر دی۔ افسروں کی تنخواہ سات ہزار سے لیکر دس ہزار تک بڑھادی، بچوں کی تنخواہ دو چھوڑنے کے دن سے مقرر ہوتی تھی اب حکم دیدیا کہ پیدا ہونے کے دن سے مقرر کر دی جائے

رکھنا تھا

رسد کا بندوبست پہلے صرف مقرر تھا کہ وہیں شکار و سیہ میں پونچیں تو اس پاس کے وہاں پر حملہ کر کے جنس اور غلہ لوٹ لیں۔ مہینہ گوشت کا بندوبست دار الحکومت سے تھا یعنی حضرت عمر مدینہ منورہ سے پہنچا کرتے تھے۔ یہ انتظام ہوا کہ متوہ قوموں سے چیز کے ساتھ فی کس ۲۵ - اشارہ لیا جاتا تھا اور وہ رسد کے کام میں لگتا تھا۔ مصر میں غلے کے ساتھ روغن زیتون، شہد اور سرکہ، بی و صول کیا جاتا تھا جو سپاہیوں کے لیے سالن کا کام دیتا تھا خبر یہ میں بھی جی انتظام تھا لیکن ہمیں رعایا کو زحمت ہوتی تھی چنانچہ حضرت عمرؓ نے آخر اس کے بجائے نقد ہی مقرر کر دی۔ جسکے رعایا نے نہایت خوشی سے قبول کیا۔ رفتہ رفتہ حضرت عمرؓ نے رسد کا ایک مستقل محکمہ قائم کیا جسکا نام امیرا تھا چنانچہ شام میں عمرو بن ابیہؓ اس محکمہ کے افسر مقرر ہوئے۔ امیرا ہری کی جمع ہے ہری ایک یونانی لفظ ہے جس کے معنی گودام کے ہیں چونکہ رسد کے یکجا جمع ہونے اور وہاں سے تقسیم ہونے کا یہ طریقہ یونانیوں سے لیا گیا تھا اس لیے نام میں بھی وہی یونانی لفظ قائم رہا، تمام جنس اور غلہ ایک وسیع گودام میں جمع ہوتا تھا اور جہیز کی پہلی تاریخ فی سپاہی ایک من ۱۰ اشار کے حساب سے تقسیم ہوتا تھا، اس کے ساتھ فی کس ۲۰ اشار روغن زیتون اور ۲ اشار سرکہ بھی ملتا تھا۔ اس کے بعد اور بھی ترقی ہوتی یعنی خشک جنس کے بجائے پکا پکا کھانا ملتا تھا چنانچہ مورخ یعقوبی نے حضرت عمرؓ کے سفر شام کے ذکر میں اسکی تصریح کی ہے۔ تنخواہ اور نوک کے علاوہ کپڑا بھی و بار خلافت سے ملتا تھا جسکی تفصیل وروسی کے ذکر میں آئیگی۔ ان تمام باتوں کے ساتھ مجتہد بھی مقرر تھا جسکو عربی میں متوہ کہتے ہیں، سواری کا گھوڑا سواروں کو اپنے اہتمام سے مہیا کرنا ہوتا تھا۔ لیکن جو شخص کم مایہ ہوتا تھا

رسد کا مستقل محکمہ

محکمہ رسد

لے روح البلدان ص ۲۵۶ اہل عارت یہ ہے فاذا احتاجوا الى العلف والطعام اخروا جولا في البر فاساروا على

اسفل الغوات وكان عمر يبعث اليهم من المدينة الغنم والجن ۱۲ ۱۳ نوح البلدان ص ۲۶۹ ۲۷۰ ۲۷۱ تاریخ ہری ص ۲۵۲۶ - امیرا کے معنی اور غنیم کے لیے دیکھو لسان العرب اور نوح البلدان صفحہ ۲۰۸

اور اُس کی تنخواہ بھی ناکافی ہوتی تھی اُسکو حکومت کی طرف سے گھوڑا ملتا تھا چنانچہ خاص اس غرض کے لئے حضرت عمر کے حکم سے خود دار الخلافہ میں چار نہر لکھوڑے ہر وقت موجود رہتے تھے۔

بچہ تنخواہ وغیرہ کی تقسیم کے اوقات مختلف تھے۔ شروع محرم میں تنخواہ، فصل بہار میں بچہ اور فصل کٹنے کی وقت خاص خاص جاگیروں کی آمدنی تقسیم ہوتی تھی۔ تنخواہ کی تقسیم کا یہ طریقہ تھا کہ ہر قبیلے کے ساتھ ایک عریف یعنی مقدم یار میں ہوتا تھا، فوجی انسر جو کم سے کم ۱۰-۱۰ سپاہیوں پر انسر ہوتے تھے اور حوامراء الاغشار کہلاتے تھے تنخواہ اُن کو دی جاتی تھی، وہ عریف کو والہ کرتے تھے اور عریف اپنے اپنے قبیلے کے سپاہیوں کو حوالہ کرتے تھے۔ ایک ایک عریف کے متعلق ایک ایک لاکھ درہم کی تقسیم تھی چنانچہ کوفہ و بصرہ میں سو عریف تھے جن کے ذریعے سے ایک کروڑ کی رقم تقسیم ہوتی تھی۔ اس انتظام میں نہایت احتیاط اور خبرگیری سے کام لیا جاتا تھا، عراق میں امراءے عشار نے تنخواہوں کی تقسیم میں بے اعتدالی کی تو حضرت عمر نے عرب کے بڑے بڑے نساب اور اہل الرائے مثلاً سعید بن عمران، مشعلہ بن نعیم، وغیرہ کو بلا کر اسکی جانچ پر مقرر کیا چنانچہ ان لوگوں نے دوبارہ نہایت تحقیق اور صحت کے ساتھ لوگوں کے عہدے اور روزینے مقرر کیے اور وٹل وٹل کے بجائے سات سات سپاہی پر ایک ایک انسر مقرر کیا۔ عریف کا تقرر بھی فاروقی ایجادات سے تھا جسکی تعلیم دتوں تک کی گئی۔ کنز العمال باب الجہاد میں یہی کی روایت ہے اول من دون الدوابن وعوف العنقا

عمر بن الخطاب -

۱۔ کتاب الجہاد صفحہ ۲۴، اہل عہدت یہ کہان عمر بن الخطاب اربعہ الاف فرس ۵۰۰۰ نادا کان فی عطاء الرجل حصہ او کاں محتاجاً اعطاه العرس ۱۲ طری صفحہ ۲۳۸-۲۳۹ اہل عہدت یہ ہے وامرہم عجاوہم فی الربیع من کل سیدہ و باعطاہم فی الحرم من کل سنۃ و نفقہم عنہم طرہم الشحری فی کل سنۃ و ذلک عند ادراک الغلات ۱۲ ۵۰۰۰ بہ واقعات سات تفصیل کے ساتھ طری صفحہ ۲۳۹ ۲۳۹ و مفرزی صفحہ ۹۳ میں ۱۲

نواہی کی

تنخواہوں میں قدمت اور کارکردگی کے لحاظ سے وقتاً فوقتاً اضافہ ہوتا رہتا تھا۔ فادوسہ میں زہرہ، عصمتہ، جنتی، وغیرہ نے بڑے مردانہ کام کیے تھے ایسے ان کی تنخواہیں دو دو فہر سے دعائی ڈھائی ہزار ہو گئیں۔ مقررہ رقموں کے علاوہ غنیمت سے وقتاً فوقتاً جو ہاتھ آتا تھا اور علی قدر مرتب فوج پر تقسیم ہوتا تھا اسکی کچھ انتہا نہ تھی چنانچہ جلولہ میں نو نو ہزار نماندین ہتھیار چھ ہزار درہم ایک ایک سوار کے حصہ میں آئے تھے۔

صحت اور تندرستی قائم رکھنے کے لیے حسبِ قیاس قاعدے مقرر تھے۔

(۱) جارے اور گرمی کے لحاظ سے لڑائی کی جہتیں متعین کر دی تھیں یعنی جو سرد ملک تھے ان پر گرمیوں میں اور گرم ملکوں پر جاڑوں میں فوجیں بھیجی جاتی تھیں۔ اس تقسیم کا نام شہاد اور صافیتہ رکھا اور یہی اصطلاح آج تک قائم ہے یہاں تک کہ ہمارے مورخین مغربی مہمات اور فتوحات کو صرف صوائف کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ یہ نظام حضرت عمرؓ نے شہاد میں کیا تھا علامہ طبری لکھتے ہیں وسمی الشولانی والصوائف + وسمی ذلك فی کل كورة۔

اصطلاح کے لحاظ سے فوج کی تقسیم

(۲) فصل بہار میں فوجیں اُن مقامات میں بھیج دی جاتی تھیں جہاں کی آب ہوا عمدہ اور سرد و مرغزار ہوتا تھا۔ یہ قاعدہ اول اول شہاد میں جاری کیا گیا جبکہ مدائن کی فتح کے بعد وہاں کی خراب آب و ہوا نے فوج کی تندرستی کو نقصان پہنچایا۔ چنانچہ عقبہ بن غزو ان کو لکھا کہ شہاد جب بہار کا موسم آئے تو فوجیں شہاد اب اور سرسبز مقامات میں چلی جائیں۔ عمرو بن العاص کو زہرہ، موسم بہار کے آنے کے ساتھ فوج کو باہر بھیج دیتے تھے اور حکم دیتے تھے کہ سیر و شکار میں بسر کریں اور گھوڑوں کو چرا کر اور فربہ بنا کر لائیں۔

سیر و شکار میں جو کچھ میاں

۱۵ تاریخ طبری میں ہے وکتب عمر الی سعد بن مالک والی عقبہ بن غزو ان یترجعا بالناس فی کل

حین ربيع فی اطباء ارضیہ لکھ کتاب مذکور صفحہ ۲۴۸۶۔

آئے ہوا
لحاظ

(۱۳) بارکوں کی تعمیر اور چھاونیوں کے بنانے میں ہمیشہ عمدہ آب ہوا کا لحاظ کیا جاتا تھا اور مکانوں کے آگے کھلے ہوئے خوش فضا صحن چھوڑے جاتے تھے۔ فوجوں کے لیے جو شہر آباد کیے گئے مثلاً کوئٹہ، بصرہ، فسطاط وغیرہ ان میں اصولِ صحت کے لحاظ سے سڑکیں اور کوچے اور گلیاں نہایت وسیع ہوتی تھیں حضرت عمر کو اس میں استغناء تھا کہ مساحت اور وسعت کی تعین بھی خود کچھ کر بھیجی تھی چنانچہ اسکی تفصیل ان شہروں کے ذکر میں گزر چکی۔

کچھ نکات
میں سے
آرام کا

(۱۴) فوج جب کوچ پر ہوتی تھی تو حکم تھا کہ ہمیشہ جمعہ کے دن مقام کرے اور پورے ایک شب روز قیام رکھے تاکہ لوگ دم لے لیں اور ہتھیاروں اور کپڑوں کو درست کر لیں۔ یہ بھی تاکید تھی کہ ہر روز اسی قدر مسافت طے کر لیں جس سے ٹھکنے نہ پائیں اور پڑاؤ وہیں کیا جائے جہاں ہر قسم کی ضروریات ہتیا ہوں چنانچہ سعد بن وقاص کو جو فرمان، فوجی ہدایتوں کے متعلق لکھا تھا اور اہم باتوں کے ساتھ ان تمام جزئیات کی تفصیل بھی لکھی۔

رخصت کے
تہا کے

رخصت کا بھی باقاعدہ انتظام تھا۔ جو فوجیں دور دراز مقامات پر مامور تھیں ان کو سال میں ایک دفعہ ورنہ دو دفعہ رخصت ملتی بلکہ ایک موقع پر جب انھوں نے ایک عورت کو اپنے شوہر کی جدائی میں دردناک اشعار پڑھتے سنا تو افسروں کو احکام بھیج دیے کہ کوئی شخص چار مہینے سے زیادہ باہر رہنے پر مجبور نہ کیا جائے۔

لیکن یہ تمام آسانیاں اسی حد تک تھیں جہاں تک ضرورت کا تقاضا تھا، ورنہ آرام طلبی، کاہلی، عیش پرستی سے بچنے کے لیے سخت بندشیں کی تھیں۔ نہایت تاکید تھی کہ فوج رکاب کے سہارے سے سوار نہ ہوں، نرم کپڑے نہ پہنیں، دھوپ کھانا نہ چھوئیں، حاموں میں نہ نہائیں۔

بج کا

تاریخوں سے یہ پتہ نہیں چلتا کہ حضرت عمر نے فوج کے لیے کوئی خاص لباس جسکو ڈوری

کہتے ہیں قرار دیا تھا۔ فوج کے نام اُن کے جو حکام منقول ہیں اُن میں صرف اس قدر ہے کہ لوگ
عجمی لباس نہ پہنیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم کی تعمیل پر چنداں زور نہیں دیا گیا کیونکہ اس
میں جب مصر میں ذمہ داریوں پر جزیہ مقرر ہوا تو فوج کے کپڑے بھی اُس میں شامل تھے اور وہ یہ
تھے۔ اُن کا جُتہ۔ لمبی ٹوپی یا عمامہ۔ پاجامہ۔ موزہ۔ حالانکہ اول اول پاجامہ اور موزہ کو حضرت
عمرؓ نے بتصریح منع کیا تھا۔

فوج کے متعلق حضرت عمرؓ کی اور بہت سی ایجادیں ہیں جن کا عرب میں کبھی جو نہ
تھا۔ مثلاً ہر فوج کے ساتھ ایک انسپکشن خانہ، ایک محاسب، ایک قاضی، اور متعدد مترجم ہوتے
تھے۔ ان کے علاوہ متعدد طبیب اور جراح ہوتے تھے، چنانچہ جنگ قادسیہ میں عبدالرحمن
بن ربیعہ۔ قاضی، زیاد بن ابی سفیان محاسب، بلال بھری مترجم تھے۔ فوج میں محکمہ عدالت
سررشتہ حساب، مترجمی، اور ڈاکٹری کی ابتدا بھی اسی زمانے سے ہے۔

فوجی قواعد کی نسبت ہم کو صرف اس قدر معلوم ہے کہ حضرت عمرؓ فوجی افسروں کو جو حکام
بھیجتے تھے اُن میں چار چیزوں کے سیکھنے کی تاکید ہوتی تھی۔ تیرنا، گھوڑے دوڑانا، تیر لگانا،
لنگے پانوں چلنا۔ اس کے سوا ہم کو معلوم نہیں کہ فوج کو کسی قسم کی قواعد سکھائی جاتی تھی۔
تاہم اِس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ کے عہد میں سابق کی نسبت فوج جنگ نے بہت ترقی کی اور
میں جنگ کا پہلے یہ طریقہ تھا کہ دونوں طرف کے غول بے ترتیب کھڑے ہو جاتے تھے پھر
دونوں طرف سے ایک ایک سپاہی نکل کر لڑتا تھا اور باقی تمام فوج چپ کھڑی رہتی تھی اخیر
عام حملہ ہوتا تھا۔ اسلام کے آغاز میں صف بندی کا طریقہ جاری ہوا، اور فوج کے مختلف
حصے قرار پائے۔ مثلاً میمنہ، میسرہ، وغیرہ لیکن ہر حصہ بطور خود لڑتا تھا۔ یعنی تمام فوج کسی

فوج میں
خزائن و
محاسب
مترجم

فوج جنگ
میں ترقی

ایک سپہ سالار کے نیچے رہ کر نہیں لڑتی تھی۔ سب سے پہلے شاہ میں یرموک کے معرکہ میں حضرت خالد کی بدولت تعینہ کی طرز پر جنگ ہوئی یعنی کل فوج جسکی تعداد ۴۰ ہزار کے قریب تھی ۴۰۰۰۰ ہوں میں تقسیم ہو کر حضرت خالد کی ماتحتی میں کام کرتی تھی اور وہ تمام فوج کو تنہا لڑاتے تھے حضرت عمر کے زمانے میں فوج کے جس قدر حصے اور شعبے تھے حسب ذیل ہیں۔

نہر کے

قلب سپہ سالار اسی حصے میں رہتا تھا۔

مقدمہ قلب کے آگے کچھ فاصلے پر ہوتا تھا۔

مہینہ قلب کے دائیں ہاتھ پر رہتا تھا۔

میسرہ بائیں ہاتھ پر۔

ساقہ سب سے پیچھے۔

خلیہ گشت کی فوج جو دشمن کی فوجوں کی دیکھ بھال رکھتی تھی۔

ردہ جو ساقہ سے پیچھے رہتی تھی تاکہ دشمن عقب سے حملہ نہ کر سکے۔

رائد جو فوج کے چارہ اور پانی کی تلاش کرتی تھی۔

رکبان شتر سوار۔

فرسان سوار۔

راجل پیادہ۔

رماہ تیر انداز۔

ہر سپاہی کو جنگ کی ضرورت کی تمام چیزیں اپنے ساتھ رکھنی پڑتی تھیں، فوج اہلبدان

سلاخ بن خالد نے مقدمہ بائیں میں فضل فی الحروب کے عنوان سے عرب اور فارس و روم کے طریقہ جنگ پر ایک مفصل مضمون لکھا ہے یہیں لکھتے ہیں کہ کاتب اول مول مردان بن الحکم سے فائدہ کیا، لیکن یہ غلط ہے۔ طبری اور دیگر مؤرخین سے معترض تھا کہ یرموک کے معرکہ میں اول اول خالد سے تسلی کی طرز پر صرف لڑائی کی۔

جج کے
مسلحہہر سپاہی کو
ضروری چیزیں
ساتھ رکھنی
تھیں۔

میں تھا ہے کہ گنیز بن شہاب دحضرت عمر کے ایک فوجی فسر تھے، کی فوج کا ہر سپاہی اشیائے ذیل ضرور اپنے ساتھ رکھتا تھا۔ "سوائیاں، سوا، ڈورا، بچہ، سوتالی، توہا، چھلنی"

قلعوں پر حملہ کرنے کے لیے نہجیق کا استعمال اگرچہ خود دحضرت نے زلٹے میں شروع ہو چکا تھا، چنانچہ سب پہلے سہد میں طائف کے محاصرے میں اسے کام لیا گیا لیکن حضرت عمر کے زلٹے میں اسکو بہت ترقی ہوئی اور بڑے بڑے قلعے اس کے ذریعے سے فتح ہوئے مثلاً ۱۷ھ میں بہر سیر کے محاصرے میں ۲۰ نہجیقین استعمال کی گئیں محاصرے کے لیے ایک اور آلہ تھا جسکو دباہ کہتے تھے۔ یہ ایک لکڑی کا برج ہوتا تھا بسیم اوپر تلے کئی درجے ہوتے اور نیچے پتے لگے ہوتے تھے۔ سنگ اندازوں اور نسب زنوں اور تیر اندازوں کو اس کے اندر بٹھا دیا جاتا تھا اور اسکو ریتے ہوئے آگے بڑھاتے چلتے تھے اس طرح قلعہ کی چڑ میں پہنچ جاتے تھے اور قلعہ کی دیواروں کو آلات کے ذریعے سے توڑتے تھے پھر سیر کے محاصرے میں یہ آلہ بھی استعمال کیا گیا تھا۔

راستہ صاف کرنا، شرک بنانا، پل باندھنا، یعنی جو کام آجکل سفرینا کی فوج سے لیا جاتا ہے اسکا نظام بھی نہایت معقول تھا اور یہ کام خاص کر مفتوحہ قوموں سے لیا جاتا تھا۔ عمرو بن العاص نے جب فسطاط فتح کیا تو مقوقس والی مصر نے یہ شرط منظور کی کہ فوج اسلام بدھہ رخ کرے گی سفرینا کی خدمتوں کو مصری انجام دیں گے۔ چنانچہ عمرو بن العاص جب رومیوں کے مقابلے کے لیے اسکندریہ کی طرف بڑھے تو خود مصری منزل، منزل پل باندھتے، شرک بناتے اور بازار لگاتے گئے۔ علامہ مقریزی نے لکھا ہے کہ چونکہ مسلمانوں کے سلوک نے تمام

۱۷ھ مروی السدان مرقہ ۳۱ ۱۷ھ مقریزی مرقہ ۱۶ میں ہے فوج عمر بن المسلمین + وحرم معہ جماعة من دوساء القبط وقد

اصححوهم الطرق واقاموا لهم الجسور والاسواق ۱۲

ملک کو گرویدہ کر لیا تھا اس واسطے قبطی خود بڑی خوشی سے ان خدمتوں کو انجام دیتے تھے۔

حرسانی
حاسوس

باسوسی اور خبر رسانی کا انتظام نہایت خوبی سے کیا گیا تھا اور اُس کے یہ قدرتی سامان ہاتھ آگئے تھے، تمام و عراق میں کثرت سے عرب آباد تھے اور ان میں سے ایک گروہ کثرت سے اسلام قبول کر لیا تھا یہ لوگ چونکہ مدت سے ان ممالک میں رہتے آئے تھے اس لیے کوئی واقعہ ان سے چُپ نہیں سکتا تھا۔ ان لوگوں کو اجازت تھی کہ اپنا اسلام لوگوں پر ظاہر نہ کریں اور چونکہ لوگ ظاہر و صریح قلع سے پارسی یا عیسائی معلوم ہوتے تھے ایسے دشمن کی فوجوں میں جہاں چاہتے تھے چلے جاتے تھے یہ موک، قادسیہ، مکریت، میں انہی جاسوسوں کی بدولت بڑے بڑے کام نکلے۔ شام میں ہر شہر کے رئیسوں نے خود اپنی طرف سے اور اپنی خوشی سے جاسوس لگا رکھے تھے جو قیصر کی فوجی تیاریوں اور نقل و حرکت کی خبریں پہنچاتے تھے، قاضی ابویوسف صاحب کتاب الخراج میں لکھتے ہیں۔

فیہم صاروا اشداء علی عدو المسلمین وعوا للمسلمین علی اعدائہم فبعث اهل کل مدینۃ من جری الصلح بہم و دین المسلمین، رجالا من قبلہم یخسسون الاخبار عن الروم وعن ملکہم وما یریدون ان یصفوا ارون اور فلسطین کے اضلاع میں یہودیوں کا ایک فرقہ رہتا تھا جو سامرہ کہلاتا تھا، یہ لوگ خاص جاسوسی اور خبر رسانی کے کام کیے مقرر کئے گئے اور اس کے صلے میں ان کی مقبوضہ زمینیں انکو معافی میں دیدی گئیں۔ اسی طرح جراجہ کی قوم اس خدمت پر مامور تھی اور ان کو بھی خراج معاف کر دیا گیا۔

۱ تاریخ شام ۱۱۵ ہجری ۶۲۹ء - ۲۲۴ھ - اردی کی عبادت یہ سہ ماہی نزلت الروم من لہط الذی زلوا بے دسنا الیہم رجلا من اهل البلد کاوانصاری وحسن اسلامہ و امرا ہمدان یدخلوا عسکرہم یمکتموا سلاہم و یا تو باخبار ہمدان ۱۲ کتاب نہ کو مرقۃ ۱۰ فتح بلدان مرقۃ ۱۵۔

فوجی انتظام کے سلسلے میں جو چیز سب سے بڑھ کر حیرت انگیز ہے یہ ہے کہ باوجودیکہ اس قدر
 بیشمار فوجیں تھیں اور مختلف ملک، مختلف قبائل، مختلف طبائع، کے لوگ اس سلسلے میں داخل
 تھے، اس کے ساتھ وہ نہایت دور دراز مسافتیں تک پھیلی ہوئی تھیں جہاں سے دارالخلافہ
 تک سیکڑوں ہزاروں کوس کا فاصلہ تھا تاہم تمام فوج اس طرح حضرت عمر کے قبضہ قدرت
 میں تھی کہ گویا وہ خود ہر جگہ فوج کے ساتھ موجود ہیں۔ اس کا عام سبب تو حضرت عمر کی سطوت
 اور ان کا عرب و اب تھا لیکن ایک بڑا سبب یہ تھا کہ حضرت عمر نے ہر فوج کے ساتھ پیرچہ نویں
 لگا رکھے تھے اور فوج کی ایک ایک بات کی ان کو خبر پہنچتی رہتی تھی۔ علامہ طبری ایک ضمنی موقع
 پر لکھتے ہیں وکانک تکنون لعمر العیون فی کل جیش فکتب الی عمر بما کان فی تلك الغزاة وبلغه
 الذی قال عبدة۔ ایک اور موقع پر لکھتے ہیں وکان عمر لا یخفی علیہ شیء فی عملہ۔

اس انتظام سے حضرت عمر یہ کام لیتے تھے کہ جہاں فوج میں کسی شخص سے کسی قسم کی بہ
 اعتدالی ہو جاتی تھی فوراً اس کا تذکرہ کرتے تھے جس سے اوروں کو بھی عبرت ہو جاتی تھی ایران
 کی فتوحات میں عمرو معدیکرب نے ایک دفعہ اپنے افسر کی شان میں گستاخانہ کلمہ کہہ دیا تھا، فوراً حضرت
 عمر کو خبر ہوئی اور اسی وقت انھوں نے عمرو معدیکرب کو تحریر کے ذریعے سے ایسی چشم نمائی کی کہ
 پھر انکو کبھی ایسی جرات نہیں ہوئی، اس قسم کی سیکڑوں مثالیں ہیں جنکا استقصاء نہیں ہو سکتا۔

صیغہ تعلیم

حضرت عمر نے اگرچہ تعلیم کو نہایت ترقی دی تھی۔ تمام ممالک مفتوحہ میں ابتدائی مکتب قائم
 کیے تھے جن میں قرآن مجید، اخلاقی اشعار، اور امثال عرب کی تعلیم ہوتی تھی۔ بڑے بڑے علماء

صحابہ، اَضلاع میں حدیث و فقہ کی تعلیم کے لئے مامور کیے گئے۔ مدرسین اور معلمین کی تنخواہیں بھی مقرر کی گئیں۔ لیکن چونکہ تعلیم زیادہ تر مذہبی تھی اس لئے اسکا ذکر تفصیل کے ساتھ وصیغہ مذہبی کے بیان میں آئیگا۔

وصیغہ مذہبی

خلافت کی حیثیت سے حضرت عمر کا جو اصلی کام تھا وہ مذہب کی تعلیم و تلقین تھی اور درحقیقت حضرت عمر کے کارناموں کا طغرا یہی ہے۔ لیکن مذہب کی روحانی تعلیم یعنی توبہ الی اللہ استغراق فی العبادۃ۔ صفاۓ قلب، قطعِ علاق، خضوع و خشوع۔ یہ چیزیں کسی محسوس اور مادی سرشتِ انتظام کے تحت میں نہیں آسکتیں۔ اسلئے نظامِ حکومت کی تفصیل میں ہم اسکا ذکر نہیں کتے اسکا ذکر حضرت عمر کے ذاتی حالات میں آئیگا۔ البتہ اشاعتِ اسلام، تعلیمِ قرآن و حدیث، احکامِ مذہبی کا اجراء اس قسم کے کام انتظام کی تحت میں آسکتے ہیں۔ حضرت عمر نے اُن کے متعلق جو کچھ کیا اسکی تفصیل ہم اس موقع پر لکھتے ہیں۔

اس صیغہ کا سب سے بڑا کام اشاعتِ اسلام تھا۔ اشاعتِ اسلام کے یہ معنی نہیں کہ لوگوں کو تلوار کے زور سے مسلمان بنایا جائے۔ حضرت عمر اس طریقے کے بالکل خلاف تھے اور جنوں قرآن مجید کی اس آیت پر لا اکراہ فی الدین بلاتاویل عمل کرنا چاہتا ہے وہ ضرور اُس کے خلاف ہوگا، حضرت عمر نے خود ایک موقع پر یعنی جب اُن کا غلام باوجود ہدایت و ترغیب کے اسلام نہ لایا تو فرمایا کہ لا اکراہ فی الدین

اشاعتِ اسلام کے یہ معنی ہیں کہ تمام دنیا کو اسلام کی دعوت دی جائے اور لوگوں کو اسلام

۱۔ یہ روایت طحاوی بن سعد میں موجود ہے جو نہایت معتبر کتاب ہے، دیکھو کنز العمال جلد پنجم صفحہ ۹۴ مطبوعہ حیدرآباد ۱۳۰۲

کے اُصول اور مسائل سمجھا کر اسلام کی طرف رغبت کیا جائے۔
 حضرت عمر جس ملک پر فوجیں بھیجتے تھے تاکید کرتے تھے کہ پہلے اُن لوگوں کو اسلام کی
 ترغیب دلائی جائے اور اسلام کے اُصول و عقائد سمجھائے جائیں چنانچہ فاتح ایران، سعد
 وقاص کو جو خط لکھا اُنہیں یہ الفاظ تھے وقد کنت اموثک ان تدعو امن لقیث الی الاسلام قبل
 القتال۔ قاضی ابو یوسف صاحب نے لکھا ہے کہ حضرت عمر کا معمول تھا کہ جب اُن کے پاس
 کوئی فوج مہیا ہوتی تھی تو انہیں ایسا افسر مقرر کرتے تھے جو صاحبِ علم اور صاحبِ فقہ ہوتا تھا۔
 یہ ظاہر ہے کہ فوجی افسروں کے لیے علم و فقہ کی ضرورت اسی تبلیغِ اسلام کی ضرورت سے تھی
 شام، عراق کی فتوحات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ ایرانیوں اور عیسائیوں کے پاس جو اسلامی
 سفارتیں گئیں اُنھوں نے کس خوبی اور صفائی سے اسلام کے اُصول و عقائد اُن کے سامنے
 بیان کیے۔

اشاعتِ اسلام کی سب سے بڑی تدبیر یہ ہے کہ غیر قوموں کو اسلام کا جو نمونہ دکھلایا جائے
 وہ ایسا ہو کہ خود بخود لوگوں کے دل اسلام کی طرف کھینچ آئیں۔ حضرت عمر کے عہد میں نہایت
 کثرت سے اسلام پھیلنا اور اس کی بڑی وجہ یہی تھی کہ اُنھوں نے اپنی تربیت اور ارشاد سے
 تمام مسلمانوں کو اسلام کا اصلی نمونہ بنا دیا تھا۔ اسلامی فوجیں جس ملک میں جاتی تھیں لوگوں
 کو خواہ مخواہ اُن کے دیکھنے کا شوق پیدا ہوتا تھا، کیونکہ چند بادِیہ نشینوں کا دنیا کی تسخیر کو اٹھنا
 حیرت اور استعجاب سے خالی نہ تھا اس طرح جب لوگوں کو اُن کے دیکھنے اور اُن سے ملنے جلنے
 کا اتفاق ہوتا تھا تو ایک ایک مسلمان، سچائی، سادگی، پاکیزگی، جوش اور اخلاص کی تصویرِ نظر
 آتا تھا۔ یہ چیزیں خود بخود لوگوں کے دل کو کھینچتی تھیں اور اسلام اُن میں گھر کرنا جاتا تھا۔ شام
 کے واقعات میں تم نے پڑھا ہوگا کہ رومیوں کا سفیر جارج، ابو عبیدہ کی فوج میں جا کر کشت

سے متاثر ہوا اور کس طرح دفعۃً قوم اور ناندان سے الگ ہو کر مسلمان ہو گیا۔ شطاب جو مصر کی حکومت کا ایک بڑا رئیس تھا۔ مسلمانوں کے حالات ہی سُن کر اسلام کا گرویدہ ہوا اور آخر وہ نہرا آدمیوں کے ساتھ مسلمان ہو گیا۔

اسلامی فتوحات کی بوالعجبی نے بھی اس خیال کو قوت دی، یہ واقعہ کہ چند صحرا نشینوں کے آگے بڑی بڑی تہذیب اور پرزور قوموں کا قدم اکھڑتا جاتا ہے۔ خوش اعتقاد قوموں کے دل میں نو و نوجو و بیباک پیدا کرتا تھا کہ اس گروہ کے ساتھ تائید آسانی شامل ہے۔ نیز درگدشہنشاہ فارس نے جب ماقان چین کے پاس استدعا کی غرض سے سفارت بھیجی تو خاقان نے اسلامی فوج کے حالات دریافت کیئے اور حالات سُن کر یہ کہا کہ ایسی قوم سے مقابلہ کرنا بے فائدہ ہے۔ فارس کے معرکہ میں جب پارسیوں کا ایک شہور بہادر بھاگ نکلا اور سردار فوج نے اُسکو گرفتار کر کے بھاگنے کی سزا دینی چاہی، تو اُس نے ایک بڑے پتھر کو تیر سے ٹوٹ کر کہا کہ یہ تیر بھی جن لوگوں پر اثر نہیں کرتا خدا اُن کے ساتھ ہے اور اُن سے لڑنا بیکار ہے۔ اور جارجا فارسی کے دادا کا بیان ہے کہ وہ قافوسیہ کی لڑائی میں نہیں حاضر تھا اور اس وقت تک میں مجوسی تھا۔ عرب نے جب تیر اندازی شروع کی تو پہنے تیروں کو دیکھ کر کہا کہ ”تکھے ہیں۔“ لیکن انہی تکھوں نے ہماری سلطنت برباد کر دی، مصر پر جب حملہ ہوا تو اسکندریہ کے بشارت نے قبیلوں کو اکٹھا کر رومیوں کی سلطنت پر چلی اب تم مسلمانوں سے مل جاؤ۔

ان باتوں کے ساتھ اور اسباب بھی اسلام کے پھیلنے کا سبب ہوئے۔ عرب کے قبائل جو عراق اور شام میں آباد تھے اور عیسائی ہو گئے تھے فطرۃً جعفران کا میلان ایک نبی عربی

۱۷ تاریخ تفریزی ص ۲۲۴ میں ہے فوج شیطانی الفین من اھبابہ و لحنی بالمسلمین و ذلکان فل دلت علی حب الجبر و

بمیل الی ما یسمی من سیرۃ اھل الاسلام ۱۸ بڑی دامن خنک فارس ۱۲

۱۹ تفریزی جلد اول ص ۲۸۹ -

کی طرف ہو سکتا تھا غیر قوم کی طرف نہیں ہو سکتا تھا، چنانچہ جس قدر زمانہ گزرتا گیا وہ اسلام کے حلقے میں اتنے گئے، یہی بات ہے کہ اس عہد کے نو مسلم، جس قدر عہد تھے اور توہین نہ تھیں ایک جہ یہ بھی تھی کہ بعض بڑے بڑے پیشوائے مذہبی مسلمان ہو گئے تھے مثلاً مشرقِ منفتح ہوا تو وہاں کال بپ جیسا نام اور کون تھا حضرت خالدؓ کے ماتھے پر اسلام لایا ایک پیشوائے مذہب کے مسلمان ہوئے اس کے پیروؤں کو خواہ مخواہ اسلام کی طرف رغبت ہوئی ہوگی۔

ان مختلف اسباب سے نہایت کثرت کے ساتھ لوگ اسلام لائے۔ افسوس ہے کہ ہمارے مورخین نے کسی موقع پر اس واقعہ کو مستقل عنوان سے نہیں لکھا جسکی وجہ سے ہم تعداد کا اندازہ نہیں بنا سکتے۔ تاہم ضمنی تذکروں سے کسی قدر تپہ لگ سکتا ہے چنانچہ ہم ان کو اس موقع پر بیان کرتے ہیں۔

۱۔ اللہ کے اخیر میں جب جلو لاہ فتح ہوا تو بڑے بڑے رؤساء اور توابع بنی خوشی سے مسلمان ہو گئے۔ ان میں سے جو زیادہ صاحب اختیار اور نامور تھے ان کے یہ نام ہیں جمیل بن بصرہ بن بصرہ بن نر سے۔ زبیل۔ قیروز۔ ان ریسوں کے مسلمان ہو جانے سے ان کی عیال میں خود بخود اسلام کو شیع ہوا۔

۲۔ قادسیہ کے معرکہ کے بعد چار ہزار ویکیم کی فوج، جو خسرو پرویز کی تربیت یافتہ تھی۔ اور امپیریل گارڈ یعنی شاہی رسالہ کہلاتی تھی کل کی کل مسلمان ہو گئی۔

۳۔ یزدگرد کے مقدمہ کچیش کا امیر ایک مشہور بہادر تھا جس کا نام سیاہ تھا۔ یزدگرد جب ہفہان کو روانہ ہوا تو اس نے سباہ گولڈا کرتین سو بڑے بڑے رئیس اور پہلوان ساتھ کیے اور اصطخر کو روانہ کیا، یہ بھی حکم دیا کہ راہ میں ہر ہر شہر سے عمدہ سپاہی انتخاب کر کے ساتھ لیتا جائے۔

۴۔ عم السدان در قطرہ سال ۳۵۰ قمری مسلمان ۲۶۵ ص ۳۵۰

فسطاط جسکو عمرو بن العاص نے آباد کیا تھا اور جسکی جگہ اب قاہرہ دار السلطنت ہے یہاں تین بڑے بڑے محلے تھے، جہاں زیادہ تر نو مسلم آباد کرائے گئے تھے۔ ایک محلہ بنو بنہ کے نام سے آباد تھا جو ایک یونانی خاندان تھا اور مسلمان ہو گیا تھا، مصر کے معرکہ میں اس خاندان کے ستوا آدمی اسلامی فوج کے ساتھ شامل تھے۔ دوسرا محلہ بنو الارزق کے نام پر تھا۔ یہ بھی ایک یونانی خاندان تھا اور اسقدر کثیر النسل تھا کہ مصر کی جنگ میں اس خاندان کے ۱۰۰۰ بہادر شریک تھے۔ تیسرا محلہ روہیل کے نام سے آباد تھا، یہ لوگ پہلے یرموک و قیساریہ میں سکونت رکھتے تھے پھر مسلمان ہو کر عمرو بن العاص کے ساتھ مصر چلے آئے تھے، یہ ایک بہت بڑا یہودی خاندان تھا، مصر کی فتح میں ہزار آدمی اس خاندان کے شامل تھے۔

فسطاط میں ایک اور محلہ تھا جہاں صرف نو مسلم مجوسی آباد کرائے گئے تھے۔ چنانچہ یہ محلہ انہی کے نام پر پارسیوں کا محلہ کہلاتا تھا۔ یہ لوگ اہل میں باذان کی فوج کے آدمی تھے جو نوشیروان کی طرف سے یمن کا عامل تھا۔ جب اسلام کا قدم، شام میں پہنچا تو یہ لوگ مسلمان ہو گئے اور عمرو بن العاص کے ساتھ مصر آئے۔

ایسی طرح اور جتنے جتنے مقامات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر جگہ کثرت سے اسلام پھیل گیا تھا، مؤرخ بلاذری نے بلس کے ذکر میں لکھا ہے کہ حضرت ابو عبیدہ نے یہاں وہ عرب آباد کرائے جو شام میں سکونت رکھتے تھے اور مسلمان ہو گئے تھے۔ مؤرخ اردوی جنگ یرموک کے حالات میں لکھتا ہے کہ جب رومیوں کی فوجیں یرموک میں اتریں تو وہ لوگ جاسوس بنا کر بھیجے جاتے تھے جو وہیں کے رہنے والے تھے، اور مسلمان ہو گئے تھے۔ ان لوگوں کو تا کی صفی کہ اپنا اسلام ظاہر نہ کریں تاکہ رومی ان سے بدگمان نہ ہوتے پائیں۔ مؤرخ طبری نے ۳۷ھ کے

ان اہل بیت میں لکھا ہے کہ اس لڑائی میں بہت سے اہل عجم نے مسلمانوں کو مدد دی جن میں سے کچھ لڑائی سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے اور کچھ لڑائی کے بعد اسلام لائے۔
ان واقعات سے صاف انداز ہوتا ہے کہ حضرت عمر کے مبارک عہد میں اسلام کثرت سے پھیلا اور تلوار سے نہیں بلکہ اپنے فیض و برکت سے۔

اشاعت اسلام کے بعد اصول مذہب اور اعمال مذہبی کی ترویج تھی یعنی جن چیزوں پر اسلام کا مدار ہے ان کا محفوظ رکھنا، اور ان کی اشاعت، اور ترویج کرنی۔ اس سلسلہ میں سب سے مقدم قرآن مجید کی حفاظت، اور اسکی تعلیم و ترویج تھی۔ حضرت عمر نے اس کے متعلق جو کوششیں کیں ان کی نسبت شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت صحیح لکھا کہ ”امروز ہر کہ قرآن سے خواند از طوائف مسلمین، منت فاروق اعظم در گردن اوست“

یہ مسلم ہے کہ اسلام کا اہل اصول قرآن مجید ہے اور اس سے بھی انکار نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کا جمع کرنا، ترتیب دینا، صحیح نسخہ لکھوا کر محفوظ رکھنا، تمام ممالک میں اسکی تعلیم کو رواج دینا، جو کچھ ہوا حضرت عمر کے اہتمام اور توجہ سے ہوا، تفصیل اسکی یہ ہے کہ جناب رسول اللہ کے سہم تک قرآن مجید مرتب نہیں ہوا تھا، متفرق اجزاء متعدد صحابہ کے پاس تھے وہ بھی کچھ ٹہریں، کچھ کھجور کے پتوں پر، کچھ پتھری تختیوں پر، لوگوں کو پورا حفظ یاد بھی نہ تھا۔ کسی کو کوئی سورۃ یاد تھی کسی کو کوئی۔ حضرت ابوبکر کے عہد میں جب میلہ کذاب سے لڑائی ہوئی تو سینکڑوں صحابہ شہید ہوئے جن میں بہت سے حفاظ قرآن تھے۔ لڑائی کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے پاس جا کر کہا کہ ”اگر اسی طرح حفاظ قرآن اٹھتے گئے تو قرآن جاتا رہیگا“ اس نے ابھی سے اسکی جمع و ترتیب کی فکر کرنی چاہیے“ حضرت ابوبکر نے فرمایا جو کام رسول اللہ نے نہیں کیا کیسے کر کروں۔“ حضرت عمر نے بار بار اسکی مصلحت اور ضرورت بیان کی یہاں تک کہ حضرت ابوبکر ان کی

حضرت
قرآن
جمع کرنا

رائے سے متفق ہو گئے صحابہ میں سے وحی کے لکھنے کا کام سب سے زیادہ بن ثابت نے کیا تھا چنانچہ وہ طلب کیے گئے اور اس خدمت پر مامور ہوئے کہ جہاں جہاں سے قرآن کی سورتیں یا آیتیں ہاتھ آئیں بچا کی جائیں۔ حضرت عمرؓ نے مجمع عام میں اعلان کیا کہ جسے قرآن کا کوئی حصہ رسول اللہ سے سیکھا ہو میرے پاس لیکر آئے۔ اس بات کا التزام کیا گیا کہ جو شخص کوئی آیت پیش کرتا تھا اُس پر دو شخصوں کی اور شہادت کی جاتی تھی کہ بنے اُسکو آنحضرتؐ کے ہمد میں قلمبند دیکھا تھا غرض اس طرح جب تمام سورتیں جمع ہو گئیں تو چند آدمی مامور ہوئے کہ اُن کی نگرانی میں پورا قرآن ایک مجموعہ میں لکھا جائے، سعید بن العاص بتاتے جاتے تھے اور زید بن ثابت لکھتے جاتے تھے، مگر ان لوگوں کو حکم تھا کہ کسی لفظ کے تلفظ و لہجہ میں اختلاف پیدا ہو تو قبیلہ مضر کے لہجہ کے مطابق لکھا جائے۔ کیونکہ قرآن مجید۔ مضر ہی کی خاص زبان میں اُترا ہے۔

ابن مجید
تفاوت
الطو
بکی
یرین

اُس وقت قرآن مجید کی حفاظت اور صحت کے لیے چند امور نہایت ضروری تھے۔ اول یہ کہ نہایت وسعت کے ساتھ اسکی تعلیم شائع کی جائے اور سینکڑوں ہزاروں آدمی حافظ قرآن بنائے جائیں تاکہ تحریف و تغیر کا احتمال نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ اعراب اور الفاظ کی صحت نہایت اہم کے ساتھ محفوظ رکھی جائے۔ تیسرے یہ کہ قرآن مجید کی بہت سی نقلیں ہو کر ملک میں کثرت سے شائع ہو جائیں۔ حضرت عمرؓ نے ان تینوں امور کو اس کمال کے ساتھ انجام دیا کہ اس بڑے ممکن تھا تمام ممالک مفتوحہ میں ہر جگہ قرآن مجید کا درس جاری کیا اور معلم و قاری مقرر کر کے انہی تنخواہیں مقرر کیں، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمرؓ کے اولیات میں شمار کیا جاتا ہے کہ انھوں نے معلمین کی تنخواہیں مقرر کیں۔ تنخواہیں اُن وقت کے حالات کو لحاظ سے کم نہ تھیں مثلاً خاص مدنیہ سنوڑہ

ابن مجید
الطو

۱۰ کمر سال جلد اول صفحہ ۱۲۹ اور اٹھان ۱۲ ۱۰ سترہ ہرین لابن الجوزی میں ہے ان عمر بن الخطاب عثمان بن العفان

کان یرزقان المودین والائمة والمعلین۔

کتابت

مذہب کو
حریم

مسکات

ہیں چھوٹے چھوٹے بچوں کی تعلیم کیلئے جو کتب تھے اُن کے معلمین تنخواہیں ۱۵-۱۵ درہم ماہوار تھیں۔ خانہ بدوشوں کو لکھنے کی قراچہ کی تعلیم جبری طور پر کی چنانچہ ایک شخص کو جس کا نام ابوسفیان تھا چند آدمیوں کے ساتھ ماہور کیا کہ قبائل میں پھر پھر کر ہر شخص کا امتحان لے اور جو قرآن مجید کا کوئی حصہ یاد نہ ہو اسکو سزا دے۔

مسکات میں لکھا بھی سکھایا جاتا تھا۔ عام طور پر تمام فہم فہم میں احکام بھیج دیتے تھے کہ بچوں کو شہسواری اور کتابت کی تعلیم دی جائے۔ ابو عامر سلیم جو رواۃ حدیث میں ہیں اُنکی زبانی روایت ہے کہ میں بچپن میں گرفتار ہو کر مدینہ میں آیا۔ یہاں مجھ کو کتب میں بٹھایا گیا معلم مجھ سے جب میم لکھواتا تھا اور میں اچھی طرح نہیں لکھ سکتا تھا تو کہتا تھا کہ گول بکھو جس طرح گائے کی آنکھیں ہوتی ہیں۔“

دراصل
قرآن کے
لئے کوڑا
سلاخ
سما

صحابہ میں سے ہزرگ تھے جنہوں نے قرآن مجید کو آنحضرت ہی کے زمانے میں پورا حفظ کر لیا تھا، معاذ بن جبل۔ عبادۃ بن الصامت۔ ابی بن کعب۔ ابویوب۔ ابوالدرداء۔ ان میں خاص کر ابی بن کعب سید القراء تھے اور خود آنحضرت نے اس باب میں اُن کی مدح کی تھی حضرت عمرؓ نے ان سب کو بلا کر کہا کہ ”شام کے مسلمانوں کو ضرورت ہے آپ لوگ جا کر قرآن کی تعلیم دیجئے۔“ ابویوب ضعیف اور ابی بن کعب بیمار تھے، اس لئے جانے سکے۔ باقی تین صاحبوں نے خوشی سے منظور کیا۔ حضرت عمرؓ نے ہدایت کی کہ پہلے حصہ کو جائیں۔ وہاں کچھ دنوں قیام کر کے جب تعلیم پھیل جائے تو ایک شخص کو وہیں چھوڑ دیں باقی دو آدمیوں میں سے ایک صاحب دُشَق اور ایک صاحب فلسطین جائیں۔ چنانچہ یہ سب لوگ پہلے حصہ گئے وہاں جب اچھی طرح بندوبست ہو گیا تو عبادۃ نے وہیں قیام کیا اور ابودرداء دُشَق۔ اور معاذ بن جبل فلسطین کو روانہ ہوئے معاذ بن

۱۵ اغانی ج ۱ صفحہ ۵ (اصناف احوال اہل بیت میں یہ واقعہ منقول ہے) ۱۶ مسند اہل بیت ماضی میں اس روایت کو حضرت ابوبکر کے عہد

سب سے لکھا لیکن عوام صاحبِ حق نے اس پر اعتراض کیا کہ اس وقت تک یہ تقاضا نہیں ہوئے تھے ۱۷

تبسم امر بنی صحت اواب و صحت قافنا اس کے لیے بھی نہایت اہتمام کیا اور حقیقت یہ سب
مقدم تھا۔ قرآن مجید جب مرتب و مدون ہوا تھا تو اواب کے ساتھ نہیں ہوا تھا اس لیے صرف
آن مجید کا شان ہونا کچھ مفید نہ تھا اگر صحت اواب تلفظ کا اہتمام نہ کیا جاتا۔ حضرت عمرؓ نے اس کے
لیے مختلف تدبیریں انصاف کیں۔

سب سے اول یہ کہ ہر جگہ تاکید حکام مجید کہ قرآن مجید کے ساتھ صحت الفاظ و صحت اواب
کی بھی تعلیم دی جائے۔ اُن کے راض الفاظ سب وایت بن الانباری یہ ہیں۔ لَعَلَّوْا اَعْرَابَ الْفَرَانِ
كَمَا تَعْلَمُونَ حِفْظًا اور سند ارمی میں یہ الفاظ ہیں لَعَلَّوْا السَّرَاصَ وَالْحَنَ وَالسَّنَ كَمَا تَعْلَمُو الْقُرْآنَ
دوسرے یہ قرآن کی تباہی کے ساتھ اواب اور عہدیت کی تعلیم بھی لازمی کر دی تاکہ لوگ
خود اواب کی صحت غلطی کی تفسیر نہ کریں۔

تیسرے یہ کہ دیا کہ کوئی شخص جو نعت کا عالم نہ ہو قرآن نہ پڑھانے پائے۔

قرآن مجید کے بعد حدیث کا درجہ ہے۔ حضرت عمرؓ نے اگرچہ حدیث کی ترویج میں نہایت
کوشش کی لیکن احتیاط کو ملحوظ رکھا اور یہ انہی وقتہ بنی کی سب سے بڑی دلیل ہے، وہ بجز مخصوص
صحابہ کے عام طور پر لوگوں کو روایت حدیث کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب
تحریر فرماتے ہیں ”چنانکہ فاروق اعظم عبد اللہ بن مسعود را با جمیع کوفہ فرستاد و قتل بن یسار و

عبد اللہ بن نفل و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عبادہ بن صامت و ابو برداء را بشام و بہ معاویہ
بن ابی سفیان کہ امیر شام بود قد غن مبلغ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاوز نکند“ حقیقت یہ ہے
کہ حضرت عمرؓ نے روایت حدیث کے متعلق جو اصول قائم کیے تھے وہ اُن کی نکتہ بنی کا بہت بڑا
کارنامہ ہے لیکن اُن کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ اُن کے ذاتی حالات میں، اُن کے فضل و کمال کا

جہاں ذکر آئیگا ہم اس کے متعلق نہایت تفصیل سے کام لیں گے۔

حدیث کے بعد فقہ کا رتبہ ہے اور چونکہ سائل فقہیہ سے بہرہ نفع کو ہر روز کام پر مانتا اس لیے حضرت عمرؓ نے اُسکو اشاعت و اشاعت دی کہ آج باوجود بہت سے نئے وسائل پیدا ہونے کے، یہ نشر و اشاعت ممکن نہیں، سائل فقہیہ کی ترویج کے لیے جو تدبیریں اختیار کریں حسب ذیل ہیں۔

صہ

سائل فقہ کی اشاعت

(۱) جہاں تک وقت اور فرصت سہادت کر سکتی تھی، خود بالمشافہ احکام تدبیر کی تعلیم کرتے تھے، جمعہ کے دن جو خطبہ پڑھتے تھے انہیں تمام ضروری احکام اور مسائل بیان کر دیتے تھے جج کے خطبہ میں جج کے مناسک اور احکام بیان فرماتے تھے، موطا امام محمد میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے عرفات میں خطبہ پڑھا اور جج کے تمام مسائل تعلیم کیے۔ یہی طرح شام و بیت المقدس وغیرہ کے سفر میں وقتاً فوقتاً جو مشہور اور پُر اثر خطبے پڑھے انہیں اسلام کے تمام تہاتر اور ارکان بیان کیے اور چونکہ ان موقعوں پر بے انتہا مجمع ہوتا تھا اس لیے ان مسائل کا اس قدر اعلان ہو جاتا تھا کہ اور کسی تدبیر سے ممکن نہ تھا۔ و شوق میں بمقام جابہ جو مشہور خطبہ پڑھا فقہاء نے اُسکو بہت سے سائل فقہیہ کے حوالے میں جا بجا نقل کیا ہے۔

(۲) وقتاً فوقتاً عمال اور افسروں کو تدبیر احکام اور مسائل لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، شہداء و بچکانہ کی اوقات کے متعلق جسکی تعیین میں مجتہدین آج تک مختلف ہیں تمام عمال کو ایک مسلسل ہدایت بھیجا، چنانچہ امام مالک نے اپنی کتاب موطا میں بعینہ اسی عبارت نقل کی ہے۔ اسی سلسلے کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو جو تحریر بھیجی اُسکو بھی امام مالک نے بالفانہ نقل کیا ہے، دو نمازوں کے جمع کرنے کی نسبت تمام ممالک مفتوحہ میں تحریری اطلاع بھیجی کہ ناجائز ہے۔ سلسلہ میں جب نماز

تراویح، جماعت کے ساتھ مسجد نبوی میں قائم کی تو تمام اضلاع کے افسروں کو لکھا کہ ہر جگہ اس کے مطابق عمل کجا جائے۔ زکوٰۃ کے متعلق تمام احکام مفصل لکھ کر ابو موسیٰ اشعری اور دیگر افسرانِ ملکی کے پاس بھیجے۔ اس تحریر کا عنوان جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے امام مالک کے حوالہ سے نقل کیا ہے یہ تھا۔ بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ هَذَا كِتَابُ الصَّدَقَةِ فِي فُضَا وَرِثَاتِهَا کے متعلق ابو موسیٰ اشعری کو بخبر بھیجی تھی اسکو ہم اوپر لکھ آئے ہیں۔ مہات مسائل کے علاوہ فقہ کے مسائل خبر بہ ہی مثال کو لکھ لکھ کر بھیجا کرتے تھے، حضرت ابو عبیدہ کو ایک دفعہ لکھا کہ ”میں نے سنا ہے کہ مسلمان عورتیں حماموں میں سارے عیسائی عورتوں کے سامنے بے پردہ نہاتی ہیں، لیکن مسلمان عورت کو کسی غیر مذہب الی عورت کے سامنے بے پردہ ہونا جائز نہیں“۔ روزہ کے متعلق تمام عمال کو تحریری حکم بھیجا کہ لَا تَدُوا مِنَ الْمَسْكِينِ لَعَطْرِكُمْ زید بن وہب کا بیان ہے کہ حضرت عمر کا فرمان ہم لوگوں کے پاس آیا کہ إِنَّ الْمَلَائِكَةَ لَا تَصُومُ نَطْوَعًا إِلَّا يَادِلَ رَوْحَهَا۔ ابو ہبیل کے روایت ہے کہ حضرت عمر نے ہم لوگوں کو لکھا کہ إِنَّ الْأَهْلَ الْعَصَمَاءَ لَكُنَّ مِنْ لَعْنِ اس طرح کی اور بہت سی بیشمار مثالیں ہیں۔

یہ بات بھی لحاظ کے قابل ہے کہ جو فقہی احکام حضرت عمر قرآین کے ذریعہ سے تالیف کرتے تھے چونکہ شاہی دستور العمل کی حیثیت رکھتے تھے، اس لیے یہ احتیاط ہیئت ملحوظ رہتی تھی کہ وہ مسائل اجماع اور متفق علیہ ہوں، چنانچہ بہت سے رسائل جن میں صحابہ کا اختلاف تھا ان کو جمع صحابہ میں پیش کر کے پہلے طے کرالیا، مثلاً چور کی سزا جس کی نسبت قاضی ابو یوسف کتاب الخراج میں لکھتے ہیں إِنَّ عُمَرَ اسْتَشَارَ فِي السَّارِقِ فَاجْتَمَعُوا غرض خباہت کی نسبت جب اختلاف ہوا تو تمام مجاہدین اور انصار کو جمع کیا اور یہ مسئلہ پیش کر کے سب رائے طلب کی، لوگوں نے مختلف رائے دیں، اسوقت فرمایا أَنْتُمْ أَهْلُهَا نَدَرٌ وَقَدْ أَهْلَعْتُمْ فَمِنْ بَعْدِكُمْ لَسْتُ أَحْلَا فَايَسِّرْ جب آپ لوگ

اصحابِ مذہب میں ہو کر آپس میں مختلف الیئے ہیں تو آئندہ آنے والی نسلوں میں اور سخت اختلاف ہوگا چنانچہ ازواجِ مطہرات سے یہ مسئلہ دریافت کیا گیا اور ان کی رائے قطعی پاکر شائع کی گئی۔ خزانہ کی تکمیل میں نہایت اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے صحابہ کو جمع کیا اور ایک نسخہ بات طے ہو گئی یعنی چار تجزیہ پر اتفاق ہو گیا۔

(۳) مصالح کے عمال اور مندرجہ مقرر کرتے تھے ان میں حیثیت بھی ملحوظ رکھتے تھے کہ عالم اور فقیہ ہوں چنانچہ بہت سے مختلف موقعوں پر اسکا اعلان کر دیا تھا، ایک فضیلت عام پر خطبہ دیا جس میں یہ الفاظ تھے اِنِّیْ اَشْهَدُ کُمْ عَلٰی اَمْرٍ اَکْثَرِ مَصَارِیْفِ کُمْ اَلْعَمَلُ لَا یَقْفُو النَّاسُ فِیْ دِیْنِهِمْ۔ یعنی میں تم لوگوں کو گواہ کرتا ہوں کہ میں نے افسروں کو اس لیے بھیجا ہے کہ لوگوں کو مسائل اور احکام بتائیں، یہ التزام ملکی افسروں تک محدود نہ تھا بلکہ فوجی افسروں میں بھی اسکا لحاظ کیا جاتا، قاضی ابو یوسف صاحب لکھتے ہیں اِنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ كَانَ اِذَا اجْتَمَعَ الْکِبَرُ جِئْتُ مِنْ اَهْلِ اِلْدِیْمَانَ بَعَثَ عَلَیْهِمْ رَجُلًا مِنْ اَهْلِ الْفِقْهِ وَالْعِلْمِ یُنَکِّتُہُمْ کہ حضرت عمرؓ کے عہد کے فوجی اور ملکی افسروں میں ہم حضرت ابو عبیدہؓ، سلمان فارسیؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، سعاد بن بل وغیرہ کا نام پاتے ہیں جو ملکی اور فوجی قابلیت کے ساتھ علم و فضل میں بھی متاثر تھے اور حدیث و فقہ میں اکثر ان کا نام آتا ہے۔

(۴) تمام ممالک محروسہ میں فقہاء اور مجتہدین کیے کہ لوگوں کو مذہبی احکام کی تعلیم دین ضرور ہے اگرچہ اس امر کو کسی خاص عنوان کے نیچے نہیں لکھا اور اس وجہ سے ان سطحوں کی صحیح تعداد معلوم نہیں ہو سکتی تاہم جتنے جتنے تصریحات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ہر شہر میں متعدد فقہاء اس کام پر مامور تھے۔ مثلاً عبداللہ بن مغفل کے حال میں صاحب اسد الغابہ نے لکھا ہے کہ یہ بھلاؤں دس

بزرگوں کے ہیں جنکو حضرت عمرؓ نے بصرہ میں بھیجا تھا کہ فقہ کی تعلیم دین، عمران بن حصین جو بہت بڑے رتبہ کے صحابی تھے ان کی نسبت عداۃ وہی طبقات انحطاط میں لکھتے ہیں وَكَانَ مِنْهُمْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ إِلَى أَهْلِ الْمَصْرَةِ يَفْقَهُهُمْ يَعْنِي بِهِ أَنَّ لَوْثُونَ فِيهِمْ جُنْدٌ حَضَرَتْهُ عُمَرُ بْنُ بَصْرَةَ فِي فَقْهِهِ كِي تَعْلِيمِ دِينِهِ كِي يَلِيهِ بِيحَاثَا - عبد الرحمن بن نعم کے حال میں طبقات انحطاط میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان کو تعلیم فقہ کے لئے شام بھیجا تھا، اور صاحب اسد الغابہ نے ان ہی کے حالات میں لکھا ہے کہ ”یہی وہ شخص ہیں جنہوں نے شام میں تمام تابعین کو فقہ سکھائی، عبادۃ بن الصامت کے حال میں لکھا ہے کہ جب شام فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے ان کو اور معاذ بن جبل اور ابو دردار کو شام میں بھیجا تاکہ لوگوں کو قرآن مجید پڑھائیں اور فقہ سکھائیں۔ جلال الدین سیوطی نے حسن المحاضرۃ فی اخبار مصر والقاہرۃ میں حبان بن ابی جبلہ کی نسبت لکھا ہے کہ ”حضرت عمرؓ نے ان کو مصر میں فقہ کی تعلیم پامور کیا تھا“

ان فقہاء کے درس کا یہ طریقہ تھا کہ ساجد کے صحن میں ایک طرف بیٹھ جاتے تھے اور شاہین علم نہایت کثرت سے ان کے گرد حلقہ کی صورت میں جمع ہو کر فقہی مسائل پوچھتے جاتے تھے اور وہ جواب دیتے جاتے تھے، ابو سلمہ خولانی کا بیان ہے کہ میں صحن کی مسجد میں داخل ہوا تو دیکھا کہ ۳۰ بڑے بڑے صحابہ وہاں تشریف رکھتے تھے اور مسائل گفست لگو کرتے تھے، لیکن جب ان کو کسی مسئلے میں شک پڑتا تھا تو ایک نوجوان شخص کی طرف رجوع کرتے تھے، میں نے لوگوں سے اس نوجوان کا نام پوچھا، تو معلوم ہوا کہ معاذ بن جبل ہیں، لیث بن سعد کا بیان ہے کہ ابو دردار جب مسجد میں آتے تھے تو ان کے ساتھ لوگوں کا اس قدر ہجوم ہوتا تھا جیسے بادشاہ کے ساتھ ہوتا ہی اور یہ سب لوگ ان سے مسائل دریافت کرتے تھے۔

۱۲ اہل عبارت یہ ہے کہ اھل العنصرۃ الذین بعثہم عمر اھل البصرۃ یعقہون الناس ۱۲ مکرہ بحفاظ ذکر معاذ بن جبل ۱۲

ابن جوزی کی تصریح سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ان فقہا کی تنخواہیں بھی مقرر کی تھیں اور حقیقت تعلیم کا مرتب اور نظم سلسلہ بغیر اس کے قائم نہیں ہو سکتا تھا

یہ بات خاص طور پر ذکر کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے جن لوگوں کو تعلیم فقہ کے لیے انتخاب کیا تھا مثلاً ساد بن جبل - ابو روا - حباؤ بن نصامت - عبد الرحمن بن عوف - حمران بن حمین

عبداللہ بن مغفل - تمام جماعت ہمام میں انتخاب تھے، یہی تصدیق کے لیے اسد الغابہ اور اسبابہ وغیرہ میں ان لوگوں کے حالات دیکھنے چاہئیں۔ ایک بات اور بھی لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت

عمرؓ نے اس بات کی بڑی حسدیا کی کہ عموماً تہذیب تعلیم سائل کا مجاز نہ ہو۔ سائل بھی خاص کر وہ تعلیم دیتے جاتے تھے جن میں صحابہ کا اتفاق اسے ہو چکا تھا باوجود جمع صحابہ میں پیش ہو کر طے کر لیے جاتے تھے، چنانچہ اسی پوری تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت خوبی سے لکھی ہے۔ ہم اس کے

جستہ جستہ فقرے جو ہماری بحث سے متعلق ہیں اس مقام پر نقل کرتے ہیں

”مہذب العزم خلیفہ برچیز مال مخالفت نبود۔ در جمع این امر شدہ زندہ رہنے وقتند و بدین

اطلاع رائے خلیفہ کاے راصمم نے ساعدند۔ لہذا درین عصر اختلاف مذہب و سنت ارا واقع شد

ہمہ بریک مذہب متفق و بریک راہ مجتمع، چون ایام خلافت خاصہ باکلیتہ منقرض شد و خلافت عامہ

ظہور نمود، علما در ہر بلدے مشغول بانفاذہ شدند۔ ابن عباس در مکہ فوتے می دہد۔ وعاشئہ صدیقیہ

وعبداللہ بن عمر در مدینہ حدیث را روایت سے نمایند۔ و ابوہریرہ اوقات خود را بر اکثر روایت

حدیث مصروف میسازد، باجماع درین ایام اختلاف قنائے پیدا شد۔ یکے را بر رائے دیگرے اطلاع

نہ و اگر اطلاع شدہ مذاکرہ واقع نہ، و اگر مذاکرہ بیان آمد ازاحت شبہہ و خروج از سنیق اختلاف بفضلے

اتفاق میسر نہ، اگر نتیجہ کنی روایت علما کے صحابہ کہ پیش از انقرض خلافت خاصہ از عالم گذشتہ اند

بنایت کم یابی، و جمعے کہ بعد ایام خلافت ماندہ اند ہرچہ روایت کردہ اند بعد ایام خلافت خاصہ

لی رول

رہنما کی

مرصع

کر وہ اندہ بہرچیز صحابہ عدول اند و روایت ایشان مقبول و عمل بموجب انچه بروایت صدوق از ایشان ثابت شود لازم اما در میان انچه از حدیث و فقہ و درین فاروق اعظم بود و انچه بعد و سے حادث شد و فراق با دین اسماوت و الارض است

علی بن ابی طالب

یہ تمام امور جنکا او پر کر ہوا علمی سلسلے سے تعلق رکھتے تھے۔ علمی صنیعہ پر بھی حضرت عمر نے نہایت توجہ کی اور ہر قسم کے ضروری انتظامات قائم کیے، ہر شہر و قصبہ میں امام و مؤذن مقرر کیے۔ اور بیت المال سے ان کی تنخواہیں مقرر کیں، علامہ بن ابی حوزی سیرۃ العمرین میں لکھتے ہیں ان

ابو ایوب اور
مردوں کا
مقرر

عمر بن الخطاب عثمان بن عفان کا نابینا بنان المودین والائمة موطا امام محمد سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد نبوی میں صفوں کے درست کرنے کے لیے خاص اشخاص مقرر تھے۔ حج کے زمانے میں اس کام پر لوگ مامور ہوتے تھے کہ حاجیوں کو مقام منہا میں عقبہ کے پار سنبھا آئیں۔ یا اس غرض سے کہ اکثر لوگ تاواقفیت سے عقبہ کے اسی طرف ٹھہر جاتے تھے حالانکہ وہاں ٹھہرنا مناسب ج میں محسوب نہ تھا۔

حاجروں کی
تلاش والائی

چونکہ عبد خلافت میں متصل ۱۰ حج کیے اس لیے میر حاج، ہمیشہ خود ہوتے تھے اور تھاج کی خبر گیری کی خدمت خود انجام دیتے تھے۔

مساجد کی تعمیر

تمام ممالک مفتوحہ میں نہایت کثرت سے مسجدیں تیار کرائیں۔ ابو موسیٰ اشعری کو جو کوفہ کے حاکم تھے لکھا کہ بصرہ میں ایک جامع مسجد۔ اور باقی ہر قبیلہ کے لیے الگ الگ مسجدیں تعمیر کرائیں سعد و قاص اور عمر بن العاص کو بھی اسی قسم کے احکام بھیجے۔ شام کے تمام عمال کو لکھا کہ ہر شہر میں ایک ایک مسجد تعمیر کرائیں۔ چنانچہ یہ مسجدیں آج بھی جوامع عمری کے نام سے مشہور ہیں گو ان کی اصل عمارت اب باقی نہیں رہی ہے۔ ایک جامع عمری میں جو بیروت میں واقع ہے

راقم کو بھی نماز ادا کرنے کا شرف حاصل ہوا ہے، محدث جمال الدین نے روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت عمر کے عہد میں چار ہزار مسجدیں تعمیر ہوئیں، یہ خاص تعداد کو قطعی نہ ہو لیکن کچھ شبہ نہیں کہ مساجد فاروقی کا شمار ہزاروں سے کم نہ تھا۔

حرم محترم کی عمارت کو وسعت دی اور اُس کی زینب زینت پر توجہ کی۔ اسکی تفصیل یہ ہے کہ اسلام کو جو روز افزوں وسعت ہوتی جاتی تھی اُس کے لحاظ سے حرم محترم کی عمارت کافی نہ تھی اس لیے شامہ میں گرد و پیش کے مکانات مولے کر ڈھائیے اور اُن کی زمین حرم کے صحن میں شامل کر دی، اس زمانے تک حرم کے گرد کوئی دیوار نہ تھی اور اس لیے اُسکی حد عام گناہا سے متمازنہ تھی۔ حضرت عمر نے احاطہ کی دیوار کھینچوائی اور اُس سے یہ بھی کام لیا کہ اُس پر رات کو چراغ جلائے جاتے تھے۔ کعبہ پر غلاف اگرچہ ہمیشہ سے چڑھایا جاتا تھا چنانچہ جاہلیت میں بھی نطع کا غلاف چڑھاتے تھے۔ لیکن حضرت عمر نے قبائلی کا ہوا یا جو نہایت عمدہ قسم کا کپڑا ہوتا تھا اور مصر میں بُنا جاتا ہے حرم کی حدود سے (جو کسی طرف سے تین میل اور کسی طرف سے ۹ میل ہیں) چونکہ بہت سے شرعی احکام متعلق ہیں۔ چنانچہ اسی غرض سے ہر طرف پتھر کھڑے کر دیئے گئے تھے جو انصاب حرم کہلاتے تھے اس لیے حضرت عمر نے شامہ میں نہایت اہتمام اور احتیاط سے اسکی تجدید کی۔ صحابہ میں سے جو لوگ حدود حرم کے پورے واقف کار تھے انہی حضرت بن نوفل، ازہر بن عبد جوف، حلیط بن عبد الغری، سعید بن یربوع کو اس کام پر مامور کیا اور نہایت جانچ کے ساتھ پتھر نصب کیے گئے۔

مسجد نبوی کو بھی نہایت وسعت اور رونق دی۔ آنحضرت کے عہد میں جو عمارت تیار ہوئی تھی وہ اُس عہد کے لیے کافی تھی لیکن مدینہ کی آبادی روز بروز ترقی کرتی جاتی تھی اور اس وجہ سے

مدنیوں
بہت
درگت

نمازیوں کی تہ اور برستی جاتی تھی، شاہیں حضرت عمرؓ اُسکو مہیچ کرنا چاہا۔ گرو پش کے سام
مکانات قیمت دیکر رہتے لیکن حضرت عباسؓ نے اپنے مکان کے بیچتے سے الگا کر لیا۔ حضرت عمرؓ
کافی مہارضہ دیتے تھے اور حضرت عباسؓ اس کسی طرح اصرار نہ ہوتے تھے، آخر مقدسہ ابی بن کعبہ
پاس گیا۔ انھوں نے فیصلہ کیا کہ حضرت عمرؓ کو بھجوریدے گا کوئی حق نہیں۔ حضرت عباسؓ نے فرمایا
کہ: انہیں بلا قیمت عامہ مسلمین کے لینے دیدینا مرد، غرض ازواجِ مطہرات کے مکانات کو
پھوڑ کر باقی جس قدر مارتیں تھیں ڈھا کر مسجد کو دست دی گئی۔ پہلے طول ۱۰۰ گز کا تھا اُصول سے
۴۰ گز کر لیا، اسی طرح عرض میں بھی ۲۰ گز کا اضافہ ہوا لیکن عمارت میں کچھ تکلف نہیں کیا گیا، حضرت
کے حجرہ میں جس طرح ستون وغیرہ بکڑی کے تھے۔ اب بھی لکڑی کے ہے، حضرت عمرؓ نے
مسجد کی تبدیہ کے ساتھ ایک گوشہ میں ایک چوڑہ بھی بنوایا اور لوگوں سے کہا کہ جکوبات حیت
کرنی، یا شتر بڑھنا ہو اُس کے لیے یہ جگہ ہے۔

حضرت عمرؓ سے پہلے مسجد میں روشنی کا کچھ سامان نہیں تھا، اسکی ابتدا بھی حضرت عمرؓ کے عہد
میں ہوئی، یعنی اُن کی اجازت سے بیتم واری نے مسجد میں چراغ جلائے۔ حضرت عمرؓ نے
مسجد میں خوشبو اور بخور کا انتظام بھی کیا، جسکی ابتداء یوں ہوئی کہ ایک فہم مال غنیمت میں عود کا
ایک ٹنڈل آیا۔ حضرت عمرؓ نے مسلمانوں کو تقسیم کرنا چاہا لیکن وہ کافی نہ تھا۔ حکم دیا کہ مسجد میں صرف
کیا جائے کہ تمام مسلمانوں کے کام آئے چنانچہ مؤذن کو والہ کیا۔ وہ ہمیشہ حجہ کے دن انجلیشی
میں جلا کر نمازیوں کے سامنے پھرتا تھا اور اُن کے کپڑے بساتا تھا۔ فرش کا انتظام بھی اول
حضرت عمرؓ ہی نے کیا لیکن یہ کوئی پر تکلف قالین اور شہ طرخی کا فرش نہ تھا بلکہ اسلام کی سادگی
یہاں بھی قائم تھی یعنی چٹائی کا فرش تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ نمازیوں کے کپڑے گرو خاک

میں نہ آلودہ ہوں۔

متفرق انتظامات

حکومت کے متعلق بڑے بڑے انتظامی مینوں کا حال، اوپر گزر چکا، لیکن ان کے علاوہ اور بہت سے چیزیات ہیں جن کے لیے جدا جدا عنوان نہیں قائم کیے جاتے اس لیے ان کو بھی لکھنا یا وہ دیکھنا نہیں سے ایک دفتر اور کاغذات کی ترتیب، اور اس کی ضرورت سے سن اور سال کا نام کرنا ہے حضرت عمر سے پہلے ان چیزوں کا وجود نہ تھا، عام واقعات کے یاد رکھنے کے لیے جاہلیت میں بعض بعض واقعات سے سن کا حساب کرتے تھے مثلاً ایک راتے تک کعب بن لوی کی وفات سے سال کا شمار ہوتا تھا، پھر عام لفیل قائم ہوا یعنی جس سال ابرتہ الاثر مرنے کے لیے چمکے کیا تھا پھر عام الفجار اور اس کے بعد اور مختلف سن قائم ہوئے۔ حضرت عمر نے ایک مستقل سن قائم کیا جو آج تک جاری ہے

سنہ نبوی
محرک زمانہ

اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ۱۰ھ میں حضرت عمر کے سامنے ایک پکت پیش ہوئی جس پر حضرت عثمان کا لفظ لکھا تھا، حضرت عمر نے کہا یہ کیونکر معلوم ہو کہ گزشتہ شعبان کا مہینہ مراوے یا موبودہ اسی وقت مجلس شورے منعقد کی، تمام بڑے بڑے صحابہ جمع ہوئے اور یہ سلسلہ پیش کیا گیا اکثروں نے رائے دی کہ فارسیوں کی تقلید کی جائے۔ چنانچہ ہر فرمان جو خوارستان کا بادشاہ تھا، اسلام لاکر دینا منورہ میں مقیم تھا طلب کیا گیا، اس نے کہا کہ ہمارے ہاں جو حساب ہے اُسکو روز کیستے ہیں اور اس میں مہینہ اور تاریخ دونوں کا ذکر ہوتا ہے اس کے بعد یہ بحث پیدا ہوئی کہ سنہ کی ابتدا کب قرار دی جائے، حضرت علی نے ہجرت نبوی کی رائے دی، اور اس پر ب کا اتفاق ہو گیا آنحضرت نے ربیع الاول میں ہجرت فرمائی تھی یعنی سال میں دو مہینے آٹھ دن گزر چکے تھے اس لحاظ سے ربیع الاول سے آغاز ہونا چاہیے تھا لیکن چونکہ عرب میں سال، محرم سے شروع ہوتا ہے اس لیے دو مہینے آٹھ دن پیچھے ہٹ کر شروع سال سے سنہ قائم کیا

حرب میں اگرچہ قدیم سے لکھنے پڑھنے کا فی الجملہ رواج تھا، چنانچہ جب اسلام کا زمانہ آیا تو صرف ایک قریش کے قبیلہ میں، انھیں لکھنا پڑھنا جانتے تھے، لیکن حساب کتاب کے عموماً لوگ بے بہرہ تھے، یہاں تک کہ جب ۱۲ھ میں اہل مکہ فتح ہوا تو تمام فوج میں ایک شخص نہ تھا جسکو حساب کتاب آتا ہو اور جو مال غنیمت کو قاعدے سے تقسیم کر سکتا۔ مجبوراً لوگوں نے ایک ۴۴ سالہ لڑکے یعنی زیاد بن ابی سفیان کی طرف رجوع کیا اور اس صلے میں اسکی تنخواہ دو درہم یومیہ مقرر کی۔ یا تو یہ حالت تھی یا حضرت عمر کی بدولت نہایت خوبی سے ہر قسم کے مفصل کاغذات اور نقشے تیار ہوئے۔

سب سے مشکل اور پر پیچ، روزینہ داروں کا حساب تھا جو اہل عطا کہلاتے تھے اور جن میں ہر قسم کی فوجیں بھی شامل تھیں، ان کی تعداد لاکھوں سے متجاوز تھی اور مختلف گروہوں کو مختلف جہتیوں سے تنخواہ ملتی تھی، مثلاً بہادری کے لحاظ سے، شہرت کے لحاظ سے، پچھلی کارگزاریوں کے لحاظ سے، اس کے ساتھ قبائل کی تفریق بھی ملحوظ تھی۔ یعنی ہر ہر قبیلہ کا جدا جدا جرگہ تھا، اور ان میں بھی مختلف وجوہ کے لحاظ سے ترتیب قائم رکھی جاتی تھی، اس صیغے کے حساب کتاب کی درستی کے لیے حضرت عمر نے بڑے بڑے، قابل لوگوں کو مامور کیا مثلاً دار الخلافہ میں عقیل بن ابیطالب، حضرت بن نوفل، جبیر بن مطعم کو، بصرہ میں مغیرہ بن شعبہ کو، کوفہ میں عبداللہ بن خلف کو

خران کا تمام دفتر جیسا کہ ہم اوپر کچھ آئے ہیں، فارسی، شامی، قبطی زبان میں رہا کیونکہ عربیوں اس فن کو استقدر ترقی نہیں ہوئی تھی کہ یہ دفتری زبان میں منتقل ہو سکتا۔

بیت المال کا حساب نہایت صحت سے مرتب رہتا تھا، از کوۃ و صدقہ میں جو مہوشی آتے تھے بیت المال سے متعلق تھے چنانچہ ان کے جرگہ تک نہایت تفصیل سے مرتب تھے، جانوروں کا حلیہ رنگ، اور عمر تک لکھی جاتی تھی اور بعض وقت خود حضرت عمر اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے۔

مذاہب
کے اختلافات

مصارف جنگ اور مال غنیمت کا حساب ہمیشہ انیسویں سے طلب کیا جاتا تھا، چنانچہ حضرت خالد کی پہلے معزولی اسی بنا پر ہوئی تھی کہ وہ کاغذات حساب کے بے نیچے کی ذمہ داری نہیں قبول کرتے تھے۔ جلولا کی فتح میں جو سترہ میں واقع ہوئی تھی۔ زیاد بن ابی سفیان حساب کے کاغذ لے کر مدینہ میں آئے تھے اور حضرت عمر کو ملاحظہ کرایا تھا۔

مردم شماری
کے کاغذات

زکوٰۃ اور جزیہ کی تشخیص کی ضرورت سے ہر مقام کی مردم شماری کرائی گئی تھی اور اس کے کاغذات نہایت اہتمام سے محفوظ تھے، چنانچہ مصر و عراق کی مردم شماری کا حال، مقریزی اور طبری نے تفصیل سے لکھا ہے۔

خاص خاص صفتوں کے لحاظ سے بھی نقشے تیار کرائے گئے تھے، مثلاً سعد و قاس کو حکم بھیجا تھا کہ جب قدر آدمی قرآن پڑھ سکتے ہیں ان کی فہرست تیار کی جائے۔ شاعروں کی فہرست بھی طلب کی تھی چنانچہ اسکا ذکر کسی اور موقع پر آئیگا۔

مفتوحہ ممالک کی قوموں یا آؤر لوگوں سے جب قدر تحریری معاہدے ہوتے تھے وہ نہایت حفاظت سے ایک صندوق میں رکھے جاتے تھے جو خاص حضرت عمر کے اہتمام میں رہتا تھا۔

کاغذات
کے حساب
کے محفوظ

اس موقع پر یہ بتادینا بھی ضرور ہے کہ اسوقت تک حساب کتاب کے لکھنے کا یہ طریقہ تھا کہ مستطیل کاغذ پر لکھتے تھے اور اسکو لپیٹ کر رکھتے تھے، بعینہ اس طرح جس طرح ہمارے ملک میں مہاجنوں کی یہاں ہوتی ہیں۔ کتاب اور جبرشہ کا طریقہ، خلیفہ سفاح کے زمانے میں اس کے وزیر خالد برمکی نے ایجاد کیا۔

سکہ کی نسبت اگرچہ عام مورخوں نے لکھا ہے کہ عرب میں سب سے پہلے جسے سکہ جاری کیا وہ عبد الملک بن مروان ہے، لیکن علامہ مقریزی کی تحریر سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کے

موجب بھی سفر فاروق ہی ہیں۔ چنانچہ اس موقع پر ہم علامہ موصوف کی عبارت کا لفظی ترجمہ کرتے ہیں
 ”جب امیر المؤمنین عمرؓ خلیفہ ہوئے اور عدل نے اُن کے ہاتھ پر مصر و شام و عراق فتح کیا، تو
 اُنھوں نے سکے کے معاملہ میں کچھ دخل نہیں دیا، بلکہ پرانے سکہ جو جاری تھے بحال رہنے دیے
 سکہ میں جب مختلف مقامات سے۔ سفارتیں آئیں تو بصرہ سے بھی سفر آئے جن میں
 بن قیس بھی شامل تھے، احنف نے ہاشدگان بصرہ کی ضروریات اور حاجتیں بیان کیں،
 حضرت عمرؓ نے اُن کی درخواست پر عقل بن یسار کو بھیجا، جنھوں نے بصرہ میں ایک نہر تیار کرائی
 جس کا نام نہر عقل ہے، اور اُن کی نسبت یہ فقرہ مشہور ہے اِذَا جَاءَكَ نَهْرُ اللَّهِ بَطَلَ نَهْرُ مَعْقِلٍ،
 حضرت عمرؓ نے اسی زمانہ میں یہ انتظام کیا کہ ہر شخص کے لئے ایک جریب غلہ اور دو درہم ماہوار تقریر
 کیے۔ اُسی زمانے میں حضرت عمرؓ نے اپنے سکے کے درہم جاری کیے، جو نو شیردانی سکے کے مشابہ تھے
 البتہ اتنا فرق تھا کہ حضرت عمرؓ کے سکوں پر الحمد للہ اور بعض سکوں پر مُحَمَّدٌ رَسُوْلُ اللّٰهِ اور بَصْرَہ
 لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لکھا ہوتا تھا، حضرت عمرؓ کے اخیر زمانے میں دس درہم کا مجموعی وزن چھٹال
 کے برابر ہوتا تھا۔

یہ تقریری کی خاص روایت ہے لیکن اس قدر عموماً مسلم ہے کہ حضرت عمرؓ نے سکے میں تریہم
 اصلاح کی۔ علامہ ماوردی نے الاحکام السلطانیۃ میں لکھا کہ ایران میں تین قسم کے درہم تھے،
 بنعلی آٹھ دانگ کا۔ طبری چار دانگ کا۔ مغربی تین دانگ کا۔ حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ بنعلی۔ اور
 طبری چونکہ زیادہ چلتے ہیں اس لئے دونوں کو ملا کر انکا نصف اسلامی درہم قرار دیا جائے چنانچہ
 اسلامی درہم چھ دانگ کا قرار پایا۔

۱۔ دیکھو کتاب الفتاویٰ الاسلامیۃ لملفوظات مفتی محمد شفیع صاحب ج ۱ ص ۲۹۸

۲۔ الاحکام السلطانیۃ لماوردی صفحہ ۱۴

دومی رعایا کے حقوق

حضرت عمرؓ نے دومی رعایا کو جو حقوق دیتے، اسکا مقابلہ اگر اس زمانے کی اور سلطنتوں سے کیا جائے تو کسی طرح کا تناسب نہ ہوگا۔ حضرت عمرؓ کے ہمایہ میں جو سلطنتیں تھیں وہ روم و فارس تھیں، ان دونوں سلطنتوں میں غیر قوموں کے حقوق، ملاموں سے ڈی بدتر تھے، شام کے عیسائی باوجود کیہ رومیوں کے ہم مذہب تھے۔ تاہم انکو اپنی مقبوضہ زمینوں پر کسی قسم کا مالک یا حق حاصل نہیں تھا بلکہ وہ خود ایک قسم کی جاہل و خیال کیے جاتے تھے، چنانچہ زمین کے انتقال کے ساتھ وہ بھی منتقل ہو جاتے تھے، اور مالک سابق کہ ان پر جو مالکانہ اختیارات حاصل تھے وہی قابل حال کو حاصل ہو جاتے تھے، یہودیوں کا حال اور بدتر تھا بلکہ اس قابل نہ تھا کہ کسی خشیت سے ان پر رعایا کا اطلاق ہو سکتا، کیونکہ رعایا آخر کچھ نہ کچھ حق رکھتی ہے، اور وہ حق کے نام سے بھی محروم تھے۔ فارس میں جو عیسائی تھے ان کی حالت اور بھی رحم کے قابل تھی۔

سورج
ماہ دیکھ
ماہ دیکھ
ساہ

حضرت عمرؓ نے جب ان ممالک کو زیر نگین کیا تو دفعۃً وہ عانت بدل گئی، جو حقوق ان کو پہلے گئے اُس کے لحاظ سے گویا وہ رعایا نہیں ہے، بلکہ اس قسم کا تعلق رکھتا جیسا کہ برابر سے ہمارے کرنے والوں میں ہوتا ہے۔ مختلف ممالک کی فتح کے وقت جو معاہدے لگے گئے ہم ان کے مقام پر نتیجہ نقل کرتے ہیں، جس سے اس نوع کی تصدیق ہوگی اور ساتھ ہی اس بات کے موازنہ کا موقع ملے گا کہ یورپ نے بائیسویں صدی میں جو حقوق کبھی غیر قوم کو نہیں دیئے تھے، ہمارے ہاں کیا ہے۔ ہمارے ہاں کیا ہے کہ تاریخوں میں جو معاہدے منقول ہیں ان میں بعض مفصل اور باقی مختصر ہیں، کیونکہ مفصل شرائط کا بار بار اعادہ کرنا تطویل عمل کا باعث تھا اس لئے اکثر معاہدوں میں کسی مفصل معاہدے کا حوالہ دیا گیا ہے، بیت المقدس کا معاہدہ جو خود حضرت عمرؓ کی موجودگی میں لے دی سے وہ دوسرا ہے جو مسلمان نہ ہیں لیکن ممالک اسلام میں سکونت کوئی نہیں۔

اَوْ اَنْ تَنْفُطِيْنَ بَيْنَ يَدَيْهِ كَيْفَ كُنْتُمْ يَوْمَ
 هَٰذَا اِنَّمَا اَعْطٰهُ سَمْعًا لِّاٰلِ الْاٰثِمِيْنَ

اَهْلَ اٰلِیَآءِ مِنْ اَلَا مَا اَنْعَاھُمْ اَمَّا اَنَا
 لَا اَسْمِعُھُمْ وَاَمَّا اَلِھُمْ وَلَکِنَّا لَسَمِعُھُمْ وَصَلَّیْھُمْ
 وَتَسَدَّیْھُمْ وَتَنَبَّأُوْا بِرَمَلِھُمْ اَنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ
 لَیْسَ کُنْ کَمَا تُسَمِّیْھُمْ وَلَا تَهْدِمُ وَلَا تَنْفُصُ مِنْھُمْ
 وَلَا مِنْ دَرِھَا وَلَا مِنْ صُلَیْھُمْ وَا
 لَا مِنْ شَیْءٍ مِنْ اَمْوَالِھُمْ وَلَا یُکْرَھُوْنَ عَلَیْکُمْ
 وَلَا یَصَارُ اَحَدُھُمْ وَلَا یَسْکُنُ دَالِیْہِمْ
 صَھْبُھُمْ اَحَدٌ مِنَ الْیَھُوْدِ - وَ عَلٰی اَھْلِ اٰلِیَآءِ
 اَنْ یَّعْطُوْا الْحَرَّ بِهٖ کَمَا یُعْطِیْ اَھْلَ الْمَدَآئِنِ وَ
 عَلَیْھُمْ اَنْ یَّجْرُوْا مِنْھَا الرُّومَ وَالصُّوْتِ
 مِنْ خَرَجٍ مِنْھُمْ فَھُوْا مِنْ عَلٰی نَفْسِہٖ وَمَالِہٖ
 یَلْعَوْا مَا مِنْھُمْ رُومٍ اَقَامَ مِنْھُمْ فَھُوْا مِنْ وَا
 عَلَیْہِمْ مِثْلُ اَھْلِ اٰلِیَآءِ مِنَ الْجَوْنِ وَ مِنْ اٰجِبِ
 اَھْلِ اٰلِیَآءِ اَنْ یَّسْرِ نَفْسِہٖ وَمَالِہٖ مَعَ الرُّومِ وَ یُحِبُّ
 بَیْعُھُمْ وَصُلَیْھُمْ حَتّٰی یَلْعَوْا مَا مِنْھُمْ - وَ عَلٰی
 بَیْعُھُمْ وَصُلَیْھُمْ حَتّٰی یَلْعَوْا مَا مِنْھُمْ - وَ عَلٰی
 مَا فِیْ هٰذَا الْکِتَابِ عَمَّا لَلَّہِ وَ دِیْمَہٗ رَسُوْلُہٗ وَ

سودہ اباس پور صہ کے حاکم ہر المومنین عمر سے اسرار
 کے لوگوں کو دی، یہ اماں کی جان مال گرما اہلیہ،
 سدرس ہما، اور اس کے تمام مددگاروں کے لئے ہے،
 اس طرح یہ کہ ان کے گروہوں میں سکون نہ ہو جائے
 حاس گئے یہ انکو مال کے لحاظ کو کچھ نقصان نہ پہنچا جائے گا۔
 یہ ان کی سلسلہ اور ان کے ال سے کچھ کمی
 کی جائے گی، یہ سب کے بارے میں ان سے
 حر کس جائے گا یہ ان سے کسی نقصان نہ پہنچا جائے گا
 اب اس میں ان کے ساتھ یہودی رہے ہاں گئے اب اس والوں
 یہ دوسرے کہ اور شہروں کی طرح حرہ بن زبایوں کو
 بحال رہیں ان پوچھوں سے دوسرے کچھ بھی جان اور
 مال کو اس ہو۔ تاکہ وہ جاے بناہ میں نہیں جائے اور
 اب اس میں ہاں ہاں ان کے لئے لوگوں میں اس ہے اور کو
 دیا جائے گا اور اب اس والوں سے شخص اسی حال اور
 مال لیکر پوچھوں کے ساتھ چلا جائے چاہے تو اس کو اور
 ان کے گروہوں کو اور صلیہوں کو اس سے یہاں تک
 کہ وہ اپنی جائے یاہ تک نہیں اور کچھ اس تحریر
 میں ہے اسیر صہ کا، رسول صہ کا، علماء مسلمانوں کا

دَمَّةُ الْخَلْفَاءِ وَدَمَّةُ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا عَطَاكَ اللَّهُ
عَلَيْهِمْ مِنَ الْجَزَاءِ سَهْدٌ عَلَى ذَلِكَ خَالِدُ
بْنُ الْوَلِيدِ وَعُمَرُ بْنُ الْعَاصِ وَعِنْدَ الرَّحْمَنِ
عَوْفٌ وَمَعَاوَنَةُ بْنُ أَبِي سَفْيَانَ وَكَثِيرٌ حَصِيرٌ

دہ ہے بشرطیکہ وہ لوگ حرۃ مقررہ ادا کرے رہیں
اس تحسیر پر گواہ ہیں خالد بن الولید اور عمر بن العاص
اور عبد الرحمن بن عوف اور معاویہ بن ابی سفیان
اور کثیر بن حصیر۔

اس فرمان میں صاف تصریح ہے کہ عیسائیوں کے جان، مال، اور مذہب، ہر طرح سے محفوظ رہیگا اور یہ ظاہر ہے کہ کسی قوم کو جب قدر حقوق حاصل ہو سکتے ہیں انہی تین چیزوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ گرجے اور چرچ کی نسبت تفصیل ہے کہ نہ وہ توڑے جائیں گے نہ انکی عمارت کو کسی طرح کا نقصان پہنچایا جائیگا۔ نہ ان کے احاطوں میں دست اندازی کی جائیگی، نہ ہیادی کی نسبت دوبارہ تصریح ہے کہ لایکروں علی ذہنہم عیسائیوں کے خیال میں چونکہ حضرت عیسیٰ کو یہودیوں نے صلیب سے کرقل کیا تھا اور یہ واقعہ خاص بیت المقدس میں پیش آیا تھا اس لیے ان کی خاطر سے یہ شرط منظور کی کہ یہودی بیت المقدس میں نہ ہنے پائیں گے۔ یونانی باوجود اس کے کہ مسلمانوں سے لڑے تھے اور درحقیقت وہی مسلمانوں کے اصلی عدو تھے تاہم ان کے لیے یہ رعایتیں ملحوظ رکھیں کہ بیت المقدس میں رہنا چاہیں تو رہ سکتے ہیں اور نجلیا چاہیں تو نکل جاسکتے ہیں، دونوں حالتوں میں ان کو امن حاصل ہوگا اور ان کے گرجاؤں اور معبدوں سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا، سب سے بڑھکر یہ کہ بیت المقدس کے عیسائی اگر یہ چاہیں کہ وطن سے نکل کر رومیوں سے جا ملیں تو اس پر بھی ان سے کچھ تعرض نہ کیا جائیگا بلکہ ان کے گرجے وغیرہ جو بیت المقدس میں ہیں سب محفوظ رہیں گے، کیا کوئی قوم مفتوح ملک کے ساتھ اس سے بڑھ کر انصاف نہ کرنا کر سکتی ہے؟

۱۵ دیکھو تاریخ ابو جعفر پر طرغ بہت اندس۔

سب سے مقدم امر یہ ہے کہ ذمیوں کی جان و مال کو، مسلمانوں کی جان و مال کے برابر قرار دیا، کوئی مسلمان اگر کسی ذمی کو قتل کر ڈالتا تھا تو حضرت عمرؓ فوراً اُس کے بدلے، مسلمان کو قتل کر دیتے تھے۔ امام شافعی نے روایت کی ہے کہ قبیلہ بکرن وائل کے ایک شخص نے حیرہ کے ایک عیسائی کو مار ڈالا، حضرت عمرؓ نے لکھ بھیجا کہ قاتل، مقتول کے وارثوں کو دیدیا جائے چنانچہ وہ شخص مقتول کے وارث کو جس کا نام حبیب تھا حوالہ کیا گیا اور اُس نے اُس کو قتل کر ڈالا۔ مال اور جائیداد کے متعلق اُن کے حقوق کی حفاظت اس سے بڑھ کر کیا ہو سکتی ہے کہ جب قدر زمینیں اُن کے قبضہ میں تھیں اُسی حیثیت سے بحال رکھی گئیں جس حیثیت سے فتح سے پہلے اُن کے قبضے میں تھیں یہاں تک کہ مسلمانوں کو اُن زمینوں کا خریدنا بھی ناجائز قرار دیا گیا، چنانچہ اس بحث کو تفصیل کے ساتھ محافلِ ملکی کے بیان میں لکھ آئے ہیں۔

مالگزاری جو شخص کیگئی وہ نہایت نرم اور ہلکی تھی اس پر بھی حضرت عمرؓ کو ہمیشہ یہ خیال رہتا تھا کہ کہیں اِن پر سختی تو نہیں کی گئی چنانچہ مرتے مرتے بھی یہ خیال نہ گیا۔ ہر سال یہ معمول تھا کہ جب عراق کاخراج آتا تھا تو انھیں کوفہ اور انھیں بصرہ سے طلب کیے جاتے تھے اور حضرت عمرؓ اُن سے چار دفعہ تاکید قسم لیتے تھے کہ مالگزاری کے وصول کرنے میں کچھ سختی تو نہیں کی گئی ہے۔ وفات سے دو تین دن پہلے کا واقعہ ہے کہ افسرانِ بندوبست کو بلایا اور انھیں جمع کے متعلق اُن سے گفتگو کی اور بار بار پوچھتے رہے کہ جمع سخت تو نہیں مقرر کی گئی۔

ایک بڑا فنی جو رعایا کو حاصل ہو سکتا ہے، یہ ہے کہ انتظاماتِ ملکی میں اُن کو حصہ دیا جائے، حضرت عمرؓ ہمیشہ اُن انتظامات میں جن کا تعلق ذمیوں سے ہوتا تھا ذمیوں کے مشورہ اور مشورہ

۱۔ الدرر النوری فی تاریخ الہدایہ مطبوعہ دہلی، صفحہ ۳۶۰ تا ۳۶۱ کتاب الخراج صفحہ ۶۵ تا ۶۶ کتاب الخراج صفحہ ۲۱ میں ہے مالی شہدائے عمرؓ علیہ السلام ان نصاب ثلاث اور اہم و افضلی حدیث من الماں و عثمان بن حنیف و ہونعمول لہما لعلہما کما حملتہ الارض ما لا نطق ۱۲

مدرب
نکد
دستور
حال

دستور
ملکی
سورہ

کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ عواقب کا بندوبست جب پیش تھا تو عجمی رئیسوں کو مدد دینا بھی ہمارا مال گزاری کے حالات دریافت کیے مگر میں جو انتظام کیا اُس میں مقدمات سے اکثر بے گناہی۔

جان و مال و جائیداد کے متعلق جو حقوق دہیوں کو دیئے گئے تھے وہ صرف زبانی نہ تھے بلکہ نہایت مضبوطی کے ساتھ اُن کی پابندی کی جاتی تھی، شہنشاہ کے ایک کاشتکار نے شکایت کی کہ اہل نوج نے اُسکی زراعت کو پامال کر دیا۔ حضرت عمرؓ نے بیت المال سے اہل زراعت کو دیکھ کر دعا و خیر میں دلوائے۔ تضلع کے حکام کو تاکید فرماں بھیجتے تھے کہ دہیوں پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے، خود بالمشافہ لوگوں کی آگے تاکید کرتے رہتے تھے، قاضی ابوالیوسفؒ نے کتاب الخراج باب الجزیہ میں روایت کی ہے کہ حضرت عمرؓ جب شام سے واپس آ رہے تھے تو چند آدمیوں کو دیکھا کہ دھوپ میں کھڑے ہیں اور اُن کے سر پر نیل ڈالا جا رہا ہے، لوگوں سے پوچھا کہ کیا ماجرا ہے؟ معلوم ہوا کہ ان لوگوں نے جزیہ نہیں ادا کیا ہے اس لئے انکو سزا دی جاتی ہے حضرت عمرؓ نے دریافت کیا کہ آخر ان کا غدر کیا ہے؟ لوگوں نے کہا کہ ”ناداری“ فرمایا کہ ”چھوڑ دو اور ان کو تکلیف نہ دو۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لَا تَعْذِبُوا النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ يَعْذِبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يَعْذِبُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ یعنی آنحضرتؐ نے فرمایا ہے کہ لوگوں کو تکلیف نہ دو، جو لوگ دنیا میں لوگوں کو عذاب پہنچاتے ہیں خدا قیامت میں اُن کو عذاب پہنچائے گا، حضرت ابو عبیدہؓ کو شام کی فتح کے بعد جو فرمان لکھا اُس میں یہ الفاظ تھے۔

واعلم المسلمین من ظلمهم و الاضرار بهم و	مسلمانوں کو منع کرنا کہ دہیوں پر ظلم نہ کرنے پائیں نہ انکو نقصان
اکل اموالهم الا جملها و وف لهم بشرطهم	پہنچانے پائیں نہ ان کا مال بے وجہ کھانے پائیں اور جس شرط پر
الذی شرطت لهم فی جمیع ما اعطیتهم	تم نے اُن سے کی ہیں سب ناکرد۔

حضرت عمرؓ نے وفات کے ذریعہ خلیفہ ہونے والے شخص کے لیے ایک مفصل وصیت فرمائی تھی۔ اس وصیت کا نام کواۃ صخری، ابو بکرؓ بہت ہی جاحظ اور بہت سے مؤرخین نے نقل کیا ہے اس کا اچھا تقریباً یہ ہے۔

وَأَوْصِيَهُ بِاللَّهِ دَمَهُ رَسُولُهُ أَوْ بِغَيْرِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْلَمُونَ	میں اس لوگوں کے حق میں وصی کر رہا ہوں جو اللہ کے رسول کا دھرم دیکھتا ہے (یعنی دینی) کہ اس سے عہد ہے وہ جو رکھنا چاہے اور ان کی حاجت میں لڑنا چاہے اور ان کو ان کی طاقت سے زیادہ تکلف نہ کرے۔
------------------------------------------------------------------------------------	----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

اس سے زیادہ وہ کیا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ مرتے وقت بھی ذمیوں کو نہ بھولے۔
غزوہ ایک سماجی تحفہ ان کے ساتھ ایک عیسائی نے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گائی،
غزوہ نے اس کے مؤثر پھیلنے مارا، عیسائی نے عمرو بن العاص کے پاس جا کر شکایت کی انھوں
نے غزوہ کو بلا بھیجا اور باز پرس کی، غزوہ نے واقعہ بیان کیا، عمرو بن العاص نے کہا: "ذمیوں سے امن کا
معاہدہ ہو چکا ہے" غزوہ نے کہا: "نہ تو بالمدائن کو یہ اجازت ہرگز نہیں دی گئی ہے کہ رسول اللہ
کو علانیہ گالیاں دیں۔ ان سے یہ معاہدہ ہوا ہے کہ اپنے گرجاؤں میں جو کچھ چاہیں کریں اور اگر
ان پر کوئی دشمن پڑے آئے تو ہم ان کی طرف سے سینہ سپر ہو کر لڑیں اور ان پر کوئی ایسا بار نہ ڈالا
جائے جس کے وہ تحمل نہ ہوں، عمرو بن العاص نے کہا: "اے میرے بھائی! اس واقعہ سے معلوم ہو
سکتا ہے کہ ذمیوں کے حقوق کا کس قدر خیال رکھا جاتا تھا۔"

مذہبی امور میں ذمیوں کو پوری آزادی حاصل تھی۔ وہ ہر قسم کے رسوم مذہبی ادا کرتے تھے،
علانیہ ناقوس بجاتے تھے۔ صلیب نکاتے تھے ہر قسم کے میلے ٹھیلے کرتے تھے، ان کے پیشوا یا
مذہبی کو جو مذہبی اختیارات حاصل تھے بالکل برقرار رکھے گئے تھے، مصر میں اسکندریہ کا میٹروپولیٹن

۱۔ صحیح بخاری ص ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۲۲، ۱۲۳، ۱۲۴، ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۲۷، ۱۲۸، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۳۳، ۱۳۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۳۷، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۳، ۱۴۴، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۷، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۱، ۱۵۲، ۱۵۳، ۱۵۴، ۱۵۵، ۱۵۶، ۱۵۷، ۱۵۸، ۱۵۹، ۱۶۰، ۱۶۱، ۱۶۲، ۱۶۳، ۱۶۴، ۱۶۵، ۱۶۶، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۷۱، ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۸۶، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۳، ۱۹۴، ۱۹۵، ۱۹۶، ۱۹۷، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۶، ۲۰۷، ۲۰۸، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۱، ۲۱۲، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۱۶، ۲۱۷، ۲۱۸، ۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۳، ۲۲۴، ۲۲۵، ۲۲۶، ۲۲۷، ۲۲۸، ۲۲۹، ۲۳۰، ۲۳۱، ۲۳۲، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۳۶، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۳۹، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۴۶، ۲۴۷، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۰، ۲۵۱، ۲۵۲، ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۵۷، ۲۵۸، ۲۵۹، ۲۶۰، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۶۶، ۲۶۷، ۲۶۸، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۷۳، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۰، ۲۸۱، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۸۹، ۲۹۰، ۲۹۱، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۵، ۲۹۶، ۲۹۷، ۲۹۸، ۲۹۹، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۰۴، ۳۰۵، ۳۰۶، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۲، ۳۱۳، ۳۱۴، ۳۱۵، ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۷، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۳۰، ۳۳۱، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۳۴، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۳۷، ۳۳۸، ۳۳۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۲، ۳۴۳، ۳۴۴، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۴، ۳۵۵، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۶۰، ۳۶۱، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۴، ۳۶۵، ۳۶۶، ۳۶۷، ۳۶۸، ۳۶۹، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۲، ۳۷۳، ۳۷۴، ۳۷۵، ۳۷۶، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۳، ۳۸۴، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۸۷، ۳۸۸، ۳۸۹، ۳۹۰، ۳۹۱، ۳۹۲، ۳۹۳، ۳۹۴، ۳۹۵، ۳۹۶، ۳۹۷، ۳۹۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۱، ۴۰۲، ۴۰۳، ۴۰۴، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۰۷، ۴۰۸، ۴۰۹، ۴۱۰، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۳، ۴۱۴، ۴۱۵، ۴۱۶، ۴۱۷، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۲۲، ۴۲۳، ۴۲۴، ۴۲۵، ۴۲۶، ۴۲۷، ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۳۰، ۴۳۱، ۴۳۲، ۴۳۳، ۴۳۴، ۴۳۵، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۳۸، ۴۳۹، ۴۴۰، ۴۴۱، ۴۴۲، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۴۵، ۴۴۶، ۴۴۷، ۴۴۸، ۴۴۹، ۴۵۰، ۴۵۱، ۴۵۲، ۴۵۳، ۴۵۴، ۴۵۵، ۴۵۶، ۴۵۷، ۴۵۸، ۴۵۹، ۴۶۰، ۴۶۱، ۴۶۲، ۴۶۳، ۴۶۴، ۴۶۵، ۴۶۶، ۴۶۷، ۴۶۸، ۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۶، ۴۷۷، ۴۷۸، ۴۷۹، ۴۸۰، ۴۸۱، ۴۸۲، ۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۵، ۴۸۶، ۴۸۷، ۴۸۸، ۴۸۹، ۴۹۰، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۳، ۴۹۴، ۴۹۵، ۴۹۶، ۴۹۷، ۴۹۸، ۴۹۹، ۵۰۰، ۵۰۱، ۵۰۲، ۵۰۳، ۵۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶، ۵۰۷، ۵۰۸، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۱۳، ۵۱۴، ۵۱۵، ۵۱۶، ۵۱۷، ۵۱۸، ۵۱۹، ۵۲۰، ۵۲۱، ۵۲۲، ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۲۵، ۵۲۶، ۵۲۷، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۳۰، ۵۳۱، ۵۳۲، ۵۳۳، ۵۳۴، ۵۳۵، ۵۳۶، ۵۳۷، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۰، ۵۴۱، ۵۴۲، ۵۴۳، ۵۴۴، ۵۴۵، ۵۴۶، ۵۴۷، ۵۴۸، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۱، ۵۵۲، ۵۵۳، ۵۵۴، ۵۵۵، ۵۵۶، ۵۵۷، ۵۵۸، ۵۵۹، ۵۶۰، ۵۶۱، ۵۶۲، ۵۶۳، ۵۶۴، ۵۶۵، ۵۶۶، ۵۶۷، ۵۶۸، ۵۶۹، ۵۷۰، ۵۷۱، ۵۷۲، ۵۷۳، ۵۷۴، ۵۷۵، ۵۷۶، ۵۷۷، ۵۷۸، ۵۷۹، ۵۸۰، ۵۸۱، ۵۸۲، ۵۸۳، ۵۸۴، ۵۸۵، ۵۸۶، ۵۸۷، ۵۸۸، ۵۸۹، ۵۹۰، ۵۹۱، ۵۹۲، ۵۹۳، ۵۹۴، ۵۹۵، ۵۹۶، ۵۹۷، ۵۹۸، ۵۹۹، ۶۰۰، ۶۰۱، ۶۰۲، ۶۰۳، ۶۰۴، ۶۰۵، ۶۰۶، ۶۰۷، ۶۰۸، ۶۰۹، ۶۱۰، ۶۱۱، ۶۱۲، ۶۱۳، ۶۱۴، ۶۱۵، ۶۱۶، ۶۱۷، ۶۱۸، ۶۱۹، ۶۲۰، ۶۲۱، ۶۲۲، ۶۲۳، ۶۲۴، ۶۲۵، ۶۲۶، ۶۲۷، ۶۲۸، ۶۲۹، ۶۳۰، ۶۳۱، ۶۳۲، ۶۳۳، ۶۳۴، ۶۳۵، ۶۳۶، ۶۳۷، ۶۳۸، ۶۳۹، ۶۴۰، ۶۴۱، ۶۴۲، ۶۴۳، ۶۴۴، ۶۴۵، ۶۴۶، ۶۴۷، ۶۴۸، ۶۴۹، ۶۵۰، ۶۵۱، ۶۵۲، ۶۵۳، ۶۵۴، ۶۵۵، ۶۵۶، ۶۵۷، ۶۵۸، ۶۵۹، ۶۶۰، ۶۶۱، ۶۶۲، ۶۶۳، ۶۶۴، ۶۶۵، ۶۶۶، ۶۶۷، ۶۶۸، ۶۶۹، ۶۷۰، ۶۷۱، ۶۷۲، ۶۷۳، ۶۷۴، ۶۷۵، ۶۷۶، ۶۷۷، ۶۷۸، ۶۷۹، ۶۸۰، ۶۸۱، ۶۸۲، ۶۸۳، ۶۸۴، ۶۸۵، ۶۸۶، ۶۸۷، ۶۸۸، ۶۸۹، ۶۹۰، ۶۹۱، ۶۹۲، ۶۹۳، ۶۹۴، ۶۹۵، ۶۹۶، ۶۹۷، ۶۹۸، ۶۹۹، ۷۰۰، ۷۰۱، ۷۰۲، ۷۰۳، ۷۰۴، ۷۰۵، ۷۰۶، ۷۰۷، ۷۰۸، ۷۰۹، ۷۱۰، ۷۱۱، ۷۱۲، ۷۱۳، ۷۱۴، ۷۱۵، ۷۱۶، ۷۱۷، ۷۱۸، ۷۱۹، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۲۲، ۷۲۳، ۷۲۴، ۷۲۵، ۷۲۶، ۷۲۷، ۷۲۸، ۷۲۹، ۷۳۰، ۷۳۱، ۷۳۲، ۷۳۳، ۷۳۴، ۷۳۵، ۷۳۶، ۷۳۷، ۷۳۸، ۷۳۹، ۷۴۰، ۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۳، ۷۴۴، ۷۴۵، ۷۴۶، ۷۴۷، ۷۴۸، ۷۴۹، ۷۵۰، ۷۵۱، ۷۵۲، ۷۵۳، ۷۵۴، ۷۵۵، ۷۵۶، ۷۵۷، ۷۵۸، ۷۵۹، ۷۶۰، ۷۶۱، ۷۶۲، ۷۶۳، ۷۶۴، ۷۶۵، ۷۶۶، ۷۶۷، ۷۶۸، ۷۶۹، ۷۷۰، ۷۷۱، ۷۷۲، ۷۷۳، ۷۷۴، ۷۷۵، ۷۷۶، ۷۷۷، ۷۷۸، ۷۷۹، ۷۸۰، ۷۸۱، ۷۸۲، ۷۸۳، ۷۸۴، ۷۸۵، ۷۸۶، ۷۸۷، ۷۸۸، ۷۸۹، ۷۹۰، ۷۹۱، ۷۹۲، ۷۹۳، ۷۹۴، ۷۹۵، ۷۹۶، ۷۹۷، ۷۹۸، ۷۹۹، ۸۰۰، ۸۰۱، ۸۰۲، ۸۰۳، ۸۰۴، ۸۰۵، ۸۰۶، ۸۰۷، ۸۰۸، ۸۰۹، ۸۱۰، ۸۱۱، ۸۱۲، ۸۱۳، ۸۱۴، ۸۱۵، ۸۱۶، ۸۱۷، ۸۱۸، ۸۱۹، ۸۲۰، ۸۲۱، ۸۲۲، ۸۲۳، ۸۲۴، ۸۲۵، ۸۲۶، ۸۲۷، ۸۲۸، ۸۲۹، ۸۳۰، ۸۳۱، ۸۳۲، ۸۳۳، ۸۳۴، ۸۳۵، ۸۳۶، ۸۳۷، ۸۳۸، ۸۳۹، ۸۴۰، ۸۴۱، ۸۴۲، ۸۴۳، ۸۴۴، ۸۴۵، ۸۴۶، ۸۴۷، ۸۴۸، ۸۴۹، ۸۵۰، ۸۵۱، ۸۵۲، ۸۵۳، ۸۵۴، ۸۵۵، ۸۵۶، ۸۵۷، ۸۵۸، ۸۵۹، ۸۶۰، ۸۶۱، ۸۶۲، ۸۶۳، ۸۶۴، ۸۶۵، ۸۶۶، ۸۶۷، ۸۶۸، ۸۶۹، ۸۷۰، ۸۷۱، ۸۷۲، ۸۷۳، ۸۷۴، ۸۷۵، ۸۷۶، ۸۷۷، ۸۷۸، ۸۷۹، ۸۸۰، ۸۸۱، ۸۸۲، ۸۸۳، ۸۸۴، ۸۸۵، ۸۸۶، ۸۸۷، ۸۸۸، ۸۸۹، ۸۹۰، ۸۹۱، ۸۹۲، ۸۹۳، ۸۹۴، ۸۹۵، ۸۹۶، ۸۹۷، ۸۹۸، ۸۹۹، ۹۰۰، ۹۰۱، ۹۰۲، ۹۰۳، ۹۰۴، ۹۰۵، ۹۰۶، ۹۰۷، ۹۰۸، ۹۰۹، ۹۱۰، ۹۱۱، ۹۱۲، ۹۱۳، ۹۱۴، ۹۱۵، ۹۱۶، ۹۱۷، ۹۱۸، ۹۱۹، ۹۲۰، ۹۲۱، ۹۲۲، ۹۲۳، ۹۲۴، ۹۲۵، ۹۲۶، ۹۲۷، ۹۲۸، ۹۲۹، ۹۳۰، ۹۳۱، ۹۳۲، ۹۳۳، ۹۳۴، ۹۳۵، ۹۳۶، ۹۳۷، ۹۳۸، ۹۳۹، ۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۲، ۹۴۳، ۹۴۴، ۹۴۵، ۹۴۶، ۹۴۷، ۹۴۸، ۹۴۹، ۹۵۰، ۹۵۱، ۹۵۲، ۹۵۳، ۹۵۴، ۹۵۵، ۹۵۶، ۹۵۷، ۹۵۸، ۹۵۹، ۹۶۰، ۹۶۱، ۹۶۲، ۹۶۳، ۹۶۴، ۹۶۵، ۹۶۶، ۹۶۷، ۹۶۸، ۹۶۹، ۹۷۰، ۹۷۱، ۹۷۲، ۹۷۳، ۹۷۴، ۹۷۵، ۹۷۶، ۹۷۷، ۹۷۸، ۹۷۹، ۹۸۰، ۹۸۱، ۹۸۲، ۹۸۳، ۹۸۴، ۹۸۵، ۹۸۶، ۹۸۷، ۹۸۸، ۹۸۹، ۹۹۰، ۹۹۱، ۹۹۲، ۹۹۳، ۹۹۴، ۹۹۵، ۹۹۶، ۹۹۷، ۹۹۸، ۹۹۹، ۱۰۰۰، ۱۰۰۱، ۱۰۰۲، ۱۰۰۳، ۱۰۰۴، ۱۰۰۵، ۱۰۰۶، ۱۰۰۷، ۱۰۰۸، ۱۰۰۹، ۱۰۱۰، ۱۰۱۱، ۱۰۱۲، ۱۰۱۳، ۱۰۱۴، ۱۰۱۵، ۱۰۱۶، ۱۰۱۷، ۱۰۱۸، ۱۰۱۹، ۱۰۲۰، ۱۰۲۱، ۱۰۲۲، ۱۰۲۳، ۱۰۲۴، ۱۰۲۵، ۱۰۲۶، ۱۰۲۷، ۱۰۲۸، ۱۰۲۹، ۱۰۳۰، ۱۰۳۱، ۱۰۳۲، ۱۰۳۳، ۱۰۳۴، ۱۰۳۵، ۱۰۳۶، ۱۰۳۷، ۱۰۳۸، ۱۰۳۹، ۱۰۴۰، ۱۰۴۱، ۱۰۴۲، ۱۰۴۳، ۱۰۴۴، ۱۰۴۵، ۱۰۴۶، ۱۰۴۷، ۱۰۴۸، ۱۰۴۹، ۱۰۵۰، ۱۰۵۱، ۱۰۵۲، ۱۰۵۳، ۱۰۵۴، ۱۰۵۵، ۱۰۵۶، ۱۰۵۷، ۱۰۵۸، ۱۰۵۹، ۱۰۶۰، ۱۰۶۱، ۱۰۶۲، ۱۰۶۳، ۱۰۶۴، ۱۰۶۵، ۱۰۶۶، ۱۰۶۷، ۱۰۶۸، ۱۰۶۹، ۱۰۷۰، ۱۰۷۱، ۱۰۷۲، ۱۰۷۳، ۱۰۷۴، ۱۰۷۵، ۱۰۷۶، ۱۰۷۷، ۱۰۷۸، ۱۰۷۹، ۱۰۸۰، ۱۰۸۱، ۱۰۸۲، ۱۰۸۳، ۱۰۸۴، ۱۰۸۵، ۱۰۸۶، ۱۰۸۷، ۱۰۸۸، ۱۰۸۹، ۱۰۹۰، ۱۰۹۱، ۱۰۹۲، ۱۰۹۳، ۱۰۹۴، ۱۰۹۵، ۱۰۹۶، ۱۰۹۷، ۱۰۹۸، ۱۰۹۹، ۱۱۰۰، ۱۱۰۱، ۱۱۰۲، ۱۱۰۳، ۱۱۰۴، ۱۱۰۵، ۱۱۰۶، ۱۱۰۷، ۱۱۰۸، ۱۱۰۹، ۱۱۱۰، ۱۱۱۱، ۱۱۱۲، ۱۱۱۳، ۱۱۱۴، ۱۱۱۵، ۱۱۱۶، ۱۱۱۷، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹، ۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۲۲، ۱۱۲۳، ۱۱۲۴، ۱۱۲۵، ۱۱۲۶، ۱۱۲۷، ۱۱۲۸، ۱۱۲۹، ۱۱۳۰، ۱۱۳۱، ۱۱۳۲، ۱۱۳۳، ۱۱۳۴، ۱۱۳۵، ۱۱۳۶، ۱۱۳۷، ۱۱۳۸، ۱۱۳۹، ۱۱۴۰، ۱۱۴۱، ۱۱۴۲، ۱۱۴۳، ۱۱۴۴، ۱۱۴۵، ۱۱۴۶، ۱۱۴۷، ۱۱۴۸، ۱۱۴۹، ۱۱۵۰، ۱۱۵۱، ۱۱۵۲، ۱۱۵۳، ۱۱۵۴، ۱۱۵۵، ۱۱۵۶، ۱۱۵۷، ۱۱۵۸، ۱۱۵۹، ۱۱۶۰، ۱۱۶۱، ۱۱۶۲، ۱۱۶۳، ۱۱۶۴، ۱۱۶۵، ۱۱۶۶، ۱۱۶۷، ۱۱۶۸، ۱۱۶۹، ۱۱۷۰، ۱۱۷۱، ۱۱۷۲، ۱۱۷۳، ۱۱۷۴، ۱۱۷۵، ۱۱۷۶، ۱۱۷۷، ۱۱۷۸، ۱۱۷۹، ۱۱۸۰، ۱۱۸۱، ۱۱۸۲، ۱۱۸۳، ۱۱۸۴، ۱۱۸۵، ۱۱۸۶، ۱۱۸۷، ۱۱۸۸، ۱۱۸۹، ۱۱۹۰، ۱۱۹۱، ۱۱۹۲، ۱۱۹۳، ۱۱۹۴، ۱۱۹۵، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷، ۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱، ۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵، ۱۲۰۶، ۱۲۰۷، ۱۲۰۸، ۱۲۰۹، ۱۲۱۰، ۱۲۱۱، ۱۲۱۲، ۱۲۱۳، ۱۲۱۴، ۱۲۱۵، ۱۲۱۶، ۱۲۱۷، ۱۲۱۸، ۱۲۱۹، ۱۲۲۰، ۱۲۲۱، ۱۲۲۲، ۱۲۲۳، ۱۲۲۴، ۱۲۲۵، ۱۲۲۶، ۱۲۲۷، ۱۲۲۸، ۱۲۲۹، ۱۲۳۰، ۱۲۳۱، ۱۲۳۲، ۱۲۳۳، ۱۲۳۴، ۱۲۳۵، ۱۲۳۶، ۱۲۳۷، ۱۲۳۸، ۱۲۳۹، ۱۲۴۰، ۱۲۴۱، ۱۲۴۲، ۱۲۴۳، ۱۲۴۴، ۱۲۴۵، ۱۲۴۶، ۱۲۴۷، ۱۲۴۸، ۱۲۴۹، ۱۲۵۰، ۱۲۵۱، ۱۲۵۲، ۱۲۵۳، ۱۲۵۴، ۱۲۵۵، ۱۲۵۶، ۱۲۵۷، ۱۲۵۸، ۱۲۵۹، ۱۲۶۰، ۱۲۶۱، ۱۲۶۲، ۱۲۶۳، ۱۲۶۴، ۱۲۶۵، ۱۲۶۶، ۱۲۶۷، ۱۲۶۸، ۱۲۶۹، ۱۲۷۰، ۱۲۷۱، ۱۲۷۲، ۱۲۷۳، ۱۲۷۴، ۱۲۷۵، ۱۲۷۶، ۱۲۷۷، ۱۲۷۸، ۱۲۷۹، ۱۲۸۰، ۱۲۸۱، ۱۲۸۲، ۱۲۸۳، ۱۲۸۴، ۱۲۸۵، ۱۲۸۶، ۱۲۸۷، ۱۲۸۸، ۱۲۸۹، ۱۲۹۰، ۱۲۹۱، ۱۲۹۲، ۱۲۹۳، ۱۲۹۴، ۱۲۹۵، ۱۲۹۶، ۱۲۹۷، ۱۲۹۸، ۱۲۹۹، ۱۳۰۰، ۱۳۰۱، ۱۳۰۲، ۱۳۰۳، ۱۳۰۴، ۱۳۰۵، ۱۳۰۶، ۱۳۰۷، ۱۳۰۸، ۱۳۰۹، ۱۳۱۰، ۱۳۱۱، ۱۳۱۲، ۱۳۱۳، ۱۳۱۴، ۱۳۱۵، ۱۳۱۶، ۱۳۱۷، ۱۳۱۸، ۱۳۱۹، ۱۳۲۰، ۱۳۲۱، ۱۳۲۲، ۱۳۲۳، ۱۳۲۴، ۱۳۲۵، ۱۳۲۶، ۱۳۲۷، ۱۳۲۸، ۱۳۲۹، ۱۳۳۰، ۱۳۳۱، ۱۳۳۲، ۱۳۳۳، ۱۳۳۴، ۱۳۳۵، ۱۳۳۶، ۱۳۳۷، ۱۳۳۸، ۱۳۳۹، ۱۳۴۰، ۱۳۴۱، ۱۳۴۲، ۱۳۴۳، ۱۳۴۴، ۱۳۴۵، ۱۳۴۶، ۱۳۴۷، ۱۳۴۸، ۱۳۴۹، ۱۳۵۰، ۱۳۵۱، ۱۳۵۲، ۱۳۵۳، ۱۳۵۴، ۱۳۵۵، ۱۳۵۶، ۱۳۵۷، ۱۳۵۸، ۱۳۵۹، ۱۳۶۰، ۱۳۶۱، ۱۳۶۲، ۱۳۶۳، ۱۳۶۴، ۱۳۶۵، ۱۳۶۶، ۱۳۶۷، ۱۳۶۸، ۱۳۶۹، ۱۳۷۰، ۱۳۷۱، ۱۳۷۲، ۱۳۷۳، ۱۳۷۴، ۱۳۷۵، ۱۳۷۶، ۱۳۷۷، ۱۳۷۸، ۱۳۷۹، ۱۳۸۰، ۱۳۸۱، ۱۳۸۲، ۱۳۸۳، ۱۳۸۴، ۱۳۸۵، ۱۳۸۶، ۱۳۸۷، ۱۳۸۸، ۱۳۸۹، ۱۳۹۰، ۱۳۹۱، ۱۳۹۲، ۱۳۹۳، ۱۳۹۴، ۱۳۹۵، ۱۳۹۶، ۱۳۹۷، ۱۳۹۸، ۱۳۹۹، ۱۴۰۰، ۱۴۰۱، ۱۴۰۲، ۱۴۰۳، ۱۴۰۴، ۱۴۰۵، ۱۴۰۶، ۱۴۰۷، ۱۴۰۸، ۱۴۰۹، ۱۴۱۰، ۱۴۱۱، ۱۴۱۲، ۱۴۱۳، ۱۴۱۴، ۱۴۱۵، ۱۴۱۶، ۱۴۱۷، ۱۴۱۸، ۱۴۱۹، ۱۴۲۰، ۱۴۲۱، ۱۴۲۲، ۱۴۲۳، ۱۴۲۴، ۱۴۲۵، ۱۴۲۶، ۱۴۲۷،

بنیامین تیرہ برس تک رومیوں کے ڈر سے اودھرا دھرم مارا پھر عمر بن العاص نے جب نصر فتح کیا تو سترہویں اسکو تخت پر بیٹھا اور ان کو لکھ کر بھیجی وہ نہایت ممنون ہو کر آیا اور سیٹھ یا ایک کی کرسی پر بیٹھا اسکو نصیب ہوئی چنانچہ علامہ مقرر بنی نے اپنی کتاب صفحہ ۴۹۲ جلد اول میں اس واقعہ کی پوری تفصیل لکھی ہے اور معادلات میں اور امور کے ساتھ مذہبی آزادی کا حق الزمزم کے ساتھ جو کیا جاتا تھا۔ چنانچہ بعض معادلات کے اصلی الفاظ ہم اس موقع پر نقل کرتے ہیں۔ خدیجہ بن الیمان نے ماہ دینار والوں کو جو تحریر لکھی تھی اس میں یہ الفاظ تھے۔

لا تغیرون عن ملة ولا جان بيم ديني ولا تغیرون عن ملة ولا جان بيم ديني ولا تغیرون عن ملة ولا جان بيم ديني

جر جان کی فتح کے وقت یہ معاہدہ لکھا گیا۔

لهم الا مان على انفسهم و اموالهم و مللهم و

نفسهم و لا تغیرون من شيء من ذلك

اُن کے جان اور مال اور مذہب و سرحد کو مانا ہے اور

آپس سے کسی سے میں تعزیر نہ کیا جائیگا۔

آذربایجان کے معاہدے میں یہ تصریح تھی۔

الا مان على انفسهم و اموالهم و مللهم و نفوسهم

جان، مال، مذہب اور سرحد کو مانا ہے۔

موتقان کے معاہدہ میں یہ الفاظ تھے۔

الا مان على اموالهم و انفسهم و مللهم و نفوسهم

جان، مال، مذہب اور سرحد کو مانا ہے

حضرت عمر اسلام کی اشاعت کی اگرچہ نہایت کوشش کرتے تھے اور منصب خلافت کے لحاظ سے

انکا یہ فرض تھا، لیکن وہیں تک جہاں تک وعظ اور پند کے ذریعے سے ممکن تھا، ورنہ یہ خیال وہ

ہمیشہ ظاہر کر دیا کرتے تھے، کہ مذہب کے قبول کرنے پر کوئی شخص مجبور نہیں کیا جاسکتا استحقاق

ایک عیسائی غلام تھا اسکو ہمیشہ مذہب اسلام کے قبول کرنے کی ترغیب دلائے تھے لیکن جب

اُس نے انکار کیا تو فرمایا لَا اَكْرَاهُ فِي الدِّينِ یعنی مذہب میں زبردستی نہیں ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ واقعات سے جو نتیجہ استنباط کیا جاسکتا ہے، وہ یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے ملکی حقوق کے لحاظ سے ذمیوں اور مسلمانوں میں کوئی تمیز نہیں رکھی تھی، کوئی مسلمان اگر ذمی کو قتل کرتا تھا تو بیدربغ اُسکے قصاص میں قتل کر دیا جاتا تھا مسلمان اگر ذمی سے سخت کلامی کرتے تھے تو پاداش کے مستحق ہونے لگتے، ذمیوں سے جزیہ اور عثور کے سوا کسی قسم کا محصول نہیں لیا جاتا تھا اس کے مقابلے میں مسلمانوں سے زکوٰۃ وصول کی جاتی تھی جسکی مقدار دونوں سے زیادہ تھی اس کے سوا عثور مسلمانوں سے بھی وصول کیا جاتا البتہ اُسکی شرح بمقابلہ ذمیوں کے کم تھی بیت المال سے والینسٹروں کو گھر بیٹھے جو تنخواہیں ملتی تھیں ذمی بھی اسیں برابر کے شریک تھے، سب بڑھ کر یہ راور حقیقت صرف اسی ایک مثال سے اس بحث کا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ یہ جو قاعدہ تھا کہ جو مسلمان اپنا بیج اور ضعیف ہو جاتا تھا اور محنت و مزدوری سے معاش نہیں پیدا کر سکتا تھا بیت المال سے اُسکا وظیفہ مقرر ہو جاتا تھا۔ اسی قسم کی بلکہ اس سے زیادہ قیامانہ رعایت ذمیوں کے ساتھ بھی معی تھی اول اول یہ قاعدہ حضرت ابوبکر کے عہد میں مقرر ہوا چنانچہ خالد بن الولید نے حیرہ کی فتح میں سعادہ لکھا آپس یہ الفاظ تھے۔

اور میں نے اُنکو یہ بتی دیا کہ اگر کوئی بوڑھا شخص کام کرے سے محدود ہو جائے، یا ستر کوئی آفت آئے یا پیلے و دھند تھا ہر عرب ہو گیا اور سب سے اُس کے ہم مذہب اُسکو حیرت دینے لگے تو اُنکا جزیہ موقوف کر دیا جائیگا اور اُس کو اور اُس کی اولاد کو مسلمانوں کے مثل المال سے شفعہ دیا جائے گا حسب تکہ مسلمانوں کے نکاح

وَحَلْتُ لَهُمْ اِيْمًا شَيْخٌ ضَعْفٌ عَنِ الْعَمَلِ
اَوْ اَصَابَهُ اَفِيَةٌ مِنْ الْاَفَاتِ اَوْ كَانَ غَنِيًّا
فَاَفْتَقَرَّ وَصَارَ اَهْلُ دِيْنِهِ بِتَصَدَّقُوْنَ عَلَيْهِ
طَرَحَتْ جَزِيْمَةٌ وَعِيْلٌ مِنْ بَيْتِ مَالِ الْمُسْلِمِيْنَ
وَعِيَالُهُ مَا قَامَ بَدَارُ الْحَرْبِ وَدَارُ الْاِسْلَامِ

اے کر العال بھلائی ملے گی ابن سعد۔ جلد پنجم صفحہ ۴۰۹۔

فان خرجوا الى غير دار الهجرة ودار الاسلام فليس
على المسلمين النفقة على عيالهم.

ہے۔ لیکن اگر وہ غیر ملک میں چلا جائے تو مسلمانوں پر اس کا نفقہ
واجب ہوگا۔

یہ قاعدہ حضرت عمر کے عہد میں بھی قائم رہا بلکہ حضرت عمر نے اُسکو قرآن مجید کی آیت سے
مستند کروایا یعنی بیت المال کے داروغہ کو یہ کچھ بھیجا کہ قرآن مجید کی آیت اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَ
الْمَسْكِينِ وَرِصْدَةِ اَوْرِخَاتٍ، فقیروں اور مسکینوں کے لیے ہے (ہے) ہمیں فقراء کے لفظ سے مسلمان
اور مسکین کے لفظ سے اہل کتاب یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اس واقعہ کی تفصیل یہ ہے کہ
ایک دفعہ حضرت عمر نے ایک پیر کہن سال کو بھیک مانگتے دیکھا، پوچھا کہ بھیک کیوں مانگتا ہے؟
اُس نے کہا مجھ پر جزیہ لگا یا گیا ہے، اور مجھ کو ادا کرنے کا مقدور نہیں، حضرت عمر اُسکو ساتھ گھر پر
لوا لائے اور کچھ نقد دیکر بیت المال کے داروغہ کو کہنا بھیجا کہ اس قسم کے معذوروں کے لیے بیت المال
سے وظیفہ مقرر کر دیا جائے، اسی واقعہ میں آیت مذکورہ بالا کا حوالہ دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ ”والله اني صاف
کی بات نہیں کہ ان لوگوں کی جوانی سے ہم متمتع ہوں اور بڑھاپے میں انکو نکال دیں۔“

ذمیوں کی غرت و آبرو کا اُسقدر استحفاظ تھا جسقدر مسلمانوں کی غرت و ناموس کا، ان کی نسبت
کسی قسم کی تحقیر کا لفظ استعمال کرنا نہایت ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا۔ عیمر بن سعد جو حمص کے
حاکم تھے اور زہد و تقویٰ و ترک دنیا میں تمام عہدہ داران خلافت میں کوئی نیک کا ہمسرہ تھا، ایک
وقعہ اُن کے مؤذن سے ایک ذمی کی شان میں یہ لفظ نکل گیا خَاكَ اللّٰهُ یعنی خدا تجھ کو رسوا کرے
اسپہر اُن کو اسقدر زہد مت اور تاسف ہوا کہ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہو کر نوکری سے استغفار دیا
اور کہا کہ اس نوکری کی بدولت مجھ سے یہ حرکت صادر ہوئی۔

ایک خاص بات جو سب بڑھکر لحاظ کے قابل ہے یہ ہے کہ ذمیوں نے اگر کبھی سازش یا بغاوت

کی تب بھی اُن کے ساتھ مراعات کو ملحوظ رکھا۔ آجکل جن حکومتوں کو تہذیب ترقی کا دعوے ہے عیالیا کے ساتھ اُن کی تمام عنایت اسی وقت تک ہے جب تک اُنکی طرف سے کوئی پوٹیکل شبہ نہ پیدا ہو ورنہ قطعاً وہ تمام مہربانی غضب اور قہر سے بدلجاتی ہے اور ایسا خونخوار اور پر غیظ انتقام لیا جاتا ہے کہ وحشی قویں بھی اُس سے کچھ زیادہ نہیں کر سکتیں۔ برخلاف اسکے حضرت عمر کا قدم کسی حالت میں جادہ انصاف سے درانہیں ہٹا، شام کے آخری سرحد پر ایک شہر تھا جس کا نام عربیوں تھا اور جسکی دوسری سرحد ایشیائے کوچک سے ملی ہوئی تھی۔ شام جب فتح ہوا تو یہ شہر بھی فتح ہوا اور صلح کا معاہدہ ہو گیا لیکن یہاں کے لوگ درپردہ رومیوں سے سازش رکھتے تھے اور اوہر کی خبریں اُنکو پہنچاتے رہتے تھے۔ عمیر بن سعد وہاں کے حاکم نے حضرت عمر کو اطلاع دی، حضرت عمر نے انہی اس کمینہ حصلت کا جو انتقام لیا وہ یہ تھا کہ عمیر بن سعد کو کچھ بھیجا کہ جس قدر اُنکی جائداد، زمین، مویشی، اور اسباب ہے سب شمار کر کے ایک ایک چیز کی دو چند قیمت دیدو، اور اُن سے کہو کہ اور کہیں چلے جائیں، اگر اسپر راضی نہیں تو اُنکو ایک س کی مہلت دو، اور اُس کے بعد جلاوطن کرو، چنانچہ جب وہ اپنی شرارت سے باز نہ آئے تو اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ کیا آجکل کوئی قوم اس دگرگراؤ و عفو و مسامحت کی کوئی نظیر دکھلا سکتی ہے؟

ذہبیوں کے ساتھ جو لطف و مراعات کی گئی تھی اُسکا ایک بڑا ثبوت یہ ہے کہ ذہبیوں نے ہر موقع پر خود اپنے ہم مذہب سلطنتوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیا۔ دومی ہی تھے جو مسلمانوں کے لئے رسد بہم پہنچاتے تھے، لشکر گاہ میں بیابا بازار لگاتے تھے۔ اپنے اہتمام اور صرف سے سڑک اور پل تیار کرتے تھے، اور سب بڑھ کر یہ کہ جاسوسی اور خبر رسانی کرتے تھے۔ یعنی دشمنوں کے ہر قسم کے راز مسلمانوں سے اگر کہتے تھے۔ حالانکہ یہ دشمن اُنہی کے ہم مذہب عیسائی یا پارسی تھے۔ ذہبیوں کو مسلمانوں کے حسن سلوک کی وجہ سے جو خلاص پیدا ہو گیا تھا اُسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ

جنگ پر موک کے پیش آنے کیوقت جب مسلمان شہر محص سے نکلے تو یہودیوں نے تورات مانٹھ میں لبرکہ کہا کہ جب تک ہم زندہ ہیں کبھی رومی یہاں نہ آنے پائینگے۔ عیسائیوں نے نہایت حسرت سے کہا کہ: خدا کی قسم تو وہاں کے رہنیت کہیں بڑھ کر بکھو محبوب ہو۔

اخیر میں ہنگوٹاں واقعات کی تحقیقت بھی بتا دینا ضرور ہے، ہنگی وجہ سے لوگوں کو یہ غلط خیال پیدا ہوا ہے، یا ہو سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے بلکہ خود ہامامؓ نے ذمیوں کے ساتھ ما انصافانہ سلوک کیئے اس مسئلے کو مخالف اس طرح بیان کر سکتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے حق میں یہ حکم دیا کہ وضع اور لباس وغیرہ میں کسی طرح مسلمانوں کا تشبیہ نہ کرنے پائیں، اگر میں زمار باندھیں، لمبی ٹوپیاں پہنیں، گھوڑوں پر کاٹھی کسین، نئی حباؤنگا پیں نہ بنائیں، شراب اور مسوڑہ پیئیں، ناقوس بجائیں، صلیب نہ لٹکالیں، بنو غلب کو یہ بھی حکم تھا کہ اپنی اولاد کو اسطبل غ نہ بیٹھنے پائیں، ان سب باتوں پر یہ مستنزد کہ حضرت عمرؓ نے عرب کی وسیع آبادی میں ایک یہودی یا عیسائی کو نہ رہنے دیا اور بڑے بڑے قدیم خاندان جو سینکڑوں برس سے عرب میں آباد تھے، جلاوطن کر دیئے۔

خاندان کی
وقت سے
عمرؓ اس
کی تقریر

بے شبہ یہ اعتراضات نہایت توجیہ کے قابل ہیں، اور ہم ان کے جواب دینے میں کسی تفصیل سے کام لیں گے، کیونکہ ایک زمانہ امتد کے تعصب اور تقلید نے واقعیت کے پھرے پر بہت سے پڑے ڈال دیئے ہیں۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمرؓ مسلمانوں کو غیر قوموں کی مشابہت اور غیر قوموں کو مسلمانوں کی مشابہت سے روکتے تھے، لیکن اس سے فقط قومی خصوصیتوں کو قائم رکھنا مقصود تھا، لباس کی بحث میں تحقیق طلب یہ امر ہے کہ حضرت عمرؓ نے ذمیوں کو جس لباس کی پابندی کی تاکید کی تھی، آیا وہی ذمیوں کا قدیم لباس تھا یا حضرت عمرؓ نے کوئی نیا لباس بطور علامت تحقیق کے تجویز کیا تھا جس شخص نے عجم کی قدیم تباخ پڑھی ہو وہ یقیناً جان سکتا، کہ جس لباس کا بیان کرچو محمدؐ کا قدیم لباس تھا حضرت عمرؓ کا ساتھ دہ جسکو گنہ اعمال وغیرہ میں نقل کیا ہو اگرچہ وہیں اسکو بہت کچھ کم و بیش کر دیا ہو تاہم جہاں میوں کی طرف سے یہ قرار نہ کر دیا ہو کہ ہم غلام

فلاں لباس نہ پہنیں گے وہاں الفاظ بھی پڑنا تلمذ ترینا حلیف ماکتا یعنی ہم ہی لباس نہیں گے ہمیشہ سے پہنتے آتے تھے۔
اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ جس لباس کا حضرت عمرؓ نے حکم دیا تھا وہ عجم کا قدیم لباس تھا۔

زنا ر جسا ذکر حضرت عمرؓ کے فرمان میں ہے اسکی نسبت ہمارے فقہار نے اکثر غلطیاں کی ہیں
انکا خیال ہو کہ وہ اگل برابر موٹا ایک قسم کا جینو ہوتا تھا اور اس سے ذمیوں کی تحقیر مقصود تھی لیکن یہ
سنت غلطی ہو زنا ر کے معنی پٹنی کے ہیں اور عرب میں یہ لفظ آجکل بھی اسی معنی میں متعل ہو پٹنی کو
عربی میں منطقہ بھی کہتے ہیں اور اس لحاظ سے زنا ر اور منطقہ مرادف الفاظ ہیں ان دونوں الفاظ کا
مرادف ہونا کتب حدیث سے ثابت ہو، کنز العمال میں پہنچتی وغیرہ سے روایت منقول ہو کہ حضرت عمرؓ
نے سرداران فوج کو یہ تحریری حکم بھیجا وتلزمواھم المناطق بھی الزنا ر اسی زنا ر کو کیسے بھی کہتے تھے
چنانچہ جامع منیر وغیرہ میں بجائے زنا ر کے کیسے ہی لکھا ہے اور غالب یہ ہے کہ یہ لفظ عجی ہے۔ ہلال
اہل عجم قدیم سے پٹنی لگاتے تھے۔ علامہ مسعودی نے کتاب التبیہ والاشراف میں لکھا ہے کہ عجم کی
اس قدیم عادت کی وجہ میں نے کتاب مروج الذهب میں لکھی ہے، ایک قطع فی لیل اس بات کی کہ لباس
ذمیوں کا قدیم لباس تھا، یہ ہے کہ خلیفہ منصور نے اپنے دربار کے لئے جو لباس قرار دیا تھا وہ قریب قریب
یہی لباس تھا، بسی ٹوپیاں جو نرسل کی ہوتی تھیں وہی عجم کی ٹوپیاں تھیں، جسا نمونہ پارسیوں کے سروں
پر آج بھی موجود ہے، اس درباری لباس میں پٹنی بھی داخل تھی اور یہ وہی زنا ر یا منطقہ، یا کیسے،
ہے جو عجم کی قدیم وضع تھی، منصور کے اس مجوزہ لباس کی نسبت تمام مورخین عرب نے تصریح
کی ہے، کہ عجم کی تقلید تھی، اب یہ شخص سمجھ سکتا ہے کہ جو لباس، حضرت عمرؓ نے ذمیوں کے لئے
قرار دیا تھا، وہ اگر کوئی جدید لباس تھا اور ان کی تحقیر کے لئے ایجا دیا گیا تھا تو خلیفہ منصور اس کو
اپنا اور اپنے دربار کا لباس کیونکر قرار دیکتا تھا۔

لیکھتے
نویں کی
ست

دو بیویوں کو نبی عبادت گاہ میں بنائے، شراب پیچھے، صلیب نکالنے، ناقوس پھونکنے، اصطبل بنانے سے، روکنا بے شبہ مذہبی دست اندازی ہے لیکن میں بیباکانہ اس راز کی پردہ داری کرتا ہوں کہ یہ احکام جن قیدیوں کے ساتھ حضرت ابوبکر و حضرت عمرؓ نے جاری کیے تھے وہ بالکل مناسب تھے لیکن زمانہ مابعد کے مورخوں نے ان قیدیوں کا ذکر چھوڑ دیا، اور اس وجہ سے تمام دنیا میں ایک عالمگیر غلطی پھیل گئی۔

صلیب کی نسبت معاہدے میں جو الفاظ تھے انہیں یہ قید تھی ولا برھوا فی مادی اہل الاسلام صلیبا یعنی مسلمانوں کی مجلس میں صلیب نہ لائیں۔

ناقوس کی نسبت یہ تصریح تھی نصر لداوا ففسھم فی ائی ساعۃ سناؤا من لیل ولہار
آلاتی اوقات الصلوۃ۔ یعنی قومی رات و دن میں جو وقت چاہیں ناقوس بجائیں ہجر نماز کے اوقات کے سور کی نسبت یہ الفاظ تھے ولا تجھجوا حدیثاً من منار لہم للی اقبنتہ المسلمین۔ یعنی قومی سور کو مسلمانوں کے احاطہ میں نہ لیجائیں۔

ان تصریحات کے بعد کس کو شبہ رہ سکتا ہے کہ صلیب نکالنا۔ یا ناقوس بجانا، عموماً منع تھا بلکہ خاص حالات میں ممانعت تھی، اور ان خاص حالات میں آج بھی ایسی ممانعت خلاف اقصا نہیں کی جا سکتی۔ سب سے زیادہ قابل لحاظ امر بنی تغلب عیسائیوں کے اولاد کا اصطبل بنانا ہے۔ عیسائیوں میں دستور ہے کہ وہ اپنی اولاد کو بلوغ سے پہلے اصطبل بنادیتے ہیں، اور یہ گویا اس بات کی حفاظت ہے کہ آئندہ وہ کوئی آؤ مذہب قبول نہ کرنے پائیں، بعینہ اس طرح جس طرح ہم مسلمانوں میں بچوں کا ختنہ کیا جاتا ہے، بے شبہ حضرت عمرؓ کو عام طور پر اس رسم کے روکنے کا کچھ حق نہ تھا، لیکن اُس زمانے میں ایک نیا سوال پیدا ہوا تھا، یعنی یہ کہ اگر کسی عیسائی خاندان میں سے کوئی شخص مسلمان ہو جائے اور نابالغ اولاد چھوڑ کر مرے، تو اُسکی اولاد کس مذہب کے موافق پرورش پائے گی؟ یعنی دم

مسلمان سمجھی جائیگی یا ان کے خاندان والوں کو جو عیسائی مذہب رکھتے ہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ اسکو اصطباغ و دیگر عیسائی بنالیں۔ حضرت عمرؓ نے اس صورت خاص کے لیے یہ قرار دیا کہ خاندان وائے اسکو اصطباغ نہ دیں اور عیسائی نہ بنائیں، اور یہ حکم بالکل قرین انصاف ہے کیونکہ جب اسکا باپ مسلمان ہو گیا تھا تو اسکی نابالغ اولاد بھی بظاہر مسلمان قرار پائیگی علامہ طبری نے جہاں بنو تغلب کے واقعہ کا ذکر کیا ہے شرائط صلح میں ایلفاظ نقل کیے ہیں علی بن ابی اسلمہ و اولد امین اسلمہ اباء ہم یعنی بنو تغلب کو یہ اختیار نہ ہوگا کہ جن کے باپ مسلمان ہو چکے ان کی اولاد کو عیسائی بنا سکیں۔ ایک اور موقع پر یہ الفاظ ہیں۔ ان لا بنصروا اولادہم و اولادہم اباءہم۔

یہاں شاید یہ اعتراض ہو کہ حضرت عمرؓ نے ایک فرضی صورت قائم کر کے معاہدہ کو کیوں سخت کیا لیکن جواب یہ ہے کہ یہ فرضی صورت نہ تھی بلکہ بنو تغلب میں بہت سے لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اس لیے ان کی خاص حالت کے لحاظ سے اس صورت کا ذکر ضرور تھا، بلکہ علامہ طبری نے صاف تصریح کی ہے کہ تغلب میں سے جو لوگ اسلام لاپکے تھے خود انہی نے معاہدہ کے یہ شرائط پیش کیے تھے اب ہر شخص انصاف کر سکتا ہے کہ امن عام میں خلل نہ واقع ہونے کے لیے عیسائیوں کو اگر یہ حکم دیا جائے کہ وہ مسلمانوں کی مجلسوں میں صلیب اور سوزنہ لائیں، خاص نماز کے وقت تانوس بجائیں۔ تو مسلم عیسائیوں کی اولاد کو اصطباغ نہ دیں، تو کیا کوئی شخص اسکو تعصب نہ ہی سے تعبیر کر سکتا ہے۔ لیکن افسوس اور سخت افسوس یہ ہے کہ ہمارے پچھلے مورخوں نے ان احکام کی قیدوں اور خصوصیتوں کو اڑا دیا بلکہ قدما میں بھی جو تعصب آمیز طبیعت رکھتے تھے، روایت میں ان خصوصیتوں کو چھوڑ جاتے تھے، یہ غلطیاں اگرچہ نہایت سخت نتائج پیدا کرتی تھیں، لیکن چونکہ ظاہر میں خفیف تھیں ابن الاثیر وغیرہ نے اسکا کچھ خیال نہیں کیا، رفتہ رفتہ یہ غلطیاں استقدر پھیل گئیں کہ عربی زبان سے

اس سے معلوم ہو گئی۔ فقہاء چونکہ تاریخ سے بہت کم تحقیق رکھتے تھے انھوں نے بے تکلف انہی غلط روایتوں کو قبول کر لیا اور ان پر فقہ کے مسائل تفریع کر دیے۔

عیسائیوں اور یہودیوں کے جلا وطن کرنے کا معاملہ اسکی تحقیق سے یہ ہے کہ یہودی کسی زمانے میں مسلمان کی طرف سے صاف نہیں ہوئے۔ چنانچہ جب فتح ہوا تو ان سے کدیا گیا تھا کہ جو وقت مناسب ہو گا تم کو یہاں سے نکال دیا جائیگا، حضرت عمرؓ نے ان کی شرائط میں زیادہ طاہر ہوئیں۔ عبداللہ بن عمر کو ایک دفعہ بالانحائے سے دیکھ لیا جس سے ان کے ہاتھ میں زخم آیا، مجبوراً حضرت عمرؓ نے عام مجمع میں کھڑے ہو کر انکی شرائط بیان کیں اور پھر ان کو عرب سے نکال دیا۔ چنانچہ صحیح بخاری، کتاب اشروط میں یہ واقعہ کسی قدر تفصیل کے ساتھ مذکور ہے۔

نجران کے عیسائی۔ یمن اور اسکی اطراف میں رہتے تھے اور ان سے کچھ تعرض نہیں کیا گیا تھا، لیکن انھوں نے چپکے چپکے جنگی تیاریاں شروع کیں اور بہت سے گھوڑے اور ہتھیار مہیا کیے۔ حضرت عمرؓ نے صرف اس ضرورت سے ان کو حکم دیا کہ یمن چھوڑ کر عراق چلے جائیں۔

غرض یہ امر تمام تاریخی شہادتوں سے قطعاً ثابت ہے کہ عیسائی اور یہودی پولیکل ضرورتوں کی وجہ سے جلا وطن کئے گئے اور اس وجہ سے یہ امر کسی طرح اعتراض کے قابل نہیں ہو سکتا البتہ یہ کہ قابل یہ ہے کہ اس حالت میں بھی کس قسم کی رعایت ان کے ساتھ ملحوظ رکھی گئی۔ قدک کے یہودی جب نکالے گئے تو حضرت عمرؓ نے ایک واقف کا شخص کو بھیجا کہ ان کی زمین اور باغوں کی قیمت کا تخمینہ کرے چنانچہ قیمت بتی ہوئی حضرت عمرؓ نے انکو بیت المال سے دلوا دی۔ اسی طرح حجاز کے یہودیوں کو بھی انکی زمین کی قیمت دلوائی۔

نجران کے عیسائیوں کو جب عرب کی آبادی سے نکال کر تمام عراق میں آباد کیا، تو ان کے

ساتھ نہایت فیاضانہ رعایتیں کیں، انکو اس کا جو پروانہ دیا، اس میں یہ شرطیں لکھیں۔
 سوانح یاسام، جہاں یہ لوگ جائیں، وہاں کے افسران کی آبادی اور زراعت کے لیے انکو زمین
 دیں جس مسلمان کے پاس یہ کرنی فرما دی جائیں وہ انکی مدد کرے۔ ہم انہیں تک ان سے مطلقاً
 جزیہ نہ لیا جائے۔

اس معاہدے پر احتیاط اور تاکید کے لحاظ سے بڑے بڑے صحابہ کے دستخط ثبت کر لئے چنانچہ
 فاضل ابویوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اس معاہدہ کو بالفاظ اہل کیا ہے
 ایک ایسی فوج، جسکی نسبت بغاوت اور سازش کے ثبوت موجود ہوں اس کے ساتھ اس سے
 جزیہ نہ لیا گیا رعایت کیجا سکتی ہے۔

اب صرف جزیہ کا معاملہ رہ جاتا ہے جسے اس بحث پر اگرچہ ایک مستقل رسالہ لکھا ہے اور عربی
 زبانوں (اردو، انگریزی، عربی) میں چھپکر شائع ہو چکا ہے تاہم مختصر طور پر یہاں بھی لکھنا ضرور ہے۔
 جزیہ کا موضوع اور مقصد، اگرچہ شروع اسلام ہی میں ظاہر کر دیا گیا تھا کہ وہ حفاظت کا معاوضہ ہے
 لیکن حضرت عمر کے عہد میں یہ مسئلہ ایسا صاف ہو گیا کہ احتمال کی بھی گنجائش نہیں رہی، 'اولاً تو انھوں نے
 نو شیرواں کی طرح جزیہ کی مختلف شرحیں قائم کیں، اور اس طریقے سے گویا صاف بتا دیا کہ یہ کوئی
 نئی چیز نہیں بلکہ وہی نو شیروانی محصول ہے، اس کے علاوہ موقع موقع پر عملی طور سے اس بات کو ظاہر
 کیا کہ وہ صرف حفاظت کا معاوضہ ہے، اس کتاب کے پہلے حصے میں تم پڑھ آئے ہو کہ جب یرموک
 کے پرخطر معرکہ کے پیش آنے کی وجہ سے، اسلامی فوجیں شام کے مغربی حصوں سے ہٹ آئیں اور
 ان کو یقین ہو گیا کہ جن شہروں سے وہ جزیہ وصول کر چکے تھے یعنی حصن دمشق وغیرہ وہاں کے
 باشندوں کی حفاظت کا اب وہ ذمہ نہیں اٹھا سکتے، تو جزیہ سے جو قدر رقم وصول ہوئی تھی، سب
 واپس کر دی، اور صاف کہہ دیا کہ اس وقت ہم تمہارے جان و مال کی حفاظت کے ذمہ دار نہیں ہو سکتے،

اس لیے جزیہ لینے کا بھی ہم کو کوئی حق نہیں ہے اس سے بھی زیادہ قطعی شہادت یہ ہے کہ جن لوگوں سے کبھی کسی قسم کی فوجی خدمت لی گئی اُن کو باوجود اُن کے مذہب پر قائم رہنے کے جزیہ معاف کر دیا جھڑپ عمر نے خود اٹھ میں عراق کے افسروں کو لکھ بھیجا کہ۔

يَسْتَعْبِنُوا مِنْ اِحْتِاجِ الْاِسْلَامِ
وَيَرْفَعُوا عَنْهُمْ الْجِزْيَةَ
اس سے ۱۰ اور انکا جرہ محمود ۱۰۰

یہاں تک کہ اگر کسی قوم نے صرف ایک دفعہ مسلمانوں کے ساتھ شرکت کی تو اُس سال کا جزیہ اس کے لیے معاف کر دیا گیا ۲۳ء میں جب آذربائیجان فتح ہوا تو اہل شہر کو یہ فرمان بکھدیا گیا۔

وَمِنْ حَشَرٍ مِثْلِهِمْ فِي سَنَةِ وَصَمْعٍ عِدَّةٍ حَزَاءٍ
تِلْكَ السَّنَةِ -
سی جو لوگ کسی سال موج کے ساتھ کام دے اُس سال کا جرہ اُن سے نہیں لیا جائیگا۔

اسی سال آرمینیہ کے رئیس شہر براز سے جو معاہدہ ہوا اس میں یہ الفاظ تھے۔

وَعَلَى اَهْلِ اَرْمِينِيَةِ اَنْ يَبْفَرُوا اِكْلَ عَارَهِ وَيَنْفِذُوا اَكْلَ مُرْتَابِ اُولَئِكَ بِبِزَاةِ الْوَالِي صَلَاحًا عَلَى
اَنْ تَوْضِعَ الْجِزْيَةَ

اسی سند میں جرجان فتح ہوا اور فرمان میں یہ عبارت لکھی گئی۔

اِنَّ لَكُمْ الذِمَّةَ وَعَلَيْنَا الْمَنَعَةُ عَلَى اَنْ عَلَيْكُمْ
مِنَ الْجِزْيَةِ فِي كُلِّ سَنَةٍ عَلَى قَدْرِ طَاقَتِكُمْ
وَمِنْ اِسْتِعَاذِهِ مِنْكُمْ فَلَهُ جِزَاؤُهُ فِي
مَعُونَةِ عَوْضًا عَنْ جِزَايَةٍ
ہم پر تمہاری حفاظت ہو اس شرط پر کہ تم ہر سال
نقد طائف جزیہ ادا کرتا ہو گا اور اگر تم سے اعانت
میں گے تو اس اعانت کے بدلے جزیہ
ہو جائے گا۔

غرض حضرت عمر کے اتوال سے، معاہدوں سے، طرز عمل سے، روز روشن کی طرح ظاہر کیا
تھا کہ جزیہ کا موضوع کیا ہے اور وہ کس غرض سے مقرر کیا گیا۔

ہمیشہ اصرار کرتے تھے کہ ملک کے ساتھ تمام رعایا انکی غلامی میں دیدہ بجائے۔ ملک کی تقسیم میں تو سیسیا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں، حضرت عمر نے قرآن مجید کے استدلال سے لوگوں کی زبان بند کی لیکن غلامی کے لیے کوئی ایسا استدلال موجود نہ تھا، اس لیے وہ تمام اہل فوج کے خلاف نہیں کر سکتے تھے تاہم اتنا کیا کہ عملاً غلامی کو نہایت کم کر دیا، جس قدر ممالک ان کے زمانے میں فتح ہوئے انکی وسعت کی بنا پر میل تھی جس میں کروڑوں آدمی بستے تھے۔ لیکن غلامی کا جہاں جہاں پتہ چلتا ہے وہ نہایت محدود اور گنتی کے مقامات تھے، اور وہاں بھی صرف وہ لوگ غلام بنائے گئے جو مصر کے جنگ میں شریک تھے، عراق اور مصر میں جو بجائے خود مستقل مملکتیں ہیں باوجود فوج کے اصرار کے ایک شخص بھی غلام نہیں بنایا گیا، یہاں تک کہ جب مصر کے بعض دیہات کے آدمی جو مسلمانوں سے لڑے تھے غلام بنا کر عرب میں بھیج دئے گئے۔ تو حضرت عمر نے سب کو جا بجا سے جمع کر کے مصر کو واپس بھیج دیا کہ ان کو غلام بنانا جائز نہ تھا، چنانچہ نوخ مقرر نہ رہی نے ان دیہات کے نام اور اس واقعہ کو تفصیل سے لکھا ہے۔

شام کے شہروں میں سے بصری، فحل، طبریہ، دمشق، حص، حماہ، عسقلان، انطاکیہ وغیرہ جہاں عیسائی بڑے زور شور سے لڑے، غلامی کا بہت کم پتہ چلتا ہے۔ شاید شام میں صرف قیساریہ ایک جگہ ہے، جہاں اسیران جنگ غلام بنائے گئے، فارس، خوزستان، کرمان، جزیرہ وغیرہ میں خود معاہدہ صلح میں یہ الفاظ لکھ دیئے گئے تھے کہ لوگوں کے جان و مال سے تعرض نہ ہوگا، صامغان، جندی سابور، شیراز وغیرہ میں اس سے زیادہ صاف الفاظ تھے کہ لایسبوا یعنی وہ لوگ گرفتار ہو کر لوٹ دی غلام نہ بنائے جائیں گے۔

مناویر میں باوجود اس کے کہ فوج نے اسیران جنگ کو غلام بنا کر ان پر قبضہ کر لیا تھا، لیکن حضرت عمر کا حکم پہنچا کہ ان کو چھوڑ دو اور خراج و جزیرہ مقرر کر دو۔ ابو موسیٰ اشعری کو یہ حکم بھیجا

کہ کوئی کائنات کا یا پیشہ ور غلام نہ بنایا جائے۔

حضرت عمرؓ نے ایک اور طریقہ سے اس رواج کو گھٹایا یعنی قائل قرار دیا کہ جس لونڈی سے اولاد ہو جائے وہ خریدی اور بیچی نہیں جاسکتی۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ وہ لونڈی نہیں رہتی، یہ قاعدہ خاص حضرت عمرؓ کی ایجاد ہے، ان سے پہلے اس قسم کی لونڈیوں کی بھی برابر خرید و فروخت ہوتی تھی، چنانچہ مؤرخین اور محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کے اولیات لکھے ہیں اس قاعدے کو بھی لکھا ہے۔ غلاموں کی آزادی کا ایک اور طریقہ تھا جسکو مکاتبہ کہتے ہیں یعنی غلام ایک معاہدہ لکھ دے کہ میں اتنی مدت میں اس قدر روپے ادا کروں گا، جب وہ زرمعینہ ادا کر دیتا ہے تو بالکل آزاد ہو جاتا ہے، یہ قاعدہ خود قمرنجید میں موجود ہے مکتواہمداً علمتہ فیہم خیراً لیکن فقہاء اس حکم کو وجہی نہیں قرار دیتے یعنی آقا کو اختیار ہے معاہدہ کو قبول کرے یا نہ کرے لیکن حضرت عمرؓ نے اس حکم کو وجہی قرار دیا۔ صحیح بخاری کتاب المکاتب میں ہے کہ حضرت انسؓ کے غلام سیرینؓ نے مکاتبہ کی درخواست کی، انسؓ نے انکار کیا۔ سیرینؓ حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا حضرت عمرؓ نے انسؓ کو ڈرے لگائے اور مذکورہ بالا آیت سند میں پیش کی، آخر انسؓ کو مجبوراً مانا پڑا۔

اس موقع پر حضرت شہربانو کا قصہ جو غلط طور پر مشہور ہو گیا ہے اسکا ذکر کرنا ضرور ہے۔ عام طور پر یہ مشہور ہے کہ جب فارس فتح ہوا تو نیردگرد شہنشاہ فارس کی بیٹیاں گرفتار ہو کر مدینہ میں آئیں حضرت عمرؓ نے عام لونڈیوں کی طرح بازار میں انکے بیچنے کا حکم دیا، لیکن حضرت علیؓ نے منع کیا کہ خاندان شاہی کے ساتھ ایسا سلوک جائز نہیں، ان لڑکیوں کی قیمت کا اندازہ کرایا جائے پھر بیچ لیاں کسی کے اہتمام اور سپردگی میں دی جائیں اور اس سے ان کی قیمت علیؓ سے اعلیٰ شرح پر لی جائے چنانچہ حضرت علیؓ نے خود انکو اپنے اہتمام میں لیا، اور ایک امام حسینؓ کو ایک محمد بن ابی بکرؓ کو ایک عبداللہ بن

عمر کو غنایت کی۔ اس غلط قصہ کی حقیقت یہ ہے کہ زخمِ شہی نے جو کفنِ تاریخ سے کچھ واسطہ نہیں،
 سیح الابرار میں اسکو لکھا اور ابنِ خلکان نے امام زین العابدین کے حال میں یہ روایت اُس کے
 حوالہ سے نقل کر دی، لیکن یہ منہ غلط ہے، اولاً تو زخمِ شہری کے سوا ملبرن، ابنِ الاثیر، یعقوبی،
 بلاذری، ابنِ قتیبہ، وغیرہ کسی نے اس واقعہ کو نہیں لکھا۔ اور زخمِ شہری کا کفنِ تاریخ میں جو پایہ ہے وہ
 ظاہر ہے، اس کے علاوہ تاریخی قرآن اس کے بالکل خلاف ہیں، حضرت عمر کے عہد میں یزدگرد
 اور خاندانِ شاهی پر مسلمانوں کو مطلق قابو نہیں حاصل ہوا، مدائن کے سرکہ میں یزدگردِ سرِ تمام
 اہل و عیال کے دارالسلطنہ سے نکلا اور حلوان پہنچا، جب مسلمان حلوان پر بڑھے تو وہ عثمان
 جاک گیا اور پھر کرمان وغیرہ میں ٹکراتا پھرا، مرو میں پہنچ کر ستم میں جو حضرت عثمان کی خلافت کا
 نمائندہ مارا گیا، اُسکی آلِ اولاد، اگر گرفتار ہوئے ہونگے تو اُسی وقت گرفتار ہوئے ہوں گے، محکومہ ہی
 کہ زخمِ شہری کو یہ بھی معلوم تھا یا نہیں کہ یزدگرد کا قتل کس عہد میں واقع ہوا۔

اسکے علاوہ جس وقت کا یہ واقعہ بیان کیا جاتا ہے اُس وقت حضرت امام حسین علیہ السلام کی عمر
 ۱۲ برس کی تھی۔ کیونکہ جنابِ مدوح ہجرت کے پانچویں سال پیدا ہوئے اور فارس ستم میں فتح
 ہوا، اس لیے یہ امر بھی کس قدر متبع ہے کہ حضرت علی نے انکی تابانگی میں انپر اس قسم کی غنایت کی ہوگی
 اسکے علاوہ ایک شہنشاہ کی اولاد کی قیمت نہایت گراں قرار پائی ہوگی، اور حضرت علی نہایت زاہد
 اور فقیرانہ زندگی بسر کرتے تھے۔ غرض کسی حیثیت سے اس واقعہ کی صحت پر گمان نہیں ہو سکتا
 حضرت عمر کی تاریخ میں اس قسم کا واقعہ جو مسلم طور پر ثابت ہے اُس میں تردید کیا گیا جو تہذیب و
 انسانیت کا مقتضا تھا اور جو آج بھی تمام تہذیب ملکوں میں جاری ہے، عمرو بن العاص نے
 جب مصر پر چڑھائی کی، تو اول بلیس پر حملہ ہوا۔ سخت لڑائی کے بعد مسلمانوں کو فتح ہوئی اور
 تین ہزار عیسائی گرفتار ہوئے، اتفاق سے مقوقس بادشاہِ مصر کی بیٹی جس کا نام ارنائوسہ تھا، یہ

سابقہ
سیر
کے

منقسم تھی، وہ بھی گرفتار ہوئی، عمرو بن العاص نے اسکو نہایت عزت و حرمت سے مقوقس کے پاس بھیج دیا، اور مزید احتیاط کے لیے اپنے ایک سردار کو جسکا نام قیس بن ابی العاص بھی تھا ساتھ کر دیا کہ حفاظت کے ساتھ پہنچائے۔

علامہ
کے

یہ تو وہ کام نامے تھے جو حضرت عمرؓ نے غلامی کے رونے کے لیے کیے، لیکن جو لوگ غلام بنا بنے گئے تھے ان کے حق میں وہ مراعاتیں قائم کیں کہ غلامی ہمسری کے درجے تک پہنچ گئی، فوجی انتظامات کے بیان میں تم نے پڑھا ہوگا، کہ حضرت عمرؓ نے بذریعہ کے مجاہدین کی بہت تنخواہیں مقرر کیں تو ان کے غلاموں کی بھی انہی کے برابر تنخواہ مقرر کی، بعد کی تمام کارروائیوں میں بھی انہوں نے یہ اصول ملحوظ رکھا، اضلاع کے جو عمال تھے انکی نسبت وہ اور اور باتوں کے ساتھ ہمیشہ یہ بھی دریافت کرتے رہتے تھے کہ غلاموں کے ساتھ اسکا برتاؤ کیسا ہے، چنانچہ اگر یہ معلوم ہوتا تھا کہ وہ غلاموں کی عیادت کو نہیں جاتا، تو صرف اسی جرم پر اسکو معزول و موقوف کر دیتے تھے۔ اکثر غلاموں کو بل کر ساتھ کھانا کھلایا کرتے تھے اور حاضرین کو سنا کر کہتے تھے کہ ”خدا ان لوگوں پر لعنت کرے جنکو غلاموں کے ساتھ کھانے سے عار ہے۔“ سرداران فوج کو کچھ بھیجا کہ تمہارا کوئی غلام کسی قوم کو امان دے، تو وہ امان تمام مسلمانوں کی طرف سے سمجھی جائیگی، اور فوج کو اسکا پابند ہونا ہوگا، چنانچہ ایک سردار کو یہ الفاظ لکھے اِنَّ عَدَالَتِيْنَ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ ذَمَّتْهُ مِنْ دِمْنَتِهِمْ مَّحْدَامًا۔ غلاموں کے لیے جو بڑی تکلیف کی بات تھی، یہ تھی کہ وہ اپنے عزیز و اقارب سے جدا ہو جاتے تھے، بیٹا باپ سے چھٹ جاتا تھا، بیٹی ماں سے بچھڑ جاتی تھی، آج جو لوگ غلامی کی برائیوں پر مضامین لکھتے ہیں وہ اسی واقعہ کو درو انگیز صورت میں دکھاتے ہیں، حضرت عمرؓ نے یہ قاعدہ مقرر کیا، کہ کوئی غلام اپنے عزیز و اقارب سے جدا نہ ہونے پائے، یعنی یہ نہیں ہو سکتا تھا، کہ بیٹا کسی کے ہاتھ آئے اور باپ

علامہ
کے

کسی اور کی غلامی میں ہے، باپ بیٹے، بھائی بہن، ماں بیٹیاں، بھتیجی بھتیجیاں تو ساتھ بھتیجی بھتیجیاں اور جن کی غلامی میں رہتی تھیں، ساتھ رہتی تھیں اس باب میں ان کے جو احکام ہیں انکو کنز العمال میں مستدرک حاکم، ہیثمی، مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے اور وہ یہ ہیں۔

سی حب دوہائی تھے عائشہ، اکنہ، سرے، جبار، سواحائے

سی۔ ماں سے لگ۔ کک۔ کک۔ کک۔

سی لڑکی غلام جو گداہر ہو کر آس۔ مرنے ان سے ملحدہ کہے عائشہ

لا بصر ف بین اخو بن ادا بعا

لا نضر فوا دین الامم و ولدھا۔

لا بھری دین السایا و اولادھن

حضرت عمرؓ نے اس باب میں تمام مہاجرین اور انصار کو جمع کر کے قرآن مجید کی اس آیت پر استدلال کیا ولا تقطعوا رجا حکم اور کہا کہ اس سے بڑھ کر قطع رحم کیا ہو سکتا ہے، چنانچہ اس واقعہ کو تفصیل کے ساتھ حاکم اور ہیثمی نے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے جب سمط ابن اسود ایک انصر کو شام کی قہات پر بھیجا، اور ان کے بیٹے تیز لال کو کوٹہ میں کسی کام پر مامور کیا، تو انھوں نے حضرت عمرؓ سے شکایت کی کہ آپ جب غلام کو اپنے عزیزوں سے جدا نہیں ہونے دیتے، تو مجھ کو کیوں بیٹے سے دور بھینک دیا ہے۔

حضرت عمرؓ نے غلاموں کا جو رتبہ قائم کیا اور تمام عرب کو جو منونے دکھائے اسکا یہ اثر ہوا کہ غلاموں کے گروہ میں بڑے بڑے صاحب کمال پیدا ہو گئے جن کی تمام ملک غرت و توقیر کرتا تھا عکرمہ جو ائمہ حدیث میں شمار کیے جاتے ہیں اور جنکو حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے فتوے کی اجازت دی تھی، نافع جو امام مالک کے استاد تھے اور جن کی روایت کے سلسلے کو محدثین سلسلہ الدہب یعنی سونے کی زنجیر سے تعبیر کرتے ہیں، یہ دونوں بزرگ غلام تھے اور اسی عہد کے تربیت یافتہ تھے، علامہ بن خلکان نے حضرت امام زین العابدینؓ کے حال میں لکھا ہے کہ مدینہ منورہ

میں لوگ کنیزوں اور کنیز زادوں کو حقیر سمجھتے تھے، لیکن جب قاسم (حضرت ابو بکر کے پوتے) اور سالم (حضرت عمر کے پوتے) اور امام زین العابدین سن رشد کو پہنچے اور علم و فضل میں تمام مدینہ والوں سے بڑھ گئے تو خیالات بدل گئے اور لوٹڈی غلاموں کی قدر بڑھ گئی، لیکن پہلے نے نزدیک اس قبول اور عزت کا اصلی سبب حضرت عمر کا طریق عمل تھا بے شبہ قاسم و سالم (امام زین العابدین) کا نام اس سلسلہ میں لینا تیس بے ادبی خیال کرتا ہوں، کے فضل و کمال نے اس مسئلہ پر اثر کیا، لیکن اگر حضرت عمر نے اقبات اولاد کا وہ رتبہ نہ قائم کیا ہوتا تو ان بزرگوں کو فضل و کمال حاصل کرنے کا موقع کیونکر ملتا۔

ان سب باتوں کے ساتھ اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ حضرت عمر نے یہ کوئی نیا سلسلہ نہیں ایجاد کیا تھا اور نہ خدا نخواستہ اُن کو یہ حق تھا، غلامی کا گھٹانا اور غلاموں کے ساتھ مساویانہ برتاؤ کرنا خود باقی اسلام کا مقصد تھا اور حضرت عمر نے جو کچھ کیا، وہ اسی مقصد کی تعمیل تھی، امام بخاری نے کتاب المغزو میں غلاموں کے متعلق آنحضرت کے جو افعال اور اقوال لکھے ہیں اُن سے اس دعوے کی کافی تصدیق ہوتی ہے۔

سیاست و تدبیر، عدل و انصاف،

خلافت فاروقی، بسیط عالم میں کہاں سے کہاں تک پھیلی ہے، اور کس قدر مختلف ملک مختلف مذاہب مختلف قومیں، اُس کے دائرے میں داخل ہیں، لیکن اس سرے سے اُس سرے تک ہر طرف امن و امان اور سکوت و اطمینان چھایا ہوا ہے۔ دنیا میں اور بھی ایسے صاحب جاہ و جلال گزرے ہیں، جنگی حکومت میں کوئی شخص سر نہیں اٹھا سکتا تھا۔ لیکن اُن کو یہ بات اُس سیاست کی بدولت حاصل ہوئی تھی جس کے اصول یہ تھے کہ بغاوت کے ذریعے احتمال پر فتنہ انصاف کا قانون باطل اُلٹ دیا جائے، ایک شخص کے جرم میں تمام خاندان پکڑا جائے، واقعات کے ثبوت

میں یقین کے بجائے۔ صرف قیاس سے کام لیا جائے، وختیانہ سنرائیں، ویکائیں، آبادیاں ہلا کر
برباد کر دی جائیں، یہ اصول قدیم زمانے تک محدود نہ تھے اب بھی یورپ کو باوجود اس قدر تمدن
و تہذیب کے، انہی قاعدوں سے کام لینا پڑتا ہے۔

لیکن خلافت فاروقی میں کبھی بال برابر انصاف سے تجاوز نہیں ہو سکتا تھا، عیسویں والوں نے
بار بار غارتگری کی تو ان کو جلا وطن کیا لیکن اس طرح کہ انکی جادو، مال اسباب کی مفصل فہرست تیار
کر کر ایک ایک چیز کی دو گنی قیمت ادا کر دی۔ **نجران** کے عیسائیوں نے خود مختاری اور سرکشی کی تیاریاں
کیں اور ہم نہرا رومی بہم پہنچائے تو ان کو عرب سے نکال کر دوسرے ممالک میں آباد کر دیا مگر اس عالت
کے ساتھ کہ ان کی جادو وغیرہ کی قیمت دیدی اور عاتلوں کو کچھ بھیجا کہ راہ میں جدھر ان کا گزر ہو ان کے
آرام کے سامان بہم پہنچائے جائیں، اور جب یہ کہیں مستقل قیام اختیار کریں تو چوبیس مہینے تک ان
سے خیرہ نہ لیا جائے۔

شاید تم کو خیال ہو کہ حضرت عمر کو رعایا ایسی ہاتھ آئی تھی جس میں زیادہ تر اطاعت و انقیاد کا
مادہ تھا اور اس لیے ان کو جابرانہ سیاست کی ضرورت ہی پیش نہیں آئی۔ لیکن یہ خیال صحیح نہیں
حضرت عمر کو سچ پوچھو تو درحقیقت دونوں طرح کی مشکلات کا سامنا تھا، غیر قویں جو حلقہ اطاعت
میں آئی تھیں پارس یا عیسائی تھیں جو مدت تک شاہنشاہی کے لقب سے ممتاز رہی تھیں اور اس
لیے انکو رعیت بننا مشکل سے گوارا ہو سکتا تھا، اندرونی حالت یہ تھی کہ عرب میں بہت سے صاحب
اوغا موجود تھے جو حضرت عمر کی خلافت کو رشک کی نگاہ سے دیکھتے تھے، مثلاً ایک مؤلفہ القلوب
کا گروہ تھا جن کا قول تھا کہ خلافت بنو ہاشم یا بنو آئیمہ کا حق ہے اور عمر کسی میں نہیں عمرو بن العاص
مصر کے گورنر تھے، ایک دفعہ حضرت عمر نے ان کو خراج کے معاملے میں تنگ پکڑا، تو انھوں نے

سہ ابن واقعات کو ہم نہیں کے خوف کے بیان میں اویچھ آئے ہیں اور وہاں کنالوں کا حوالہ دیا ہے ۱۲

نہایت حسرت سے کہا کہ ”خدا کی قدرت ہے! جاہلیت میں، میرا باپ جب کخواب کی تباہیِ بدن کرتا تھا تو خطاب (حضرت عمر کے والد) سر پر پلٹری کا گٹھ لائے پھرتے تھے، آج اُسی خطاب کا بٹھا مجھ پر چڑھتا جتا رہا ہے۔“ بنو ہاشم ہمیشہ استغاب کی نگاہ سے دیکھتے تھے کہ اُن کے ہوتے تھے نبی اور عدویٰ خلافت پر کیونکر قبضہ کر بیٹھے ہیں، حضرت ابو بکر کے زمانے میں تو علانیہ نقصِ خلافت کے مسورے ہوتے رہے چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب ازالۃ الخفاء میں لکھتے ہیں ”زیر و مجمع از بنو ہاشم در خانہ حضرت فاطمہ جمع شد و رباب نقصِ خلافت مشورۃ بکار می برد۔“

حضرت عمر کی سطوت نے بنو ہاشم کے اِدعا کو اگرچہ دبا دیا لیکن بالکل مٹا کیونکر سکتی تھی اس کے علاوہ عرب کا فطرتی مذاق آزادی اور خود سری تھا، اور یہی وجہ ہے کہ وہ کبھی کسی فرمانروا کی حکومت کے نیچے نہیں آئے۔ حضرت عمر اگر امیر معاویہ کی طرح اس آزادی اور خود سری کو شاکر حکومت کا رباب و داب قائم رکھتے تو چندان تعجب نہ تھا۔ لیکن وہ عرب کے اس جوہر کو کسی طرح مٹانا نہیں چاہتے تھے بلکہ اور چمکاتے تھے، بار بار مجامع عام میں لوگ اُن پر نہایت آزادانہ بلکہ گستاخانہ نکتہ چینی کرتے تھے اور وہ گوارا کرتے تھے، شام کے سفر میں جب اُنھوں نے مجمع عام میں حضرت خالد کی مغروری کی وجہ اور اپنی برأت بیان کی، تو ایک شخص نے وہیں اُٹھ کر کہا۔

یہی اِعرارِ حد کی قسم تو نے انصاف ہیں کہا تو رسول اللہ کے عل کو
موقوف کر دیا تو رسول اللہ کی کبھی جوفی ملو اگر کو نیام میں ٹال دیا
تو سے طبعِ رحیم کہا، تو سے بیٹے چچرے عافی چرہ کہا۔

وَاللّٰهُ مَا عَدَلْتَ يَا عُمَرُ لَقَدْ نَزَعْتَ عَامِلًا مِّنْ عَمَلِهِ
رَسُولُ اللّٰهِ وَغَمَدْتَ سَبَقًا سَلَّ رَسُولُ اللّٰهِ
وَلَقَدْ قَطَعْتَ الرَّحِمَ وَحَسَدْتَ ابْنَ الصِّخْرِ

حضرت عمر نے یہ سب سُن کر، صرف یہ کہا کہ تم کو اپنے بھائی کی حمایت میں غصہ آگیا۔
ان حالات کے ساتھ یہ عرب داب تھا کہ حضرت خالد کو عین اُسوقت جب تمام عراق و شام میں

لوگ اُن کا کلمہ پڑھنے لگے تھے معزول کر دیا تو کسی دم نہ مارا اور خود حضرت خالد کسی قسم کا خیال دل میں نہ لاسکے، امیر معاویہ و عمرو بن العاص کی نشان و شکوت محتاج بیان نہیں۔ لیکن حضرت عمر کے نام سے انکو لرزہ آتا تھا، عمرو بن العاص کے بیٹے عبداللہ نے ایک شخص کو بے وجہ مارا تھا، حضرت عمر نے عمرو بن العاص کے سامنے انکو اُسی مضروب کا ہاتھ سے کوڑے پٹولے اور باپ بیٹے دونوں عبرت کا تماشا دیکھا کیے۔ سعد و قاص فتح ایران کو معمولی شکایت پر جو ابہری میں طلب کیا تو انکو بے مذر حاضر ہونا پڑا۔ ان واقعات سے ہر شخص اندازہ کر سکتا ہے کہ حضرت عمر کو سیاست و تدبیر کے فن میں جو کمال حاصل تھا کسی تدبیر اور فرماں روا کے حالات میں اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

ان کی حکومت کی سبب خصوصیت یہ تھی کہ آئین حکومت میں شاہ و گدا، شریف و زویل، عزیز و بیگانہ، سب کا ایک رتبہ تھا۔

جبکہ بن الایہم غسانی، شام کا مشہور رئیس بلکہ بادشاہ تھا اور مسلمان ہو گیا تھا کعبہ کے طوف میں اسکی چادر کا گوشہ ایک شخص کے پائوں کے نیچے آگیا۔ جبکہ نے اُسکے مونہ پر تھپڑ کھینچ مارا، اُس نے بھی برابر کا جواب دیا، جبکہ غصے سے بیتاب ہو گیا، اور حضرت عمر کے پاس آیا، حضرت عمر نے اسکی شکایت سن کر کہا کہ ”تم نے جو کچھ کیا اسکی سزا پائی“، اُسکو سخت حیرت ہوئی اور کہا کہ ہم اس رتبہ کے لوگ ہیں کہ کوئی شخص ہمارے ساتھ گستاخی سے پیش آئے تو قتل کا مستحق ہوتا ہے“ حضرت عمر نے فرمایا۔ جاہلیت میں ایسا ہی تھا لیکن اسلام نے پست و بلند کو ایک کر دیا۔ اُس نے کہا کہ اگر اسلام ایسا مذہب ہے جیسے شریف و ذلیل کی کچھ تمیز نہیں، تو میں اسلام سے باز آتا ہوں“ عرض وہ چپ کر قسطنطنیہ چلا گیا۔ لیکن حضرت عمر نے اسکی خاطر سے قانون انصاف کو بدلنا نہیں چاہا۔

ایک دفعہ تمام عہدہ داران ملکی کونج کے زلزلے میں طلب کیا، اور مجمع عام میں کھڑے ہو کر کہا کہ جس کسی کو ان لوگوں سے شکایت ہو پیش کرے۔ اس مجمع میں عمرو بن العاص گورنر مصر اور بڑے بڑے

حضرت عمر
کی حکومت
کی خصوصیت

اصول بتاؤ

رتبہ کے حکام اور خمال موجود تھے ایک شخص نے اٹھ کر کہا کہ فلاں عامل نے بیوجہ مجھ کو سوتے مارے ہیں حضرت عمر نے فرمایا: اٹھ اور اپنا بدل لے، عمرو بن العاص نے کہا امیر المؤمنین! اس طریقِ عمل سے تمام خمال بیدل ہو جائیں گے، حضرت عمر نے فرمایا تاہم ایسا ضرور ہوگا، یہ کہہ کر پھر مستغیث کی طرف توجہ ہوئے کہ: اپنا کام کر، آخر عمرو بن العاص نے مستغیث کو اس بات پر رضی کیا کہ وہ دوسو دینار لے اور اپنے دعوے سے باز آئے۔

ایک دفعہ سردارانِ قریش انکی ملاقات کو آئے، اتفاق سے صہیب، بلال، عمار وغیرہ بھی موجود تھے جنہیں سے اکثر آزاد شدہ غلام تھے، اور دنیاوی حیثیت سے معمولی درجے کے لوگ سمجھے جاتے تھے۔ حضرت عمر نے اول انہی لوگوں کو بلایا اور سردارانِ قریش باہر بیٹھے ہیں ابوسفیان جو زمانہ جاہلیت میں تمام قریش کے سردار رہے تھے، انکو یہ امر سخت ناگوار گزرا اور ساتھیوں سے خطاب کے کہا کہ: کیا خدا کی قدرت ہے، غلاموں کو وریا میں جانے کی اجازت ملتی ہے اور ہم لوگ باہر بیٹھے ہنظار کر رہے ہیں، ابوسفیان کی یہ حسرت اگرچہ ان کے اقران کے مذاق کے مناسب تھی تاہم ان میں کچھ حق شناس بھی تھے ایک نے کہا: بھائیو! سچ یہ ہے کہ ہم کو عمر کی نہیں بلکہ اپنی شکایت کرنی چاہیئے اسلام نے سب کو ایک آواز سے بلایا۔ لیکن جو اپنی شامت سے پیچھے مہنچے آج بھی وہ پیچھے ہے کہ سستی ہیں۔ قحاد سیہ کے بعد جب تمام قبائل عرب اور صحابہ کی تنخواہیں مقرر کیں تو بڑے رشک و فتنہ کا موقع پیش آیا، سردارانِ قریش اور معزز قبائل کے لوگ جو ہر موقع پر امتیاز و اعزاز کے خواہ مخواہ تھے بڑے دعوے کے ساتھ متظر رہے، کہ تنخواہ کے تقریر میں غلط مراتب کا خیال کیا جائیگا، اور مہرست میں ان کے نام سب پہلے نظر آئیں گے، لیکن حضرت عمر نے ان کے تمام خیالات غلط کر دیئے انھوں نے دولت و جاہ، زور و قوت و ناموری و شہرت، اعزاز و امتیاز کی تمام خصوصیتوں کو ہٹا کر، صرف اسلامی

خصوصیت قائم کی اور اسی اعتبار سے تنخواہیں بیش کم مقرر کیں، جو لوگ اول اسلام لائے تھے یا جہاد میں
 کارنامے نمایاں کیے تھے، یا آنحضرتؐ کے ساتھ خصوصیت رکھتے تھے۔ اُن کو غیروں پر ترجیح دی، جو
 ان خصوصیتوں میں برابر درجے پر تھے انکی تنخواہیں برابر مقرر کیں، یہاں تک کہ غلام اور اقامیں کچھ
 فرق نہ رکھا، حالانکہ عرب میں غلام سے بڑھ کر کوئی گروہ خوار و ذلیل نہ تھا اسی موقع پر اسامہ بن زید
 کی تنخواہ جب اپنے بیٹے عبداللہ سے زیادہ مقرر کی، تو انھوں نے عذر کیا کہ والد اساتہ کسی موقع پر
 مجھ سے آگے نہیں رہے حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ہاں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اساتہ کو تجھ
 سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

اہل عرب کا شعار تھا کہ لڑائیوں میں فخریہ اپنے اپنے قبیلہ کی بجائے پکارتے تھے۔ اس فخر کے
 سٹانے کے لیے تمام فوجی انیسروں کو کچھ بھیجا کہ جو لوگ ایسا کریں انکو سخت سزا دی جائے، ایک دفعہ ایک
 شخص نے جو قبیلہ کے قبیلہ سے تھا، لڑائی میں یا آل غبنہ کا نعرہ مارا، حضرت عمرؓ کو خبر ہوئی تو سال بھر
 کے لیے اسکی تنخواہ بند کر دی۔ اس قسم کے اور بہت سے واقعات تاریخوں میں ملتے ہیں۔

اسی اصول مساوات کی بنا پر وہ کسی شخص کے لیے کسی قسم کا امتیاز پسند نہیں کرتے تھے عمرو
 بن عاص نے مصر کی جامع مسجد میں منبر بنایا تو کچھ بھیجا کہ کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ اور مسلمان نیچے بیٹھے
 ہوں اور تم اوپر بیٹھو عمال کو ہمیشہ تاکید کی حکام بھیجتے رہتے تھے کہ کسی طرح کی امتیاز اور غمخوار اختیار
 ایک دفعہ ابی بن کعب سے کچھ نزاع ہوئی زید بن ثابت کے ہاں مقدمہ پیش ہوا حضرت عمرؓ
 کے پاس گئے تو انھوں نے تعظیم کے لیے جگہ خالی کر دی، حضرت عمرؓ نے کہا مدیہ پہلی نا انصافی ہے جو تم
 نے اس مقدمہ میں کی، یہ کہہ کر اپنے فریق کے برابر بیٹھ گئے۔ یہی بعید تھا کہ طرز معاشرت نہایت سادہ
 اور عربیانہ رکھا تھا۔ سفر و حضر میں، جلوت و خلوت میں، مکان اور بازار میں، کوئی شخص اُن کو کسی
 علامت سے پہچان نہیں سکتا تھا کہ یہ خلیفہ وقت ہیں۔ قیصر و کسریٰ کے ایچی مسجد نبوی میں آکر

اصل باب

ڈھونڈتے تھے کہ شہنشاہ اسلام کہاں ہیں، حالانکہ شہنشاہ، وہیں۔ پیوند لگے کپڑے پہنے کسی گشتہ میں بیٹھا ہوتا تھا۔ ان کے عمال اُنکو اسی برابری کے القاب سے خط لکھتے تھے جس طرح وہ عمال کو لکھا کرتے تھے۔

اس اصول انصاف سے اگرچہ خاص خاص آدمی جن کی اوتعالیٰ شان کو صدر مہینہ تھا دل میں ٹکڑے ہوتے تھے، لیکن چونکہ یہ عرب کا اصلی مذاق تھا اس لیے عام ملک پر اسکا نہایت عمدہ اثر ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں تمام عرب گرویدہ ہو گیا۔ خواص میں بھی جو حق شناس تھے وہ روز بروز معترف ہوتے گئے اور جو باطل خود پرست تھے وہ بھی میدان عام کے مقابلے میں اپنی خود رانی کے اظہار کی جرات نہ کر سکے۔ اس اصول کے عمل میں لانے سے بہت بڑا فائدہ یہ ہوا کہ قبائل عرب جو انہی یہود و منافق کی بنا پر آپس میں لڑتے رہتے تھے اور جبکی وجہ سے عرب کا سارا خطہ ایک میدان کا زار نگشتا تھا انہی باہمی رقابت اور منافرت کا زور بالکل گھٹ گیا۔

اس موقع پر یہ بتادینا ضرور ہے کہ حضرت عمر نے اصول مساوات کے ساتھ اپنے لیے امیر المومنین کا پُرفخر لقب کیوں ایجاد کیا۔ اصل یہ ہے کہ اُس زمانے تک یہ لقب فی فخر کی بات نہیں سمجھی جاتی تھی بلکہ اس سے صرف عمدہ اور خدمت کا اظہار ہوتا تھا، افسران فوج عموماً امیر کے نام سے پُکارتے جاتے تھے، ظاہر ہے انحضرت کو امیر کہہ لیا کرتے تھے، سعد بن وقاص کو عاق میں لوگوں امیر المومنین کہنا شروع کر دیا تھا۔

حضرت عمر کو اس لقب کا خیال نہ تھا۔ اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ ایک فوجی بید بن رہیہ اور عدی بن حاتم مدینہ میں آئے اور حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہونا چاہا۔ قاعدہ کے موافق اطلاع کرائی اور چونکہ کوفہ میں رہ کر امیر المومنین کا لفظ انکی زبان پر چڑھا ہوا تھا اطلاع کرتے وقت یہ کہا کہ امیر المومنین کو ہمارے آنے کی اطلاع کر دو، عمر بن العاص نے اطلاع کی اور یہی خطاب استعمال کیا، حضرت عمر نے اس خطاب

کی وجہ پوچھی انھوں نے کیفیت واقعہ بیان کی حضرت عمرؓ نے بھی اس لقب کو پسند کیا اور اسی تاریخ سے اسکو شہرہ عام ہو گئی اس موقع پر ممکن ہے کہ ایک تازہ نظر کو یہ خیال ہو کہ حضرت عمرؓ کو خلافت سے اگر کسی قسم کا جاہ و اعزاز مقصود نہ تھا تو انھوں نے خلافت اختیار ہی کیوں کی؟ بغیر ضی کا یہ اقتضا تھا کہ وہ اس خوانِ بخت کو ہاتھ ہی نہ لگاتے، لیکن یہ خیال محض عامیانہ خیال ہے، حضرت عمرؓ بے شبہ نہ منافات سے ہاتھ اٹھائیے لیکن دوسرا کون شخص تھا جو اسکو سنبھال لیتا؟ حضرت عمرؓ قطعی طور سے جانتے تھے کہ یہ بارگراں، اُن کے سو کسی سے اٹھ نہیں سکتا کیا ایسے وقت میں انکی رہنمائی کا یہ تقاضا تھا کہ وہ دیدہ و دانستہ لوگوں کی بدگمانی کے خیال سے خلافت سے دست بردار ہو جاتے اگر وہ ایسا کرتے تو خدا کو کیا جواب دیتے؟ انھوں نے پہلے ہی دن خطبہ میں کہہ دیا تھا کہ

لَوْلَا رَجَائِي أَنْ أكونَ خَيْرَ كَرِّ لَكَ وَأَوَّاكُمُ

عَلَيْكُمْ وَأَتَدَكُمُ أَصْلًا عَامِلًا نَوْبَ مِ

صَحْبِهِ أَمْ كَرِّ مَا لَوْلَا لَكَ مِنْكُمْ -

بسی اگر محکمہ استدہونی کہ میں تم لوگوں کے لئے سب سے زیادہ

کارآمد سب سے زیادہ نوبی اور قہات امور کرنے سے زیادہ ہی نازد

ہوں تو میں اس صعب کو قبول نہ کرتا

اس سے زیادہ صاف وہ الفاظ ہیں جو امام محمدؒ نے مؤطا میں روایت کیے ہیں۔

لَوْ عَلِمْتُ أَنَّ أَحَدًا أَوْفَى عَلَى هَذَا لَأَمَرْتُهُ

بِكَانَ أَنَّ أَقْدَمَ مَضْرُوبٍ عَقِي أَهْوَى عَلَى -

یہ اگر میں جانتا کہ کوئی شخص ہر کام رطاعت کیلئے مجھ سے زیادہ توفیق رکھتا ہے

تو رطاعت قبول کرنے پر تائب میرے نزدیک زیادہ آسان تھا کہ میری رائے دیکھا

حضرت عمرؓ کے ان الفاظ پر غور کرو اور دیکھو کہ اسکا ایک حرف بھی تحت و واقعیت سے ہٹا ہوا ہے حضرت

عمرؓ سیاست کے اصول سے خوب واقف تھے، اور یہ وہ خصوصیت ہے جس میں وہ تمام اور صحابہ سے علانیہ

ممتاز ہیں، جو ممالک و ایرہ خلافت میں داخل تھے اُن کی اصلی تین تقسیمیں تھیں عرب، ایران، شام و مصر

اس لئے ہر ایک کی حالت کے مناسب، الگ الگ تدبیریں اختیار کیں، عراق و ایران میں چونکہ مدت سے

حر زبان اور دہقان چلے آئے تھے اور اسلام کی فتح کے بعد بھی انکا زور اور اقتدار قائم تھا اس لئے انکی

پوٹیکل تنخواہیں مقرر کر دیں جس سے وہ بالکل ام ہو گئے۔ چنانچہ رؤسائے عراق میں سے ابن النخعیہ جان
 بسطام بن زری، ذیل، خالد، جمیل، کے مقتول روزینے مقرر کر دیئے۔ شام و مصر میں رومیوں نے اصلی
 باشندوں کو صاحبِ جاؤ نہیں چھوڑا تھا، ایسے انکی طرف سے چنداں اندیشہ نہ تھا، وہ رومی حکومت کے
 ایک عادل اور نصف گورنٹ چاہتے تھے حضرت عمرؓ نے ان کے ساتھ وہ مراعاتیں کیں انھوں نے بار بار کہا کہ
 ”ہم کو مسلمان رومیوں کی نسبت زیادہ محبوب ہیں۔“ غیر قوموں کے ساتھ، اگرچہ انکا برتاؤ عموماً نہایت فضیلت
 تھا چنانچہ اسکی بخت ذمیوں کے حقوق میں گزر چکی۔ لیکن زیادہ تفحص سے معلوم ہوتا ہے کہ شام مصر کی رعایا
 پر خاص توجہ مبذول تھی۔ مصر میں مقوقس مصر کا باشندہ اور رومیوں کی طرف سے نائب حکومت تھا
 اسکے ساتھ شروع سے ایسے برتاؤ کیے کہ وہ ناخریدہ غلام بن گیا، اور اسکی وجہ سے تمام مصری رعایا دل سے حلقہ
 بغوش اطاعت ہو گئی۔ ان باتوں پر بھی کتنا نہیں کیا بلکہ تمام جنگی مقامات پر عرب کے خاندان آباد کر دیئے یا جو
 چھاؤنیاں قائم کر دیں جن کی وجہ سے سیکڑوں میل تک اثر پہنچتا تھا اور کسی کو بغاوت کی جرأت نہیں ہو سکتی
 کوفہ و بصرہ جو عرب کی طاقت کا مرکز بن گیا تھا، خاص اسی غرض سے آباد کیا گیا تھا، شام و مصر میں تمام
 سواہل پر فوجی چھاؤنیاں اسی ضرورت سے قائم کی گئی تھیں۔

خاص عرب میں ان کو مختلف پوٹیکل تدبیروں سے کام لینا پڑا، یہودیوں اور عیسائیوں کو جزیرہ
 عرب کے بالکل نخال دیا۔ بڑے بڑے ملکی افسروں کو ہمیشہ بدلتے رہتے تھے، چنانچہ عمرو بن العاص کے
 سوا کوئی ایسا گورنر مقرر نہیں ہوا جو مختلف صوبجات میں بدلتا نہ رہا ہو ملکی افسروں میں سے جسکی نسبت
 زیادہ زور پاجانے کا خیال ہوتا تھا اسکو علیحدہ کر دیتے تھے، جو لوگ زیادہ صاحب اثر تھے انکو اکثر الخلافہ
 سے باہر نہیں جانے دیتے تھے، چنانچہ ایک دفعہ ان لوگوں نے جماد پر جانے کی اجازت طلب کی تو فرمایا کہ آپ
 لوگ یہ دولت بہت جمع کر چکے ہیں پھر فرمایا اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ اَمِیْنَا وَتَمَایَا۔ ایک دفعہ عبدالرحمن بن عوفؓ نے
 پوچھا کہ آپ ہم لوگوں کو باہر جانے سے کیوں روکتے ہیں“ فرمایا ”اس سوال کا جواب نہ دینا جواب دینے

بہتر ہے۔ اپنے قبیلہ کے لوگوں کو کبھی ملکی عہدے نہیں دیے، صرف عثمان بن عدی کو ضلع کا حاکم کیا تھا۔ پھر ایک معقول وجہ سے موقوف کر دیا۔ بنو ہاشم کو بھی ملکی عہدے نہیں دیے اور اس میں زیادہ تر بھی مصلحت ملحوظ تھی۔ اس وقت تمام عرب میں تین شخص تھے جو شہرِ مدینہ اور صاحبِ اذعان تھے امیر معاویہ، عمرو بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، چونکہ یہاں ملکی کے انجام دینے کے لیے ان لوگوں سے بڑھ کر تمام عرب میں کوئی شخص ہاتھ نہیں آ سکتا تھا اس لیے سب کو بڑے بڑے عہدے دیے، لیکن ہمیشہ اس بات کا خیال رکھتے تھے اور اس کی تدبیریں کرتے رہتے تھے کہ وہ قابو سے باہر نہ ہونے پائیں، ان کی وفات کے بعد کوئی ایسا شخص نہ رہا جو انکو دبا سکتا، چنانچہ حضرت عثمان، حضرت علیؓ کے زمانے میں جو ہنگامے برپا ہو گئے، سب انہی لوگوں کی بدولت تھے۔

سیاست اور پالیٹکس، حکومت اور سلطنت کا لازمہ ہے لیکن حضرت عمرؓ کو اسباب میں تمام دنیا میں جو امتیاز حاصل ہے، وہ یہ ہے کہ اور بادشاہوں نے پالیٹکس کی ضرورت سے جو جو کام کیے ان کا دعویٰ نام۔ خلع، مکر، فریب، ظاہر داری، اور نفاق تھا۔ بادشاہوں پر موقوف نہیں، بڑے بڑے رفتار مرس، شائبہ سے خالی نہیں ہوتے۔ لیکن حضرت عمرؓ کی کسی کارروائی پر فریب، اور حکمتِ علیؓ کا نقاب نہیں ہوتا تھا وہ جو کچھ کرتے تھے علانیہ کرتے تھے، اور لوگوں کو صاف صاف اس کی مصلحت سے واقف کر دیتے تھے، حضرت خالد کو مغزول کیا تو تمام ضلع میں فرمان بھیج دیا کہ۔

إِنِّي لَمُعْزِلٌ حَالِدًا أَعْنِ سَخَطِي وَلَا حَبَانِي	یہی میں نے خالد کو ناراضی یا خیانت کے برہم میں ہیں تو فکرا ہوا سوچ سے
وَلَكِنَّ النَّاسَ مَنُودًا مَخْفَتٍ أَنْ يَكُلُوا السَّيِّئَ	کہ لوگوں کی طرف زیادہ مائل ہوتے تھے اس لیے میں ڈر کر انہیں ہرگز نہ کر رہا

مشتی کی مغزولی کی وقت بھی ایسے ہی خیالات ظاہر کیے اور فرمایا کہ اعزہم ما عن دبتہ ولكن الناس عظموہما فخرست ان یوکلو الیہما۔ بنو ہاشم کو جس وجہ سے ملکی خدمتیں نہیں دیں حضرت علیؓ بن عباس سے صاف اس کی وجہ بیان کر دی چنانچہ ایک دوسرے مناسب موقع پر اس کی تفصیل آئیگی۔

حضرت عمر کی حسن سیاست کا ایک بڑا کارنامہ اور انکی خلافت کی کامیابی کا بہت بڑا سبب یہ ہے کہ انھوں نے حکومتِ نظام کی کل میں نہایت موزوں پرزے استعمال کیے تھے۔

یہ عموماً مسلم ہے کہ جو ہر شے کی صفت انہیں سب سے بڑھ کر تھی اس لیے انھوں نے تمام عربیوں قابل دہیوں اور انکی مختلف قابلیتوں سے واقفیت پیدا کی تھی اور انہی قابلیتوں کے لحاظ سے ان کو مناسب عہدے دیے تھے سیاست و نظام کے فن میں تمام عرب میں چار شخص اپنا نظیر نہیں رکھتے تھے امیر معاویہ، عمر بن العاص، مغیرہ بن شعبہ، زیاد بن سمیہ، چنانچہ ان سب کو بڑی بڑی ملکی خدمتیں سپرد کیں اور حقیقت ان لوگوں کے سوا شام و مصر و کوفہ پر اور کوئی شخص قابو نہیں رکھ سکتا تھا۔

جنگی مہمات کے لیے عیاض بن غنم، سعد و قاص، خالد، نعمان بن مقرن، وغیرہ کو انتخاب کیا عمر معذکرب، اور طلحہ بن خالد، اگرچہ پہلوانی اور سپہ گری میں اپنا جواب نہیں دیتے تھے لیکن فوج کو لڑا نہیں سکتے تھے اس لیے ان دونوں کی نسبت حکم و یدیا کہ انکو کسی حصہ فوج کی افسری نہ بجائے، زید بن ثابتؓ و عبد اللہ بن ارقم، انشا و تحریر میں مستثنیٰ تھے، انکو میر منشی مقرر کیا، قاضی شریع، اکب بن سوہرمان بن ربیعہ، عبد اللہ بن مسعود، فصل قضایا میں ممتاز تھے انکو قضا کی خدمت دی، عوض جبکہ جن کام پر مقرر کیا وہ گویا اسی کے نیے پیدا ہوا تھا، اس امر کا اعتراف غیر قوموں کے مورخوں نے بھی کیا ہے ایک عیسائی مشہور مورخ لکھتا ہے کہ عمر نے فوج کے سرداروں اور گورنروں کا انتخاب ہمارے رعایت کیا اور مغیرہ و عمار کو چھوڑ کر باقی سب کا تقرر نہایت مناسب اور موزوں ہوا۔

سب بڑی چیز جس نے انکی حکومت کو مقبول عام بنا دیا اور جبکی وجہ سے اہل عرب انکے سخت احکام کو بھی گوارا کر لیتے تھے، یہ تھی کہ انکا عدل انصاف ہمیشہ بے لاگ رہا جس میں دوست و دشمن کی کچھ تمیز نہ تھی ممکن تھا کہ لوگ، اس بات سے ناراض ہوتے کہ وہ جرائم کی پاداش میں کسی کی عظمت و شان کا مطلق پاس نہیں کرتے، لیکن جب وہ لوگ یہ دیکھتے تھے کہ خاص اپنی آل و اولاد اور عزیز و اقارب کے ساتھ

عز و دار
سلطنت کا
عہدہ امار

بے لگ عدل
و انصاف

بھی اُن کا یہی بتاؤ ہے تو لوگوں کو صبر آجاتا تھا۔ اُن کے بیٹے اچوتھم نے جب تیراب پڑا تو خود اپنے ہاتھ سے اُنکو دکھڑے مارے، اور اسی صدمہ سے وہ پیارے قہساکر کے قدامت بن تھیں جو اُن کے سالے اور بڑے رتبہ کے صحابی تھے، جب اسی بُہم میں ہاتھ خود بوسے تو علامتہ اُنکو ۱۰۰ دوسرے لکولے۔

حضرت عمر کی سیاست کا ایک بڑا اصول یہ تھا کہ وہ قدیم سلطنتوں اور حکمرانوں کے قواعد و رتنطامات سے واقفیت پیدا کرتے تھے اور انہیں جو چیزیں پسند کے قابل ہوتی تھیں اُسکو اپنا راز نامے تھے، حراجِ عشور و فقر۔ رسد کا عذاتِ حساب۔ ان تمام تظامات میں انھوں نے اپنے اپنے اور اُن کے قدیم قواعد پر عمل کیا۔ البتہ جہاں کوئی نقص پایا اُسکی اصلاح کر دی، ساق کے نسبت کا جالب وہ بہاؤ خلیفہ اور عثمان بن حنیف کے نام حکم بھیجا کہ عراق کے دو بڑے زمینداروں کو میرسہ پانچ سو پانچ سو پانچ سو مع مترجم کے اُن کے پاس آئے اور انھوں نے اُن سے دریافت کیا کہ سلاطینِ عجم کے اُس مالگزاری کی تشخیص کا کیا طریقہ تھا۔ جزیرہ حالانکہ تپا ہر مذہبی لگاؤ رکھتا تھا تاہم اُسکی شبہتیں ہی اصول ملحوظ رکھتے جو نو تیسراں نے اپنی حکومت میں قائم کیے تھے۔ علامہ ابو جعفر محمد بن جریر طبری نے جہاں نو تیسراں کے انتظامات اور بالخصوص جزیرہ کا ذکر کیا ہے وہاں لکھا ہے۔

وہی الوصایع التي افتدای بها عمر بن الخطاب	ہے یہ وہی ماعدے ہیں کہ حضرت عمر سے سب فارسی ملک مع کب
حين افتح بلاد الفرس۔	نواں کی اقتدای

اس سے زیادہ صاف اور صریح، علامہ ابن مسکویہ نے اس مضمون کو لکھا ہے، علامہ جوہری نے جو حکم اور فلسفی اور شیخ بوعلی سینا کا معاصر ہم پایہ تھا، تاریخ میں ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام تجارب الامم ہے۔ انہیں جہاں حضرت عمر کے انتظامات ملکی کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ۔

علامہ ابو نعیم کے فقہ میں وہ علویں نے مزی رنگ آمیزیاں کی ہیں لیکن مسند صحیح کے کثرتِ عمر نے اُن کو تشریحی سبزی اور اسی مارد سے انھوں نے انھیں کہا کہ کچھ صاف تر تفسیر دکر ادا دے، کتاب المراجہ ص ۱۲۱ تاریخ طبری صفحہ ۲۶۲ علامہ ابن کثیر نے سبیل اصفیاء میں موجود جو اور اس سے اُن سے مل گیا، ص ۱۲

ابو جعفر محمد بن جریر طبری

<p>یہاں عمر بکرا الحلوکہ نقو مص الفرس العربی علیہ امبا سادہ الملوك ولا سب ملوك الحسم المسم ملاء وسیمہ الامروان وانیہ من مجداھا کبیر الامراھا</p>	<p>یہی عمر فارس کے جداؤ میں کوجہت غل میں رکھے گئے لوگ کو ملوٹا ہوئے اتیں حکومت پر کسبا یا کسے گئے ہر ضاٹا ہاں محم اوراں میں بھی اس کر لوہر کے اسلئے کہ لکھو تیرا ان امن ہب لیندھے اور دہ بجہت ہر دی کے زخے</p>
<p>علامہ موصوفی کے بیان کی تصدیق اس سے ہے ہوتی ہے کہ عموماً مورخوں نے لکھا ہے کہ جب فارس میں ہر فرزان اسلام لایا تو حضرت عمر نے اسکو اپنے خاص درباریوں میں داخل کیا اور انتظامات ملکی کے متعلق اس سے اکثر مشورہ لیتے تھے۔</p>	<p>حضرت عمر کی بڑی کوشش اس بات پر مبذول رہی تھی کہ ملک کا کوئی واقعہ ان سے مخفی نہ رہے پائے انھوں نے انتظامات ملکی کے ہر ہر بیغیر پر چہ نویس اور واقعہ نگار مقرر کر رکھے تھے جسکی وجہ سے ملک کا ایک ایک جزئی واقعہ ان تک پہنچتا تھا۔ امام طبری لکھتے ہیں۔</p>
<p>وکان عمر لا یخفی علیہ شئی فی علماء کتب الامم العرفاء بخروج من خوج وعز الشام بحارہ من جبرھا</p>	<p>بہی عمر کوئی بات بھی مخفی نہیں رہی تھی عراق میں جن لوگوں کو خروج کیا اور تمام میں جن لوگوں کو اندام دیئے گئے سب کی تحریر الماطلین الملوہیں</p>
<p>سراق کے ایک معرکہ میں سردار لشکر نے عمر و معدیکرب کو دوسرا حصہ نہیں دیا، عمرو معدیکرب نے وجہ پوچھی انھوں نے کہا تمھارا گھوڑا دو غلا ہے ایسے اسکا حصہ کم ہو گیا، معدیکرب کو اپنی پہلوانی کا غور تھا بوسے کہ ہاں دو غلا ہی دو غلے کو پہچان بھی سکتا ہے، حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی، عمرو معدیکرب کو سخت تنبیہ کی جسکی وجہ سے انکو آئندہ پھر ایسی گستاخی کی جرأت نہیں ہوئی، نعمان بن عدی میسان کے حاکم تھے دولت و نعمت کے مزے میں پڑ کر انھوں نے اپنی بی بی کو ایک خط لکھا جس میں یہ شعر بھی تھا۔</p>	<p>عالم الامرویین کو خریچے کی توفہ ہاں گئے کہ ہم لوگ محلوں میں رہنا ہمتیں رکھتے ہیں</p>
<p>لعل امیر المومنین یسوءہ تناد منا لحو سق المتھد</p>	<p>حضرت عمر کو فوراً خبر ہوئی اور ان کو مغزول کر کے لکھا کہ ہاں مجھ کو تمھاری یہ حرکت ناگوار ہوئی ہے۔</p>

صحابہ میں حذیفہ بن الیمان ایک بزرگ تھے جنکو اکثر غنی باتوں کا پتہ لگتا تھا، احمد نبوت میں وہ آنحضرت کے محرم راز تھے اور اسی وجہ سے صاحب السر کہلاتے تھے، حضرت عمرؓ نے ایک دن ان سے پوچھا کہ ”مناہقین کا جو گروہ ہے انہیں سے کوئی شخص میرے غمالوں اور عمدہ داروں میں بھی ہے انھوں نے کہا ”ہاں ایک شخص ہے“ حضرت عمرؓ نے نام پوچھا لیکن انھوں نے رازداری کے لحاظ سے نام نہیں بتایا، حذیفہ کا بیان ہے کہ ”اس واقعہ کے بعد حضرت عمرؓ نے اُسکو معزول کر دیا، جس سے میں نے قیاس کیا کہ انھوں نے خود پتہ لگا لیا۔ اسی شخص اور بیدار مغزی کا اثر تھا کہ تمام امیر درغمال ان کے شہرہ کے بغیر کوئی کام نہیں کر سکتے تھے علامہ طبری لکھتے ہیں۔

وكانوا لا يدعون شئاً ولا يباؤوا ولا امر ولا حد
مسی کو کوئی کام اُس سے نہ در مانع کئے ہیں کرتے تھے۔

بیت المال یعنی خزانہ کا بہت نیال رکھتے تھے۔ اور کسی قسم کی رقم کو اسکی احاطہ سے باہر نہیں سمجھتے تھے
تائید کعبہ میں مدت کا چڑھا و جمع تھا اسکی نسبت فرمایا کہ

لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ لَا أَدْعِيهَا صُمْرَاءَ وَلَا بَيْصَلَةَ
ابھی میں نے ارادہ کیا ہے کہ جو کچھ اُس میں سونا تادی ہے سب
اَلَا تَشْكُرُ مَا

ایک دفعہ غنیمت کا مال آیا حضرت خضہ (حضرت عمرؓ کی بیٹی اور رسول اللہؐ کی زوجہ مطہرہ) کو خبر ہوئی وہ حضرت عمرؓ کے پاس آئیں اور کہا کہ ”امیر المؤمنین! ہمیں سے میرا حق مجبوغنیمت کیونکہ میں ذوی القربی میں ہوں“ حضرت عمرؓ نے کہا جان پدر! تیرا حق میرے خاص مال میں ہے، لیکن غنیمت کا مال ہے تو نے اپنے باپ کو دھوکا دینا چاہا، وہ بچاری خفیف ہو کر اٹھ گئیں۔

شام کی فتح کے بعد قیصر روم سے دو ستانہ مراسم ہو گئے تھے اور خط کتابت رہتی تھی، ایک دفعہ ام کلثوم (حضرت عمرؓ کی زوجہ) نے قیصر کی حرم کے پاس تحفہ کی طور پر چھپنیشیاں بھیجیں اُس نے اُس کے جواب میں

لے اسد العاتق ذکر صیدہ بن الیمان ۵۲ ہجری ہو، ۷۲۸ھ صحیح بخاری بابکندہ لکھتہ ۵۲۸ھ سند امام احمد بن حنبل

شیشیوں کو جو اہرات سے بھر کر بھیجا، حضرت عمر کو یہ حال معلوم ہوا تو فرمایا کہ گو عطر تھا ا تھا لیکن قاصد جو لیکر گیا وہ سرکاری تھا اور اُس کے مصارف عام آمدنی میں سے ادا کیئے گئے۔ غرض وہ جو اہرات لے کر بیت المال میں داخل کر دیئے اور انکو کچھ معاوضہ دیدیا۔

ایک دفعہ بیمار پڑے، لوگوں نے علاج میں شہد تجویز کیا۔ بیت المال میں شہد موجود تھا لیکن بلا اجازت نہیں لے سکتے تھے، مسجد نبوی میں حاکم لوگوں سے کہا کہ اگر آپ اجازت دیں تو بیت المال سے تھوڑا سا شہد لیلو، اس کل روائی سے طلب اجازت کے سوا، یہ ظاہر کرنا تھا کہ خزانہ عامہ پر غلبہ وقت کو اتنا اختیار بھی نہیں۔ خلافت سے پہلے وہ تجارت کے ذریعہ سے بسر کرتے تھے، خلافت کے بہتات میں شیخ قائم نہیں رہ سکتا تھا، صحابہ کو جمع کر کے اپنی ضرورت بیان کی اور کہا کہ بیت المال سے، میں کس قدر اپنے مصارف کے لئے لے سکتا ہوں؟ لوگوں نے مختلف رائیں دیں، حضرت علی چپ تھے، حضرت عمر نے انکی طرف دیکھا اُنھوں نے کہا صرف معمولی درجہ کی خوراک اور لباس، چنانچہ اُن کے اور اُن کی بی بی بچوں کے لئے بیت المال سے کھانا کپڑا مقرر ہو گیا۔ فوجی روزنیہ داروں میں جب بدیں روہ صحابہ جو جنگ بدر میں شریک تھے کے لئے تنخواہیں مقرر ہوئیں تو اور لوگوں کے ساتھ پانچ سو درہم سال اُن کے بھی مقرر ہو گئے، کروڑوں روپے کی آمدنی میں سے فاروق اعظم کو سال بھر میں جو ملتا تھا اسکی یہ تعداد تھی۔

انکی معاشرت کے حالات میں آگے چل کر تم پڑھو گے کہ وہ اکثر پیٹے کپڑے پہنتے تھے، زمین پر سوتے تھے، مہینوں گیسوں کا آٹا گھڑیں نہیں پکتا تھا، اسکی وجہ کچھ رہبانیت اور جوگی پن نہ تھا بلکہ درحقیقت اس سے زیادہ اُنکو ملک کی آمدنی میں نصیب نہیں ہوتا تھا۔ کبھی کبھی اتفاقیہ کوئی بڑی رقم آجاتی تھی تو وہ بیدار بیخ خرج بھی کرتے تھے۔ چنانچہ حضرت ام کلثوم سے جب نخل ہوا تو اُن کے شرف اور خاندانِ نبوت کے تعلق کی وجہ سے ۴۰ ہزار درہم مہربانہ دھا اور اس وقت ادا بھی کر دیا۔

نبوہاشم کو جو ملکی عہدے نہیں دیئے اسکی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ اُنکو خوف تھا کہ نبوہاشم چونکہ خمس میں

اپنا حصہ ایک شرعی حق سمجھتے ہیں اسلئے باوجود ولایت کی جس میں اپنا حصہ لے لینگے۔ حالانکہ حضرت عمرؓ سے بیک حس کے مصارف امام وقت کی رائے پر منحصر ہیں۔ چنانچہ اسکی بحث مفصل آگے آئیگی انھوں نے بنو ہاشم کی نسبت اپنی اس بدگمانی کا اظہار بھی کر دیا تھا جمہل کا عامل جب مر گیا تو حضرت عبداللہ بن عباس کو مقرر کرنا چاہا، لیکن چونکہ ان کی طرف سے مطمئن نہ تھے اسلئے بلکہ ان سے کہا کہ فی نفسی شک شئی بینے میرے دل میں تمھاری طرف سے ڈراکٹھ کا بے انھوں نے پوچھا کیوں؟ فرمایا۔

انی خشیت علیک ان تاتی علی الفی الذی ھو انی یعنی جھوٹ ہے کہ تم عامل علی پر تعزیر کر دو۔

بصرف سوزن نہ تھا بلکہ وقوع میں بھی آیا، حضرت علیؑ نے اپنے عہد خلافت میں جب حضرت عبداللہ کو عامل مقرر کیا تو انھوں نے بیت المال میں سے بہت سی رقم لی۔ اور جب حضرت علیؑ نے باز پرس کی تو لکھ بھیجا کہ ابھی میں نے اپنا پورا حق نہیں لیا۔

یہ یاد کرنا چاہئے کہ حضرت عمرؓ نے بیت المال کے بارے میں جو کھایت شعاری، اور تنگ وزری برتی وہ خلافت فاروقی کی کامیابی کا بہت بڑا سبب تھی۔ حضرت عثمان کی خلافت میں لوگوں نے جو شوریں کیں اسکی ایک بڑی وجہ یہ ہوئی کہ جناب موصوف نے بیت المال کے متعلق فیاضانہ برتاؤ کیا یعنی اپنے عزیز و اقارب کو ذوی القربی کی بنا پر بڑی بڑی رقمیں عطا کیں۔

ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ انکو بے انتہا کام درپیش رہتے تھے اور اختلاف سے یکدم ہزاروں میل تک فوجیں پھیلی ہوئی تھیں جنکی ایک ایک حرکت ان کے اشاروں پر موقوف تھی، انتظامات حکومت کی مختلف شاخوں کا ذکر تم اوپر پڑھ آئے ہو، فقہ کی ترتیب اور افتاء جو ایک مستقل اور بہت بڑا کام تھا، الگ تھا اپنے ذاتی اشغال جدا تھے، تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کمی ہرج نہیں ہوتا تھا نہ ماؤ کا سخت سرکہ جس تمام ایران اسلئے آیا تھا، پیش تھا کہ عین اسی زمانہ میں سعد و قاص گورنر کوفہ کی شکایت گزری حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ

تاہم ہر کام وقت پر انجام پاتا تھا اور کسی کام میں کمی ہرج نہیں ہوتا تھا نہ ماؤ کا سخت سرکہ جس تمام ایران اسلئے آیا تھا، پیش تھا کہ عین اسی زمانہ میں سعد و قاص گورنر کوفہ کی شکایت گزری حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اگرچہ یہ بہت تنگ وقت ہے تاہم سعد کی تحقیقات نہیں رک سکتی۔ چنانچہ

کو قہر سے فوجوں کی ونکی بچ کر انعام دی ہو مارا اور ساتھ ہی بڑی کدو کاوش سے سعد کی تحفیات بھی ہوتی خبریں
 والوں نے قیصر سے ملکر جیشام پر حملہ کر نیکا ارادہ کیا تو اس سرعت سے تمام اضلاع سے فوجیں صحیحیں خبریہ
 کے نام نام کے روک دیئے اور بل خبریہ قیصر تک پہنچ بھی نہ سکے

زیاد بن حدر عراق میں۔ وہ یمن کی تحصیل پر مامور تھے انھوں نے ایک عیسائی کے گھوڑے کی قیمت
 بیس ہزار درہم دیکر محصول طلب کیا، اُس نے کہا گھوڑا آپ رکھ لیجئے اور ہاتھ مارا جو الکیجئے دوبارہ وہ عیسائی
 اکیس سو سے گھڑا، تو اس سے پھر گھوڑا لے گا وہ مکہ منظمہ پہنچا اور حضرت عمرؓ کی شکایت کی، حضرت عمرؓ نے
 صرف اس قدر کہا کہ تم مطمئن رہو عیسائی زیاد بن حدیر کے پاس آیا اور دل میں ارادہ کیا چکا تھا کہ ایک
 ہزار اور دیکر گھوڑے کو واپس لے یہاں حضرت عمرؓ کا فرمان پہلے پہنچ چکا تھا کہ ”سال بھر میں دو دفعہ ایک
 ہزار کا محصول نہیں لیا جاسکتا، ایک اور عیسائی کو اسی قسم کا واقعہ پیش آیا۔ وہ عین اُس وقت حضرت عمرؓ کے
 پاس پہنچا جب وہ حرم میں خطبہ پڑھ رہے تھے اسی حالت میں اُس نے شکایت پیش کی فرمایا۔ نہیں دو
 بار محصول نہیں لیا جاسکتا۔ عیسائی چند روز مکہ میں مقیم رہا۔ ایک دن حضرت عمرؓ کے پاس جا کر کہا کہ میں
 نصرانی ہوں جسے محصول کے متعلق شکایت کی تھی، حضرت عمرؓ نے فرمایا میں ہی عیسائی ہوں جس
 نے تمہارا کام انجام کر دیا، عیسائی نے دریافت کیا تو حضرت عمرؓ پہلے ہی دن زیاد کو حکم بھیج چکے تھے۔

اس بات کا سخت اہتمام کیا کہ مالک محروسہ میں کوئی شخص فقر و فاقہ میں مبتلا نہ ہونے پائے، عام حکم نفا
 اور اسکی ہمیشہ تعمیل ہوتی تھی کہ ملک میں حسب قدر پانچ، ضعیف، ازکار رفتہ، منہج، وغیرہ ہوں سب کی نوازیں
 بیت المال سے مقرر کر دی جائیں، لاکھوں سے تجاوز آدمی فوجی دفتر میں داخل تھے، جن کو گھڑیٹھے خوراک
 ملتی تھی۔ اول یہ انتظام شروع کیا تو حکم دیا کہ ایک جیشہ آنا پکایا جائے پک کر تیار ہوا تو ۳۰۰ آدمیوں کی ہلا کر
 کھلایا تمام کو پھر اس قدر آنا پکایا اور اُسی قدر آدمیوں کو کھلایا، دونوں وقت کے لئے یہ مقدار کافی ٹھہری تو

لے یہ دونوں روایتیں کتاب ابرار صحیحہ، وہ میں ہیں ۵۰ قریب ۵۰ ہیر کا ہوتا ہے۔

نہاد غلام

فرمایا کہ ایک آدمی کو چھینے بھر کی خوراک کے لئے اس قدر ناما مقرر کر دیا جائے۔ اعلان عام کے لئے نمبر پر چھپے اور پیمانہ ہاتھ میں لیکر کہا کہ میں نے تم لوگوں کے لئے اس قدر خوراک مقرر کر دی ہے جو شخص اسکو گھٹائیگا اس سے خدا کچھ گے، ایک روایت میں ہے کہ پیمانہ ہاتھ میں لیکر یہ الفاظ فرمائے۔

انی فذخر ضمت لیکل نفسی مشعلہ فی تنصیب
مدی حنطہ وقسطی حل

ہمیں میں سے ہر سال کے لئے فی ماہ دو سو گھنوں اور دو مہینے
سر کر مقرر کیا۔

عرباؤں کے رفیق

اس پر ایک شخص نے کہا کہ کیا غلام کے لئے بھی فرمایا ہاں غلام کے لئے بھی۔ غرا اور مساکین کے لئے ہاتھ میں نہ سب حکم تھا کہ بیت المال سے ان کے روزینے مقرر کر دیے جائیں۔ چنانچہ جیسا کہ ہم اوپر دو مہینوں کے حقوق لکھ آئے ہیں، بیت المال کے عامل کو لکھ بھیجا کہ خدا کے اس قول سے کہ اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ فقراء مساکین اور مساکین سے اہل کتاب مردوں اکثر شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے جہاں مسافروں کو بیت المال کی طرف سے کھانا ملتا تھا، چنانچہ کوفہ کے مہمان خانے کا ذکر ہم کوفہ کی آبادی کے نوکر میں لکھ آئے ہیں۔ مدینہ منورہ میں جو سنگر خانہ تھا اکثر وہاں خود جا کر اپنے اہتمام سے کھانا کھلاتے تھے۔

مہمان خانے

لاورنگ

اولاد قطعہ میں گناہ بچے جنکو انکی مائیں شہر اور وغیرہ پر ڈال جاتی تھیں، ان کے لئے سلاخ میں سے انتظام کیا کہ جہاں اس قسم کا کوئی بچہ ملے اس کے دو دو پلانے اور دیگر مصارف کا انتظام بیت المال سے کیا جائے، چنانچہ ان مصارف کے لئے اول ۱۰۰ درم سالانہ مقرر ہوتے تھے پھر سال بسال ترقی ہوتی جاتی تھی۔ یتیموں کی پرورش، اور اگر ان کی جائیداد ہوتی تھی تو انکی حفاظت کا نہایت اہتمام کرتے تھے اور اکثر تجارت کے ذریعہ سے اسکو ترقی دیتے رہتے تھے۔ ایک دفعہ حکم بن ابی العاص سے کہا کہ میرے پاس یتیموں کا جو مال جمع ہے وہ زکوٰۃ نکالنے کی وجہ سے گھٹتا جاتا ہے تم اسکو تجارت میں لگاؤ اور جو نفع ہو

یتیموں کی جگہ گیری

۱۰۰۰ پر پری میل ترقی امدان منو ۴۶۰ میں پڑا تھم تاریخوں میں بھی تعداد سے اختلاف کے ساتھ روایت مذکور ہے۔

۱۰۰۰ ملازی منو ۴۵۲ دیوہی ملدوم منو ۴۰۰

واپس دو، چنانچہ دس ہزار کی رقم حوالہ کی اور وہ بڑھتے بڑھتے لاکھ تک پہنچی۔

۱۰
۱۱
۱۲
۱۳
۱۴
۱۵
۱۶
۱۷
۱۸
۱۹
۲۰
۲۱
۲۲
۲۳
۲۴
۲۵
۲۶
۲۷
۲۸
۲۹
۳۰
۳۱
۳۲
۳۳
۳۴
۳۵
۳۶
۳۷
۳۸
۳۹
۴۰
۴۱
۴۲
۴۳
۴۴
۴۵
۴۶
۴۷
۴۸
۴۹
۵۰
۵۱
۵۲
۵۳
۵۴
۵۵
۵۶
۵۷
۵۸
۵۹
۶۰
۶۱
۶۲
۶۳
۶۴
۶۵
۶۶
۶۷
۶۸
۶۹
۷۰
۷۱
۷۲
۷۳
۷۴
۷۵
۷۶
۷۷
۷۸
۷۹
۸۰
۸۱
۸۲
۸۳
۸۴
۸۵
۸۶
۸۷
۸۸
۸۹
۹۰
۹۱
۹۲
۹۳
۹۴
۹۵
۹۶
۹۷
۹۸
۹۹
۱۰۰

لیکن حضرت عمرؓ اس سے بخیر نہ تھے وہ اس بات کی سخت کوشش کرتے تھے کہ لوگوں میں کابلی اور مفت خوری کا مادہ نہ پیدا ہوتے پائے، جن لوگوں کی تنخواہیں اور نوک مقرر کی تھیں وہ صرف وہ لوگ تھے جن سے کبھی نہ کبھی فوجی خدمت کی توقع ہو سکتی تھی یا جنھوں نے پہلے کوئی نمایاں خدمت کی تھی یا وہ حضرات اور بیماری کی وجہ سے خود کسب معاش نہیں کر سکتے تھے۔ اس اقسام کے علاوہ وہ کبھی اس قسم کی فیاضی کو روا

۱۵ فیصلہ تھوڑی سی، ۱۷ بجے کے تقریباً ۱۵ بجے کے بعد ان کے پاس علی مدار لہو و امراں بکبت لہو صکا کا من فرط پسیم
محمد اسماعیل کھان، زون میں صحت و حیم اسماعیل القحاک، اروپ کم دوس دنوں کا سوا ۱۲

محکمہ اساتذہ کا اہل من صحت و حیم اسفل الضحاک اروپ کم و میں دوستوں کا سماجی ۱۲

نہیں کہتے تھے۔ مثلاً ابن جوزی سے تیرہ ہزار روپے لکھا ہے کہ ایک وفد ایک مرتبہ حضرت عمر کے پاس آیا۔ حضرت عمر نے دیکھا تو اسکی جھولی آئے، بھری ہوئی تھی پچیس کروڑ روپے کے مال ہی اور فرمایا کہ اب جو مانگنا ہو مانگ، علامہ ماورومی نے احکام السلطانیہ میں لکھا ہے کہ: نسبت کا فرض ہے کہ ایسے لوگوں کو جو کھانے کمانے کے قابل نہ ہوں، وہاں جو اس کے صدقہ اور خیرات لیتے ہوں، تنبیہ لازم کرے۔ اس کے بعد علامہ موصوف نے اسلی سے اس میں حضرت عمر کے عمل سے استدلال کیا ہے اور لکھا ہے:

وقد فعل عمر مثل ذلك لعموم من اهل الصدقة

معمول تھا کہ جب کسی شخص کو ظاہر میں خوشحال دیکھتے تو دریافت فرماتے کہ یہ کوئی پیشہ بھی کرتا ہے ہاں؟ جب لوگ کہتے کہ "نہیں" تو فرماتے کہ شخص میرے آگے سے گر گیا، انکا مقولہ تھا کہ مکسکہ دہا داء کا۔

حیث من مسئلة الناس "یعنی ذلیل پیشہ بھی لوگوں سے سوال کرنے کے بہ نسبت اچھا ہے مفت خوری کا موقع زیادہ تر علما و صوفیہ کو ملتا ہے، ان کے زٹنے تک صوفیہ تو پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن علما کو انھوں نے علامہ مخاطب کر کے کہا تھا لا تکتوا عبالا علی المسلمین یعنی مسلمانوں پر اپنا بار نہ ڈالو۔

حضرت عمر کی تاریخ زندگی میں ایک عجیب بات یہ ہے کہ اگرچہ ان کو ہمیشہ بڑے اہم امور سے سنبھلتا تھا، تاہم نہایت چھوٹے چھوٹے کام بھی وہ خود انجام دیتے تھے، اس کے لیے ان کو وقت اور فرصت کی تنگی نہیں ہوتی تھی۔ ان میں ایسے کام بھی ہوتے تھے جنکا اختیار کرنا ظاہر شان خلافت کے خلاف تھا لیکن انکو کسی کام سے عار نہ تھا، روزیہ داروں کے جو روزینے مقرر تھے، اکثر خود جا کر تقسیم کرتے تھے، قیدی اور مسلمان۔ مدینہ سے کئی منزل کے فاصلے پر دو قصبے ہیں جہاں قبیلہ خزاعہ کے لوگ آباد تھے ان دونوں مقاموں میں خود شریف لیجاتے تھے۔ روزیہ داروں کا دفتر ماتہ میں ہوتا تھا۔ انکو دیکھ کر چھوٹے بڑے سب گھروں سے نکل آتے تھے۔ اور حضرت عمر خود اپنے ہاتھ سے تقسیم کرتے جاتے تھے۔ اکثر ایسا ہوتا کہ دارالصدقہ میں جاتے اور ایک ایک آنٹ کے پاس کھڑے ہو کر انکے وانت لگتے اور انکا حلیہ بند کرتے

چہاں تھے
تعبہ

محب طبری نے ابو خدیجہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ انکا معمول تھا کہ مجاہدین کے گھروں پر جاتے اور غزوں سے کہتے کہ تم کو پہ بازار سے منگوانا ہو تو بتیں لا دوں، وہ لونڈیاں ساتھ کرو تیں۔ حضرت عمر خود چیریں خریدتے اور ان کے حوالہ کرتے۔ مقام جنگ سے قاصداً آتا اور اہل فوج کے خطوط لاتا تو خود ان کے گھروں پر پہنچا آتے اور کہتے کہ ملاں تیغ تکٹا صدو ایس جا بیگا، تم جواب لکھو لکھو کہ اس وقت تک روانہ ہو جائے، کاغذ، قلم، دوا خود ہتیا کر رہتے، اور جبکہ گھریں کوئی حرف شناس نہ ہوتا خود چوٹھکے پاس بیٹھ جاتے اور گھر والے جو کھواتے لکھتے جاتے، انکی سب زیادہ توجہ اس بات پر مبذول رہتی تھی کہ رعایا کی کوئی تسکایت، ان تک پہنچنے سے نہ جائے، یہ معمول رکھتا تھا کہ ہر نماز کے بعد صحن مسجد میں بیٹھ جاتے، اور جبکہ جو کچھ ان سے کہنا سننا ہوتا کہتا کوئی نہ ہوتا، تو ٹھوڑی دیر انتظار کر کے اٹھ جاتے، راتوں کو دورہ کیا کرتے، سفر میں راہ چلتوں سے حالات پوچھتے، بیرونی اضلاع سے جو سرکاری قاصداً آتے ان سے ہر قسم کی پُرس جو کرتے۔

ایک بڑا عمدہ طریقہ دریافت حالات کا یہ تھا کہ تمام اضلاع سے ہر سال سفارتیں آتیں اور وہ ان سفارت کے متعلق ہر قسم کی ضروری باتیں پیش کرتیں، اس سفارت کو وفد کہتے تھے اور یہ عرب کا قدیم دستور تھا، لیکن حضرت عمر نے اپنے زمانے میں اس سے وہ کام لیا جو آجکل جمہوری سلطنتوں میں رعایا کے قائم مقام ممبر انجام دیتے ہیں، حضرت عمر کے زمانے میں مختلف اضلاع سے جو سفارتیں آتیں اور جس طرح انھوں نے اپنی مقامی ضرورتیں پیش کیں، اسکا حال عقد الفرید وغیرہ میں تفصیل ملتا ہے۔

ان تمام باتوں پر ان کو تسلی نہ تھی۔ فرماتے کہ عمال رعایا کی پروا نہیں کرتے اور ہر شخص مجھ تک پہنچ نہیں سکتا، اس بنا پر ارادہ کیا تھا کہ شام، جزیرہ، کوفہ، بصرہ، کا دورہ کریں اور ہر جگہ دو دو مہینے ٹھہریں لیکن موت نے فرصت نہ دی، تاہم اخیر دفعہ جب شام کا سفر کیا تو ایک ایک ضلع میں ٹھہر کر لوگوں کی تسکینیں سنیں اور واپسی کی۔ اس سفر میں ایک پر عبرت واقعہ پیش آیا۔ دار الخلافہ کو واپس آ رہے تھے کہ راہ میں ایک خیمہ دیکھا سوئی سے اُتر کر خیمہ کے قریب گئے، ایک بڑھیا عورت نظر آئی، اُس سے پوچھا کہ عمر کا کچھ حال معلوم ہے؟ اُس

نے کہا ہاں، شام سے روانہ ہو چکا، لیکن ندا اسکو غارت کرے۔ آج تک مجھ کو اس کے پاس سے ایک جہم بھی نہیں ملا، حضرت عمرؓ نے کہا اتنی دیر کا حال۔ عمر کو کیونکر معلوم ہو سکتا ہے۔ بولی کہ اُس کا حال معلوم نہیں تو خلافت کیوں کرتا ہے؟ حضرت عمرؓ کو سخت نفرت ہوئی اور بے اختیار رو پڑے

ہم اس موقع پر متحد حکامتیں اور روایتیں نقل کرتے ہیں جس سے اندازہ ہوگا کہ رعایا کی آراظم سناٹا اور خبر گیری میں انکو کس قدر سرگرمی اور ہمدردی تھی:

ایک دفعہ ایک قافلہ مدینہ منورہ میں آیا اور شہر کے باہر اُترا۔ اسکی خبر گیری اور حفاظت کے لیے خود تشریف لے گئے۔ پہرہ دیتے پھرتے تھے کہ ایک طرف سے رونے کی آواز آئی۔ اُدھر متوجہ ہوئے دیکھا تو ایک خیر خواہ بچہ نماں کی گود میں رو رہا ہے، ماں کو تاکید کی کہ بچے کو بہلائے۔ تھوڑی دیر کے بعد پھر اُدھر سے گزرے تو بچے کو روٹا پایا۔ غیظ میں آکر فرمایا کہ تو بڑی بی رحم ماں ہے اُس نے کہا کہ تم کو اصل حقیقت معلوم نہیں خواہ خواہ مجھ کو ذوق کرتے ہو، بات یہ ہے کہ عمرؓ نے حکم دیا ہے کہ بچے جب تک دودھ نہ چھوڑیں بیت المال سے اُسکا وظیفہ مقرر نہ کیا جائے۔ بہن اسی غرض سے اسکا دودھ چھڑاتی ہیں اور یہ سوجہ سے روتا ہے حضرت عمر کو وقت ہوئی اور کہا کہ ہائے عمر! تو نے کتنے بچوں کا خون کیا ہوگا! اُسی ن منادی کرا دی کہ بچے جس دن پیدا ہوں اسی تاریخ سے اُن کے روزینے مقرر کر دیئے جائیں۔

اسلم حضرت عمرؓ کا غلام تھا، کا بیان ہے کہ ابلدفعہ حضرت عمرؓ رات کو گشت کے لیے نکلے مدینہ سے اسیل پر صرار ایک مقام ہے، وہاں پہنچے تو دیکھا کہ ایک عورت کچھ پکار رہی ہے اور دو تین بچے رو رہے ہیں۔ پاس جا کر حقیقت حال دریافت کی اُس نے کہا کہ کئی وقتوں سے بچوں کو کھانا نہیں ملا ہے، اُن کے بہلانے کے لیے خالی ہانڈی میں پانی ڈال کر چڑھا دی ہے۔ حضرت عمرؓ بیوقت اُٹھے۔ مدینہ میں آکر بیت المال سے آنا، گوشت لگھی، اور کھجوریں میں اور اسلم سے کہا کہ میری پیٹھ پر رکھ دو، اسلم نے کہا میں نے چلتا ہوں۔ فرمایا۔ ہاں۔ لیکن قیامت میں میرا بار تم نہیں اُٹھاؤ گے، غرض سب چیزیں خود لا کر لائے اور

عورت کے آگے رکھیں، اس نے آنا گوندھا، ٹانڈی چڑھائی، حضرت عمر خود چوٹھا چھونکے جاتے تھے کھانا تیار ہوا تو بچوں نے خوب سیر ہو کر کھایا اور اچھے کوفے لگے۔ حضرت عمر دیکھتے تھے اور خوش ہوتے تھے، عورت نے کہا خاتم کو جزلے خیر ہے۔ سچ یہ ہے کہ امیر المومنین ہونے کے قابل تم ہونہ عمر۔

ایک دفعہ رات گوشت کرہے تھے ایک بڈو اپنے خیمہ سے باہر زمین پر بیٹھا ہوا تھا، پاس جا کر بیٹھا اور ادھر ادھر کی باتیں شروع کیں، دفعۃً خیمہ سے رونے کی آواز آئی۔ حضرت عمر نے پوچھا کون روتا ہے اس نے کہا میری بی بی دروزہ میں مبتلا ہے۔ حضرت عمر گھر پر آئے اور ام کلثوم حضرت عمر کی زوجہ تھیں کو ساتھ لیا۔ بدو سے اجازت لیکر ام کلثوم کو خیمہ میں بھیجا، تھوڑی دیر کے بعد بیٹھا ہوا ام کلثوم نے حضرت عمر کو پکارا کہ امیر المومنین! اپنے دوست کو مبارکباد دیجئے۔ امیر المومنین کا لفظ سن کر بدو چونک پڑا اور متوذب ہو بیٹھا۔ حضرت عمر نے فرمایا کہ: "نہیں کچھ خیال نہ کرو، کل میرے پاس آنا میں اس بچے کی تنخواہ مقرر کروں گا۔"

عبدالرحمن بن عوف کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر رات کو میرے مکان پر آئے، میں نے کہا آپ نے کیوں تکلیف کی، مجھ کو بلایا ہوتا، فرمایا کہ ابھی مجھ کو معلوم ہوا کہ شہر سے باہر ایک قافلہ آ رہا ہے لوگ تھکے ماندے ہوں گے، آؤ ہم تم پر چکر پہرہ دیں، چنانچہ دونوں صاحب گئے اور رات بھر پہرہ دیتے رہے۔

جس سال عرب میں قحط پڑا ان کی عجیب حالت ہوئی۔ جب تک قحط رہا گوشت، گھی، مچھلی، غرض آدمی لذیذ چیز نہ کھائی۔ نہایت خضوع سے دعائیں مانگتے تھے کہ اے خدا! تمھاری امت کو میری شراستِ اعمال سے تباہ نہ کرنا، اسلام ان کے غلام کا بیان ہے کہ قحط کے زمانے میں حضرت عمر کو جو فکر و تہ در تہ تھا اس سے قیاس کیا جاتا تھا کہ اگر قحط نہ ہو گا تو وہ اسی غم میں تباہ ہو جائیں گے۔ قحط کا، ذرا نظام حضرت عمر نے کیا تھا اس کو ہم اوپر لکھ آتے ہیں۔ ایک خدا ایک نبیؐ۔ پتا اور یہ نسخہ ربیعہ

اے عمر الطیف اگر بوجہ کا لطف ہے
سری لڑکوں کو، اور انکی ماں کو کڑے پہنا
عدا کی مسد بھٹکے ہو کر یا ہوگا

بَا عَمَرَ الْحَرِّ حُرِّ الْحَرَّةِ
اَكْسُ سَابِئَ دَا هَمَّةِ
اَفْسَمَ بِاللّٰهِ لَتَفْعَلَنَّهُ

حضرت عمرؓ نے فرمایا اور میں تمہارا کہنا نہ کروں تو کیا ہوگا بدو نے کہا

سو سے صاحب میں سری بسب سوال ہوگا
اور تو بٹکا نکا رہ جائے گا
ہر ما دو ج کی حب ما سب کھڑے ہوگا

تَكُونُ عَنْ حَالِي لِنَسْلَتِهِ
وَالْوَاقِفِ الْمَسْئُولِ بَهْنَتِهِ
اَقَالِي نَائِرٍ وَاِمَا حَتِّهِ

حضرت عمرؓ اس قدر روئے کہ ڈاڑھی تر ہو گئی پھر غلام سے کہا کہ میرا یہ کرتہ اسکو دیدے اس وقت اس کے سوا
اور کوئی چیز میرے پاس نہیں۔

ایک دفعہ رات گوشت کر رہے تھے، ایک عورت اپنے بالا خانے پر بیٹھی یہ شعر گارہی تھی

نظاؤل هذا الليل وازور جانب
وليس الى حبي خذيل الا عبه
راہ - کالی ہے اور بسنی ہوتی مانی ہے
اور سرے پہلو میں یا نہیں جس سے عورت فلی کروں۔

اس عورت کا شوہر جہاد پر گیا تھا، اور وہ اس کے قراق میں یہ درد انگیز اشعار پڑھ رہی تھی حضرت عمرؓ
کو سخت قلق ہوا، اور کہا کہ میں نے زنان عرب پر بڑا ظلم کیا۔ حضرت حفصہؓ کے پاس آئے اور پوچھا
کہ عورت کتنے دن مرد کے بغیر بسر کر سکتی ہے؟ انھوں نے کہا چار مہینے۔ صبح ہوئی تو ہر جگہ حکم بھیج دیا کہ
کوئی سپاہی نہ چار مہینے سے زیادہ باہر نہ پائے۔

سعید بن یہ بوجہ ایک صحابی تھے، جن کی آنکھیں جاتی رہی تھیں، حضرت عمرؓ نے اُن سے کہا
کہ آپ جمعہ میں کیوں نہیں آتے۔ انہوں نے کہا، میرے پاس آدمی نہیں کہ مجھکو راستہ بتائے، حضرت
عمرؓ نے ایک آدمی مقرر کر دیا جو ہمیشہ اُن کے ساتھ ساتھ رہتا رہا۔

ایک دفعہ لوگوں کو کھانا کھلا ہے تھے۔ ایک شخص کو دیکھا کہ بائیں ہاتھ سے کھاتا ہے پاس جا کر کہا کہ دھننے ہاتھ سے کھاؤ، اُس نے کہا جنگ موتہ میں میرا ماں ہاتھ جاتا رہا۔ حضرت عمر کو وقت ہوئی اُس کے برابر بیٹھ گئے اور رو کر کہنے لگے کہ فسوس تم کو وضو کون کرانا ہوگا؟ سر کون دہانا ہوگا؟ کپڑے کون پہنانا ہوگا؟ پھر ایک نوکر مقرر کر دیا اور اُس کے لئے تمام ضروری چیزیں خود مہیا کر دیں۔

امامت اور جہاد

امامت کا منصب، حقیقت، نبوت کا ایک شاخہ ہے اور امام کی فطرت، قریب قریب پیغمبر کی فطرت کے واقع ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں "وازمیان اُمت جمعے ہستند کہ جو نفسِ انسانی قریب بحویر انبیاء مخلوق شدہ و این جماعہ در اصل فطرت خلفائے انبیاءند و اُمت"۔

مذہبی عقائد اور احکام اگرچہ بظاہر سادہ اور صاف ہیں، کیونکہ صانعِ عالم کا عقائد، اسکی صفات کیلئے کا اعتراف، سر و جزا کا یقین، زہد و عبادت، محاسن اخلاق، یہی چیزیں تمام مذاہب کی اصلی اصول و احکام ہیں اور یہ سب بظاہر سادہ اور صاف باتیں ہیں، لیکن ان مسائل میں اشتباہ اور ابہام مستقر ہے کہ اگر نہایت نکتہ بنی اور دقیقہ رسی سے کام نہ لیا جائے تو ان کی حقیقت بالکل بدل جاتی ہے یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے کہ یہ مسائل قریباً تمام مذاہب میں مشترک تھے تاہم کم و بیش سب میں غلطیاں واقع ہوئیں اسلام انہی غلطیوں کے شانے کے لئے آیا اور اُس نے نہایت اہتمام اور تاکید کے ساتھ ان پر توجہ دلائی لیکن عام طبائع نکتہ سنج نہیں ہوتیں ایسے ہر زمانہ میں اکثر لوگ اصل حقیقت سے دور ہو جاتے تھے اور اسی لئے ابیہ اور مجاہدین کی ضرورت باقی رہی کہ ان اسرار پر پردہ نہ پڑنے پائے۔ مثلاً اسلام نے شرک کو کس دور شور سے مٹایا لیکن غور سے دیکھو تو قبروں اور مزاروں کے ساتھ عوام ایک طرف خواص کا جو طرز عمل ہے اُنہیں اب بھی کس قدر شرک کا مخفی اثر موجود ہے، گو استفادہ عن القبور اور حصول برکت کے خوشنما الفاظ نے اُن پر پردہ ڈال رکھا ہے۔

حضرت عمرؓ نے ان نازک اور شبہ مسائل میں جس طرح اہل حقیقت کو سمجھا اور جس جرات و لیرمی سے انکو لوگوں کے سامنے ظاہر کیا، اسکی نظیر صحابہ کے زمانے میں بھی بہت کم ملتی ہو۔

آلیات کا ایک بڑا نازک مسئلہ قضا و قدر کا مسئلہ ہے، جس میں عموماً بڑے بڑے ائمہ مذہب غلطیاں واقع ہوئیں یہاں تک کہ اکابر صحابہ میں سے بھی بعضوں کی اشتباہ ہو۔ طاہون موالس میں حضرت عمرؓ نے جب نام کاغز کیا تو تمام سرع میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ وہاں وہاں کی نہایت شدت ہے حضرت عمرؓ نے واپسی کا ارادہ کیا حضرت ابو عبیدہؓ نے اس خیال سے کہ جو کچھ ہوتا وہ نقصائے الہی سے ہوتا ہے نہایت طیش میں آکر کہا اور اراعتن؟ قد راء الله۔ (میں نے تمہارے الہی سے ٹھانگے ہوئے)

حضرت عمرؓ نے اس نازک مسئلہ کو ان مختصر اور بلیغ الفاظ میں حل فرمایا

لَعَنَ نَفَرٌ مِّنْ قَدَرِ اللَّهِ إِلَى قَدَرِ اللَّهِ | مَن يَأْتِ بِمِثْلِ هَذَا حَكْمٍ سَعَى حَكْمِ اللَّهِ حَكْمٌ هُوَ

اسلام کا ایک اصول شعائر اللہ کی تعظیم ہے اسی بنا پر کعبہ اور حجر اسود وغیرہ کے احترام کا حکم ہے لیکن اس کی صورت صنم پرستی سے بہت کچھ ملتی جلتی ہے، اور یہی وجہ ہے کہ تمام مذاہب میں اتنی اصول سے رفتہ رفتہ صنم پرستی قائم ہو گئی۔ حضرت عمرؓ نے مختلف مہتمموں پر لوگوں کو اس غلطی میں پڑنے سے باز رکھا۔ ایک بار حجر اسود کے سامنے کھڑے ہو کر علانیہ کہا۔

إِنِّي أَسْلَمْتُ إِلَيْكَ حَجْرًا وَإِنَّكَ لَا تَنْصُرُ وَلَا تَنْفَعُ | میں جانتا ہوں کہ تو ایک پتھر ہے، نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے نہ نقصان

حضرت عمرؓ کا یہ فعل مذاق عام سے جب قدر الگ تھا اسکا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ بہت سے محدثین نے جہاں حضرت عمرؓ کا یہ قول نقل کیا ہے وہاں یہ روایت بھی اضافہ کی ہے کہ اُنسی وقت حضرت علیؓ نے انکو ٹوکا اور ثابت کیا کہ حجر اسود فائدہ اور نقصان دونوں پہنچا سکتا ہے کیونکہ وہ قیامت میں لوگوں کی نسبت کی شہادت دیگا، لیکن یہ اضافہ محض غلط اور نہاد ہے چنانچہ ناقدین فن نے اسکی تصریح کی ہے۔

۱۔ وہ اضافہ محض طور پر صحیح مسلم باب الطوائف میں مذکور ہے۔

ایک دفعہ آنحضرتؐ نے ایک درخت کے نیچے لوگوں کو جمع کیا اور یہ درخت بھی اس بنا پر یہ درخت شجر کرم کہلا گیا۔

ایک فہ مغرَج سے واپس آ رہے تھے راستہ میں ایک مسجد تھی، جہیں ایک دفعہ آنحضرتؐ نے نماز پڑھی تھی اس
نیل سے لوٹ اچکی طرف دوڑے۔ حضرت عمرؓ نے لوگوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ اس کتاب انہی باتوں کی بدولت
ستبار ہوئے کہ انھوں نے اپنے پیغمبروں کی یادگاروں کو عبادت گاہ بنالیا۔

نبوت کی حقیقت کی نسبت عموماً لوگ غلطی کرتے آئے ہیں اور اسلام کے زطنے میں بھی یہ سلسلہ بند نہیں ہوا۔ اکثر لوگ کا خیال ہے کہ نبی کا ہر قول فنی خاص نہایت ہوتا ہے بعضوں نے زیادہ بہت کی توصیف متاثرہ کی بات کو مستثنیٰ کیا لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی جو حکم منصب نبوت کی حیثیت سے دیتا ہے وہ بے شہرہ خدا کی طرف سے ہوتا ہے باقی امور وقت اور ضرورت کے لحاظ سے ہوتے ہیں تشریحی اور مذہبی نہیں ہوتے اس سلسلے کو جعفر حضرت عمرؓ نے صاف اور واضح کر دیا کسی نے نہیں کیا۔ خراج کی تشخیص جزیر کی تعیین، ام ولد کی خرید و فروخت وغیرہ وغیرہ مسائل کے متعلق امام شافعیؒ نے اپنی کتابوں میں نہایت اوجہ کے ساتھ احادیث سے استدلال کیا ہے۔ اور ان مسائل میں جہاں حضرت عمرؓ کا طریق عمل مختلف ہے بڑی دلیری سے ان پر قبح کی ہے لیکن امام شافعیؒ نے یہ نکتہ نظر انداز کیا کہ یہ امور منصب نبوت سے تعلق نہیں رکھتے اس لیے ان مسائل میں خود شارع علیہ السلامؐ کی طرف سے بہرخص کو اجتہاد کی اجازت ہے چنانچہ اس بحث کی تفصیل آگے آتی ہے۔

شرعیات کے احکام کے متعلق بہت بڑا اصول جو حضرت عمرؓ نے قائم کیا یہ تھا کہ شریعت کے تمام احکام مصالح عقلی پر مبنی ہیں۔

نہرہی احکام کے متعلق شروع سے دو خیال چلے آتے ہیں ایک یہ کہ ان میں عقل کو دخل نہیں دوسرا یہ کہ اس کے تمام احکام اصول عقلی پڑتی ہیں یہی دوسرا خیال علم اسرار الدین کی بنیاد ہے۔ یہ علم اگرچہ اب ایک مستقل فن بن گیا ہے اور شاہ ولی اللہ صاحب کی مشہور کتاب حجۃ الاسلام الفہام فی فن میں

ہے۔ تاہم ہرزانے میں بہت کم لوگ اس اُسول کو تسلیم کرتے تھے۔ بسکی جہ کہ تو یہ تھی کہ یہ دقیق فنِ عام طبائع کی دسترس سے باہر تھا، اور کچھ یہ کہ مذہبی محویت اور ولداؤ کی کمی تباہ شرافتِ حق یہ ہے کہ ہر باتِ بخیر چون و چرا کے مان لیجائے اور اسے قتل کو کچھ غل نہ دیا جائے۔

لیکن حضرت عمر اسی دوسرے اصول کے قائل تھے اور وہ سب پہلے شمس ہیں جسے علم اسرار الدین کی گویا بتیاد و الی، شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ البالغۃ میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ مسرت علی زیدین ثابت عبد اللہ ابن عباسؓ حضرت عائشہؓ نے اس علم سے بحث کی اور اس کے وجوہ ظاہر کیے۔

شاہ صاحب نے جن لوگوں کا

۱۴۔ ابرس کی قہی۔ حضرت علی کا۔ بن جناب رسول اللہ کی نبئت کیوقت دس گیارہ برس سے زیادہ نہ تھا
زید بن ثابت کا سن آنحضرت کی ہجرت کیوقت ابرس کا تھا۔ حضرت عائشہ۔ آنحضرت کی وفات کیوقت کل
۸۔ ابرس کی قہی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ گو۔ یہ سب بزرگ اس علم کے ترقی میں نے اے ہوں گے بیکر اوست
کا منصب حضرت عمر ہی کو حاصل ہوگا۔

حضرت عمرؓ مسائل شریعت کی نسبت ہمیشہ مصالح اور وجوہ پر نور کرتے تھے اور اگر ان کے خیال میں کوئی مسئلہ خلاف عقل ہوتا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرتے تھے، سفر میں جو قصر نماز کا حکم دیا گیا تھا وہ اس بنا پر تھا کہ ابتدائے اسلام میں راستے محفوظ نہ تھے اور کافروں کی طرف سے ہمیشہ خوف کا سنا رہتا تھا چنانچہ قرآن مجید میں خود اسکا اشارہ ہے لَنْسَ عَلَيْكُمْ حُجَّاجٌ اَنْ تَعْبُرُوا مِنْ الصَّلَاةِ اِنْ هُمْ اَنْ يَفْتَنَكُمْ الْاَدِيْنَ كَفَرُوْا لِيَكِنْ جَبَلْتُمْ مَامُوْنَ ہو گئے تب بھی قصر کا حکم باقی رہا۔ حضرت عمرؓ کو اس پر استعجاب ہوا اور انھیں سے دریافت کیا کہ اب سفر میں قصر کیوں کیا جاتا ہے؟ انھیں نے فرمایا کہ یہ خدا کا انعام ہے حج کے ارکان میں رمل ایک رکن ہے یعنی طواف کرتے وقت پہلے تین دوروں میں آہستہ آہستہ

۱۵ حمد الله العالی العزیز ۱۶ صبح مسلم، احادیث نماز ستر

وڑتے چلتے ہیں، اسکی ابتدا یوں ہوئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب مدینہ سے مکہ میں تشریف لائے تو کافروں نے شہور کیا کہ مسلمان ایسے نحیف اور کمزور ہو گئے کہ کعبہ کا طواف بھی نہیں کر سکتے۔ آنحضرتؐ نے یہ سن کر رمل کا حکم دیا۔ اسکے بعد یہ فعل معمول ہو گیا، چنانچہ امیر اربعہ اسکو حج کی ایک ضروری سنت سمجھتے ہیں، لیکن حضرت عمرؓ نے صاف کہا مالنا وللرمل اما کنارا ثبابہ المنکرکس وفدا ھلکھو اللہ یعنی اب ہلو رمل سے کیا نوحش! اس سے شرکوں کو عجب لانا مقصود تھا، سو انکو خدا نے ہلاک کر دیا، حضرت عمرؓ نے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ الباقیہ میں لکھا ہے۔ رمل کے ترک کا ارادہ بھی کر لیا تھا لیکن پھر آنحضرتؐ کی یاد کا سمجھ کر سینے دیا، عبد اللہ بن عباس جو حضرت عمرؓ کے خاص تربیت یافتہ، ان سے جب کہا گیا کہ لوگ رمل کو سنت سمجھتے ہیں، تو کہا کہ ”عقل نہ سمجھتے ہیں“

حضرت عمرؓ نے فقہ کے مسائل اس کثرت سے بیان کیے ہیں کہ ایک عقل رسالہ تیار ہو سکتا ہے ان تمام مسائل میں یہ خصوصیت صاف نظر آتی ہے کہ وہ مصالح عقلی کے موافق ہیں، اس سے بدایت ثابت ہوا ہے کہ حضرت عمرؓ اس علم (امرا الدین) کے بہت بڑے استاد اور ماہر تھے۔

منصب امامت کے لحاظ سے، حضرت عمرؓ کا سب سے بڑا کارنامہ جو تھا یہ تھا کہ آنحضرتؐ نے دنیا کو جس قسم کے برگزیدہ اور پاکیزہ اخلاق کی تعلیم دی تھی اور جو آپؐ کی بعثت کا اصلی مقصد تھا جیسا کہ خود ارشاد فرمایا جنت لا یمحہ مکارم الاخلاق۔ حضرت عمرؓ کے فیض سے قوم میں وہ اخلاق محفوظ رہے اور نئی قومیں جو اسلام میں داخل ہوتی گئیں، اسی اثر سے متاثر ہوئی گئیں۔

حضرت عمرؓ خود اسلامی اخلاق کی مجسم تصویر تھے، انکا خلوص، انقطاع الی اللہ، لذائذ دنیا سے اجتناب، حفظ لسان، حق پستی، راست گوئی، یہ اوصاف خود بخود لوگوں کے دلوں میں اثر کرتے جاتے تھے، اور ہر شخص جو انکی صحبت میں رہتا تھا، کم و بیش اس قالب میں ڈھل جاتا تھا۔ مسودین مخرمہ کا بیان ہے کہ ہم اس

غرض سے حضرت عمر کے ساتھ رہتے تھے کہ پرہیزگاری اور تقویٰ سے یکجہ جائیں۔ متوجہ مسعودی نے حضرت عمر کے حالات اس جلسے سے شروع کیے ہیں کہ ان میں جو اوصاف تھے وہ ان کے تمام افسروں و عہدہ داروں میں پھیل گئے تھے، پھر نمونے کے طور پر حضرت سلمان فارسی، ابو عبیدہ، سعید بن عامر وغیرہ کے نام اور ان کے اوصاف لکھے ہیں۔

عرب میں جو اخلاق و سبب جاہلیت کی یادگار رہ گئے تھے وہ سب کافرو غرور عام لوگوں کی تحقیر و جھوٹ و بگوئی، عشق و ہوا پرستی، بادہ نوشی اور پستی تھی، حضرت عمر نے ان تمام یہودہ اخلاق کا استیصال کر دیا۔ جو چیزیں فخر و غرور کی علامت تھیں بالکل مٹا دیں، لڑائیوں میں قبائل اپنے قبیلوں کی جے پکارا کرتے تھے اُسکو حکم بند کر دیا، آقا اور نوکر کی جو تفریق تھی بالکل اٹھا دی، ایک دفعہ صفوان بن امیہ سے جنت سے سفر زد لوگوں کے ساتھ انکی دعوت کی اور نوکروں کو کھانے پر نہیں بٹھایا، تو نہایت افرختہ ہو کر کہا کہ خدا ان سے سمجھے جو نوکروں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔

ایک دفعہ بہت سے لوگ ابی بن کعب سے جو بڑے رتبہ کے صحابی تھے ملنے گئے۔ جب مجلس سے اُٹھے تو ادب اور تعظیم کے لیے لوگ ان کے ساتھ ساتھ چلنے اتفاق سے حضرت عمر اصر سے آگئے چلتے چکے ابی کے ایک کوڑا لگایا۔ انکو نہایت تعجب ہوا اور کہا خیر ہے ابی آپ کیا کرتے ہیں؟ فرمایا اوجھڑی فتنہ للمتبوع ومذلة للناثم یعنی تم نہیں جانتے یہ امر متبوع کے لیے فتنہ اور ناثم کے لیے ذلت ہے۔

ہجو و بد گوئی کا ذریعہ شعر و شاعری تھا۔ شعراء جاہلوگوں کی ہجویں لکھتے تھے اور چونکہ عرب میں شعر کو رواج عام حاصل تھا، اس لیے یہ ہجویں نہایت جلد شہر ہو جاتی تھیں اور ان سے سیکڑوں مناسد پیدا ہوتے تھے، حضرت عمر نے ہجو کو ایک جرم قرار دیا اور اس کے لیے سزا مقرر کی، چنانچہ یہ امر بھی حضرت عمر کی اولیات میں شمار کیا جاتا ہے، حلیۃ اس زمانے کا مشہور شاعر تھا اور سودا کی طرح فن جو میں کمال رکھتا تھا، حضرت عمر نے اسکو طلب کر کے ایک تہ خانے میں قید کیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ پھر کسی کی

ہجو نہیں لکھے گا آنحضرت کے زمانے میں قریش نے جب اوزندہ بیروں سے عاجز ہوا، مسلمانوں کی اور خود آنحضرت کی شان میں ہجویں کہنی شروع کیں تو آنحضرت نے حسان کو ترکی تہری کی جواب دینے کی اجازت دی تھی یہ اشعار قریش کے اسلام لانے کے بعد بھی متداول تھے، حضرت عمرؓ نے اپنے عہد خلافت میں حکم دیدیا کہ وہ پڑھے پڑھائے نہ جائیں، کیونکہ اُن سے پرانی و نجشیں تازہ ہوتی ہیں۔

عشق و ہوا پرستی کا بھی بڑا ذریعہ ہی شعروں کا ہی تھا، شعرا زیادہ تر زندانہ اور اوباشانہ اشعار لکھتے تھے اور انہیں اپنے مستوتوں کے نام تصریح کے ساتھ لیتے تھے۔ مذاق کے عام ہونے کی وجہ سے یہ اشعار بچہ بچہ کی زبان پر چڑھ جاتے تھے اور اس وجہ سے رندی و آوارگی اُن کے خمیر میں داخل ہو جاتی تھی حضرت عمرؓ نے قطعی حکم دیدیا کہ شعرا عورتوں کی نسبت عنقیہ اشعار نہ لکھنے پائیں، چنانچہ صاحب اسلحہ ابوبکرؓ نے حمید بن ثور کے تذکرے میں اس واقعہ کو ان الفاظ میں لکھا ہے: **تقدم عمر بن الخطاب الى السعراء ان لا تنسب احدا ماله الا جلدۃ**۔ شراب پینے کی جو سزا پہلے سے مقرر تھی اسکو زیادہ سخت کر دیا یعنی پہلے ۴۰ درے مائے جاتے تھے انھوں نے ۴۰ سے ۸۰ کر دیئے

ان سب باتوں کا یہ نتیجہ ہوا کہ باوجود اس کے کہ اس زمانے میں دولت کی کثرت، اوزنہات کی وسعت کی وجہ سے عیش و عشرت کے بے انتہا سامان مہیا ہو گئے تھے تاہم لوگ عیش و عشرت میں مبتلا نہ ہونے پائے اور جس پاک اور مقدس زندگی کی بنیاد شارع علیہ السلام نے ڈالی تھی وہ اسی استواری کے ساتھ قائم رہی۔ اخلاق کی پختگی اور استواری کا اصلی سرچشمہ آزادی اور خودداری ہے۔ ایسے حضرت عمرؓ نے بہت توجہ کی، اور یہ وہ خصوصیت ہے جو حضرت عمرؓ کے سوا اور خلفاء کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ بنو امیہ تو شروع ہی سے آزادی کے دشمن نکلے یہاں تک کہ عبدالملک نے قطعی حکم دیدیا کہ کوئی شخص اس کے حکام پر زبان نہ کھولے پائے حضرت عثمانؓ و حضرت علیؓ نے البتہ آزادی سے تعرض نہیں کیا لیکن اُسے خطرات کی روک تھام نہ کر سکے، جسکی بدولت حضرت عثمانؓ کی شہادت کی نوبت پہنچی، اور جناب امیر کو حلف مضین

کے معرکے جھیلنے پڑے، برخلاف اسکے حضرت عمرؓ نے نہایت اعلیٰ درجے کی آزادی قائم رکھنے کے ساتھ حکومت کے جبروت میں ذرا کمی نہ آنے دی۔

مختلف موقوفہ پیر و تحریر سے جنادیا کہ ہر شخص ماں کے پیٹ سے آزاد پیدا ہوا ہے اور ادنیٰ سے ادنیٰ آدمی بھی کسی کے آگے ذلیل ہو کر نہیں رہ سکتا۔ عمرو بن العاصؓ کے معزز فرزند نے جب ایک قبطی کو بے وجہ مارا تو خود اسی قبطی کے ہاتھ سے مجمع عام میں سزا دلوائی اور عمرو بن العاصؓ اور ان کے بیٹے کی طرف مخاطب ہو کر یہ الفاظ کہے۔

مَدَّكَ تَعْبُدُ النَّاسَ وَدِدُّوْا لَدُنْهُمْ اَمَّا هُمْ فَاَنْتَ
اِحْرَارٌ
یہی وہ نم لوگوں سے آدمیوں کو علامہ کس سے سالیانہ انکی باؤں کو آرا دھاننا۔

عرب میں جو لوگ بہت معزز ہوتے تھے وہ اپنے قبیلہ کے سید یعنی آقا کہلاتے تھے اور ان سے کم تیر لوگ انکو ان الفاظ سے مخاطب کرتے تھے۔ جعلی اللہ فداک، "باہی" و امی "عہ

چونکہ ان الفاظ سے غلامی اور محکومی کی بوائی تھی مختلف موقوفوں پر ان کی نسبت ناراضی ظاہر کی ایک شخص نے خود انکی شان میں کہا تھا کہ جعلی اللہ فداک تو فرمایا کہ اِذَا هَمَّ نَبِيُّكَ اللّٰهُ یعنی اگر خدا ایسا کرے گا تو تجکو ذلیل کرے گا۔ حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے لوگوں کو سبقت آزادی اور صاف گوئی پر راہ کر دیا تھا اسکا صحیح اندازہ ذیل کے واقعات سے ہوگا۔

ایک دفعہ انھوں نے ممبر پر چڑھ کر کہا، صاحبو! اگر میں دنیا کی طرف بھگ جاؤں تو تم لوگ کیا کرو گے؟ ایک شخص وہیں کھڑا ہو گیا اور تلوار سیان سے کھینچ کر بولا کہ تمہارا سر اڑا دیں گے۔ حضرت عمرؓ نے اُس کے آزمائے کو ڈانٹ کر کہا کہ کیا تو میری شان میں یہ لفظ کہتا ہے؟ اُس نے کہا، ہاں ہاں تمہاری شان میں۔ حضرت عمرؓ نے کہا، "اچھا لہ قوم میں ایسے لوگ موجود ہیں کہ میں کج ہونگا تو تجکو سیدھا کر دیں گے۔" عراق کی فتح کے بعد اکثر بزرگوں نے عیسائی عورتوں سے شادیاں کر لیں تھیں۔ حضرت عمرؓ نے

میں نے نہ صرف ان کو آزاد کر دیا بلکہ ان کو سیدھا کر دیا۔

حَدِیقَہ بن اِیْمَان کو لکھا کہ میں اُس کو ناپسند کرتا ہوں، اُنھوں نے جواب میں لکھا کہ یہ حکم آپ کی ذاتی رائے ہے یا کوئی شرعی حکم ہے؟ حضرت عمر نے لکھا کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ حدیقت نے لکھ بھیجا کہ آپ کی ذاتی رائے کی پابندی ہم لوگوں پر ضرور نہیں چنانچہ باوجود حضرت عمر کی ممانعت کے کثرت سے لوگوں نے شادیاں کیں۔ مورخ یعقوبی نے لکھا ہے کہ ایک دفعہ جب حضرت عمر نے تمام عمالوں کا مال اسبابِ نیلام کر کے، اُوہا بیت المال میں داخل کر دیا تو ایک عامل نے جب کا نام ابو بکرؓ تھا، صاف کہا کہ اگر یہ مال خدا کا تھا تو کُل بیت المال میں خل کرنا چاہیے تھا، اور ہمارا تھا تو اس میں سے کھولینے کا کیا حق تھا؟

حضرت عمر کی تسلید اور اُن کی تعلیم و تربیت کا یہ اثر ہوا کہ جماعتِ اسلامی کا ہر ممبر پاکیزہ نفسی، نیک خوئی، علم و تواضع، جرأت و آزادی، حق پرستی، بے نیازی کی تصویر بن گیا، تاریخ کے مرتع میں اس وقت کی مجال اور محافل کا نقشہ دیکھو تو ہر شخص کے حلیہ میں یہ خط و حال صاف نظر آتے ہیں۔

حدیث و فقہ کا فن و حقیقت، تمام تر حضرت عمرؓ کا ساختہ و پرداختہ ہے۔ صحابہ میں اور لوگ بھی محدث اور فقیہ تھے چنانچہ اُنہی تعداد سے متجاوز زبان کی گئی ہے لیکن فن کی ابتدا حضرت عمرؓ سے ہوئی اور فن کے اصول و قواعد، اول انہی نے قائم کیا۔

حدیث کے متعلق پہلا کام جو حضرت عمرؓ نے کیا یہ تھا کہ روایتوں کی تفحص و تلاش پر توجہ کی، انھیں انھیں کے زمانے میں احادیث کے استقصاء کا خیال نہیں کیا گیا تھا۔ جسکو کوئی مسئلہ پیش آتا تھا خود انھیں سے دریافت کر لیتا تھا۔ اور یہی وجہ تھی کہ کسی ایک صحابی کو فقہ کے تمام ابواب کے متعلق جہتیں محفوظ نہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں زیادہ ضرورتیں پیش آئیں، ایسے مختلف صحابہ سے استفسار کرنے کی ضرورت پیش آئی اور احادیث کے استقراء کا راستہ نکلا، حضرت عمرؓ کے زمانے میں چونکہ زیادہ کثرت سے مسائل پیش آئے کیونکہ فتوحات کی وسعت اور نو مسلموں کی کثرت نے سیکڑوں نئے مسائل پیدا کر دیے تھے، اس لحاظ

محدث
حدیث
احسان
حدیث

احادیث
مفسر

سے اُنھوں نے احادیث کی زیادہ تقبیل کی تاکہ یہ سائل آنحضرت کے اقوال کے موافق طے کیے جائیں اکثر ایسا ہوتا کہ جب کوئی نئی صورت پیش آتی تو حضرت عمرؓ جمعِ عام میں ہمیں اکثر صحابہ موجود ہوتے تھے، پکار کر کہتے کہ اس مسئلے کے متعلق کیسکو کوئی حدیث معلوم ہے؟ بکیر خبازہ غسلِ خیابت - جہیزہ - اور اس قسم کے بہت سے سائل ہیں جن کی نسبت کتب حدیث میں نہایت تفصیل سے مذکور ہے کہ حضرت عمرؓ نے جمع صحابہ سے ہتھسار کر کے احادیث نبوی کا پستہ لگایا۔

حدیثوں کی
اشاعت

چونکہ حدیث جعفر زیاہ شائع و شہر کیا گئے اُس قدر اسکو قوت حاصل جاتی ہے اور پھلوں کے لیے قابل استناد قرار پاتی ہے اس لیے اسکی نشر و اشاعت کی بہت سی تدبیریں اختیار کیں۔

(۱) احادیث نبوی کو بانفاہا نقل کر کے اضلاع کے حکام کے پاس بھیجے گئے جس سے اکی عام اشاعت ہوتی تھی، یہ حدیثیں اکثر سائل اور احکام کے متعلق ہوتی تھیں۔

(۲) صحابہ میں جو لوگ فن حدیث کے ارکان تھے انکو مختلف ممالک میں حدیث کی تعلیم کے لیے بھیجا، شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں ”چنانچہ فاروق اعظم عبداللہ بن مسعود را جامعہ بکوفہ فرستاد و عقیل بن مسعود

عبداللہ بن عقیل، و عمران بن حصین را بہ بصرہ و عباوہ بن صامت و ابوہریرہ را بہ الشام و معاویہ بن ابی سفیان کہ امیر شام بود و قنن بن بلعہ نوشت کہ از حدیث ایشان تجاویز کنند

ایضاً

اس موقع پر ایک دقیق نکتہ خیال رکھنے کے قابل ہے، وہ یہ کہ عام خیال یہ ہے کہ حضرت عمرؓ نے حدیث کی اشاعت میں گو بہت کچھ اہتمام کیا لیکن خود بہت کم حدیثیں روایت کیں چنانچہ کل وہ مرفوع احادیث جو ان سے بروایت صحیح مروی ہیں تشر سے زیادہ نہیں، یہ خیال بظاہر صحیح ہے لیکن واقع میں یہاں ایک غلط فہمی ہے۔

محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس سے غلط فہمی ہے۔ محدثین کے نزدیک یہ اصول مسلم ہے کہ صحابی جب کوئی ایسا مسئلہ بیان کرے جس سے غلط فہمی ہے۔

اور جب اس کو دخل نہیں تو گو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہ لے لیکن مطلب یہی ہوگا کہ اُس نے رسول اللہ سے سنا ہے۔ اور واقع میں یہ اصول بالکل عقل کے مطابق ہے، حضرت عمرؓ نے مثلاً تمام ممالک میں کچھ بھیجا کہ

زکوٰۃ فلاں چیزوں پر فرض ہے اور اس حساب سے فرض ہے تو اس احتمال کا عمل نہیں کہ حضرت عمر خود شارع ہیں اور اپنی طرف سے احکام صادر کرتے ہیں لا محالہ اس کے یہی معنی ہوں گے کہ آنحضرت نے زکوٰۃ کے متعلق یہ احکام صادر فرمائے تھے، زیادہ سے زیادہ اس احتمال کا موقع باقی رہتا تھا کہ حضرت عمر نے حدیث کا مطلب صحیح نہیں سمجھا اور ایسے ممکن ہے کہ رسول اللہ نے اس مقدار کی تعداد کو فرض نہ کہا ہو۔ بلکہ حضرت عمر نے اس کو اپنی فہم کے مطابق فرض سمجھا، لیکن یہ احتمال خود ان احادیث میں بھی قائم رہتا ہے جن میں صحابی نے علامہ آنحضرت کا نام لیا ہو۔

اس اصول کی بنا پر حضرت عمر نے خطبوں میں، تحریری ہدایتوں میں، قرآن میں، نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے متعلق جو اصولی مسائل بیان کیے وہ درحقیقت آنحضرت کے احکام ہیں گو انھوں نے آنحضرت کا نام لیا ہو۔ شاہ ولی اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں، ”ہم قسم اٹھتے ہیں کہ مضمون احادیث و خطب خود ارشاد فرمایند تا صل اشاد بان موقوف علیہ قوت یابد یا راسیکہ بنور سخن غیر سند و در بندانکہ در تفرق علیہ از حضرت حدیث صحیح نشد مگر شش حدیث و از فاروق اعظم بہ صحت نزدیک و قریب ہفتاد حدیث، این را غنی فہمہ و غنی دانند کہ حضرت فاروق تمام مسلم حدیث را اجمالاً تقویت دادہ و اعلان نمودہ۔“

حدیث کے نقص و جستجو اور اشاعت و ترویج کے متعلق حضرت عمر نے جو کچھ کیا، اگرچہ وہ خود بھی مقیم بلقان کام تھے لیکن اسباب میں انکی تفصیلت کا اصلی کار نامہ ایک اور چیز ہے جو انہی کے ساتھ مخصوص ہے، احادیث کی طرف اس وقت جو سیلان عام تھا وہ خود بخود احادیث کی اشاعت کا بڑا سبب تھا لیکن حضرت عمر نے اس میں جو تکتہ بنجیاں کیں اور جو فرق مرتب پیدا کیا، اس پر کسی کی نگاہ نہیں پڑی تھی۔ سب سے پہلے انھوں نے اس پر لحاظ کیا کہ احادیث میں زیادہ قابل اعتنا کس قسم کی حدیثیں ہیں، کیونکہ گو رسول اللہ کا ہر قول فعل حدیث کیشوں کے لئے گنجینہ مراد ہے لیکن یہ ظاہر ہے کہ اگلا حصہ والا حصہ اس بنا پر حضرت عمر نے تمام تر توجہ ان احادیث کی روایت اور اشاعت پر مبذول کی جن سے عبادات یا معاملات یا اخلاق

احادیث میں
فرق نہ تھا

کے مسائل مستنبط ہوتے تھے، جو حدیثیں ان مضامین سے الگ نہیں، انکی روایت کے ساتھ چنداں غماز نہیں کیا۔ ہمیں ایک بڑا نکتہ یہ تھا کہ آنحضرتؐ کے وہ اقوال و افعال جو منسب رسالت سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ جو بشری حیثیت سے ہیں باہم مخلط نہ بنے پائیں شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں: "بাসنقر از تمام معلوم شد کہ فاروق اعظمؓ نظر دقیق و تفریق میان احادیث کہ بتلیغ شریعت و تکمیل افراد بشر تعلق دارد از غیر ان، مصروف می ساخت، لہذا احادیث شامل آنحضرت صلیع و احادیث سنن زواید و لباس عادات کمتر روایت سے کرد بدو وجہ یکی آنکہ اینہا از علوم تکلیفیہ و تشریعیہ نیست، بحمل کہ چون اہتمام تمام روایت ان بکار برند بعض اشیاء از سنن زواید بہ سنن بدی مشتبہ گردد۔"

حضرت عمرؓ نے ان حدیثوں کی روایت کا بھی اہتمام نہیں کیا جس میں الفاظ مخصوصہ کے ساتھ دعائیں منقول تھیں، حالانکہ بہت سے بزرگوں کی روایتوں میں بڑا فرق اسی قسم کی حدیثوں کا ہے اسکی وجہ یہاں کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھا ہے یہ کہ: "حضرت عمرؓ اس بات کو جانتے تھے کہ، "وعا کے قبول عدم قبول کا مدار خلوص و تضرع پر ہے نہ الفاظ پر۔"

سب بڑا کام جو حضرت عمرؓ نے اس فن کے متعلق کیا، وہ حدیثوں کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کا ایجاد کرنا تھا۔

آجکل بلکہ مدتِ مدید سے یہ حالت ہے کہ جو چیز آنحضرتؐ کی طرف منسوب کر دی جاتی ہے گو صحیح نہ ہو، اسکو فوراً مراجع اور قبولِ حائل ہو جاتا ہے، اسی بنا پر یہودیوں کی تمام مزخرفات احادیث نبویؐ کے مجموعہ میں شامل ہو گئیں۔ محدثین نے اتنا کیا کہ جرح و تعدیل کی روک ٹوک سے تعمیم کو روک دیا لیکن جب کسئی کی تعدیل ان کے نزدیک ثابت ہو جاتی تھی تو پھر انکو زیادہ پرس و جو نہیں ہوتی تھی، اسکے ساتھ قرآن کی نسبت انھوں نے یہ عام کلیتہ قائم کر لیا کہ کسی روایت میں ضعف کا احتمال نہیں ہو سکتا۔ لیکن حضرت عمرؓ اس نکتہ سے واقف تھے کہ جو چیزیں خصائص بشری ہیں ان سے کوئی زمانہ سننے نہیں ہو سکتا، اس لیے

وہ احادیث کی چھان بین سیکھتا رہی احتمالات ملحوظ رکھتے تھے جو محدثین نے زمانہ مابعد میں پیدا کیے۔ ایک دفعہ ابو موسیٰ اشعریؓ اُن سے ملے آئے اور تین دفعہ استیذان کی طور پر کہا کہ ”السلام علیکم۔ ابو موسیٰ حاضر“ حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے ایسے متوجہ نہ ہو سکے۔ کام سے فارغ ہو چلے تو فرمایا ابوبکرؓ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو کہا کہ تم کیوں واپس گئے؟ انھوں نے کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ تین دفعہ اذن مانگو، اگر سیر بھی اجازت نہ ملے، تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو، ورنہ میں تم کو سزا دوں گا، ابو موسیٰ اشعریؓ صحابہ کے پاس گئے اور حقیقت حال بیان کی، چنانچہ ابو سعیدؓ نے اگر شہادت دی کہ میں نے رسول اللہؐ سے یہ حدیث سنی ہے، حضرت ابی بن کعبؓ نے کہا کہ عمرؓ اگر تم رسول اللہؐ کے صحابہ کو عذاب دینا چاہتے ہو، تو فرمایا کہ میں نے ایک روایت سنی اور اسکی تصدیق کرنی چاہی فقہ کا یہ ایک مختلف فیہ مسئلہ ہے کہ جس عورت کو طلاق بائن دیا جائے اسکو عدت کے زمانے تک نان و نفقہ اور مکان ملنا چاہیے یا نہیں؟ قرآن مجید میں ہے کہ اسکو وہ جس حبت سکیم جس سے ثابت ہوتا ہے کہ مکان ملنا چاہیے اور مکان کے ساتھ نفقہ خود ایک لازمی چیز ہے فاطمہ بنت قیسؓ ایک صحابیہ تھیں انکو اُن کے شوہر نے طلاق بائن دی، وہ آنحضرتؐ کے پاس گئیں کہ مجھ کو نان و نفقہ کا حق ہے یا نہیں؟ انکا بیان ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا ”نہیں“ فاطمہؓ نے یہ روایت حضرت عمرؓ کے سامنے بیان کی تو حضرت عمرؓ نے کہا لا تذک کتاب اللہ بقول امیۃ لا مدیری لعلھا حظت اونست یعنی ہم قرآن کو ایک عورت کے کہنے سے نہیں چھوڑ سکتے، معلوم نہیں اسکو حدیث یاد رہی۔ یا نہیں۔“

سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ کیا۔ وغیرہ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اگر تم سچے ہو تو اؤر کوئی گواہ لاؤ۔ چنانچہ جب محمد بن مسلمہؓ نے تصدیق کی تو حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا، اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں جب ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی

شہادت طلب کی اور جب بہت سے لوگوں نے شہادت دی تو حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ مجھ کو بھاری نسبت بگانی
نہ تھی لیکن میں نے حدیث کی نسبت اپنا اطمینان کرنا چاہا۔

حضرت عمرؓ کو چونکہ اس بات کا یقین ہو گیا تھا کہ روایت میں خواہ مخواہ کی بیشی ہو جانی ہے اسلئے روایت کے
بارے میں سخت احتیاط شروع کی اس کے متعلق انھوں نے جو بند تیس کیں آجکل لوگوں کو اُن پر کل
سے یقین آ سکتا ہے اس لئے میں اس موقع پر خود کچھ نہ لکھوں گا بلکہ بہت بڑے بڑے محدثوں نے جو
کچھ لکھا ہے اس کو نقل کر کے لفظی ترجمہ کر دوں گا۔ علامہ فرہبی جسے بڑھ کر اُن کے بعد کوئی محدث نہیں گزرا
اور جو حافظ بن حجر و خواہی وغیرہ کے شیخ الشیوخ میں تذکرۃ اصحاب میں حضرت عمرؓ کے حالات میں لکھتے ہیں

لڑت ہوئے
سے نہ گئے

وقد كان عمر من وجه يخطي الصحاب على
رسول الله - يا مروه من يقلوا الرواية
عن نبيهم وليلا يتناغل بالاحاديث
عن حفظ القرآن + عن قرة بن كعب
قال لما سئرونا عمر الى العراق - متنى معنا
همز و قال ان الذين لم يثبتكم قالوا انعم
مكرمنا - قال ومع ذلك فانكم تاتون
اهل قرية هم ذوئ بالقران كدمى
الخل فلا تصدوهم بالاحاديث فتستغلوهم
بجردو القرآن واقلوا الرواية عن رسول
الله وانا شريككم فلما قدم قرة قالوا
حدثنا فقال لهما عمر + عن ابى سلمة عن

یہی حضرت عمرؓ اس دور سے کہ صحابہ آنحضرتؐ سے روایت کرنے میں
غلطی نہ کریں صحابہ کو کم جتنے جتنے کہ رسول اللہؐ سے کم روایت کریں
اور تاکہ لوگ حدیث میں متغول ہو کر قرآن کے یاد کرنے سے
غافل نہ ہو جائیں۔ قریب بن کعب سے روایت ہے کہ جب عمرؓ
نے ہم کو عسکریں پر روانہ کیا تو خود متابعت کو نکلے اور کہا
تم کو معلوم ہے میں کیوں تمھارے ساتھ ساتھ آتا ہوں ؟
لوگوں نے کہا ہماری عزت بڑھائے گا، فرمایا کہ ہاں لیکن اُس کے
ساتھ یہ غرض بھی جو تم لوگ ایسے مقام میں جاتے ہو جہاں لوگوں کی
آواز شہد کی کہی کی طرح قرآن پڑھے بیگنی نہ رہتی ہو، تاکہ حدیث میں
نہ پہنسا لینا، قرآن میں آئینہ نش نہ کرو اور رسول اللہؐ سے کم روایت
کرنا اور میں تمھارا شریک ہوں میں جب قریب بن سلمہ سے یہ فرمایا کہ لوگوں نے کہا
کہ حدیث بیان کیے۔ انھوں نے کہا کہ عمرؓ نے یہ فرمایا کیا ابو سلمہ

<p>الی ہوہوہ - طلب لہ - کنت خدب فی رماں عمر ہکذا فمال لوکت احدث فی زمان عمر مثل ما احدثکم لصر بنی عجم ان عمر - حسن تلذہ - ابس مسعود و ابالدر جاء و ابامسعود الایصار فمال تد اکثر الحدیث عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم</p>	<p>کتے ہیں کہ بے ابوہریرہ سے بوجھا کہ آپ عمر کے زمانے میں بھی اسی طرح حدیثیں روایت کب کرتے تھے انھوں سے کہا کہ اگر ہں ایسا کرتا تو - عمر مجھ کو ڈرتے سے مارتے حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن مسعود ابو الدرداء و ابوسود کو مجبور کب اور کہا تم لوگوں نے آنحضرتؐ بہت حدیثیں روایت کرنی ستر رع کبں</p>
-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

مسند دارمی میں قریطہ بن کعب کی روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ ”حضرت عمرؓ کا یہ مطلب تھا کہ غزوات
کے متعلق کم روایت کی جائے، اس سے فرائض اور سنن مقصود نہیں“۔ شاہ ولی اللہ صاحب دارمی
کے قول کو نقل کر کے لکھتے ہیں، میرے نزدیک، آنحضرتؐ کے شمائل اور عادات کی حدیثیں مراد ہیں کیونکہ
ان سے کوئی غرض شرعی متعلق نہیں یا وہ حدیثیں مقصود ہیں جن کے حفظ اور ضبط میں کافی اہتمام نہیں کیا گیا
ہمارے نزدیک ان تاویلات کی ضرورت نہیں۔ حضرت عمرؓ کا مقصد خود انہی کی تصریح سے معلوم ہو سکتا
ہے، مؤرخ بلاذری نے جو محدث بھی ہیں، انساب الاشراف میں روایت کی ہے کہ لوگوں نے ان سے
کوئی مسئلہ پوچھا تو انھوں نے فرمایا۔

<p>لولا انی اکرا ان ازید فی الحدیث وانقص لحد شکربہ</p>	<p>مسی اگر مجھے یہ ڈرتا کہ حدیث کی روایت کرے جس سے مجھ سے کچھ میتا جو مانگی تو میں حدیث میں کڑتا۔</p>
------------------------------------------------------------	-----------------------------------------------------------------------------------------------------------

مؤرخ مذکور نے اس روایت کو بسند متصل روایت کیا ہے اور اس کے رُواۃ یہ ہیں، مجاہد بن سعد
عبد الحمید بن عبد الرحمن الحماف، نعمان بن ثابت (یعنی امام ابو حنیفہ)، موسیٰ بن طلحہ، ابو اسحق مکی۔
حضرت عمرؓ کو اپنی نسبت جوڈر تھا وہی آوروں کی نسبت بھی ہونا چاہیے تھا۔ اس خیال کی

تصدیق اس سے اور زیادہ ہوتی ہے کہ عبداللہ بن مسعود جو مقامات علمی میں حضرت عمر کے تربیت یافتہ خاص تھے، انکی نسبت محدثین نے لکھا ہے۔

لشيد في الرواية ويؤجر تلامذته عن التهاون في ضبط اللفاظ

یعنی "وہ روایت میں سختی کرتے تھے اور اپنے شاگردوں کو ڈالتے رہتے تھے کہ الفاظ حدیث کے محفوظ رکھنے میں سہ فراوانی نہ کریں۔"

محدثین نے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ کم حدیثیں روایت کرتے تھے یہاں تک کہ سال سال بھر قال رسول اللہ نہیں کہتے تھے۔ حضرت عمر کو روایت کے بارے میں جو احتیاط تھی۔ اگرچہ ان سے پہلے ہی اکابر صحابہ کو تھی، علامہ ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں حضرت ابوبکر کے حال میں لکھا ہے کہ "سب سے پہلے جس نے احادیث کے باب میں احتیاط کی وہ ابوبکر تھے علامہ موصوف نے حاکم سے یہ بھی روایت کی ہے کہ "حضرت ابوبکر نے ۵۰ حدیثیں فلجندی تھیں لیکن پھر انکو آگ میں جلا دیا اور کہا کہ ممکن ہے کہ میں نے ایک شخص کو ثقہ سمجھ کر اس کے ذریعہ سے روایت کی ہو اور وہ درحقیقت ثقہ نہ ہو"

لیکن حضرت عمر کی احتیاط اور دیگر صحابہ کی احتیاط میں فرق تھا، اور صحابہ صرف - راوی کے ثقہ و عدم ثقہ ہونیکا لحاظ رکھتے تھے، لیکن حضرت عمر - راوی کے ثقہ ہونے کے ساتھ بھی اس تباہی پر احتیاط ملحوظ رکھتے تھے کہ راوی نے واقعہ کی پوری حقیقت سمجھی یا نہیں۔ حضرت عائشہ نے اسی بنا پر حضرت ابوسہرہ پر اکثر مواخذات کیے ورنہ حضرت ابوسہرہ کے ثقہ ہونے میں انکو بھی کلام نہ تھا۔

حضرت عمر کی روک ٹوک اور ضبط و احتیاط سے اگرچہ یہ نتیجہ ضرور ہوا کہ حدیثیں کم روایت کی گئیں لیکن جس قدر روایت کی گئیں وہ ہر قسم کے احتمالات سے بے داغ تھیں ان کے بعد اگرچہ احادیث کو بہت وسعت ہو گئی لیکن اعمام اور قوت کا وہ پایہ نہ رہا۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے نہایت سچ لکھا کہ "ہر حدیث صحابہ - عدول اندر روایت ہر مقبول و عمل بموجب پنجہ روایت صدق از نشاں ثابت شود، لازم"

امام ربیعان انجیہ از حدیث و فقہ و وزن فاروق اعظم بود، و انجی بعد وی حادث شدہ فرق مابقی السموات
والارض است۔

حضرت عمرؓ نے احادیث کے متعلق احتیاط اور تشدد کا جو خیال پیدا کیا وہ اگرچہ رواج عام نہ پاسکا لیکن مصنفین صحابہ میں یہ خیال بے اثر نہیں رہا۔ عبداللہ بن مسعود کی نسبت عام شہرہ ہے اور مسند وارمی وغیرہ میں جا بجا تصریح ہے کہ احادیث کی روایت کیوقت اُن کے چہرہ کا رنگ بدل جاتا تھا اور جب آنحضرت کے الفاظ بیان کرتے تھے تو کہتے جاتے تھے کہ آنحضرت نے یہ لفظ فرمایا تھا یا شاید اس کے مشابہ یا اس کے قریب، یا اس کے مثل، ابو درود اور حضرت انس جو بہت بڑے صحابی تھے انکا بھی یہی حال تھا۔ امام شعبی کا بیان ہے کہ میں عبداللہ بن عمر کے ساتھ سال بھر رہا۔ اس مدت میں اُن سے صرف ایک حدیث سُنی۔ ثابت بن قبطۃ الانصاری کی روایت ہے کہ عبداللہ بن عمر مہینہ بھر میں صرف دو تین حدیث روایت کرتے تھے، سائب بن یزید کا قول ہے کہ میں سعد وقاص کے ساتھ مکہ سے مدینہ تک گیا اور آیا، لیکن اُنھوں نے اس مدت میں ایک حدیث بھی روایت نہیں کی، چنانچہ یہ تمام واقعات اور روایتیں صحیح وارمی میں بہت متصل منقول ہیں۔

سند اور روایت کے متعلق۔ حضرت عمرؓ نے جو مقدم اصول قائم کیے، انکو اجمالیوں میں بیان کیا جاسکتا ہے۔
(۱) روایت کا باللفظ ہونا ضروری ہے۔

(۲) محض راوی کا ثقہ ہونا۔ روایت کے اعتماد کے لیے کافی نہیں۔

(۳) خبر واحد۔ میں تائیدی شہادت کی حاجت ہے جسکو محدثین کی اصطلاح میں تابع اور شاہد کہتے ہیں۔

(۴) خبر واحد ہمیشہ قابلِ محبت نہیں ہوتی۔

(۵) روایت کے اعتبار میں۔ موقع اور محل کی خصوصیات کا لحاظ شرط ہے۔

شک ہو تا تھا۔ صحیح بخاری میں خود حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ کو شیخ بدر کے ساتھ بٹھایا کرتے تھے، اسے بعض بزرگوں نے کہا کہ آپ اس نوعمر کو ہمارے ساتھ کیوں لے کر آتے ہیں اور ہمارے لڑکوں کو جو ان کے ہمسایہ ہیں کیوں یہ موقع نہیں دیتے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: ”یہ شخص سچے جسکی قابلیت کم کو بھی معلوم ہے۔“

حدیث عبدالبرہ نے۔ استیجاب میں لکھا ہے۔ کان عمر عجب بن عباس و بزرہ یعنی حضرت عمر ابن عباس کو محبوب رکھتے تھے اور انکو تقرب دیتے تھے، اکثر ایسا ہوتا کہ حضرت عمر کی مجلس میں کوئی مسئلہ پیش ہوتا، عبدالبرہ بن عباس اسکا جواب دینا چاہتے، لیکن کم سن کی وجہ سے جھپکے، حضرت عمر انکی ہمت بندھائے اور فرماتے کہ علم بن کی کمی اور زیادتی پر موقوف نہیں ہے، کوئی شخص اگر عبدالبرہ بن عباس کے اجتہادات کو، حضرت عمر کے مسائل سے ملائے تو صاف نظر آئے گا کہ دونوں میں اتنا اوڑنا کر دکانا سب ہے۔ عبدالبرہ بن عمر حضرت عمر کے فرزند ہی تھے۔ زید بن ثابتؓ رب رسول حضرت عمرؓ کی صحبت میں تحریر کا کام کرتے رہے تھے۔ امام شیبی کا بیان ہے کہ عمر عبدالبرہ بن مسعود اور زید بن ثابتؓ باہم ایک دوسرے سے استفادہ کرتے تھے اور اسی وجہ سے ان کے مسائل باہم ملتے جلتے ہیں۔

محدثین کا عام بیان ہے کہ رسول اللہ کے اصحاب میں چھ شخص تھے جن پر علم فقہ کا مدار تھا۔ عمرؓ،
عبداللہ بن مسعودؓ، ابی بن کعبؓ، زید بن ثابتؓ، ابو موسیٰ اشعریؓ، امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں روایت
کی ہے سِتَّةٌ مِّنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَذْكُرُونَ الْقَوْلَ يَكُونُ عَلَيْهِمْ - علیؓ بن ابی طالبؓ و ابی
وابو موسیٰ جلیلؓ و عمرو زیدؓ و ابن مسعودؓ، یعنی اصحاب رسول اللہ میں سے چھ شخص تھے جو باہم مسائل
فقہ میں بحث و مذاکرہ کرتے تھے علیؓ، ابیؓ - اور ابو موسیٰ اشعریؓ ایک ساتھ، اور حضرت عمرؓ، زیدؓ اور ابن مسعودؓ
ایک ساتھ، صفوان بن سلیم کا قول ہے لیکن یفنی فی رص النبی صلی اللہ علیہ وسلم غیر عمرو علی و

معاد و ابی موسیٰ یعنی آنحضرت کے زمانے میں صرف چار شخص قتلے دیتے تھے شرعی، معاویہ، ابو موسیٰ امام شیعہ کا منقولہ ہے کان العلم وخذ عن سنانہ من الصحابۃ یعنی علم چہ صحابہ سے سیکھا جاتا تھا۔ اگرچہ یہ تجدید، بظاہر مستند بہ معلوم ہوتی ہے کیونکہ تبارہ و صحابہ میں صرف ۴ یا ۵ منہیوں کی تعداد ظاہر تھی اس معلوم ہوتی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ بہت سے سائل ایسے ہیں جن میں حدیث صحیح، صاف و مصرح موجود ہے اور کوئی دوسری حدیث اُس کے معارض بھی نہیں ان مسائل کے یہ فقط احادیث کا جاننا کافی ہے اس کے برخلاف بہت سے سائل ایسے ہیں جسکی نسبت حدیث میں کوئی حکم تصریح موجود نہیں بلکہ تو عہد تنہا کے ذریعہ سے حکم استخراج ہوتا ہے یا حکم کی تصریح ہے لیکن اور حدیثیں اسکی معارض ہیں ایسی صورتوں میں اجتہاد اور استنباط کی ضرورت پڑتی ہے اور فقہاء و اہل اسی کا نام ہے صحابہ میں ایسے بہت سے بزرگ تھے جو پہلی اہم کے مسائل کے متعلق فتوے دیتے تھے اور مفتی کہلاتے تھے چنانچہ اسکی تعداد ۲۰ تک پہنچتی ہے لیکن دوسری قسم کے مسائل کا فیصلہ کرنا انہی لوگوں کا کام تھا جو فن کے بانی اور امام تھے اور اس درجہ کے لوگ وہی چھ بزرگ تھے جنکا ذکر اوپر کرنا۔ شاہ ولی اللہ صاحب چار صاحبوں یعنی عمرہ، علی، ابن مسعود، ابن عباس کا نام لکھ کر لکھتے ہیں۔

یہی ان چار کے سوا باقی دو لوگ تھے مطالب سمجھے لیکن آداب سنن اور ارکان و شرائط اس اسناد و عربی نہیں کر سکے تھے اور جہاں حدیثیں مندرج ہوئی تھیں اور دلائل تھے اہل ہوتا تھا وہاں وہ (بجز بعض بعض مولویوں کے) حل نہیں دیتے تھے مثلاً ابن عمر، عائشہ، زید بن ثابت۔

وَمَا غَيْرُهُمْ كَذَلِكَ الْأَرْبَعَةُ فَكَانُوا أَيْرُونَ دَلَالَةً
وَلَكِنْ مَا كَانُوا يَتَذَكَّرُونَ الرُّكْنَ وَالشَّرْطَ مِنْ
الْأَدَابِ وَالسَّنَنِ وَلَهُ يَكُنْ لَهُمْ قَوْلٌ عِنْدَ
تَعَارُضِ الْأَخْبَارِ وَتَقَابُلِ الدَّلَائِلِ الْفَلْيَبْلَا
كَابَنَ عُمَرَ وَعَائِشَةَ وَزَيْدَ بْنَ ثَابِتٍ

بہر حال مجتہدین صحابہ ۶ سے زیادہ نہ تھے۔ انکی کیفیت یہ ہے کہ حضرت علی کے ہم صحبت اکثر وہ لوگ تھے جو فن حدیث و روایت میں بلند پایہ نہ تھے صحیح مسلم کے مقدمہ میں ہے کہ عہد انشور بن مسعود کے

ساتھیوں کے سوا، حضرت علیؑ سے بس لوگوں نے، رہتیں کیں، اُن پر اعتبار نہیں کیا جاتا تھا، ماؤن بن جبل کہ خود حضرت عمرؓ نے فیلم وروایت کے لئے شام بھیجا تھا لیکن انکا ساتھ میں انتقال ہو گیا، اس لئے جب کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے لکھا ہے حدیث اوپندان باقی نہاؤ، عبداللہ بن مسعودؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ حضرت عمرؓ کے خاص شاگردوں میں تھے، ابو موسیٰ اشعریؓ کو حضرت عمرؓ اکثر تحریر کے ذریعہ سے حدیث فقہہ سائل تسلیم کرتے رہتے تھے۔ زید بن ثابتؓ بھی دراصل حضرت عمرؓ کے مقلد تھے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کہتے ہیں، زید بن ثابتؓ نیز اکثر متبع اوست، ان واقعات سے معلوم ہو گا کہ صحابہ میں جن لوگوں کی فقہ کا رواج ہوا وہ سب حضرت عمرؓ کے تربیت یافتہ تھے۔ حضرت عمرؓ نے مسائل فقہیہ میں جس قدر فکر، غور کیا تھا صحابہ میں سے کسی نے نہیں کیا تھا انھوں نے آواز اسلام ہی سے فقہ کو مطیع نظر نہالیا تھا۔ قرآن مجید میں جو مسائل فقہ مذکور ہیں انہیں جہاں ابہام ہوتا تھا وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لیتے تھے اور جب تک پوری تسلی نہیں ہوتی تھی بس نہیں کرتے تھے یہ بات اور صحابہ کو حاصل نہ تھی کیونکہ اُن کے برابر کوئی شخص رسول اللہ کی خدمت میں کہنے سننے کی جرات نہیں رکھتا تھا، کلام کے مسئلہ کو چاہیکہ دقیق اور نہایت مختلف فیہ مسئلہ ہے انھوں نے آنحضرتؐ سے استفسار بار بار دریافت کیا کہ آپ وہی آگئے اور فرمایا کہ سورہ نسا کی اخیر آیت میرے لئے کافی ہو سکتی ہے

جو مسائل زیادہ مشکل ہوئے انکو یادداشت کی طور پر لکھ لیتے اور ہمیشہ اُن پر غور کیا کرتے، وقتاً فوقتاً اُن کے متعلق جو رائے قائم ہوتی اُسکو قلمبند اور زیادہ غور و فکر سے ہمیں بھی محو اثبات کیا کرتے پھوپھی کی میراث کی نسبت جو یادداشت لکھی تھی اور آخر اُسکو مٹا دیا اسکا حال امام محمدؒ نے موطا میں لکھا ہے۔

تسلطانی نے شرح بخاری میں منہ حوالہ سے نقل کیا ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق حضرت عمرؓ نے تسو مختلف رائیں قائم کیں، بعض بعض مسائل کے متعلق انکو مرتے دم تک کاوش رہی اور کوئی قطعی رائے نہ قائم کر سکے، مسند دارمی میں ہے کہ دادا کی میراث کے متعلق انھوں نے ایک تحریر لکھی تھی لیکن مرتے

کے قریب اُسکو لگو اگر مشاویہ اور کہا کہ آپ لوگ خود اسکا فیصلہ کیجئے گا، اسی کتاب میں یہ روایت بھی ہے کہ جب حضرت عمر رضی ہوئے نوصحابہ کو بلا کر کہا کہ میں نے، ادا کی میراث کی نسبت رائے تمام کی تھی اگر آپ لوگ چاہیں تو اُسکو قبول کریں حضرت عثمان نے کہا آپ کی رائے ہم لوگ قبول کریں تب بھی بہتر ہے لیکن ابوبکر کی رائے مانیں تو وہ بڑے صاحب رائے تھے اکثر کہا کرتے تھے کہ کاش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق کوئی تحریر قلمبند فرما جائے کلامہ واداک کی سیرت ربانی بعض اقسام مسائل فقہیہ کے متعلق ان کو کہہ دو کاوش رہتی تھی اُس کے اندازہ کرنے کے لیے ذیل کی مثال کافی ہوگی۔ ورنہ کے بیان میں خدا ایک قسم کے وارث کو کلامہ سے تعبیر کیا ہے لیکن چونکہ قرآن مجید میں اسکی تعریف مفصل مذکور نہیں۔

اس لیے صحابہ میں اختلاف تھا کہ کلامہ میں کون کون ورنہ داخل ہیں۔ حضرت عمر نے خود حضرت سے چند بار دریافت کیا۔ اسپر تسلی نہیں ہوئی تو حضرت حصہ کو ایک یادداشت لکھ کر دی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دریافت کرنا، پھر اپنی خلافت کے زمانے میں تمام صحابہ کو جمع کر کے اس مسئلہ کو پیش کیا۔ لیکن ان تمام باتوں پر ان کو کافی تسلی نہیں ہوئی اور فرمایا کرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اگر تین چیزوں کی حقیقت بتا جائے تو مجھ کو دنیا اور مایہا سے زیادہ عزیز ہوئی۔ خلافت۔ کلامہ۔ ربا چنانچہ ان تمام واقعات کو محدث علامہ الدین بن کثیر نے صحیح حدیثوں کے حوالہ سے اپنی تفسیر قرآن میں نقل کیا ہے۔

چونکہ ان کے زمانے میں فتوحات نہایت تیزی سے بڑھتی جاتی تھیں اور تھکن روز بروز ترقی کرتا جاتا تھا ایسے نہایت کثرت سے معاملات کی نئی نئی شکلیں پیش آتی جاتی تھیں اگرچہ ہر جگہ قاضی اموی مقرر تھے اور یہ لوگ اکثر اکابر صحابہ میں سے تھے، تاہم بہت سے مسائل میں وہ لوگ عاجز آتے تھے ابوبکرؓ خلافت کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا، اس بنا پر حضرت عمر کو بہت سے پیچیدہ اور غیر منصوص مسائل پر غور فکر کرنے کی ضرورت پیش آئی، ان کے فتوے جو نہایت کثرت سے تمام کتابوں میں منقول ہیں زیادہ تر انہی مسائل کے متعلق ہیں جو ممالک مختلفہ سے ان کے پاس جواب کے لیے آئے، چنانچہ مصنف

مات کی
ہست کی
سے
سکلیں
مسلما ہوا

کر کے
عمر سے
کرا۔

ابن ابی شیبہ وغیرہ میں فتوؤں کے ساتھ فتوے پوچھنے والوں کے نام بھی موجود ہیں مثلاً عبد اللہ بن مسعود
صحابین، یاسر، ابو موسیٰ اشعری، ابو عبیدہ جراح، مغیرہ بن شعبہ وغیرہ۔
حضرت عمرؓ اگرچہ خود بہت بڑے فقیہ تھے اور تنہا انکی رائے بھی فتوے کے لیے کافی ہو سکتی تھی تاہم تعلیم
کے لیے وہ اکثر سال کو عموماً صحابہ کی مجلس میں پیش کرتے تھے اور ان پر نہایت آزادی اور سختہ بنی کے
ساتھ بحثیں ہوتی تھیں، علامہ بلاذری نے کتاب الاشراف میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے کسی ایسے مسئلہ کو
جو ان سے پہلے طے نہیں ہوا تھا بغیر صحابہ کے مشورے کے فیصل نہیں کیا، شاہ ولی اللہ صاحب
حجۃ السد بالہ میں لکھتے ہیں۔

مسجد
سے سنا
طے کرا

حضرت عمرؓ کی عادت تھی کہ صبح سے مشورہ و مشاورت کرتے
تھے وہاں تک کہ پردہ اٹھاتا تھا اور من آجاتا تھا
وہ سے صبح عمرؓ کے مودوں کی تمام سرور و سرور میں
سرور کی گئی

كَانَ مِنْ سِبْطِ عِمْرَانَةَ كَانَ بُنَاوَرًا لِّصَّاحِبِهِ
وَمَا ظَهَرَهُمْ حَتَّىٰ تَنْكَشِفَ الْعَمَةُ وَيَأْتِيَهُ التَّلْمُ
فَصَادَ عَلَیْبُ مَصَابَاهَ وَقَوَاوَاهُ مُسَعَّةً فِي
مَشَارِدِ الْأَرْضِ وَمَعَادِبَهَا۔

سنا
عمرؓ

حضرت عمرؓ نے جن مسائل کو صحابہ کے مجمع میں پیش کر کے طے کیا انکی تعداد کو کچھ کم نہیں اور کتاب و سنت
و آثار میں انکی پوری تفصیل ملتی ہے مثلاً یہی ہے روایت کیا ہے کہ غسل جنابت کی ایک صوت خاص
میں یہی ہے اسکی تصریح بھی کی ہے صحابہ میں اختلاف تھا، حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ مہاجرین اور
انصار جمع کیے جائیں چنانچہ متفقہ مجلس میں وہ مسئلہ پیش ہوا، تمام صحابہ نے ایک رائے پر اتفاق کیا لیکن
حضرت علیؓ اور معاذ مخالف تھے، حضرت عمرؓ نے کہا جب آپ لوگ صحابہ بظہر ہو کر مختلف رائے ہیں تو
آگے چل کر کیا حال ہوگا، غرض ازواج مطہرات کے فیصلے پر معاملہ اٹھا رکھا گیا اور انھوں نے جو فیصلہ کیا
حضرت عمرؓ نے اسی کو نافذ و جاری کروایا۔ اسی طرح جنازہ کی تکبیر کی نسبت صحابہ میں بہت اختلاف تھا۔
حضرت عمرؓ نے صحابہ کی مجلس منعقد کی جس میں یہ فیصلہ ہوا کہ آنحضرتؐ کے اخیر معمول کا پتہ لگایا جائے چنانچہ

ور یافت سے ثابت ہوا کہ جنازہ کی اخیر نماز جو آنحضرت نے پڑھی اسیں چار تکبیریں کہی تھیں اس طرح اور بہت سے مسائل ہیں لیکن تفصیل کا محل نہیں۔

فقہ کے جتنے مسائل حضرت عمر سے روایت صحیحہ منقول ہیں انکی تعداد کسی نہایت کم نہ ہوتی ہے انہیں تقریباً ہزار مسئلے ایسے ہیں جو فقہ کے مقدم اور اہم مسائل ہیں اور ان تمام مسائل میں ائمہ اربعہ نے انکی تفصیل کی ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں وہ نہیں مجتہدین در روس مسائل فقہ تابع مذہب فاروق اعظم اند و این تقریب ہزار مسئلہ باشند تنجیناً۔ مصنف بن ابی شیبہ وغیرہ میں یہ مسائل منقول ہیں اور شاہ ولی اللہ صاحب نے انکی مدد سے فقہ فاروقی پر ایک مستقل سالہ لکھا کہ از الہ اخبار میں مل کر دیا ہے یہ تمام بحث تدوین مسائل کی حیثیت سے تھی، لیکن فن فقہ کے متعلق حضرت عمر کا اصلی کارنامہ اور چیز ہے، انھوں نے صرف یہ نہیں کیا کہ جزیات کی تدوین کی بلکہ مسائل کی تفریع و تنباط کے اصول اور ضوابط و قرار دیے جسکو آجکل اصول فقہ کے نام سے تعبیر کیا جاسکتا ہے۔

سب پہلے مرحلہ یہ تھا کہ آنحضرت سے جو اقوال و افعال منقول ہیں وہ کلیتہً، مسائل کا ماخذ ہو سکتے ہیں یا نہیں کوئی تفریق ہے۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس بحث پر حجت اللہ الباقیہ میں ایک نہایت مفید مضمون لکھا ہے جسکا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت سے جو افعال اور اقوال مروی ہیں انکی دو قسمیں ہیں ایک وہ جو منصب نبوت سے تعلق رکھتے ہیں انکی نسبت خدا کا ارشاد ہے کہ مَا أَنَا لَكُمْ الرَّسُولُ خَلَقَكُمْ وَمَا أَنَا لَكُمْ عِثَّةٌ فَاذْكُرُوا مَا كُنْتُمْ فَعَلْتُمْ اور جس چیز کو کہے وہ لو اور جس چیز سے روکے اُس سے باز رہو۔ دوسری وہ جسکو منصب رسالت سے تعلق نہیں چنانچہ ان کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا:

يُنْيِي بَيْنَ أَدَمِيِّ هَوْنٍ أَيْلَعِي جِبِ دِينِ كِي بَابِ كَيْفِ دُونَ أَوْاسِكُو
لَا أَدْعِبُ ابْنِي رَأَيْتُ كَيْفَ كُنْتُمْ تَرَى بَيْكُونِي هَوْنٍ۔

إِنَّمَا أَنَا بَشَرٌ إِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ دِينِكُمْ فَخُذُوا لَهُ
وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ مِنْ رَأْيِي فَانْتَابُوا بَشَرًا

اس کے بعد شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں کہ آنحضرت نے طب کے متعلق جو کچھ ارشاد فرمایا یا جو

افعال آنحضرت سے عادیہ صادر ہوئے نہ عبادۃ یا اتفاقاً واقع ہوئے نہ قصداً، یا جو باتیں آنحضرت نے فرعون
عوب کے موافق بیان کیں۔ مثلاً ام زرع کی حدیث اور خرافہ کی حدیث، یا جو باتیں کسی جزئی مصلحت کے
مطابق اختیار کیں مثلاً شکر کشی اور اس قسم کے اور بہت سے حکام پر سب و سری قسم میں نخل ہیں
شاہ ولی اللہ صاحب نے احادیث کے مراتب میں جو فرق بتایا اور جس سے کوئی صاحب نظر انکار
نہیں کر سکتا، اس تفریق مراتب کے مجدد و اصل حضرت عمرؓ ہیں کتب سیر اور احادیث میں تم نے اکثر پڑھا
ہوگا کہ بہت سے ایسے موقع پیش آئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کام کرنا چاہا یا کوئی بات ارشاد
فرمائی تو حضرت عمرؓ نے اس کے خلاف رائے ظاہر کی، مثلاً صحیح بخاری میں ہے کہ جب آنحضرتؐ نے عبداللہ
بن ابی کے جنازے پر نماز پڑھنی چاہی تو حضرت عمرؓ نے کہا کہ آپ منافق کے جنازے پر نماز پڑھتے ہیں
تغیباں بدر کے معاملے میں انکی رائے بالکل آنحضرتؐ کی تجویز سے الگ تھی صلح حدیبیہ میں انھوں
نے، آنحضرتؐ کی خدمت میں عرض کیا کہ اس طرح دیگر کیوں صلح کی جائے، ان تمام مثالوں سے تم خود اندازہ
کر سکتے ہو کہ حضرت عمرؓ ان باتوں کو منصب نبوت سے الگ سمجھتے تھے، ورنہ اگر باوجود اس امر کے علم کے
کہ وہ باتیں منصب رسالت سے تعلق رکھتی تھیں، انیں دخل دیتے تو بزرگ ماننا درکنار ہم انکو اسلام کے دائرہ
سے بھی باہر سمجھتے، اسی فرق مراتب کے اصول پر بہت سی باتوں میں جو مذہب سے تعلق نہیں رکھتی تھیں
اپنی رایوں پر عمل کیا مثلاً حضرت ابوبکرؓ کے زمانے تک آنحضرتؐ اولاد یعنی وہ لونڈیاں جن سے اولاد پیدا
ہوئے، برابر خریدی اور بیچی جاتی تھیں حضرت عمرؓ نے اسکو بالکل روک دیا۔ آنحضرتؐ نے جنگ تبوک میں
خریبہ کی تعداد فی کس ایک دینار مقرر کی تھی، حضرت عمرؓ نے مختلف ملکوں میں مختلف شرحیں مقرر کیں آنحضرتؐ
کے عہد میں شرب کی کوئی خاص حد مقرر نہ تھی حضرت عمرؓ نے انہی کو طے مقرر کئے۔

یہ ظاہر ہے کہ ان معاملات میں آنحضرتؐ کے اقوال و افعال، اگر تشریحی حیثیت سے ہوتے تو حضرت
عمرؓ کی کیا مجال تھی کہ انیں کمی بیشی کر سکتے، اور خدا نخواستہ وہ کرنا چاہتے تو صحابہ کا گروہ ایک لفظ کے

بھی مسد خلافت پر انکا بیٹھا کب گوارا کر سکتا تھا،

حضرت عمر کو اس امتیازِ مراتب کی جرات اسوجہ سے ہوئی کہ آنحضرت کے متعدد احکام میں جب انھوں نے دخل دیا تو آنحضرت نے اُس پر ناپسندیدگی نہیں ظاہر کی، بلکہ متعدد معاملات میں حضرت عمر کی رائے کو اختیار فرمایا اور بعض موقعوں پر تو خود وحی الہی نے حضرت عمر کی رائے کی تائید کی قیدیانِ بدرِ حجاب و نوحِ مطہرات - نماز پر جہازہ منافق - ان تمام معاملات میں وحی جو آئی وہ حضرت عمر کی رائے کی موافق آئی۔

اس تفریق اور امتیاز کی وجہ سے فقہ کے مسائل پر بہت اثر پڑا کیونکہ جن چیزوں میں آنحضرت کے ارشادات، منصبِ رسالت کی حیثیت سے نہ تھے، انہیں اس بات کا موقع باقی رہا کہ زمانے اور حالات موجودہ کے لحاظ سے نئے قوانین وضع کیے جائیں، چنانچہ معاملات میں حضرت عمر نے زمانے اور حالات کی ضرورتوں سے، بہت نئے نئے قاعدے وضع کیے جو آج حنفی فقہ میں بحکرت موجود ہیں، برخلاف اس کے امام شافعی کو یہاں تک کہ ہے کہ ترتیبِ نوح، تعیینِ شعائر، تشخیصِ محال وغیرہ کے متعلق بھی وہ آنحضرت کے اقوال کو تشریعی قرار دیتے ہیں اور حضرت عمر کے افعال کی نسبت لکھتے ہیں کہ رسول اللہ کے سامنے کسی کے قولِ فعل کی کچھ اصل نہیں۔

اور احادیث
پر احتجاج
کی بجائے

اس بحث کے بعد دوسرا مرحلہ خبرِ احاد (یعنی وہ حدیث جس کا راوی ایک سے زیادہ نہ ہو) کی حیثیت پر احتجاج کا تھا، بہت سے اکابر اس قسم کی حدیثوں کو یہ درجیتے ہیں کہ ان سے قرآن مجید کی منصوبات پر اثر پڑ سکتا ہے یعنی قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبرِ احاد سے اسکی تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ اس کے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی کا یہی مذہب ہے حضرت عمر کے نزدیک خبرِ احاد ہر موقع پر احتجاج نہیں ہو سکتا۔ اسی بنا پر اذنِ ملاقات - استفاہ جنین، خریداری مکان عباس بن

سہ اصول حدیث میں جس حدیث کے راوی ایک سے زیادہ لیکن تہرت یا تواتر کی حد سے کم ہوں وہ بھی خبرِ احاد میں داخل ہے لیکن یہ صدا

کی اصطلاح ہے حضرت عمر کے زمانے تک اسکا وجود نہ تھا ۱۲

عبدالملک بن عیسیٰ نے بتائے کہ میں نے انہوں نے عمار بن یاسرؓ اور موسیٰ اشعریؓ وغیرہ بن شعبہؓ، ابی بن کعبؓ کی روایت پر کہ اس وقت تکساقی بل جنت نہیں قرار دیا جب تک اور زائیدی شہادتیں نہیں گزریں، چنانچہ ان کے الفاظ میں ان واقعات کو انصاف سے لکھا ہے۔ اسی بنا پر وہ خبر احاد سے قرآن مجید کی تفسیر تخصیص کو جائز نہیں قرار دیتے۔ تھے۔ غلطہ بنت قیس نے جب زن مطلقہ کی سکونت اور نفقہ کے متعلق اپنی روایت سے اسنن کی روایت بیان کی تو چونکہ حضرت عمرؓ کے نزدیک وہ حکم قرآن مجید کی نص کے مخالف تھا فرمایا کہ ایک ہجرت کی روایت سے قرآن کا حکم نہیں بدل سکتا۔

امام شافعیؒ اور ان کے ہم خیالوں کا یہ استدلال ہے کہ خود حضرت عمرؓ نے بہت سے واقعات میں اخبار احاد کو قبول کیا، لیکن امام صاحب نے یہ نہ خیال کیا کہ اس سے حضرت عمرؓ کے اصول میں فرق نہیں آتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ مذہب ہے کہ ہر خبر احاد قابل احتجاج نہیں، نہ یہ کہ کوئی خبر احاد قابل احتجاج نہیں۔ ان دونوں صورتوں میں بہ فرقت ہے وہ ظاہر ہے، بہت سے واقعات ایسے ہوتے ہیں کہ انہیں تنہا ایک شخص کی شہادت کافی ہوتی ہے، چنانچہ روزمرہ کے کاموں میں ہر شخص اسی پر عمل کرتا ہے، لیکن بعض واقعات ایسے اہم اور نازک ہوتے ہیں جن کی نسبت ایک دو شخص کی شہادت کافی نہیں ہوتی، بلکہ یا احتمال تھا ہے کہ انہوں نے الفاظ روایت، یا واقعہ کی کیفیت سمجھنے میں غلطی ہو، غرض ہر واقعہ اور ہر راوی کی حالت اور حیثیت مختلف ہوتی ہے اور اسوجہ سے کوئی عام قاعدہ نہیں قرار پا سکتا۔ حضرت عمرؓ نے بے شبہ بہت سے موقعوں پر اخبار احاد سے استدلال کیا، لیکن متعدد موقعوں پر اس کے خلاف بھی کیا۔ اس طریق عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اخبار احاد میں خصوصیت حالات کو ملحوظ رکھتے تھے، اخبار احاد کے متعلق فقہاء محدثین میں سخت اختلاف آ رہا ہے اور بڑی بڑی طویل بحثیں پیدا ہو گئی ہیں، لیکن جہاں تک ہم نے ان تمام بحثوں کو دیکھا ہے حضرت عمرؓ کے مذہب میں جو نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی پائی جاتی ہے اسکی نظیر کہیں نہیں ملتی، لیکن اس موقع پر یہ تنبیہ کر دینی ضرور ہے کہ اخبار احاد کے قبول کرنے یا نہ کرنے میں حضرت عمرؓ کا جو اصول تھا

اسکی بناء پر تحقیق ہی تھی۔ اس زمانے کے آزادوں کی طرح نفس کی پیروی مقصود نہ تھی کہ جس حدیث
 لوچا یا صحیح مان لیا اور جسکو چاہا غلط کہہ دیا۔ کابریا کان را قیاس را ز خود گمیرد، مگر یہ ماندر، نوشتن شیر و شیر
 نقد کی توسیع اور تمام ضروریات کے لیے اسکا کافی ہونا، قیاس پر موقوف ہے۔ یہ ظاہر ہے کہ قرآن مجید
 اور احادیث میں تمام جزئیات مذکور نہیں ہیں، اس لیے ضرور ہے کہ اذن جزئیات کے فیصلہ کرنے کے لیے
 قیاس شرعی سے کام لیا جائے، اسی ضرورت سے ائمہ اربعہ نے امام ابو حنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد
 حنبل، سب قیاس کے قائل ہوئے ہیں اور ان کے مسائل کا ایک بڑا ماخذ قیاس ہے، لیکن قیاس کی بنیاد
 اول جسے ڈالی وہ حضرت عمر فاروق ہیں۔

عام لوگوں کا خیال ہے کہ قیاس کے موجد معاذ بن جبل ہیں، ان لوگوں کا استدلال یہ ہے کہ جب حضرت عمر فاروق نے معاذ
 کو بین بھیا تو ان سے استفسار فرمایا کہ کوئی مسئلہ پیش آئیگا تو کیا کر گے، انھوں نے کہا کہ قرآن مجید سے
 جواب دوں گا، اور اگر قرآن و حدیث میں وہ صورت مذکور نہ ہوگی تو اجتہاد کروں گا، لیکن اس سے پیشل
 نہیں ہو سکتا کہ انکی مراد قیاس سے تھی۔ اجتہاد۔ قیاس پر منحصر نہیں، ابن خرم و او و ظاہری
 وغیرہ سرے سے قیاس کے قائل نہ تھے حالانکہ اجتہاد کا درجہ رکھتے تھے اور مسائل شرعی میں اجتہاد
 کرتے تھے۔ سند دارمی میں بسند مذکور ہے کہ حضرت ابوبکر کا معمول تھا کہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو قرآن مجید
 کی طرف رجوع کرتے، قرآن میں وہ صورت مذکور نہ ہوتی، تو حدیث سے جواب دیتے، حدیث بھی نہ ہوتی تو انکا
 صحابہ کو جمع کرتے اور ان کے اتفاق رائے سے جو امر قرار پاتا اس کے مطابق فیصلہ کرتے۔ اس سے بھی
 ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابوبکر کے زمانے تک مسائل کے جواب میں قرآن مجید، حدیث، اور اجماع کا نام
 لیا جاتا تھا۔ قیاس کا وجود نہ تھا۔

حضرت عمر نے ابو موسیٰ اشعری کو قضا کے متعلق جو تحریر بھیجی اس میں قیاس کی صاف ہدایت کی گئی تھی۔

اُس کے یہ الفاظ ہیں۔

الْقَبْرُ الْعَمِيْرُ مَا تَحْمِلُهُ فِي صَدْرِكَ مِمَّا ارْتَمَلْتَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَنِ تَعْرِفِ الْاَمْثَالَ وَ الْاَشْبَاهَ ثُمَّ يَنْتَهِى الْاَمُوْر عِنْدَ ذَلِكَ	جویر کم کر اس وحدت میں نہ سے اور تم کو اسکی نسبت شدہ ہوا سیر جو کر اور جو ہو کر جو کر اسکی ہم صوت اور ہم گل اعات کو دہانت کو بھراں قیاس۔
--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

اصول فقہ کی کتابوں میں قیاس کی یہ تعریف لکھی ہے۔

تَعْرِفُ الْحُكْمَ مِنَ الْاَوْصَالِ اِلَى الْقَدْرِ لِيُحَدِّثَكَ اَمَّا هَلْ كَوْنُ مَكْتَبِهَا كَمَا هِيَ عِلْمٌ بِهَا وَدَوَّارِهَا	اس کے حکم کو فرع مک مکتبہ کسی اسی علف کتبہ دوا ہر شکر
--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-------------------------------------------------------

نسخۂ انخرفت نے گیدہں۔ جو۔ وغیرہ کا نام لیکر فرمایا کہ ”انکو برابر پر دو برابر سے زیادہ لوگے تو سود ہو جائیگا۔“
اس مسئلے میں قیاس اس طرح جاری ہوگا کہ انخرفت نے گوچند حاصل استیاء کے نام دیئے۔ لیکن یہ حکم ان
تمام استیاء میں جاری ہوگا جو مقدار اور نوعیت رکھتے ہیں، مثلاً اگر کوئی شخص کسیکو سیر بھر چوٹے، اور اس سے
اُن کی تمام کاچہ نہ سوا سیر لے یا سیر بھر ہی لے لیکن اُس سے عمدہ قسم کا لے تو سود ہو جائیگا۔

اسولیتین کے نزدیک قیاس کے پئے مقدم دو شرطیں ہیں (۱) جو مسئلہ قیاس سے ثابت کیا جائے
وہ منصوص نہ ہو یعنی اُس کے بارے میں کوئی خاص حکم موجود نہ ہو (۲) مقیس اور مقیس علیہ میں علت مشترک
حضرت عمر کی تحریر میں۔ ان دونوں شرطوں کی طرف اشارہ بلکہ تصریح موجود ہے۔ پہلی شرط کو ان
الفاظ میں بیان کیا مِمَّا ارْتَمَلْتَ فِي الْكِتَابِ وَالسُّنَنِ اور دوسری شرط ان الفاظ سے ظاہر ہوتی ہے
وَأَعْرِفِ الْاَمْثَالَ وَالْاَشْبَاهَ ثُمَّ يَنْتَهِى الْاَمُوْر۔

ان نہات اصول کے سوا، حضرت عمر نے استنباط احکام اور تفریع مسائل کے اور بہت سے قاصد
مقرر کئے جو آج ہمارے علم اصول فقہ کی بنیاد ہیں۔ لیکن انکی تفصیل سے پہلے ایک نکتہ سمجھ لینا چاہئے
یہ امر مسلم ہے کہ امام ابوحنیفہ و امام مالک وغیرہ مسائل فقہ میں نہایت مختلف رہ گئے ہیں، اس
اختلاف رائے کی وجہ کس کہیں تو یہ ہے کہ بعض مسائل میں ایک صاحب کو حدیث صحیح ملی اور دوسرے

بلکہ
فہم

نہیں، لیکن عموماً اختلاف کا یہ سبب ہے کہ ان صاحبوں کے اصول استنباط و اجتہاد مختلف تھے۔ چنانچہ فقہاء
فقہ کی کتابوں میں ان مختلف فیہ اصولوں کو تفصیل لکھا ہے۔ لیکن اُس سے یہ نہیں لکھا جاسیے کہ ان
ائمہ نے صراحتاً وہ اصول بیان کیے تھے، امام شافعی نے بے شمار ایک رسالہ لکھا ہے، میں اپنے چاروں
منضبط کیے ہیں، لیکن امام ابو حنیفہ و امام مالک وغیرہ سے ایک قوادہ بھی صراحتاً مندرج نہیں۔ بلکہ ان
بزرگوں نے سائل کو جس طرح استنباط کیا یا مسائل کے متعلق جو تقریر کی اُس سے ثابت ہوتا ہے کہ
انکا استنباط خواہ مخواہ ان اصول کی بنا پر ہے۔ مثلاً ایک امام نے قرآن کی اس آیت سے ادا قرئی الخوان
فاستمعوا للہ و انصتوا استدلال کیا کہ مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت فاتحہ نہ کرنا چاہیے۔ کسی نے اُن
سے کہا کہ یہ آیت تو خطبہ کے بارے میں اُتری تھی انھوں نے کہا کہ آپ کسی بات سے اُتری ہو لیکن
حکم عام ہے، اس سے صاف معلوم ہوا کہ وہ اس اصول کے قائل تھے الحدیث۔ ہم اللفظ الخاص
السبب یعنی سبب کا خاص ہونا۔ حکم کی تعلیم پر کچھ اثر نہیں کرتا

اصول فقہ میں امام ابو حنیفہ وغیرہ کے جو اصول مذکور ہیں وہ اسی قسم کی اصولوں سے منضبط کیے
گئے ہیں ورنہ ان بزرگوں سے صراحتاً یہ قاعدے کہیں منقول نہیں۔

حضرت عمر کی نسبت ہمارا یہ دعوے کے کہ انھوں نے استنباط مسائل کے اصول قائم کیے اور بنا
پر ہے، اکثر مسائل جو انھوں نے طے کیے صحابہ کے مجمع میں بحث و مناظرہ کے بعد طے کیے، ان
موقعوں پر انھوں نے جو تقریریں کیں، ان کے استقصاء سے بہت سے اصول قائم ہو سکتے ہیں۔ اکثر
مسائل میں تناقض روایتیں یا مآخذ استدلال موجود ہوتے تھے ایسے اُن کو فیصلہ نہ کرنا پڑتا تھا کہ وہ
میں سے کسکو ترجیح دیجائے۔ کسکو مانع ٹھیرایا جائے کسکو منسوخ، کس کو عام قرار جائے، کسکو
خاص، کسکو موقت مانا جائے، کسکو مؤبد، اس طرح نسخ، تخصیص، تطبیق وغیرہ کے متعلق بہت سے اصول
قائم ہو گئے، عام طور پر فتوے دیے کیونکہ بھی انکی تقریر سے اکثر کسی اصول کی طرف اشارہ پایا جاتا تھا

سے حضرت عمر کے کمال اجتہاد کا اندازہ ہوتا ہے۔

انہیں سے بعض مسائل کا ذکر ہم اس موقع پر کرتے ہیں۔

ایک بڑا مسئلہ آلا را مسئلہ خمس کا ہے، قرآن مجید میں ایک آیت ہے۔

وَأَعْلَمُوا أَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِنْ شَيْءٍ فَإِنَّ لِلَّهِ خُمُسَهُ

وَلِلرَّسُولِ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينِ

وَأَبْنِ السَّبِيلِ

جو کچھ تم کو جہاد کی لڑائی میں لقمہ آئے اس کا پانچواں حصہ اللہ کے لیے ہو اور

پیغمبر کے لیے اور رشتہ داروں کے لیے اور یتیموں کے لیے اور غریبوں

کے لیے اور مسافروں کے لیے۔

اس آیت سے ثابت ہوتا ہے کہ خمس میں رسول اللہ کے رشتہ داروں کا بھی حصہ ہے چنانچہ حضرت

عبد العبد بن عباس جو صحابہ میں دیر پائے علم کہلاتے تھے نہایت زور کے ساتھ اس آیت سے خمس

استدلال کرتے تھے حضرت علیؑ نے اگرچہ صلح بنو ہاشم کو خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ لیکن رائے ان

کی بھی یہی تھی کہ بنو ہاشم واقعی ہمدار ہیں، یہ صرف حضرت علیؑ و عبد العبد بن عباس کی رائے نہ تھی

بلکہ تمام اہلبیت کا اس مسئلہ پر اتفاق تھا، ائمہ مجتہدین میں سے امام شافعی اسی مسئلہ کے قائل تھے اور

اپنی کتابوں میں بڑے زور شور کے ساتھ اس پر استدلال کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کی نسبت لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرابت داران پیغمبر کو مطلقاً خمس کا حقدار نہیں سمجھتے

تھے چنانچہ انھوں نے اہلبیت کو کبھی خمس میں سے حصہ نہیں دیا۔ ائمہ مجتہدین سے امام ابو حنیفہ بھی

ذوی القربی کے خمس کے قائل نہ تھے، انہی رائے تھی کہ جس طرح آنحضرت کے بعد آنحضرت کا حصہ جاتا رہا

اسی طرح آنحضرت کے قرابت داروں کا حصہ بھی جاتا رہا۔ اب ہلکے غور کے ساتھ دیکھنا چاہیے کہ قرآن مجید سے

کیا حکم نکلتا ہے، اور رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا۔

قرآن مجید کی عبارت سے صرف اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ مجموعی طور پر پانچ گروہ خمس کے مصرف

ہیں لیکن اُس سے یہ نہیں ثابت ہوتا کہ فرداً فرداً ہر گروہ میں تقسیم کرنا فرض ہے۔ قرآن مجید میں جہاں زکوٰۃ کے مصارف بیان کیے ہیں وہاں بھی بعینہ اسی قسم کے الفاظ ہیں اِنَّمَا الصَّدَقَاتُ لِلْفُقَرَاءِ وَالْمَسْكِينِ وَالْعَامِلِينَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفِينَ قُلُوبُهُمْ فِي الرِّقَابِ وَالْغَارِمِينَ وَفِي سَبِيلِ اللَّهِ وَابْنِ السَّبِيلِ اِمْسِكُوهُ کے مصارف آٹھ گروہ قرار دیے ہیں فقیر، مسکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے۔ مولفۃ اقلوب قیدی رخصت کر دینا مسافر، انیس سے جبکہ زکوٰۃ دی جائے ادا ہو جائیگی یہ ضرور نہیں کہ خواہ مخواہ آٹھوں گروہ پیدا کیے جائیں۔ آٹھوں گروہ موجود بھی ہوں تب بھی یہ لحاظ کیا جائیگا کہ کون فرقہ اس وقت زیادہ مدد کا محتاج ہے کون کم اور کون بالکل نہیں۔ اور اسی اعتبار سے کسی کو زیادہ دیا جائیگا۔ کسی کو کم۔ اور کیونکہ بالکل نہیں۔ یہ التزام مالا یا نام صرف امام شافعی نے اضرائع کیا ہے کہ آٹھ برابر جتھے کیے جائیں اور آٹھوں گروہ کو ضرورت بے ضرورت بے کم و بیش تقسیم کیا جائے اسی طرح خمس کے مصارف جو خدا نے بنائے اُس سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ خمس، ان لوگوں کے سوا، اور کیونکہ دیا جائے، یہ نہیں کہ خواہ مخواہ اُس کے پانچ برابر جتھے کیے جائیں اور پانچوں فرقوں کو برابر دیا جائے۔ اب دیکھو رسول اللہ کا طریق عمل کیا تھا؟ احادیث و روایات کے استقرار سے جو کچھ ثابت ہوتا ہے یہ ہے۔

(۱) ذوی القربی میں سے آپ صرف بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے، بنو نوفل و بنو عبد شمس حالانکہ ذوی القربی میں داخل تھے، لیکن آپ نے انکو باوجود طلب کرنے کے بھی کچھ نہیں دیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو علامہ ابن القیم نے زاوالمعاد میں کتب حدیث سے تفصیل نقل کیا ہے۔

(۲) بنو ہاشم و بنو مطلب کو حصہ دیتے تھے وہ سب کو ساویانہ نہیں دیتے تھے، علامہ ابن القیم نے زاوالمعاد میں لکھا ہے۔

لیکن دو قسموں اور عربوں کو برابر تقسیم کر کے
تھے۔۔۔ سیرات کے حامد سے قسم کر کے تھے

وَلَكِنْ لَمْ يَكُنْ يُفَسِّمُهُ بَيْنَهُمْ عَلَى السَّوَاءِ بَلْ
اغْنَاهُمْ وَفَرَّاهُمْ وَلَا كَانَ يُفَسِّمُهُ قِسْمَةً

<p>الميراث بل كان يصرفه فيهم بحسب المصلحة والحاجة فيزوج منهم اعزهم ويقتضي منه عن غارمهم ويغطي منه فقيرهم كفايته</p>	<p>تھے بلکہ مصلحت اور ضرورت کے موافق عطا فرماتے تھے اپنی کنواروں کی نشادی کرتے تھے مقرضوں کا قرضہ ادا فرماتے تھے غریبوں کی قدرداشت دیتے تھے۔</p>
---------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	--------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

ان واقعات سے اولاً تو یہ ثابت ہوا کہ ذوی القربی کے لفظ میں تعمیم نہیں ہے، ورنہ بنو نفل اور بنو عبد شمس کو بھی آنحضرتؐ حصہ دیتے کیونکہ وہ لوگ بھی آنحضرتؐ کے قرابتدار تھے۔ دوسرے یہ کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب کی تمام افراد کو مساوی طور سے حصہ نہیں ملتا تھا۔

حضرت عمرؓ نے جہاں تک صحیح روایتوں سے ثابت ہے، بنو ہاشم اور بنو مطلب کا حق بحال رکھا لیکن وہ دو باتوں میں ان سے مخالف تھے۔ ایک یہ کہ وہ یہ نہیں سمجھتے تھے کہ خمس کا پورا پانچواں حصہ ذوی القربى کا حق ہے، دوسرے یہ کہ وہ مصلحت اور ضرورت کے لحاظ سے کم و بیش تقسیم کرنا، خلیفہ وقت کا حق سمجھتے تھے۔ برخلاف اس کے عبداللہ بن عباس وغیرہ کا یہ دعوئے تھا کہ پانچواں حصہ پورے کا پورا انہیں ذوی القربی کا حق ہے اور کسی کو اس کی قسم کے تصرف کا حق حاصل نہیں۔ تاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں اور نسائی نے اپنی صحیح میں عبداللہ بن عباس کا یہ قول نقل کیا ہے۔

<p>عَرَضَ عَلَيْنَا عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ أَنَّ تَزْوِجَ مِنَ الْخَمْسِ إِلَيْنَا وَلِقَضَى مِنْهُ عَنْ مَعْرُوفِنَا كَابَيْنَا إِلَّا أَنْ يَسْمُوهُ لَنَا وَإِلَى ذَلِكَ عَلَيْنَا</p>	<p>عمر بن الخطاب نے یہ بات ہم لوگوں کے سامنے پیش کی تھی کہ ہم لوگوں کے مال سے اپنے بیواؤں کے نکاح اور متروکوں کے اولاد کے فرض کے معارفہ لیا کر دینا ہم خود اس کی تسلیم نہیں کرتے تھے کہ سب ہمارے میں یہ بیکار عمر کا سونپنا</p>
----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------	-----------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------------

اور روایتیں بھی اسی کے موافق ہیں۔ صرف کلبی کی ایک روایت ہے کہ حضرت ابو بکر و عمرؓ نے ذوی القربی کا حق مطلقاً ساقط کر دیا تھا لیکن کلبی نہایت ضعیف الراوی ہے، اس لیے اس کی روایت کا اعتبار نہیں کیا جاتا۔

قرآن مجید کے فحویٰ اور آنحضرت کے طریقِ عمل کو منطبق کر کے دیکھو تو ساف ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے جو کچھ کیا وہ بالکل قرآنِ حدیث کے مطابق تھا۔ امام شافعی وغیرہ بات کا کوئی نبوت نہیں مٹیں کر سکتے تھے، آنحضرتؐ ہمیشہ یوں پانچواں حصہ دیتے تھے قرآن مجید سے یہ تعین تحدید بالکل ثابت نہیں ہوتی۔ باقی ذوی القربیٰ کا غیر منطبق تو اس سے حضرت عمرؓ کو ہرگز انکار نہ تھا۔ اب اصولِ عقلی کے لحاظ سے اس سلسلے کو دیکھو، یعنی جس میں آنحضرتؐ اور آنحضرت کے قرابتداروں کا حصہ قرار پایا اس اصول کی بنا پر تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ تبلیغِ حکام اور مہات رست کے انجام دینے کی وجہ سے ساش کی تدابیر میں مشغول نہیں ہو سکے تھے، ایسے ضرورت تھا کہ ملک کی آمدنی میں سے کوئی حصہ آپ کے۔ یہ مخصوص کر دیا جائے، اسوقت مالِ غنیمت نے انفال بت ہی آمدنیاں تھیں، چنانچہ ان سب میں سے نالے آپ کا حصہ مقرر کیا تھا جس کا ذکر قرآن مجید کی مختلف آیتوں میں ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے پادشاہ کے ذاتی مصارف کے لئے خالصہ مقرر کر دیا جاتا ہے ذوی القربیٰ کا حق ایسے قرار دیا گیا تھا کہ ان لوگوں نے ابتداء سے اسلام میں آنحضرتؐ کا ساتھ دیا تھا چنانچہ ان کا حصہ زیادہ محبوب کیا تو تمام بنو ہاشم نے جہیں وہ لوگ بھی شامل تھے جو اسوقت تک اسلام نہیں لائے تھے، آنحضرتؐ کا ساتھ دیا اور جب آنحضرتؐ مکہ سے نکل کر ایک پہاڑ کے درے میں پناہ گزیں ہوئے تو سب بنی ہاشم بھی ساتھ گئے۔

اس سار پر آنحضرتؐ اور ذوی القربیٰ کے لیے جو کچھ مقرر تھا، وقتی ضرورت اور مصلحت کے لحاظ سے تھا۔ لیکن یہ قرار دینا کہ قیامت تک آپ کے قرابتداروں کے لئے پانچواں حصہ مقرر کر دیا گیا ہے۔ اور گوان کی نسل میں کسی قدر ترقی ہو، اور گو وہ کتنے ہی دولت مند اور غنی ہو جائیں تاہم ان کو یہ رقم ہمیشہ ملتی ہے کئی ایسا قاعدہ ہے جو اصولِ تمدن کے بالکل خلاف ہے، کون شخص یقین کر سکتا ہے کہ ایک سچا بانی شریعت، یہ قاعدہ بنایا گیا کہ اس کی تمام اولاد کے لئے قیامت تک ایک معین رقم ملتی ہے اگر کوئی بانی شریعت ایسا کرے تو اس میں اور غرض بہتوں میں کیا فرق ہوگا حضرت علی و عبد اللہ بن عباس جو جس کے مدعی تھے ان کا بھی یہ مقصد ہرگز نہیں ہو سکتا تھا کہ یہ حق قیامت تک کے لئے ہو بلکہ جو لوگ آنحضرتؐ کے زمانے کے باقی رہ گئے تھے انہی کی نسبت انکو ایسا حق ہو گا۔

ایک اور تہم با نشان مسئلہ فحے کا ہے، یعنی وہ زمین یا جاہد جو کو مسلمان نے فتح کیا ہو۔ یہ مسئلہ استفادہ سرکرتہ آثار ہے کہ صحابہ کے عہد سے آج تک کوئی قطعی فیصلہ نہیں ہوا۔ باغ فدک کی عظیم الشان بحث بھی اسی مسئلے کی ایک فرع ہے۔

بڑا خلط مبعوث ہمیں اسوجہ سے ہوا کہ فحے کے قریب المعنی اور جہالفاظ تھے یعنی بغل غنیمت، سلب انہیں لوگ تفرقہ نہ کر سکے۔ ہم اس بحث کو نہایت تفصیل سے لکھتے ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ اسلام سے پہلے عرب میں دستور تھا کہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا۔ تمام لڑنے والوں کو برا بھلا تقسیم کر دیا جاتا تھا۔ سرور قبیلہ کو اللہ سب زیادہ یعنی چوتھ ملتا تھا۔ آنحضرت مبعوث ہوئے تو ابتداء میں جس طرح اور بہت سی قدیم رسمیں قائم رہیں یہ قاعدہ بھی کسی قدر تخریج صورت کے ساتھ قائم رہا، چنانچہ لڑائی کی فتح میں جو کچھ آتا تھا، غازیوں پر تقسیم ہو جاتا تھا، چونکہ قدیم سے یہی طریقہ جاری تھا اور جناب رسول اللہ کے عہد میں بھی قائم رہا اسی لئے لوگوں کو خیال ہو گیا کہ مال غنیمت غازیوں کا ذاتی حق ہے اور وہ اُس کے پانی کا ہر حالت میں دعوے کر سکتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دفعہ اسیر جھگڑا اٹھا۔ جنگ بدر میں جب فتح حاصل ہو چکی تو کچھ لوگ کفار کا تعاقب کرتے ہوئے دور تک چلے گئے کچھ لوگ آنحضرت کی خدمت میں حاضر رہے تعاقب کرنے والے واپس آئے تو انھوں نے دعوے کیا کہ غنیمت ہمارا حق ہے کیونکہ ہم دشمن سے لڑ کر آئے ہیں ان لوگوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ کے محافظ تھے، اس لئے ہم زیادہ حقدار ہیں اسیر یہ آیت نازل ہوئی

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ - قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ

تجہ سے لوگ، مال غنیمت کی نسبت پوچھتے ہیں۔ تو کہہ دے کہ وہ

خدا اور رسول کی ملک ہے۔

اللہ والرسول۔

اس آیت نے اس اصول کو شاد کیا کہ تمام مال غنیمت لڑنے والوں کا خاص حق ہے اور منسہر کو اس میں کسی قسم کے تصرف کا اختیار نہیں لیکن اس آیت میں غنیمت کے مصارف نہیں بیان کیے گئے تھے پھر یہ آیت اُتری

لے زاد اسما دین تیم جلد ثانی صفحہ ۱۵۰ مکتبہ حدیث میں بھی یہ روایت مذکور ہے ۱۲

وَأَعْلَمُوا أَلَمَّا عَنِتُّمْ مِنْ نَبِيِّ فَإِنَّ لِلَّهِ حَسْبُكَ وَ
لِيَسْئُلَ وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالنَّسَائِكِ وَالنَّسَائِكِ
وَأَبْنِ السَّيْلِ

ماں کو کہ کوئی جرح و عنیت میں ہاتھ آئے تو مسکا یا جھکاں جھکے سنے
ہے، اور تمہارے لئے اور رشتہ داروں کے لئے اور یتیموں کے
بچے اور سکھوں کے لیے اور مسکروں کے بچے

اس آیت سے یہ قاعدہ قائم ہوا کہ مال غنیمت کے پانچ حصے کئے جائیں۔ چار حصے مجاہدین کو تقسیم
کیے جائیں اور پانچویں حصے کے پھر پانچ حصے ہو کر آنحضرت اور ذوی القربیٰ اور مساکین وغیرہ کے مصارف
میں آئیں۔ لیکن یہ تمام احکام، نقد و اسباب سے متعلق تھے، زمین اور عبادتوں کے لئے کوئی قاعدہ
ہیں قرار پایا تھا۔ غزوہ نبی نصیر میں جو شہہ میں واقع ہوا۔ سورہ حشر کی یہ آیت اتری۔

سَاءَ مَا عَدَّ اللَّهُ عَلَىٰ رَسُولٍ مِّنْ أَهْلِ الْقُرَىٰ ذَلِيلًا وَلِلَّهِ السَّيْلُ
وَلِذِي الْقُرْبَىٰ وَالنَّسَائِكِ وَالنَّسَائِكِ وَالنَّسَائِكِ
لِيُفْقَرَا فِي الْمَاهِجِ وَالْأَيِّمِ الْأَحْزَابِ مَرَّةً بَارِعَةً
وَالَّذِينَ آمَنُوا مِن بَنِي هَارِبٍ

مسی حوزیں، باغداد، امانتہ آئے، وہ تھا اور تمہارے اور
متنوں، اور سکھوں، اور ساروں، اور غنیمتوں
جہاں سے اور ان سب لوگوں کی ہے جو آم د
وہاں سے آئیں۔

اس سے یہ نتیجہ نکلا کہ جو زمین فتح ہو وہ تقسیم نہیں کی جائیگی، بلکہ بطور وقف کے محفوظ رہیگی اور اس کے
سنانے سے تمام موجودہ اور آئندہ مسلمان شریعت ہوں گے۔ یہ ہے حقیقت نفل اور غنیمت اور فتنے کی
ان احکام میں لوگوں کو چند مطالعے پیش آئے۔ سب سے پہلے یہ کہ لوگوں نے غنیمت اور فتنے
کو ایک سمجھا، ایسے مجتہدین میں سے امام شافعی کی بھی یہی رائے ہے اور ان کے مذہب کے موافق زمین
منفوتہ اسی وقت مجاہدین کو تقسیم کر دینی چاہیے۔ تمام و عراق جب فتح ہوئے تو لوگوں نے اسی بنا پر حضرت
عمرؓ سے درخواست کی کہ ممالک منفوتہ انکو تقسیم کر دیئے جائیں چنانچہ عبدالرحمن بن عوف، زبیر بن العوام،
بلال بن رباح نے سخت اصرار کیا۔ لیکن حضرت عمرؓ نے نہ مانا۔ اس پر حبیبیہ کہ ہم صیغہ محصل میں کچھ آئے
ہیں، بہت بڑا مجمع ہوا، اور کئی دن تک بحثیں رہیں۔ آخر حضرت عمرؓ نے آیت مذکورہ بالا سے استدلال کیا

اور آیت کے یہ الفاظ وَالَّذِينَ جَاءُوا مِنْ بَعْدِهِمْ پڑھ کر فرمایا کہ۔

تو یہ تمام آئندہ آنیوالوں کے لیے ہے۔ اور اس بنا پر یہ مہاکبت م
لوگوں کا حق پھر سے پھر یہ کہ جو ہو سکتا ہے کہ میں موجودہ لوگوں کو
تقسیم کروں اور ان لوگوں کو خود قسم کردوں جو آئندہ پیدا ہوں گے۔

امام شافعی اور ان کے پیروکاروں کا بڑا استدلال یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کی زمین کو مجاہدین پر تقسیم کر دیا
تھا لیکن وہ یہ نہیں خیال کرتے کہ خیبر کے بعد اور مقامات بھی تفرق ہوئے یہاں تک کہ آنحضرتؐ کے
انتقال سے پہلے تمام عرب پر قبضہ ہو چکا تھا لیکن آنحضرتؐ نے کہیں چتہ پھر بھی زمین تقسیم کی؟
اسی سلسلے میں باغ فدک کا معاملہ بھی ہے جو مدت تک سحرۃ الارار رہا ہے ایک فرقہ خیال
ہے کہ یہ باغ، خاص آنحضرتؐ کی جائداد تھی کیونکہ اسپر چڑھائی نہیں ہوئی تھی، بلکہ وہاں کے لوگوں نے
خود آنحضرتؐ کو سپرد کر دیا تھا اور اس وجہ سے وہ اس آیت کے تحت میں ذیل ہے۔

وَمَا آتَاكَ اللَّهُ عَلَى رَسُولِهِ مِنْهُمْ فَمَا آوَجَعْتُمْ عَلَيْهِ
مِنْ خَيْلٍ وَلَا رِكَابٍ وَلَكِنَّ اللَّهَ يُسَلِّطُ رُسُلَهُ
عَلَىٰ مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ

یعنی جو کچھ اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے دلوایا تو تم لوگ اس پر
اوٹ یا گھوڑے دو کر نہیں گئے تھے، لیکن اللہ نے اپنے پیغمبر کو چیر
چاہتا ہے تسلط کر دیتا ہے اور خدا ہر چیز پر قادر ہے۔

اور جب وہ آنحضرتؐ کی ملوکہ خاص ٹھہری تو آپس درنتہ کا عام قاعدہ، جو قرآن مجید میں مذکور ہے
ہوگا، اور آنحضرتؐ کے ورثہ اس کے مستحق ہونگے، لیکن حضرت عمرؓ نے، باوجود حضرت علیؓ کے طلب و تقاضا
کے آل نبی کو اس سے محروم رکھا۔

یہ بحث اگرچہ طرفین کی طبع آزمائیوں میں بہت بڑھ گئی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ بات نہایت مختصر تھی
اور اب جبکہ سیاستِ مدن کے اصول، زیادہ صاف اور عام فہم ہونگے ہیں یہ سلسلہ اس قابل بھی نہیں ہا

کہ بحث کے دائرے میں لایا جائے۔ اصل یہ ہے کہ نبی، یا امام، یا بادشاہ کے قبضہ میں جو مال یا جائداد ہوتی رہی اسکی دو قسمیں ہیں ایک مملوکہ خاص جسکے حاصل ہونے میں نبوت اور امامت و بادشاہت کے منصب کی کچھ دخل نہیں ہوتا مثلاً حضرت داود، زہرہ بنا کر معاش حاصل کرتے تھے، یا عالمگیر قرآن کچھ کر سبک کرتا تھا یہ آمدنی انکی ذاتی آمدنی تھی اور اسپر ہر طرح کا انکو اختیار تھا دوسری مملوکہ حکومت مثلاً حضرت داود کے مقبوضہ ممالک جو حضرت سلیمان کے قبضہ میں آئے۔

اس دوسری قسم میں وراثت نہیں جاری ہوتی بلکہ جو شخص پیغمبری، یا امامت، یا بادشاہت کی حیثیت سے جانشین ہوتا ہے وہی اسکا مالک یا ستوتی ہوتا ہے، یہ مسئلہ آجکل کے مذاق کیونتی بالکل ایک بدیہی بات ہے، مثلاً سلطان عبدالحمید خاں کے بعد ان کے ممالک مقبوضہ یا انکی جاگیر خالصہ ان کے بیٹے بھائی، ماں، بہن وغیرہ میں تقسیم نہیں ہوگی۔ بلکہ جو تخت نشین ہوگا اسپر قابض ہوگا۔ مذہبی حیثیت سے بھی مسلمانوں کے ہر فرقہ میں یہ قاعدہ ہمیشہ مسلم رہا۔ مثلاً جو لوگ باغ فدک کو درجہ بدرجہ ائمہ اثناعشر کا حق سمجھتے ہیں وہ بھی اسپس وراثت کا قاعدہ نہیں جاری کرتے۔ مثلاً حضرت علی اپنے رتنے میں اس کے مالک ہوئے تو یہ نہیں ہوا کہ انکی وفات کے بعد وراثت کا قاعدہ جاری ہوتا اور حسین و عباس و محمد بن حنفیہ و زینب وغیرہ کو جو حضرت علی کے وارث تھے اسکا کچھ حصہ۔ سهام کے پڑتہ سے ملتا، بلکہ صرف حضرت امام حسن علیہ السلام کے قبضہ میں آیا کیونکہ امامت کی حیثیت سے وہی حضرت علی کے جانشین تھے۔

غرض یہ عام اور مسلم قاعدہ ہے کہ جو جائداد۔ نبوت یا امامت یا بادشاہت کے منصب کے حاصل ہوتی ہو وہ مملوکہ خاص نہیں ہوتی۔ اب صرف یہ دیکھنا ہے کہ باغ فدک کیونکر حاصل ہوا تھا اسکی کیفیت یہ ہے کہ آنحضرت جب خیبر کی فتح سے پہلے، تو حمیصہ بن مسعود انصاری کو فدک والوں کے پاس تبلیغ اسلام کے لیے بھیجا فدک، یہودیوں کے قبضہ میں تھا اور انکا سرواڑہ بن نون نام ایک یہودی تھا۔ یہودیوں نے صلح کا پیغام بھیجا اور معاوضہ صلح میں آوی زمین دینی منظور کی اسوقت سے یہ باغ اسلام کے قبضہ میں آیا۔

اب شہنشاہ سمجھ سکتا ہے کہ ایسی جائیداد، آنحضرت کی ملکہ خاص کیونکر ہوتی ہے فدک کی ملکیت خاص کا دعویٰ اس بنا پر کیا جاتا ہے کہ وہ فوج کے ذریعہ سے فتح نہیں ہوا بلکہ اس آیت کا مصداق ہے **وَمَا أُوتِیْهِمْ** علیہ من خیل ولا رکاب لیکن کیا جو ممالک صلح کے ذریعہ سے قبضہ میں آتے ہیں وہ امام یا پادشاہ کی ملکیت خاص قرار پاتے ہیں؟ عرب کے اور مقامات بھی اس طرح قبضہ میں آئے کہ ان پر چڑھائی نہیں کرنی پڑی۔ کیا انکو کسی نے آنحضرت کی ملک خاص سمجھا؟ البتہ یہ امر غور طلب ہے کہ جب اور مقامات مفتوحہ کی نسبت کسی نے اس قسم کا کبھی خیال نہیں کیا، تو فدک میں کیا خصوصیت تھی جسکی وجہ سے غلط فہمی پیدا ہوئی اسکی حقیقت یہ ہے کہ اور مفتوحہ زمینیں علاقہ وقف عام رہیں لیکن فدک کو آنحضرت نے اپنے مصارف کے لئے مخصوص کر لیا تھا۔ اس سے اس خیال کا موقع ملا کہ وہ آنحضرت کی جائیداد خاص ہے۔ اس خیال کی تائید زیادہ اس سے ہوئی کہ فدک پر شکر کشی نہیں ہوئی تھی اور ایسے اسپر اور لوگوں کو کسی قسم کا حق نہیں حاصل تھا لیکن یہ خیال اصل صحیح نہیں، فدک کو بے شبہ آنحضرت نے اپنے ذاتی مصارف کے لئے خاص کر لیا تھا لیکن کیونکر؟ اس کے متعلق تفصیلی روایتیں موجود ہیں

فَكَانَ يَنْصُفُ فِدَكَ خَالِصًا لِلرَّسُولِ اللَّهِ وَ	یعنی آدھا فدک ان خاص رسول اللہ کا تھا آنحضرت اس سے
كَانَ يَصْرِفُ مَا بَاتِيَهُ مِنْهَا إِلَى اِثْنَاءِ السَّبِيلِ	سافروں پر خرچ کرتے تھے

ایک اور روایت میں ہے۔

اِنَّ فِدَكَ كَانَتْ لِلنَّبِيِّ صَلَّى صَلَاحًا فَكَانَ يَنْفِقُ	یعنی فدک آنحضرت کا مال تھا اس سے جہاز لے کر
مَهَا وَيَاكُلُ وَيُعَوِدُ عَلَى فَقَرَاءِ بَنِي هَاشِمٍ	اور عترت بنی ہاشم کو دینے کے اور ان کی بچوں کی
وَيُرِيحُ اَيُّهُمْ	کی تادیب کرتے تھے۔

بخاری وغیرہ میں بہ تصریح مذکور ہے کہ آنحضرت سال بھر کا اپنا خرچ انہیں سے دیتے تھے باقی عام مسکین

۱۔ متحج بہمدان ص ۲۹ سے متحج بہمدان ص ۳۱۔

کے مصلح ہیں و بدیت تھے۔

ان روایتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ فدک کا ملوکہ بنوہا ایسا ہی تھا جیسا سلاطین کے لئے کوئی جاملو خالصہ کر دیا جاتی ہے اس بنا پر باوجود مخصوص ہونے کے وقف کی حیثیت اس سے زائل نہیں ہوئی اب یہ دیکھنا ہے کہ حضرت عمرؓ بھی ان اصول سے واقف تھے؟ اور اسی بنا پر انہوں نے فدک میں وراثت نہیں جاری کی یا یہ کہ یہ نکات بعد الوقوع ہیں؟

عراق و شام کی فتح کیوقت حضرت عمرؓ نے صحابہ کے مجمع عام میں جو تقریر کی تھی اس میں قرآن مجید کی اس آیت سے مَا آفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْ اَهْلِ الْقُرْیٰ فَلِلّٰهِ اَنْحَ اسدلال کر کے صاف کہہ دیا تھا کہ مقامات معنومہ کسی خاص شخص کی ملک نہیں ہیں بلکہ وقف عام ہیں چنانچہ فے کے ذکر میں یہ بحث گزر چکی ہے البتہ شبہ ہو سکتا ہے کہ اس آیت سے پہلے جو آیت ہے اس سے فدک وغیرہ کا آنحضرتؐ کی خاص جائداد ہونا ثابت ہوتا ہے، اور خود حضرت عمرؓ کے یہی سنے قرار دیتے تھے، آیت یہ ہے۔

اور کچھ ان لوگوں سے (مسیحی و عیسائی) مدللے لے سکر کو دلایا
نوم لوگ اس پر حرم کہہں گئے، بلکہ مدللے لیے پیغمبر کو حرم
جاہا ہے تسلط کر دنا ہے۔

وَمَا آفَاءَ اللّٰهُ عَلَى رَسُوْلِهِ مِنْهُمْ مِمَّا اَوْحَفْتُمْ
عَنْكُمْ مِنْ حَرْبٍ وَلَا رِکَابٍ وَلَکِنَّ اللّٰهَ یَسْلُطُ
دُسُلِهِ عَلَى مَنْ تَسَاءَلُوْا۔

چنانچہ حضرت عمرؓ نے اس آیت کو پڑھ کر کہا تھا کہ کفایت خالصہ لرسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور یہ واقعہ صحیح بخاری۔ باب الخس، اور باب الخازی، اور باب المیراث میں تفصیل مذکور ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حضرت عمرؓ اس آیت کی بنا پر ندک وغیرہ کو آنحضرتؐ کا خالصہ سمجھتے تھے لیکن اسی قسم کا خالصہ جو ذاتی ملکیت نہیں ہوتا، جس طرح سلاطین کے مصارف کے لئے کوئی زمین خاص کر دیا جاتی ہے کہ اس میں میراث کا عام قاعدہ نہیں جاری ہوتا بلکہ جو شخص جانشین سلطنت ہوتا ہے تنہا وہی اس سے متمتع ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ کے اس خیال کا قطعی ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے جب آیت مذکورہ بالا کی

بنا، پرندک کو آنحضرت کا خالصہ کہا تو ساتھ ہی یہ الفاظ فرمائیے ہبسا کہ صبیح بخاری باب خمس باب الخازنی میں لکھا ہے

فكان رسول الله يفيق على اهله نفقة
سنتهم من هذا المال ثم ياخذ ما بقى فيجعله
فجعل قال الله فعل رسول الله بذلك حياته
ثم توفي الله نبيه صلى الله عليه وسلم فقال
ابوبكر انا ولى رسول الله فقبضها ابوبكر فعمل
فيها بما عمل رسول الله - ثم توفي الله ابابكر
فكنت انا ولى ابى بكر فقبضتها سنتين من امارتى
اعمل فيها بما عمل رسول الله صلى الله عليه
وسلم وبما عمل فيها ابوبكر -

آنحضرت - اس میں سے سال بوبکر کا خرچہ تھے بتائی کہ
خدا کے مال کی طرح پر خرچ کرتے تھے - آنحضرت نے زندگی
بھر اسی پر عمل فرمایا پھر وفات پائی تو ابوبکر نے کہا کہ میں
ان کا جانشین ہوں پس آپ نے قبضہ کیا اور اسی طرح
کارروائی کی جس طرح رسول اللہ کرتے تھے چھہ
انھوں نے وفات پائی تو میں ابوبکر کا جانشین ہوا
پس میں نے اُس پر دو برس قبضہ رکھا اور
وہی کارروائی کی جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کرتے تھے۔

اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت عمر باوجود اس کے کہ فدک وغیرہ کو خالصہ سمجھتے تھے تاہم
آنحضرت کی ذاتی جائداد انہیں سمجھتے تھے جس میں وراثتہ جاری ہو اور اسوجہ سے اُس کے قبضہ کا متعلق صرف اُسکو
قرار دیتے تھے جو رسول اللہ کا جانشین ہو چنانچہ حضرت ابوبکر اور خود اپنے قبضہ کی وجہ یہ بتائی۔

حضرت عمر نے یہ تقریر اسوقت فرمائی تھی جب حضرت عباس اور حضرت علی اُن کے پاس فدک کے عودیلار
ہو کر آئے تھے اور انھوں نے کہہ دیا تھا کہ ہیں وراثت کا قاعدہ نہیں جاری ہو سکتا۔

حاصل یہ کہ حضرت عمر کے نزدیک - فدک وغیرہ آنحضرت کے خالصہ بھی تھے اور وقف بھی تھے چنانچہ عراق
کی فتح کیوقت، حضرت عمر نے اُسی آیت کو جس سے آنحضرت کا خالصہ ہونا پایا جاتا ہے پڑھ کر یہ الفاظ کہے
فخذہ عامة فی القرى کلھا یعنی جو حکم اس آیت میں ہے وہ انہی مواضع فدک وغیرہ پر محدود نہیں بلکہ
تمام آبادیوں کو شامل ہے۔ تمام آبادیاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں تھیں

آل یہ ہے کہ فک کا فوجیتین ہونا ہی تمام غلط فہمی کا نشاۃ چنانچہ حافظ ابن قیم نے زاوہا میں تہایت
 الیہ تب میرا یہ ہیں۔ بہت کو او انیا ہے وہ لکھتے ہیں مہم ملک بحالف حکم غبرہ من الما لکین و ہذا النوع من
 الزمرال هو التسم الذی وقع بعدہ من النزاع ما وقع الی اللوم ولولا اسکال امرہ علیہم لما طلبت طاعتہ
 ۵۔ رسول اللہ صلعم مہرا تھا من ترکہ وظن انہ بورت عنہ ماکان ملکاً لہ کسائر الما لکین وحی
 علمہ راضی اللہ عنہا حفصہ الملک الذی لبس قمارت عنہ ان واتقات سے اندازہ کر سکتے ہو کہ ان مسائل کو
 جو ابتداء سے آج تک معرکہ آرا ہے ہیں اوج نہیں بڑے بڑے اکا بر صحابہ کو متباہ ہوا، حضرت عمرؓ نے کس غبی سے
 طے کیا کہ ایک طرف تو قرآن و حدیث کا صحیح محل مہی ہو سکتا ہو اور دوسری طرف اصول سلطنت نظام تمدن
 سے باطل سلطانیت رکھتا ہے۔

ذاتی حالات اخلاق و عادات

عرب میں روحانی تربیت کا آغاز اگرچہ اسلام سے ہوا، لیکن اسلام سے پہلے بھی اہل عرب میں بہت سے
 ایسے اوصاف پائے جاتے تھے جو تعالیٰ شرافت تھے اور خیر پر قوم ہر زمانہ میں ناز کر سکتی ہے یہ اوصاف
 اگرچہ کم و بیش تمام قوم میں پائے جاتے تھے لیکن بعض بعض اشخاص زیادہ ممتاز ہوتے تھے اور یہی لوگ قوم سے
 ریاست و حکومت کا منصب حاصل کرتے تھے، ان اوصاف میں فصاحت و بلاغت، قوۃ تقریر، شاعری، نسبانی، پہچانی
 بہادری، آزادی، مقدم چیزیں تھیں اور ریاست افسری میں انہی اوصاف کا لحاظ کیا جاتا تھا۔ حضرت عمرؓ کو قدرت
 نے ان سب میں کافی حصہ دیا تھا۔

تقریر کا ملکہ خدا واد تھا اور عکاظ کے سرکوں نے اسکو اور زیادہ جلا ویدی تھی۔ یہی قابلیت تھی جسکی وجہ سے
 قریش نے انکو سفارت کا منصب دیا تھا جو ان لوگوں کے لئے مخصوص تھا جو سب سے زیادہ زباں آور ہوتے
 تھے۔ ان کے معمولی جلوں میں آٹھیری کا انز اور بطل فقرے جو انکے نمونہ سے نکل جاتے تھے انیس بلاغت کی

روٹ پانی جاتی تھی عمر بن سعد کیرب، جب پہلے پہل دیکھا تو چونکہ وہ عجمی تھے تو دشمن کے آدمی تھے اس لیے نتیجہ ہو کر کہا اللہ! اسکا اور ہمارا خائف ایک ہی ہے مسئلہ یہ کہ ہمارے ہم میں اور اس میں اختلاف ہے کہ وہ دونوں ایک ایک کام نہیں معلوم تھے

وباکے واقعہ میں ابو سعید نے جب ان پر اعتراض کیا کہ آپ قضائے الہی سے جہانے تو کوستدر بلین فطوئیں جواب دیا کہ ہاں قضائے الہی سے قضائے الہی کی طرف ہاں گناہوں مختلف وقتوں میں جو خطبے انہوں نے دیے وہ آج بھی موجود ہیں ان سے انکے زور و تقریر و جہنگی کلام کا انہ ازہ ہو سکتا ہے۔ نہ خلافت پر بیٹھنے کے ساتھ جو خطبہ دیا، اس کے ابتدائی فقرے یہ تھے۔

اے خدا میں نے اس قدر کرامت کر دی کہ وہ لوگوں کو قوت دے
اوم سے ملک کے، وہ لوگوں کے اس آیت میں کی مبارک کلام
میں دیکھتے ہیں اس میں ادا سے دیکھ کر صحت کا

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ عَیْطٌ مِّنْکَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ صَعِیْفٌ مِّنْکَ
اَلَا وَرَاۤیَ الْعَرَبَ جَمَلًا اِنِّیْ وَدَّ اَعْطٰنَ حَطَاۃً
اَلَا قَدِیْ حَاطِلٌ عَلٰی الْحِجَّةِ

خلافت کے دوسرے تیسرے دن جب انھوں نے عراق پر لشکر کشی کرنے کے لیے لوگوں کو جمع کیا تو لوگ ایران کے نام سے جی چراتے تھے خصوصاً اسوجے کہ حضرت خالد وہاں سے بلایے گئے تھے اس موقع پر حضرت عمر کے زور و تقریر کا اثر تھا کہ ثننی شیبانی ایک مشہور بہادر بے اختیار اٹھ کھڑا ہوا اور پھر تمام مجمع میں آگ سی لگ گئی، دشمن کے سفر میں چاہے میں ہر قوم اور ہر ملت کے آدمی جمع تھے عیسائیوں کا لازماً بیشپ تک شریک تھا، اس کے ساتھ مختلف مذہب اور مختلف قوم کے آدمی شریک تھے اور مختلف مضامین اور مختلف مطالب کا ادا کرتا تھا، مسلمانوں کو اخلاق کی تعلیم دینی تھی غیر قوموں کو اسلام کی حقیقت اور اسلام کی جنگ و صلح کے اغواض بتانے تھے فوج کے سامنے خالد کی سفر و علی کا ذکر کرتا تھا، ان تمام مطالب کو اس خوبی سے ادا کیا کہ مدت تک انکی تقریر کے جتنے فقرے لوگوں کی زبانوں پر رہے فقہار نے اس سے فقہی مسائل استنباط کیے۔ اہل ادب نے قواعد فصاحت و بلاغت کی مثالیں پیدا کیں تصوف و اخلاق کے مضامین لکھنے والوں نے اپنا کام لیا۔

۳۳ میں جب حج کیا اور یہ انکا اخیر حج تھا، تو ایک شخص نے کسی سے تذکرہ کیا کہ عمرؓ جانشین کے طور پر جانشین کے نام پر بیعت کرونگا، حضرت عمرؓ مقام نبی میں تشریف رکھتے تھے اور وہیں یہ واقعہ پیش آیا، اس واقعہ کی خبر نبیؐ تو براہِ فرستہ ہو کر فرمایا کہ آج رات کو میں اس مضمون پر خطبہ دوں گا۔ عبدالرحمن بن عوف نے عرض کی کہ امیر المؤمنین! حج کے مجمع میں ہر قسم کے بُرے بھلے آدمی جمع ہوتے ہیں اگر آپؐ یہاں تقریر کی تو اکثر لوگ صحیح پر ایہ نہ سمجھیں گے اور نہ ادا کر سکیں گے، مدینہ چکر خواص کے مجمع میں تقریر کیجئے، وہ لوگ مات کا ہر پہلو سمجھ سکتے ہیں حضرت عمرؓ نے یہ رائے تسلیم کی آخر ذی الحج میں مدینہ آئے۔ جمعہ کے دن۔ لوگ بڑے شوق و انتظار سے مسجد میں پہلے سے اکٹرا کر جمع ہوئے حضرت عبداللہ بن عباسؓ زیادہ مشتاق تھے، اس لئے ممبر کے قریب جا کر بیٹھے اور سعید بن زیدؓ نے مخاطب کر کہا کہ ”آج عمرؓ ایسی تقریر کریں گے کہ کبھی نہیں کی تھی۔ سعید نے تعجب کیا کہ ایسی نئی بات کیا ہو سکتی ہے جو انہوں نے پہلے نہیں کہی ہو عرض اوان ہو چکی تو حضرت عمرؓ نے خطبہ دیا، یہ پورا واقعہ اور پورا خطبہ صحیح بخاری میں مذکور ہے اس میں سقیفہ نبی ساعدہ کے واقعہ انصار کے خیالات حضرت ابو بکرؓ کے جوابِ بیعت کی کیفیت خلافت کی حقیقت کو اس خوبی اور عمق سے ادا کیا کہ اس سے بڑھ کر ناممکن تھا۔ اس تقریر کو پڑھ کر باطل ذہن نشین ہو جاتا ہے کہ انتہا جو کچھ ہوا وہی ہونا چاہیئے تھا اور وہی ہو سکتا تھا۔

جن مجمعوں میں غیر قویں بھی شریک ہوتی تھیں انہیں ان کے خطبے کا ترجمہ بھی ساتھ ساتھ ہوتا جاتا تھا چنانچہ دمشق میں بمقامِ جابیہ جو خطبہ دیا۔ مترجم ساتھ ساتھ اس کا ترجمہ بھی کرتا جاتا تھا۔

اگرچہ اکثر بزم اور بزمہ خطبہ دیتے تھے لیکن معرکہ کے جو خطبے ہوتے تھے انہیں تیار ہو کر جاتے تھے سقیفہ بن ساعدہ کے واقعہ میں خود انکا بیان ہے کہ ”میں خوب تیار ہو کر گیا تھا۔“

حضرت عثمانؓ جب خلیفہ بنے، اور خطبہ دینے کے لئے منبر پر چڑھے تو دفعتاً رگ گئے اور زبان باری نہ دی اس وقت یہ غدر کیا کہ ”ابو بکرؓ عمرؓ خطبہ کے لئے تیار ہو کر آتے تھے اور آئندہ سے بن بھی ایسا ہی کرونگا۔“

وہ اگرچہ ہر قسم کے مضامین پر خطبہ دے سکتے تھے لیکن انکا خود بیان ہے کہ ”نجاح کا خطبہ مجھ سے بن نہیں

آیتا، عبد البر بن اشعث جو دولت جبار یہ کا مشہور راہب اور فاضل تھا اس لوگوں نے نہ صرف عمر کی اس خیر خواہی
کی وجہ پر بھی اُس نے کما - نصح کے خطبہ میں سامعین میں - تبرخص برابر ہی کا درجہ رکھنا سبب غیب کی کوئی نمانا
حالات نہیں ہوتی بخلاف اس کے عام خطبوں میں خطیب جب ممبر پر چڑھتا ہے تو تمام آدمی اسکو محکوم محکوم ہوتے
ہیں اور اسوجہ سے خود بخود کی تقریر میں بلند سی اور زور آجاتا ہے لیکن ہمارے نزدیک ایسی جگہ بہت کہ نصح کے خطبہ
میں موضوع سخن تنگ اور محدود ہوتا ہے اور ہر بار وہی معمولی باتیں کہنی پڑتی ہیں -

یہ بات لحاظ کے قابل ہے کہ حضرت عمر سے پہلے جن مضامین پر لوگ خطبے دیتے تھے وہ پند و موغلتا
نمحر و اوعا و قدرتی واقعات کا بیان رنج و غشی کا اظہار ہوتا تھا - ملکی مہربانج معاملات خطبے میں نہیں ادا ہوتے
تھے حضرت عمر پہلے شخص ہیں جنے پولیشل خطبے دیئے اسکے ساتھ وہ خطبوں میں اس طریقے سے گفتگو کرتے
تھے کہ ظاہر میں معمولی باتیں ہوتی تھیں لیکن اُس سے بہت پہلو نکلتے تھے

خطبہ کے لیے ملکہ تقریر کے علاوہ اور عارضی باتیں جو درکار ہیں حضرت عمر میں سب جو تھیں آواز بلند اور
پر عجب قوی قد اتنا بلند تھا کہ زمین پر کھڑے ہوتے تھے تو معلوم ہوتا تھا کہ ممبر پر کھڑے ہیں اس موقع پر ہم سب
سمجھتے ہیں کہ اُنکے بعض خطبے نقل کر دیئے جائیں ایک موقع پر عمال کے مخاطب کے جو خطبہ یا اسکے الفاظ ہیں -

إِنَّ لَا أَحَدٌ هَذَا الْمَالِ يَصْلُحُ إِلَّا خِلَالِ ثَلَاثٍ - أَنْ يَخْذَ بِالْحَقِّ وَيُعْطِيَ بِالْحَقِّ وَيَجْنَعَ مِنَ الْمَاطِلِ وَلَسْتَ أَدْعُ
أَحَدًا يَطْلُمُ أَحَدًا حَتَّى يَضَعَ خَدَّهُ عَلَى الْأَرْضِ وَاصْبِرْ قَدَمِي عَلَى خَدِّ الْخَوْصِ يَدْعُو لِحَقِّ - يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ
اللَّهَ عَظَّمَ حَقَّهُ فَوْقَ حَقِّ خَلْقِهِ فَقَالَ فَمَا عَظَّمَ مِنْ حَقِّهِ وَلَا يَأْمُرُكُمْ أَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلِكَةَ أَرْبَابًا إِلَّا وَاللَّهِ
كَمْ أَعْلَمُكُمْ أَمْرًا وَلَا جَبَّارِينَ وَلَكِنْ بَعَثْتُكُمْ أُمَّةً هَدَى - هُنْدَى بِكُمْ وَلَا تَخْلُقُوا إِلَّا ذُرِّيَّةً دُونَكُمْ
فَمَا كُلُّ قَوْمٍ مِمَّنْ ضَعُفْتُمْ أَيْكٍ أَوْ نَجَبَةٍ مِنْكُمْ يَدْعُو فِي الْأَرْضِ فَاهْرُونَ لَا هَلْهَا -
تَدْعُو اللَّهَ دُنْكُمْ فَلَا تَصْبِرُ أُمَّةٌ عَالَمَةً لِيَدِينَكُمْ إِلَّا أُمَّةً أَمَانَ - أُمَّةٌ مُسْتَعِيدَةٌ لِلْإِسْلَامِ وَاهْلَاءٍ يَجْزُونَ -
لَكُمْ عَلَيْكُمْ الْمَوْنَةُ وَلَكُمْ النِّفْعَةُ وَأُمَّةٌ يَنْتَظِرُونَ وَنَائِمٌ اللَّهُ وَسُطُوَانُهُ فِي كُلِّ يَوْمٍ وَكَلِيلُهُ كَذَلِكَ اللَّهُ قَوْلُهُ

رَعْمًا قَدْ دَهَمَهُمْ جُنُودُ اللَّهِ وَتَرَكْتَ نِسَاءَهُمْ مَعَ رِوَاهِهِ الْعَبَسَ وَالْتِفَاعُضَ الْمَالَ وَنَسِيتُ الْعُتُوبَ نَسْوًا

حضرت عمرؓ کے خطبوں کا خاتمہ ہمیشہ ان فقروں پر ہوتا تھا اللهم لا دعویٰ فی عمرہ ولا ناحی فی عمرہ

ولا یحلی مع العافئ۔ قوتہ تقریر کے ساتھ تحریریں بھی انکو کمال تھا، ان کے فریقین خطوط و سنو ریل

توثیقات، ہر قسم کی تحریریں آج موجود ہیں جو تحریر جس مضمون پر ہے اسباب میں بنیظیر ہے چنانچہ ہم بعض تحریریں نقل کرتے ہیں۔

ابو موسیٰ اشعری کے نام۔ اقالعد فان للناس نمرہ عن سلطانهم فاعود بالله ان نذركی وایاك عساء محمول

وصغائن محموله واهواء متبعه كن من مال الله على حذر وحف الفساد واحملهم كذا يدرك لرحلا

وادا كانت بطن القوم ناثره بالفلان بالفلان فاما تلك نجوى السطان فاصروهم بالسيف حتى يهيموا

الى امر الله ويكون دعوتهم الى الاسلام۔

ایک اور تحریر ابو موسیٰ کے نام۔ اقالعد فان القوة فی العمل ان لا نحر و اعلم النوم لعد وانكر ادا

فعلتم ذلك نذرك علیكم الاموال فليذروا الهان اناخذ من فاضلتهم۔

عمرو بن العاص کو جب مصر کا گورنر مقرر کر کے بھیجا، تو انھوں نے خران کے بھیجنے میں دیر کی حضرت عمرؓ

نے تاکید کبھی عمرو بن العاص نے بیت وعل کیا، حضرت عمرؓ نے غصہ میں آکر جبروتمدید کا خط لکھا۔ عمرو بن العاص

نے بھی نہایت آزادی اور دلیری سے جواب دیا، یہ تحریریں تقریری نے تاریخ مصر میں بغنیہ نقل کی ہیں ان کے

دیکھنے سے حضرت عمرؓ کے زور قلم کا اندازہ ہوتا ہے بعض فقرے یہ ہیں وَقَدْ عَلِمْتُ أَنَّكَ تَرْجُو مَعَكَ مِنْ ذَلِكَ

لَأَنَّ عَمَلَكُمْ عَمَلُ السُّوءِ اخذ ذلك كَهَفًا وَعِدْتِي بِأَدْنِ اللَّهِ دَوَاءُ بِهِ شِفَاءٌ إِلَى عَحْمَتٍ مِنْ كَثْرَةِ كِبَرِي

الِكَبِّ فِي رِبْطَاتِكَ بِالْحَوَاجِ وَكِتَابِكَ إِلَى نَسَبَاتِ الطُّوفِ عَمَّا أَسْأَلُكَ فِيهِ۔ ذلّا نجرم اماعد الله ان

لوحد منك الحق ونعطاه وان المهر يخرج الدر۔

شعر و شاعری کی نسبت اگرچہ انکی شہرت عام طور پر کم ہے، اور اس میں شبہ نہیں کہ وہ شعر بہت کم کہتے تھے

ماتق شعرا

لیکن شعرو شاعری کا مذاق ایسا عمدہ رکھتے تھے کہ انکی تاریخ زندگی میں یہ واقعہ تسروک نہیں ہو سکتا، عرب کے اکثر مشہور شعراء کا کلام اکثریت سے یاد تھا اور تمام شعراء کے کلام پر ان کی خاص خاص رائیں تھیں، اہل دہ کو عموماً تسلیم ہے کہ ان کے زمانے میں ان سے بڑھ کر کوئی شخص شعر کا پرکھنے والا نہ تھا، علامہ ابن رشیق القیروانی کتاب الحمد میں جس کا قلمی نسخہ میرے پاس موجود ہے لکھتے ہیں۔

مسی حرب عسکر۔ اسے ریلے میں سب سے بڑھ کر

فکان من القدائل دمانہ للسعد والنعدھم

شعر کے نقاد اور اداسناں تھے۔

دہہ معروہ۔

جاخط نے کتاب البیان والتبیین میں لکھا ہے۔

سی عرس خطاب لے ریلے میں سب سے بڑھ کر شعر کے سنا سنا تھے۔

کان عمرو بن الخطاب اعلم الناس بالمسعر

نجاتی ایک شاعر تھا جسے تیم بن قہیل کے خاندان کی ہجو کہی تھی۔ ان لوگوں نے حضرت عمر سے اسکی شکایت کی، حضرت عمر نے حسان بن ثابت کو جو مشہور شاعر تھے حکم قرار دیا اور جو فیصلہ انھوں نے کیا اسی کو نافذ کیا۔ اس واقعہ سے چونکہ اس غلط فہمی کا احتمال تھا کہ حضرت عمر خود شعر فرماتے تھے۔ اسلئے اہل دہ جہاں اس واقعہ کو لکھا ہے، یہ بھی لکھا ہے کہ یہ حضرت عمر کی حکمت عملی تھی کہ وہ بد زبان شعراء کے بیچ میں نہیں پڑنا چاہتے تھے، ورنہ شعر کے دقائق ان سے کون بڑھ کر کہہ سکتا تھا۔

حضرت عمر کو اگرچہ تمام مشہور شعراء کے کلام پر عبور تھا۔ لیکن تین شاعروں کو انھوں نے سب میں انتخاب کیا تھا امرئ القیس، زہیر بن ابیہ، ان سب میں وہ زہیر کا کلام سب سے زیادہ پسند کرتے تھے اور اسکو اشعار شعر اہل عرب اور علمائے اہل عرب اور علمائے اہل عرب کا ایک پسندیدہ نہیں ہوا کہ عرب سب سے بڑا شاعر کون تھا؟ لیکن اس پر سب کا اتفاق ہے کہ انصاریت انھی تینوں میں محدود ہے۔ حضرت عمر کے نزدیک زہیر کو سب پر ترجیح تھی چری بھی سب کا قائل تھا، ایک دفعہ ایک غزوہ میں حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت عمر

ابن عمر
زہیر کو شعر
نورانی

لہذا علامہ در تہار النصار ۱۵۰۰ تہا البیان والتبیین مطبوعہ مصر ۱۹۵۵ دیکھو کتاب البیان والتبیین مطبوعہ مصر ۱۹۵۵ و کتاب الحمد یا تعرض اشعار

کے ساتھ تھے، حضرت عمرؓ نے عبدالمدن عباس سے کہا کہ شعر شاعر کے شعار ہیں، عبدالمدن عباسؓ نے کہا کہ کون فرمایا، زہیرؓ انھوں نے ترجیح کی وہیو بھی حضرت عمرؓ نے اُسکے جواب میں جو الفاظ فرمائے وہ یہ تھے۔

لا نذ لا نذم حوشی الکلام ولا عاقل من المصطفى و

لا يقول الا ما يعرف ولا يمدح الرجل الا ما يكره

پھر سند کے طور پر یہ شعر پڑھے۔

اداسدريت فلس من عبلا غافه

ولو كان حمل بجلد الناس لم تمت

من المحمد من سبني اليها بسوء +

ولكن حمد الناس للنس بجلد

ناقذ بن فن نے، زہیرؓ کا تمام کلام پڑھ کر جو خصوصیتیں اس میں بتائی ہیں وہ یہ ہیں کہ اُس کا کلام صاف ہوتا ہے اور باوجود اس کے کہ وہ جاہلیت کا شاعر ہے اُس کی زبان ایسی شستہ ہے کہ اسلامی شاعر معلوم ہوتا ہے اس کے ساتھ وہ بجا بہانہ نہیں کرتا، حضرت عمرؓ نے ان تمام خصوصیتوں کو نہایت مختصر لفظوں میں اکر دیا۔
زہیرؓ کا مدوح، ہرم بن سنان عرب کا ایک رئیس تھا، اتفاق یہ کہ زہیرؓ اور ہرمؓ دونوں کی اولاد نے حضرت عمرؓ کا زمانہ پایا اور ان کے دربار میں حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ نے ہرمؓ کے فرزند سے کہا کہ اپنے باپ کی طرح میں زہیرؓ کا کچھ کلام پڑھو، اُس نے ارشاد کی تعمیل کی، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہارے خاندان کی شان میں زہیرؓ خوب کہتا تھا، اُس نے کہا کہ ہم صلہ بھی خوب دیتے تھے، حضرت عمرؓ نے فرمایا ہاں، لیکن تم نے جو دیا تھا وہ فنا ہو گیا اور اس کا دیا ہوا آج بھی باقی ہے، زہیرؓ کے بیٹے سے کہا کہ ہرمؓ نے تمہارے باپ کو جلعت دیئے تھے کیا ہوئے۔ اُس نے کہا بوسیدہ ہو گئے۔ فرمایا لیکن تمہارے باپ نے ہرمؓ کو جلعت عطا کیے تھے۔ زمانہ ان کو بوسیدہ نہ کر سکا۔

زہیرؓ کے بعد وہ نابغہ کے معترف تھے اور اس کے اکثر شعرا ان کو یاد تھے، امام شہابی کا بیان ہے کہ ایک شخص لوگوں سے مخاطب کر کہا کہ سب بڑھکر شاعر کون ہے؟ لوگوں نے کہا آپ زیادہ کون جانتا ہو فرمایا یہ شاعر کل ہی؟

الاسدیمان اذ قال الاله له || قمری الہیہ فاحدہا عن الفند

لوگوں نے کہا مانتو کا پھر پوچھا یہ شعر کس کا ہے؟

اتینک عاریاً خلغاً ثیابی || علی حوب تظن عی الہیون

لوگوں نے کہا مانتو کا۔ پھر پوچھا یہ اشعار کس کے ہیں؟

حَلَمْتُ فَكَمْ أَتْرُكُ لِنَفْسِكَ رِيبَهُ || وَكَيْسَ وَكَيْسَ، اللَّهُ بِمَرْءٍ مَدْهَبٍ

لوگوں نے کہا مانتو کا۔ فرمایا: یہ شخص اشعر العرب ہے۔

باہنہ وہ امر القیس کی استادی اور ایجاد مضامین کے نکرہ تھے، ایک دفعہ حضرت عبدالعزیز عباسی نے شعر کی نسبت انہی کے لئے پوچھی تو امر القیس کی نسبت یہ الفاظ فرمائے۔

وہ سے آکے ہے اسی سے سر کے ت سے مالی نکالا

سافھو خسف لہم عن الشعر

اسی سے اندر سے معاش کو مبارک دیا

واقترعن معان عورا صم بصر

آخر کا فقرہ اس لحاظ سے ہے کہ امر القیس مثنوی تھا اور اہل مین فصاحت و بلاغت میں کم درجہ پر پائے جاتے تھے۔ چنانچہ علامہ ابن تہیق نے حضرت عمر کے اس قول کا یہی مطلب بیان کیا ہے

حضرت عمر کے فوق سخن کا یہ حال تھا کہ اچھا شعر سنتے تھے تو بار بار مڑے لے لیکر پڑھتے تھے ایک دفعہ زہیر کے اشعار سن رہے تھے یہ شعر آیا۔

یمین اونفار او جلاء

وان الحق مفضہ ثلاث

تو حسن تقسیم پر بہت مخطوط ہوئے، اور دیر تک بار بار اس شعر کو پڑھائے، ایک اور دفعہ عبیدہ ابن الطیب کا لامیہ قصیدہ سن رہے تھے اس شعر کو سن کر

والعیس تسیم واشفاق و تامل

والمرء ساء لامر لیس بد مرکہ

پھر اُٹھے اور دوسرا مصرع بار بار پڑھتے رہے اسی طرح ابو قیس بن الاصلت کا قصیدہ

۱۵ آغانی تذکرہ مانتو ۱۲۵۷ کتاب النعمہ باب اشعار من اشعار۔

اُنسا تو بعض اشعار کو ویرانگ و ہیرایا کیجئے

اگرچہ اُنہ مہاتِ خلافت کدوج سے ان اشعار میں مصروف ہونیکا موقع نہیں مل سکتا تھا۔ تاہم چونکہ طبعی فرق
کاتے تھے، سبکڑوں نہراہل شعریاوتھے علمائے ادب کا بیان ہے کہ اُنکے حفظ اشعار کا یہ حال تھا کہ جب
کوئی فیصلہ کرنے، نو ضرور کوئی شعر پڑھتے جس قسم کے اشعار وہ پسند کرتے تھے وہ صرف وہ تھے جن میں خود
واری، آدوی، شرافتِ نفس، نیرت کے مضامین ہوتے تھے، اسی بنا پر اُنہ بوج اور عمال
اضلاع کو حکم بھیج دیتا تھا کہ لوگوں کو اشعار یاد کرنے کی تاکید کی جائے۔ چنانچہ ابو موسیٰ اشعری کو یہ فرمان بھیجا۔

مر من قدامت بتعلم الشعر فادک بدل علی معانی
الاحلاق و صواب الرأی و معروف الادب -
لوگوں کو اسعار کے یاد کرنے کا حکم دو، کیونکہ وہ علمان کی مدد میں رصیح
رائے کو اس کا طرف رسہ دکھاتے ہیں۔

تمام ضلاع میں جو حکم بھیجا تھا اُنکے یہ الفاظ تھے۔

علموا اولادکم العوم والفرو سبہ و رؤھم
ما سار من المنل و حسن من الشعر
ابو اولاد کو برہا اور تسواری سکھانا، اور مرہب التیل اور بھجے تھار
باور کو رؤ۔

اس موقع پر یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضرت عمرؓ نے شاعری کے بہت سے عیوب مثلاً
اُسوقت تک تمام عرب میں یہ طریقہ جاری تھا کہ شعراء شریف عورتوں کا نام علانیہ اشعار میں لاتے تھے اور اُن
سے اپنا عشق جاتے تھے۔ حضرت عمرؓ نے اس رسم کو بالکل مٹا دیا اور اسکی سخت سزا مقرر کی اسی طرح، جو کوئی
کو ایک جرم قرار دیا اور حبس کو جو مشہور، جو کو تھا اس جرم میں قید کیا۔

لطیفہ بنو العجمان، ایک نہایت معزز قبیلہ تھا، ایک شاعر نے انکی، جو کھٹی، اُنھوں نے حضرت عمرؓ
سے اگر شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے کہا وہ اشعار کیا ہیں؟ اُنھوں نے یہ شعر پڑھا۔

اذا الله عادى اهل لوم و رقتہ
عدا، اگر کینہ آدمیوں کو، دشمن، گھناہے
فنادی لی العجلان دھط ابن مقبل
تو منسلہ عمال کو بھی دس رکھے

حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ یہ تو جو نہیں بلکہ بدو عاب اور مکن ہے کہ خدا اسکو قبول نہ کرے انھوں نے دوسرا شعر پڑھا۔

وَلَا يَظْلِمُونَ النَّاسَ حَبَّةَ خَرْدَلٍ

اور نہ کسی پر زانی ہر ذرہ ظلم کرتا

قَبِيلُهُمْ لَا يَغْنِمُونَ بَنِي مَكَّةَ

یہ قبیلہ کسی سے بے عہد ہی نہیں کرتا

حضرت عمرؓ نے فرمایا، کاش میرا تمام خاندان ایسا ہی ہوتا، حالانکہ شاعر نے اس لحاظ سے کہا تھا کہ عرب میں یہ باتیں کمزوری کی علامت سمجھی جاتی تھیں۔

إِذَا صَدَرَ الْوَرْدُ عَنْ كُلِّ مَنَهْلٍ

جب اور لوگ واپس آچکے ہیں

وَلَا يَرِدُونَ الْمَاءَ إِلَّا غَشِيَّةً

یہ لوگ چنے یا بڑے پرمزرات کے وقت جاتے ہیں

یہ بات بھی شاعر نے اس لحاظ سے کہی تھی کہ اہل عرب کے نزدیک بکس اور کمزور لوگ ایسا کیا کرتے تھے حضرت عمرؓ نے یہ شعر سن کر کہا کہ مجھ سے بچنا تو بہت اچھی بات ہے انھوں نے آخر یہ شعر پڑھا۔

خُذِ الْقَبْطَ حَلْبًا يَهَا الْعَبْدُ الْعَجَلِ

کر بے او غلام، پیالہ لے اور جلدی سے دودھ دے لا۔

وَمَا يَمِ الْبَحْلَانِ إِلَّا لَقَوْهُم

اسکا نام بھلان اس لئے پڑا کہ لوگ اس سے کتے تھے

حضرت عمرؓ نے فرمایا، "سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ"

مولا و ناسا

علم الانساب یعنی قبائل کا نام و نسب یاد رکھنا، حضرت عمرؓ کا خانہ زاد عالم تھا۔ یعنی کئی پشتوں سے چلا آتا تھا، ان کے باپ خطابؓ شہور نساب تھے۔ حضرت عمرؓ اس فن کی معلومات کے متعلق اکثر اسکا حال دیا کرتے تھے۔ خطابؓ کے باپ بقیلؓ بھی اس فن میں شہرت رکھتے تھے چنانچہ ان واقعات کو ہم حضرت عمرؓ کے ابتدائی حالات میں سمجھ آئے ہیں۔ لکھنا پڑھنا بھی جیسا کہ ہم آغاذ کتاب میں لکھ آئے ہیں، اسلام سے پہلے لکھا تھا قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر انھوں نے عبرانی زبان بھی سیکھ لی تھی، روایات سے ثابت ہے کہ اسوقت تک تورات کا ترجمہ عربی زبان میں نہیں ہوا تھا۔ حضرت کے زمانہ میں جب تورات کا کچھ کام پڑتا تھا تو عبرانی ہی نسخہ کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا اور چونکہ مسلمان عبرانی نہیں

عبرانی زبان سے واقفیت

جانتے تھے ایسے بیٹوی بڑھکڑساتے اور عربی میں جبر کرتے جاتے صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ

کان اهل الکتاب یغرون الموراة بالعلانیة و نفسهم سہا بالعربہ لا اهل الاسلام	یہ اہل کتاب اور کوعربی رمان میں پڑھتے تھے اور مسلمانوں کے یہ عربی میں اسکا ترجمہ کر کے پڑھتے تھے۔
------------------------------------------------------------------------------	------------------------------------------------------------------------------------------------------

سند وارمی میں روایت ہے کہ ایک فہم حضرت عمرؓ تو ریت کا ایک نسخہ آنحضرتؐ کے پاس لے گئے اور اسکو بڑھنا شروع کیا، وہ پڑھتے جاتے تھے اور آنحضرتؐ کا چہرہ متغیر ہوتا جاتا تھا۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ عربی زبان اسقدر سیکھ گئے تھے کہ توریت کو خود پڑھ سکتے تھے۔

یہ امر بھی صحیح روایتوں سے ثابت ہے کہ یہودیوں کے ہاں جسدن توریت کا درس ہوا کرتا تھا حضرت عمرؓ اکثر شریک ہوتے تھے، انکا خود بیان ہے کہ میں یہودیوں کے درس کے دن انکے ہاں جایا کرتا تھا چنانچہ یہودی کہا کرتے تھے کہ تمہارے ہم مذہبوں میں سے ہم کو سب زیادہ عزیز رکھتے ہیں کیونکہ تم ہمارے پاس آتے جاتے ہو۔

حضرت عمرؓ کی نقادی اور بکثرت نبی نے یہاں بھی کام دیا۔ یعنی جہند روہ یہودیوں کی کتابوں سے نفٹ ہوتے گئے، اسی قدر ان کے بیہودہ افسانوں اور قصوں سے انکو نفرت ہوتی گئی۔ نہایت کثرت سے تیس موجود ہیں کہ تمام وعواق و غیرہ ہیں۔ مسلمانوں کو یہودیوں کی تصنیفات مانتے آئیں تو حضرت عمرؓ نے لوگوں کو نہایت سختی سے ان کے پڑھنے سے روکا، انکی ذہانت و طباعی کا صحیح اندازہ اگرچہ ان کے فقہی اجتہاد سے ہو سکتا ہے جسکا ذکر علی کمالات میں اوپر گزر چکا۔ لیکن انکی معمولی سے معمولی بات بھی ذہانت و طباعی کے غالی نہیں ہوتی تھی چنانچہ ہم دو تین مثالیں نمونہ کے طور پر رکھتے ہیں۔

حضرت عمار بن یاسرؓ کو جب انھوں نے کوفہ کا حاکم مقرر کیا تو برس دن بھی نہیں گزرا تھا کہ لوگوں نے دربار خلافت میں شکایت پیش کی کہ وہ عذاب اور سیاست کے آدمی نہیں حضرت عمرؓ نے انکو واپس بلا لیا اور کہا کہ میں خود بھی اس بات کو جانتا تھا لیکن میں نے خیال کیا کہ شاید خدا آپ کے اس آیت کا

مصدق بنائے۔

ہم چاہتے ہیں کہ ان لوگوں کو حکمران سمیٹا جا سکے ہیں اور ان کو امام اور زمین کا ورثہ مانیں۔

وَتُرِيدُ أَنْ نَمُنَّ بِكَ عَلَى الْإِنْسَانِ أَنْ هُوَ صَغِيرٌ فِي الْأَرْضِ
وَعَلَّمَهُ مَائِدَةً وَنُحَمِّلُهُمُ الْوِزْرَ بَيْنَ -

اے کدو ایک شخص کو دے مانتے سنا کہ: خدایا! مجھ کو فقروں سے بچانا، فرمایا کہ تم یہ پیٹے ہو کہ خدا تم کو آل و اولاد دے (قرآن مجید میں خدائے آل و اولاد کو فتنہ کہتے ہیں) اے اموال الکرہ اور اذکیہ و فہہ

ایک نذایک نص نے پوچھا کہ وہ کیا سفر ہیں۔ نص نے یہ نہیں بتا سکی غصہ بہتی کہ وہ کیا سفر شرعاً
سفر ہے یا نہیں حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ وہ نہیں خدا وعدہ فرماتا ہے۔

وہ (خدا) وہ ہے جو تم کو جسکی اور بری کی سہ کرا رہا ہے

هُوَ الَّذِي يُبَيِّنُ لَكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ

اُن کے حکیمانہ مقولے اکثر اوپ کی کتابوں میں، اور خصوصاً مجمع الاشغال میں آئی کے حاتمہ میں کثرت سے نقل کیے ہیں، نمونہ کے طور پر بعض مقولے یہاں درج کیے جاتے ہیں۔

۱۰ حکیمانہ

جو محض انبار از خدایمان ہے وہ ایسا احسن بار ہے کہ اس میں رکھا ہے

مَنْ كَتَمَ سِرَّهُ كَانَ الْخِيَارُ فِي يَدَيْهِ -

جس سے ہم کو نصرت ہو اُس سے ڈرے رہو۔

انْقُوا مِنْ تَعَصُّدِ قُلُوبِكُمْ

سے زیادہ حاصل وہ شخص ہے جو اے اعمال کی آغوشِ تاویل کر سکتا ہو۔

أَعْقَلُ النَّاسِ أَعْدَرُهُمُ لِلنَّاسِ

آج کا کام کل پر اٹھائے رکھو۔

أَوْ يَخُوعًا إِلَىٰ عَذَابِكَ -

میں نے اسے اپنے گھر لے گیا۔

الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي هَدَانَا لِهَذَا وَمَا كُنَّا لِنَكُونَا

۱۰۰

ابن الدار الحارثي

تہ ص ۱۰۰ - کلمات شریفہ ص ۱۰۰

ما دسر کے فاسبل

موصوف ہرانی سے باطن تلف نہیں۔ وہ مرنی میں مبتلا ہوگا

من لم يعرب السريع في

جب کئی شخص مجھ سے سوال کرتا ہے تو حکماء علیٰ عمل اندازہ معلوم ہوتا ہے

مَا سَأَلْنِي رَحْلَ الْأَثْبَيْنِ لِي فِي عَقْلِهِ

لوگوں کی فکر میں ہم اپنے تئیں تھوڑے سمجھتے ہیں۔

(دو غلط سے خطاب کر کے) لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ الْغَافِلِينَ عَنْ نَفْسِكَ

حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب کا نتیجہ تھا کہ قرآن مجید دونوں و مرثب ہوا اور نہ حضرت ابو بکرؓ اور نہ یہ بن ثابت (کاتبِ وحی) دونوں صاحبوں نے۔ پہلے اس تجویز سے مخالفت کی تھی تمام مذہبی اور ملکی اہم مسائل میں جہاں جہاں اور صحابہ کو حضرت عمرؓ سے اختلاف ہوا یا استثنائے بعض موقعوں کے سمو حضرت عمرؓ ہی کی رائے صائب نکلیں ممالک مفتوحہ کے متعلق اکثر صحابہ متفق الہ رائے تھے کہ فوج کو تقسیم کر دیتے جہاں ایک حضرت عمرؓ اس رائے کے خلاف تھے اور اگر لوگوں نے انکی رائے کو نہ مانا ہوتا تو اسلامی مملکت آج کاشتکاری سے بدتر ہو گئی ہوتی حضرت ابو بکرؓ و حضرت علیؓ دونوں فتوحات کی آمدنی میں شہرِ کربا برابر حصہ لگاتے تھے حضرت عمرؓ نے حقوق اور کارگزاری کے فرق مراتب کے لحاظ سے مختلف شہریں قرار دیں حضرت ابو بکرؓ و حضرت علیؓ دونوں صاحبوں نے اہانت اولاد کی خرید و فروخت کو جائز رکھا، حضرت عمرؓ نے مخالفت کی ان تمام واقعات میں حضرت عمرؓ کی رائے کو جو ترجیح ہے وہ محتاج دلیل نہیں۔

خلافت کے متعلق جب بحث پیدا ہوئی کہ حضرت عمرؓ کے بعد کون اس بارگراں کو اٹھا سکتا ہے؟ تو چھ صاحبوں کے نام دیے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ہر ایک کے متعلق خاص خاص رائے دیں اور وہ سب صحیح نکلیں۔ وہ ہر کام میں غور اور فکر کو عمل میں لاتے تھے اور ظاہری باتوں پر پھرتے نہیں کرتے تھے ان کا قول تھا

ابن عباس
ابن عمر
ابن مسعود
ابن زید
ابن جابر

کہ لَا يُجْبِئُكُمْ مِنَ الرَّجُلِ طَمَنَةٌ أَكْثَرَ كَلِمَةٍ
تَحْتَهُ لَا تَنْظُرُوا إِلَى صَلَواتِ أَمْرٍ وَلَا صِيَامِهِ وَلَكِنْ
انْظُرُوا إِلَى عَقْلِهِ وَصِدْقِهِ
یعنی کسی کی تہذیب کا آوارہ مس کر دھوکے میں نہ آؤ۔
یعنی آدمی کی نسا و دودھ و یر نہ جلاؤ بلکہ اسکی تیجائی اور عقل کو دیکھو۔

ایک دفعہ ایک شخص نے ان کے سامنے کیسی تعریف کی 'فرمایا کہ تم سے کبھی معاملہ پڑا ہے؟ اُس نے کہا نہیں پوچھا کبھی سفر میں ساتھ ہوا ہے؟ اُس نے کہا نہیں فرمایا کہ تو وہ بات کہتے ہو جو جانتے نہیں احادیث
۱۔ تاصی ابو یوسف صاحب کتاب الجراح میں لکھے ہیں ان عمر بن الخطاب استناداً اس فی اسوادین انتہی فرازی حاتمہم انہم دوسری جگہ لکھے ہیں ان صاحبوں اسد علی سلم حاتمہ اسلین ارادوا عمر بن الخطاب ان یشم الشام لکم و کتاب کو ص ۵۸
۲۔ یہ قول راہ بخلافہ دوم صفحہ ۱۹ میں نقل کیا ہے

ہے اسباب کے محکوم صو کا دیا کہ وہ کثرت سے مسجد میں ٹٹھا کرتا تھا۔

ون کو بہت خلاف کیونکہ یہ کہ فرصت ملتی تھی ایسے عبادت کا وقت رات کو مقرر کیا تھا۔ معمول تھا کہ رات کو نفلیں پڑھتے رہتے، جب صبح ہو نیکی آتی تو گھر والوں کو جگاتے اور یہ آیت پڑھنے و اُمُرُ اَہْلَکَ بِالصَّلَاۃِ فجر کی نمازیں بڑی بڑی سورتیں پڑھتے لیکن زیادہ سے زیادہ ۱۲۰ آیتیں پڑھتے، عبداللہ بن عامر کا بیان ہے کہ میں نے ایک دفعہ ان کے پیچھے فجر کی نماز پڑھی تو انھوں نے سورہ یوسف اور سورہ حج پڑھی تھی۔ یونس کہف۔ ہو کا پڑھنا بھی اُن سے مروی ہے نماز، جماعت کے ساتھ پسند کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ میں اُسکو تمام رات کی عبادت پر ترجیح دیتا ہوں۔ کوئی ضروری کام آ پڑتا اور وقت کی تاخیر کا خوف نہ ہوتا تو پہلے اُسکو انجام دیتے، ایک دفعہ اقامت ہو چکی تھی اور صفیں درست ہو چکی تھیں کہ ایک شخص صف سے ٹکرا کر انکی طرف بڑھا۔ وہ انکی طرف متوجہ ہوئے اور دیر تک اُس سے باتیں کرتے رہے۔ فرمایا کرتے تھے کہ کھانے سے فارغ ہو لو تب نماز پڑھو۔ بعض اوقات، جہاد وغیرہ کے اہتمام میں سفر مصروف رہتے تھے کہ نمازیں بھی وہی خیال بندھا رہتا تھا خود اُنکا قول ہے کہ میں نماز پڑھتا ہوتا ہوں اور فوجیں تیار کیا کرتا ہوں ایک روت ہے کہ میں نے نماز میں بحرین کے جزیرہ کا حساب کیا۔ ایک دفعہ نماز پڑھ رہے تھے یہ آیت قُلْ صَدَّقْتُ رَبِّ هَذَا الْبَيْتِ اَنِّیْ تَوَكَّلْتُ عَلٰی اللّٰہِ اَشْکُرُ اِلَیْہِ مَا رَزَقْنِیْ مِنْہٗ اَنْتَ اَرْزُقُنِیْ اَنْتَ اَعْلَمُ بِمَا اُکْفِرُ اس روایت کو نقل کر کے لکھا ہے کہ نمازیں اس قدر اشارہ کرنا جائز ہے۔ بعض اوقات جمعہ کا خطبہ پڑھتے پڑھتے کسی سے مخاطب ہوجاتے موطا امام مالک میں ہے کہ ایک دفعہ حضرت عثمان کو جمعہ میں دیر ہو گئی اور مسجد میں اُسوقت پونچھے کہ حضرت عمر نے خطبہ شروع کر دیا تھا۔ عین خطبہ کی حالت میں حضرت عمر نے انکی طرف دیکھا اور کہا کہ یہ کیا وقت ہے؟

انھوں نے کہا میں بازار سے آ رہا تھا کہ اذان سننی فوراً وضو کر کے حاضر ہوا۔ حضرت عمرؓ نے کہا وضو پر کیوں اکتفا کیا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم غسل کا حکم دیا کرتے تھے، ابو بکر ابن ابی شیبہ نے روایت کی ہے کہ مرنے سے دو برس پہلے متصل روزے رکھنے شروع کیے تھے، لیکن انھی کی یہ روایت بھی ہے کہ ایک شخص کی نسبت منہ کہ صائم اللہ بہر ہے تو اسے مارنے کے لیے ورہ اٹھایا۔
 حج ہر سال کرتے تھے اور خود میر قافلہ ہوتے تھے۔

قیامت کے مواخذے سے بہت ڈرتے تھے اور ہر وقت اسکا خیال رہتا تھا۔ صحیح بخاری میں ہے کہ ایک فقہ ابو موسیٰ اشعری سے مخاطب ہو کر کہا کہ کیوں ابو موسیٰ اہم اسپر راضی ہو کہ ہم لوگ جو اسلام لائے اور ہجرت اختیار کی اور رسول اللہ کی خدمت میں ہر جگہ موجود رہے۔ ان تمام باتوں کا جملہ ہم کو یہ ملے کہ برابر سر پر چھوٹ جائیں یعنی نہ ہکو نواب ملے نہ عذاب۔ ابو موسیٰ نے کہا نہیں میں تو اسپر ہرگز راضی نہیں، ہم نے بہت سی نیکیاں کی ہیں اور ہکو بہت کچھ اشدید ہے، حضرت عمر نے کہا: اُس ذات کی قسم جسکے ہاتھ میں عمر کی جان ہے کہ میں تو صرف اسقدر چاہتا ہوں کہ ہم بے مواخذہ چھوٹ جائیں مرنیکے وقت یہ عمر ٹپٹے تھے۔

طَلُومٌ لِنَفْسِي غَيْرَ اِنِّي مُسْلِمٌ

أُصَلِّيَ الصَّلَاةُ كُلُّهَا وَأَصُومُ

میں نے اپنی جان پر ظلم کیے ہیں۔ میں اتنا ہے

کہ مسلمان ہوں اور نمازیں پڑھتا ہوں اور روز رکھتا ہوں

حضرت عمر اگرچہ مذہب کی حُجّت تصویر تھے لیکن زاہد متقشف نہ تھے۔ اور آجکل کے مقدّس لوگوں کی طرح تعصّب اور سختی نہ تھی۔ ہمارے علما۔ عیسائیوں کے برتن وغیرہ کا استعمال کرنا تقدّس کے خلاف سمجھتے ہیں لیکن حضرت عمر کی نسبت امام بخاری اور امام شافعی نے روایت کی ہے کہ لَوْ صَاحِبُنْ مَاءٍ جِئْتُ بِهِ مِنْ عِنْدِ نَصْرَانِيَّةٍ لَمْ يَكُنْ لِي بِشَيْءٍ اِس سے زیادہ صاف ہے لَوْ صَاحِبُنْ مَاءٍ فِي جَرِّ نَصْرَانِيَّةٍ یعنی حضرت عمر کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ عیسائی جو پیر بتاتے ہیں اُسکو کھاؤ عیسائیوں وغیرہ کا کھانا، آجکل اکروہ اور منوع بتایا جاتا ہے لیکن حضرت عمر نے معاہدات میں یہ قاعدہ داخل کر دیا تھا کہ جب کسی مسلمان کا

گذر ہو عیسائی اُسکو تین دن مہمان رکھیں آج غیر قوموں سے عداوت اور فتنہ رکھنے کی تعلیم دینا چاہتی ہے لیکن حضرت
سحر کا یہ حال تھا کہ مرتے مرتے بھی عیسائی اور یہودی رہا یا کو نہ بھولے چنانچہ انکی نسبت رحم اور ہمدردی کی جو تہ
کی وہ میچ بخاری و کتاب الخراج وغیرہ میں مذکور ہے شاہ ولی اللہ صاحب نے اس امر کو حضرت عمر کے حاسن فضل
میں نہا کیا ہے کہ وہ اہل فتنہ دینے والے عیسائی اور یہودی جو مسلمانوں کے ملک میں رہتے تھے ان کے ساتھ بھلائی
کرنے کی تاکید کرتے تھے چنانچہ شاہ صاحب نے خاص الفاظ یہ ہیں وَاِذَا جَاءَكَ بِمُحْسِنٍ اِلٰہِ فَاَمَّا تَاْمِدْ فَرُودْ
عجب طبری وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر اپنے افسروں کو عیسائیوں کے ملازم رکھنے سے ہیست منع
کرتے تھے افسوس ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ان روایتوں کو قبول کر لیا ہے لیکن جس شخص نے عجب
طبری کی کتاب (ریاض النضرۃ) دیکھی ہے وہ پہلی نظر میں سمجھ سکتا ہے کہ انکی روایتوں کا کیا پایہ ہے ان بزرگوں
کو یہ بھی خبر نہیں کہ عراق - مصر - شام کا دفتر مال گذاری جس قدر تھا سربانی و قبطی وغیرہ میں تھا اور اسوہ سے
دفتر مال گذاری کے تمام عمال مجوسی یا عیسائی تھے - ملازمت اور خدمت ایک طرف حضرت عمر نے نو فتنہ فرار
کی ترتیب اور درستی کے لیے ایک رومی عیسائی کو مدنبہ منورہ میں طلب کیا تھا چنانچہ علامہ بلاذری نے اس
واقعہ کو کتاب التراف میں تبصریح لکھا ہے اور اس کے الفاظ یہ ہیں -

ہمارے پاس ایک رومی کو محمد و جعفر کے حساب دوس کرے -

لَا تَعْنِ الْاِيْنَاءَ رُومِيٍّ نَفِیْمٌ لَّنَا حَسَابًا بِلَا اِصْصَا

آج غیر مذہب کا کوئی شخص مکہ معظمہ میں نہیں جاسکتا اور یہ ایک شرعی مسئلہ خیال کیا جاتا ہے لیکن حضرت
عمر کے زمانہ میں غیر مذہب والے بے تکلف مکہ معظمہ جاتے تھے اور جب تک چاہتے تھے مقیم رہتے تھے چنانچہ
قاضی ابو یوسف صاحب نے کتاب الخراج میں متعدد واقعات نقل کیے ہیں - آجکل یورپ والے جو اسلام پر گ
ولی اور وہم پرستی کا الزام لگاتے ہیں انکو سمجھنا چاہیے کہ آج کا زمانہ اسلام کی اصلی تصویر نہیں ہے اسلام
کی تصویر خلفائے راشدین کے حالات کے آئینہ میں نظر آسکتی ہے -

حضرت عمر کی مجلس میں اکثر علمی سائل پہنچ گئے ہوا کرتی تھی - اکمل اصحاب بدر و صحابہ جو جنگ بدر میں

رسول اللہ کے شریک تھے مجلس میں جمع تھے، حضرت عمرؓ نے مجمع صحابہ کی طرف خطاب کر کے کہا کہ اِذَا اجْتَمَعَ نَصْرُ اللَّهِ وَالْفَتْحُ سے کیا مراد ہے؟ بعضوں نے کہا کہ اُن کے حکم و نایب کے جب فتح حاصل ہو تو ہم خدا کا شکر بجا لائیں بعض بالکل چپ ہے۔ حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن عباس کی طرف دیکھا۔ انھوں نے کہا میں آنحضرتؐ کی وفات کی طرف اشارہ ہے، یعنی اے محمد! جب فتح و نصرت آپ کی تو یہ تیرے دنیا سے اُٹھنے کی علامت ہے، ایسے تو خدا کی حمد کر اور گناہ کی معافی مانگ، بے شبہ خدا بڑا تو یہ قبول کرنے والا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا جو تم نے کہا یہی میرا بھی خیال ہے۔

ایک اور دن صحابہ کا مجمع تھا، عبداللہ بن عباس بھی شریک تھے، حضرت عمرؓ نے اس آیت کے سنی پوچھے اَيُّوْءٍ اَحَدٍ كُرِّنَ لَكَ جَنَّةٌ لَّوْ كُوْنُ نَفْسٌ مِّنْ اَنْفُسِكَ؟ حضرت عمرؓ کو اس حال جواب پر غصہ آیا اور کہا کہ نہیں معلوم ہے تو صاف کہنا چاہیے کہ نہیں معلوم ہے، عبداللہ بن عباس آیت کے صحیح سنے جانتے تھے لیکن کم عمری کی وجہ سے جھپکتے تھے، حضرت عمرؓ نے ان کی طرف دیکھ کر کہا صاحبزادے! اپنے آپ کو حقیر نہ سمجھو جو تمھارے خیال میں ہو بیان کرو عبداللہ بن عباس نے کہا نہ اُنے ایک کام کرنے والے شخص کی تشیل دی ہے چونکہ جواب نامتام تھا، حضرت عمرؓ نے اس پر قناعت نہ کی، لیکن عبداللہ بن عباس اس سے زیادہ نہ بتا سکے، حضرت عمرؓ نے فرمایا، یہ اس آدمی کی تشیل ہے جس کو خدا نے دولت و نعمت دی کہ خدا کی بندگی بجالائے لیکن اُس نے نافرمانی کی تو اُس کے اچھے اعمال بھی برباد کر دیئے۔

ایک دفعہ، مہاجرین صحابہ میں سے ایک صاحب نے شراب پی اور اس جرم میں مایوس ہو کر حضرت عمرؓ کے سامنے آئے، حضرت عمرؓ نے سزا دینی چاہی انھوں نے کہا کہ قرآن کی آیت سے ثابت ہے کہ ہم لوگ اس گناہ پر نرا کے مستوجب نہیں ہو سکتے۔ پھر یہ آیت۔

لَيْسَ عَلَى الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ

جُنَاحٌ فِيمَا طَعِمُوا۔

یعنی جن لوگوں نے ایمان قبول کیا اور اچھے کام کیے انھوں نے جو کچھ کھایا

بیا، ان پر الزام نہیں۔

استہلال میں پیش کر کے کہا کہ میں بدرجہ یتیمہ خندق اور دیگر غزوات میں آنحضرت کے ساتھ رہا ہوں
اسی لئے میں ان لوگوں میں داخل ہوں جنہوں نے اچھے کام کیے، حضرت عمر نے صحابہ کی طرف دیکھا عبداللہ
بن عباس سے کہ یہ صحابی کس رتبے کے متعلق ہے یعنی جن لوگوں نے شراب کی حرمت نازل ہونے سے
بہتے نہ رہے، ابی ابراہیم اور اہل مال اگر صالح ہیں تو آپر کچھ الزام نہیں اس کے بعد یہ آیت پڑھی جس میں شراب کی نعت
کا سخت حکم ہے۔

اور صحبت

لَا تَجِدُ الْدِّينَ اَمْثَلًا اَلَمْ يَكُنْ اَنْتُمْ اَوَّلَ مَنْ سَرَّوْا اَلَا نَصَاةٌ وَالْاَوَّلَ اَمْ رَحِصُ مِّنْ عَلٰی السَّطَنِ فَاحْشٰوْهُ
بن لوگوں سے صحبت رکھتے تھے وہ عموماً اہل علم و فضل ہوتے تھے اور آپس میں وہ نوعمر اور محرموں کی تمیز
نہیں کرتے تھے صحیح بخاری میں ہے۔

وکان القراء اصحاب محالس عمر و مشاورہ	سے صرف عمر کے اہل مجلس اور اہل مشورۃ تھے۔ خواہ لڑھے
لکھو لکھو اور اولئکنا۔	ہوں با حوا۔

فقہ کا بہت بڑا حصہ جو متفق ہوا اور بوقہ عمری کہلاتا ہے، انہی علمی مجلسوں کی بدولت ہوا۔ اس مجلس
کے بانی بڑے ارکان ابی بن کعب، زید بن ثابت، عبداللہ بن مسعود، عبداللہ بن عباس، عبدالرحمن
بن عوف، حزن بن قیس تھے۔ حضرت عمر ان تمام لوگوں کو علمی فضیلت کی وجہ سے نہایت عزیز رکھتے تھے۔
عمول تھا کہ جب مجلس میں بیٹھتے۔ تو امتیاز مراتب کے لحاظ سے لوگوں کو بائیں کی اجازت دیتے۔ یعنی پہلے
قدما سے صحابہ آتے پھر ان سے قریب رتبہ والے، علیٰ ہذا۔ لیکن کبھی کبھی بہتر ترتیب تو ردی جاتی اور
امراض ان لوگوں کے لیے ہوتا جو علم کی فضیلت میں ممتاز ہوتے تھے چنانچہ عبداللہ بن عباس کو قدما سے
صحابہ کے ساتھ شامل کر دیا تھا تاہم یہ حکم دیا تھا کہ سوال و جواب میں اور بزرگوں کی ہمسری نہ کریں، یعنی
جو کچھ کہنا ہو۔ سب کے بعد کہیں۔ اکثر ایسا ہوتا کہ جو لوگ عمر میں کم تھے۔ مسائل کے متعلق رائے دیتے جن میں
صحبت کرتے۔ حضرت عمر انکو ہمت دلاتے اور فرماتے کہ علم سن کی کمی اور زیادتی پر نہیں ہے عبداللہ بن عباس

اُسوقت بالکل لہجوان تھے، اُسی شرکت پر بعض اکابر صحابہ نے شکایت کی۔ حضرت عمرؓ نے انکی خصوصیت یہ کہ وہ
بتائی اور ایک علمی سلسلہ پیش کیا جسکا جواب بجز عبداللہ بن عباس کے اور کسی شخص نے بھی نہیں دیا۔ عبداللہ
ابن مسعود کی بھی بہت قدر کرتے تھے۔ سلسلہ میں جب انکو کوفہ کا معنی اور اس سرخاڑہ مقرر کر کے بھیجا تو اُن کو
کوٹھکا کہ ”میں انکو معلم اور وزیر مقرر کر کے بھیجتا ہوں۔ اور میں نے تم لوگوں کو اپنے آپ پر ترجیح دی ہے کہ
انکو اپنے پاس سے جدا کرتا ہوں۔“ بارہا ایسا ہوا کہ جب کسی سلسلہ کو عبداللہ بن عباس کو حل کیا تو اُنکی نشان میں آیا۔

کُنْتُ مَعْلِيَّ عِلْمًا

مسی ایک طرف ہی دو علم ہوا ہے

اگرچہ فضل و کمال کے لحاظ سے حضرت علیؓ کے سوا کوئی شخص انکا ہمسر نہ تھا، تاہم وہ اہل کمال کے
ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جس طرح خرد بزرگ کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ علامہ ذہبیؒ سے تذکرہ
انھما میں لکھا ہے کہ ”حضرت عمرؓ ابی بن کعب کی نہایت تنظیم کرتے تھے اور اُن سے ڈرتے تھے، ابی نے
جب انتقال کیا تو فرمایا کہ آج مسلمانوں کا سہارا اٹھ گیا، زید بن ثابتؓ کو اکثر اپنی غیبت میں اپنا جانشین
کرتے تھے اور جب واپس آتے تھے تو کچھ نہ کچھ جاگیر کے طور پر انکو عطا کرتے تھے۔ اسی طرح ابو عبیدہؓ
فارسی عمیر بن سعدؓ ابو موسیٰؓ اشعریؓ سالمؓ ابو دردارؓ عمران بن حصینؓ وغیرہ کی نہایت عزت کرتے تھے
بہت سے صحابہ تھے جن کے روزینے فقط اس بنا پر مقرر کیے تھے کہ وہ فضل و کمال میں ممتاز ہیں ابو
غضاریؓ جنگ بدر میں شریک تھے لیکن انکا روزیہ صحابہ بدر کے برابر مقرر کیا گیا اس بنا پر کہ وہ فضل و
کمال میں اور لوگوں سے کم نہیں۔“

اہل کمال
کی صفائی

اُن کی قدر دانی کسی گروہ پر محدود نہ تھی۔ کسی شخص میں کسی قسم کا جوہر ہو تا تھا تو اُسکے ساتھ خاص
مراعات کرتے تھے۔ عمیر بن وہبؓ انجلی کا وظیفہ ۲۰ دینار سالانہ اس بنا پر مقرر کیا کہ وہ پرخطر معرکوں میں
ثابت قدم رہتے ہیں۔ خار جہ بن خدافہؓ اور عثمان بن ابی العاصؓ کے وظیفے اس بنا پر مقرر کیے کہ خار جہ
سہارہ اور عثمان نہایت فیاض تھے۔

لطیفہ ایک دفعہ مغیرہ بن شعبہ کو حکم بھیجا کہ کوفہ میں جب قدر شعراء ہیں اُنکے وہ اشعار جو انھوں نے زمانہ اسلام میں کہے ہیں لکھو اگر بھیج دو۔ مغیرہ نے پہلے غلب عجمی کو بلوایا اور شعر پڑھنے کی فرمائش کی اُس نے شعر پڑھا

ار جبراً سرِ بُدْ آمِ قَصِیداً

لو، نصیدہ جاہ ہے ہا ہا ہا

لَقَدْ ظَلَمْتَ هَيْباً مَوْجُوداً

مے سب آساں حسرت کی فرمائش کی

بھلائی کر بلا کر یہ حکم سنایا، وہ سورہ نقرہ لکھ کر لائے کہ حدیث شعر کے بدلے مجھ کو بغایت کیا ہے مغیرہ نے یہ پوری کیفیت حضرت عمر کو بھیجی وہاں سے جواب آیا کہ غلب کے روزینے میں گھٹا کر لبید کے روزینہ میں پانسو کا اضافہ کرو، غلب نے حضرت عمر کی خدمت میں عرص کی کہ بجا آوری حکم کا یہی صلہ ہے!! حضرت عمر نے لبید کے اضافہ کے ساتھ اسکی تنخواہ بھی بحال رہنے دی۔

اُس زمانے میں جب قدر اہل کمال تھے، شدا شعراء خطباء، نساب، ہیولان، بہادر سب اُن کے دربار میں آئے اور انکی فدر دانی کے مشکور ہوئے، اِس زمانے کا سب سے بڑا شاعر عتیم بن نویرہ تھا جس کے بھائی کو ابو بکر صدیق کے زمانے میں حضرت خالد نے غلطی سے قتل کر دیا تھا۔ اِس واقعہ نے اُسکو اس قدر صدمہ پہنچایا کہ ہمیشہ رویا کرتا اور مرتے کہا کرتا جس طرف سے گل جاتا، رن و مروا گئے گرد جمع ہو جاتے اور اُس سے مرثیے پڑھو کر سنتے، مرثیہ پڑھنے کے ساتھ خود روتا جاتا اور سب کو روتا لانا جاتا۔ حضرت عمر کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مرثیہ پڑھنے کی فرمائش کی اُس نے چند اشعار پڑھے انیر کے شعر یہ تھے۔

مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى تُقْبَلَ كُنْ يَتَصَدَّقُ عَا

کے مدہوں کیلئے ساتھ ہے بہانہ کہ لوگوں سے کہا کہ اکتا دھونگ

يَطُولُ اجْتِمَاعُ كَهْدَمَت لَسَدَ مَعَا

لوگوا ایک رات بھی ہم دونوں سے ساتھ سر بہن کی بھی

وَكَمَا كُنْتُ مَا فِي حَيْدِ يَمَّةٍ حَقْبَةٍ

ایک مدت تک ہم دونوں جذبہ داکم ماد سناہ کا مامی

مَلَا تَفَرَّقْنَا كَأَنِّي وَمَا لَنَا

محرر ہم دونوں جدا ہو گئے

حضرت عمر نے عتیم سے خطاب کر کے کہا کہ اگر مجھ کو ایسا مرثیہ کہنا آتا تو میں اپنے بھائی زید کا مرثیہ کہتا

اُس نے کہا امیر المومنین اگر میرا بھائی آپ کے بھائی کی طرح رہنی شبید ہو کر مارا جاتا تو میں بگڑا کا ماتم نہ کرتا، حضرت عمرؓ ہمیشہ فرمایا کرتے تھے کہ تم نے عیسیٰ میری تہنیت کی کسی نے نہیں کی اسی رات میں ایک اور بڑی مرتیہ گوشاؤہ حنسا تھی اسکا دیوان آج بھی موجود ہے جس میں مرتیوں کے سوا اور کچھ نہیں ہے علماء ادب کا اتفاق ہے کہ مرتیہ کے فن میں آج تک ہنسا کا مثل نہیں پیدا ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اسکو کتبہ میں روتے اور جھٹے دیکھا پاس جا کر تعزیت اتلی کی اور جب اس کے چار بیٹے جنگ قادسیہ میں شہید ہوئے تو چاروں کی تتھواں اُسکے نام جاری کر دیں

پہلوانی اور بہادری میں دشمن طلحہ بن خالد اور عمرؓ مدحیر تمام عرب میں متانتھے اور ہزار ہزار سوار کے برابر مانے جاتے تھے، حضرت عمرؓ نے دونوں کو اپنے دربار میں بارہ یا او قاسمہ کے محل میں جب انکو بھیجا تو سعد قاص کو کچھا کہ میں دو ہزار سوار تمھاری مدد کو بھیجتا ہوں عمرؓ مدحیر بہادری کے ساتھ ملیب اور شاعر بھی تھے حضرت عمرؓ اکثر ان سے فنون حرب کے متعلق گفتگو کیا کرتے تھے چنانچہ ایک جلسہ میں قابل عرب اور سلمہ جنگ کی نسبت بوسولات کیئے اور عمرؓ مدحیر نے ایک ایک کی نسبت بڑے فصیح اور بلیغ فقروں میں جواب دیئے اسکو اہل دین عموماً اور سعودی شہرین الزہیب میں تفصیل لکھا ہے چنانچہ نیزہ کی نسبت پوچھا تو کہا۔

یعنی ہر بھائی۔ لیکن اسی کھئی دانا ہمارا ہے

أَحْوَاكَ وَرَدَّكَ مَا حَالَكَ۔

پھر تیروں کی نسبت پوچھا تو کہا۔

یہی تیروں کے حاصد ہر کھئی مرل کھاتے ہیں کبھی پہاڑ میں

سُرْدُ الْمَا يَا مَخْطِي وَتَصِيب۔

دھال کی نسبت کہا علیہ تَدُوْرُ الدَّائِرِ اِیسی طرح ایک ایک ہتیار کی نسبت جب جب بلیغ فقرے استعمال کیئے جسکی تفصیل کا بڑا بل نہیں

حضرت عمرؓ کے اس طریق عمل نے عرب کے تمام قابل آدمیوں کو دربار خلافت میں منع کر دیا اور

حضرت عمرؓ نے کئی قابلیتوں سے بڑے بڑے کام کیے۔

مسلمین
رسول اللہ
میں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق کا نہایت پاس کرتے تھے۔ جب صحابہؓ وغیرہ کے روزینہ مقرر کرنے چاہے تو عبدالرحمن بن عوف وغیرہ کی رائے تھی کہ حضرت عمرؓ مقدم رکھے جائیں لیکن حضرت عمرؓ نے انکار کیا اور کہا کہ ترتیبِ دارج میں سب سے مقدم آنحضرتؐ کے تعلقات کے قرب بعد کا لحاظ ہے چنانچہ سب سے پہلے قبیلہ بنی ہاشم سے شروع کیا اور انہیں بھی حضرت عباسؓ و حضرت علیؓ کے ناموں کے ابتدائی۔ بنو ہاشم کے بعد آنحضرتؐ سے نسب میں قریب بنو آتبہ تھے پھر بنو عبد شمس بنو نوفل پھر عبدالغفری یہاں تک کہ حضرت عمرؓ کا قبیلہ بنو عدی پانچویں درجے میں پڑتا تھا چنانچہ اسی ترتیب سے سب کے نام لکھے گئے۔ تنخواہوں کی مقدار میں بھی اسی کا لحاظ رکھا۔ سب سے زیادہ تنخواہیں جن لوگوں کی تھیں وہ صحابہؓ بزرگ تھے۔ حضرت امام حسن و حسین علیہما السلام اگرچہ اس گروہ میں نہ تھے لیکن انکی تنخواہیں اسی حساب سے مقرر کیں رسول اللہؐ کے ازواجِ مطہرات کی تنخواہیں بارہ بارہ ہزار مقرر کیں اور یہ سب بڑی مقدار تھی۔ اسامہ بن زید کی تنخواہ جب اپنے فرزند عبداللہ سے زیادہ مقرر کی تو عبداللہ نے عذر کیا۔ فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسامہ کو تجھ سے اور اسامہ کے باپ کو تیرے باپ سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔

حضرت علیؓ کے ساتھ حضرت ابوبکرؓ کی ابتداء خلافت میں دجیسا کہ ہم اوپر لکھ آئے ہیں کسی قدر سرکاری رہی جسکی وجہ یہ تھی کہ حضرت علیؓ نے چھ مہینے تک حضرت ابوبکرؓ کی خلافت پر بیعت نہیں کی چنانچہ صحیح بخاری باب غزوہ خیبر میں ہے کہ چھ مہینے کے بعد یعنی جب فاطمہؓ زہراؓ کا انتقال ہو چکا تو حضرت علیؓ نے حضرت ابوبکرؓ کو مصالحت اور بیعت کی غرض سے بلانا چاہا لیکن جب یہ کہلا بھیجا کہ آپ تنہا آئیں کیونکہ حضرت علیؓ حضرت عمرؓ کی موجودگی کو پسند نہیں کرتے تھے۔

لیکن رفتہ رفتہ جب حضرت علیؓ کو خلافت کا ملال جاتا رہا تو بالکل صفائی ہو گئی چنانچہ حضرت عمرؓ بڑی بڑی تہمت میں حضرت علیؓ کے مشورے کے بغیر کام نہیں کرتے تھے۔ اور حضرت علیؓ بھی نہایت دوستانہ

اور منصفانہ طور پر جیتے تھے نہ اوند کے حرم میں انکو سپلا بھی تا تا باقیات ایکن انہوں نے منظر نہیں کیا
 بیت المقدس کے نوکار و بار خلافت انہی کے ہاتھ میں نہ کر گئے۔ اٹھا دو کائنات کا حیرہ تہ بہ تہ نکال کر حضرت
 علیؑ نے حضرت امام کاظمؑ کو بہ خاطر زہد کے بہن کے نہیں لایا یہ عقیدہ ہے کہ باہر کی مصیبت گمانی ہے
 ان کے اخلاق و عادات کے بہان میں مورتوں نے پوشیدہ کیا۔ اس کی کائنات میں نہ بہت اور نہ خست
 اس کی عظمت نشان کے تابع پر ساوگی کا ظہر نہایت خوشنما معلوم ہوتا ہے اسی رنگ کی کی تصویر کا ایک رخ ہے
 کہ روم و شام پر فوجیں بھیج رہے ہیں قبضہ و کسر کے سفیدوں کے معاملہ میں ہے خالد و ہیر معاویہ سے
 باز پرس ہے سعد و قاص ابو موسیٰ اشعری و محمد بن العاص کے نام انکام کے ماہ ہیں دوسرا رخ کہ
 بہن پر بارہ پیوند کا کرتہ سے سر پر بچھا سا خامہ سے ہاتوں میں بندی ختیاں ہیں حضرت اسحاق میں یا تو
 کا ندھے پر مشک لیے جا رہے ہیں کہ ہودہ عورتوں کے گھر یا فی جہنا ہے با جھکے کونے میں فرس خاک پر
 بیٹھے ہیں ایسے کہ کام کرتے کرتے تھک گئے ہیں اور نیند کی ہچکی کی آگئی ہے

اطلاق و عادات
 دماغ و سادگی

بارہا مکہ سے مدینہ تک سفر کیا لیکن نیمہ یا تا سبیا نہ کبھی ساتھ نہیں رہا۔ بہاں ٹھیکر کے کسی اسی درخت پر
 چادر ڈال دی اور اسی کے سایہ میں پڑ رہے ابن حدکی روایت ہے کہ انکار و زانہ حائنی نیر دو درہم
 تھاجس کے کم و بیش اسہوتے ہیں ایک فہمہ خف بن قیس و سابح کے ساتھ ان کے ملے کو گئے
 دیکھا تو دہن چڑھائے ادا ہوا و ہر دوڑتے پھر نہ ہیں اخف کو دیکھ کر کہا آؤ ہم بھی میلہ ساتھ دو بیت المال
 کا ایک اونٹ بھاگ گیا ہے تم جانتے ہو ایک اونٹ میں کتنے نہ بیوں کا حق شامل ہے ایک شخص نے
 کہا ہیر المؤمنین! آپ کیوں تکلیف اٹھاتے ہیں کسی غلام کو حکم کیے وہ ڈھونڈ دلائیگا۔ فرمایا آئی اے عبد
 اعبد عتیٰ یعنی مجھ سے بڑھ کر کون علام ہو سکتا ہے۔

موطا امام محمد میں روایت ہے کہ جب شام کا سفر کیا تو شہر کے قریب پینچر قنات حاجت کے لئے
 سواری سے اترے اسلم انکا غلام بھی ساتھ تھا قانع ہو کر آئے تو (قبول کر یا کسی صحت سے) اسلم کے

اوسٹ پر سوار ہو گئے ادھر اہل شام استقبال کو آ رہے تھے، جوتا تھا پہلے اسلم کی طرف متوجہ ہوتا تھا وہ حضرت عمر کی طرف انساہ کرتا تھا، لوگوں کو تعجب ہوتا تھا اور آئیں میں (حیرت سے) سرگوشیاں کرتے تھے حضرت عمرؓ فرمایا کہ انہی نگاہیں نسان و شوکت ڈھونڈ رہی ہیں (وہ یہاں کہاں؟)

ایک دفعہ خطبہ میں کہا کہ صاحبو! ایک زمانہ میں میں استغذ زیادار تھا کہ لوگوں کو پانی بھوکرا دیا کرتا تھا وہ اُسکے صلے میں مجھ کو چھوڑے دیتے تھے وہی کھا کر بسر کرتا تھا، یہ کہہ کر میرے اُتر آئے لوگوں کو تعجب ہوا کہ یہ مبرر کہنے کی کیا بات تھی، فرمایا کہ میری طبیعت بن دروغ و را گیا تھا، یہ اُسکی دوائھی۔

۲۳؎ میں سفر حج کیا اور یہ وہ زمانہ تھا کہ انہی سطوت و جبروت کا اُتباب نصف النہار پر آ گیا تھا، سعید بن اسیب جو ایک شہور تابعی گذرے ہیں وہ بھی اس سفر میں شریک تھے۔ انہی بیان ہے کہ حضرت عمرؓ جب الطح میں پہنچے تو سنگریزے سیٹ کر اُسپر کپڑا ڈال دیا اور اُسکو تکیہ بنا کر فرش خاک پر لیٹ گئے، پھر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور کہا اے خدا! میرے عمر اب زیادہ ہو گئی۔ اور تو ہی کمزور ہو گئے اب مجھ کو دنیا اٹھائے اگر یہ خلافت کے انکار نے اُنکو خشک نراج بنا دیا تھا۔ لیکن یہ انہی طبعی حالت نہ تھی کبھی کبھی موقع ملتا تھا تو زندہ دلی کے اشتغال سے جی بہلاتے تھے ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عباس سے رات بھر اُستعار

پڑھوایا کیے۔ جب صبح ہونے لگی تو کہا کہ ”اب قرآن پڑھو۔“ محدث ابن جوزی نے سیرۃ احمد بن میں لکھا ہے کہ ایک دفعہ رات کو گشت کر رہے تھے۔ ایک طرف سے گانے کی آواز آئی، اُدھر متوجہ ہوئے اور دیر تک کھڑے رہے۔ ایک دفعہ سفر حج میں حضرت عثمان، عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن زبیر وغیرہ ساتھ تھے۔ عبداللہ بن زبیر اپنے ہم سنوں کے ساتھ پہل کرتے اور غفل کے دانے اُچھالتے چلتے تھے حضرت عمرؓ صرف استغذ فرماتے تھے کہ دیکھو اُونٹ بھڑکنے نہ پائیں، لوگوں نے رباح سے مدی گانے کی فرمائش کی وہ حضرت عمرؓ کے خیال سے رُکے، لیکن جب حضرت عمرؓ نے کچھ ناراضی نہ ظاہر کی تو رباح نے گانا شروع کیا، حضرت عمرؓ بھی منہ نہ دیکھے، صبح ہو چلی تو فرمایا کہ ”بس اب خدا کے ذکر کا وقت ہے“ ایک دفعہ سفر حج میں ایک سوار گاتا جاتا تھا لوگوں

نے حضرت عمرؓ سے کہا کہ آپ اسکو منع نہیں کرتے فرمایا کہ گانا، شہر سواروں کا زادراہ ہے، خواتین بن جبر کا بیان ہے کہ، ایک دفعہ سفر میں میں حضرت عمرؓ کے ساتھ تھا، ابو عبیدہ اور عبدالرحمن بن عوف بھی ہم کا حصہ لوگوں نے مجھ سے فرمائش کی کہ فرار کے شکار کاؤ، حضرت عمرؓ نے فرمایا بہتر یہ ہے کہ یہ خود اپنے شکار گاہیں چنانچہ میں نے گانا شروع کیا اور ساری رات گاتا رہا۔

مزاج قدرتی طور پر نہایت تند تیز اور زود متعل واقع ہوا تھا جاہلیت کے زمانہ میں تو وہ فہر زخم تھے لیکن اسلام کے بعد بھی مدتوں تک اسکا اثر نہیں گیا۔

غزوہ بدر میں آنحضرتؐ نے فرمایا کہ مجھ کو معلوم ہے کہ کافروں نے بنو ہاشم کو مجبور کر کے اپنے ساتھ لیا، وہ نہ وہ خود کبھی نہ آئے۔ اسلئے اگر ابو الجحشیری، یا عباس وغیرہ کہیں نظر آئیں تو انکو قتل نہ کرنا، ابو حدادیہ بول اٹھے کہ ہم اپنے باپ بیٹے، بھائی سے درگزر نہیں کرتے تو بنو ہاشم میں کیا خصوصیت ہو ورنہ اگر عباس مجھ کو ہاتھ آئیگے تو میں انکو تلوار کا مرہ پچھاؤں گا، آنحضرتؐ کو انکی یہ گستاخی ناگوار گزری حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا۔ ابو حفص! حضرت عمرؓ کی کنیت تھی انیکھتے ہو! عجم رسولؐ کا چہرہ تلوار کے قابل ہے، حضرت عمرؓ آپ سے باہر ہو گئے اور کہا اجازت دیجئے کہ میں اسکا سر ڈاؤں۔ حدیث بڑے رتبہ کے صحابی تھے اور یہ جملہ اتفاقیہ انکی زبان سے نکل گیا تھا۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے ان سے کچھ مواخذہ نہیں کیا۔

حاطب بن بلتعہ ایک مغز صحابی تھے اور غزوہ بدر میں شریک ہے تھے انھوں نے ایک دفعہ ایک ضرورت سے کفار مکہ سے خفیہ خط و کتابت کی یہ راز کھل گیا، حضرت عمرؓ براؤختہ ہو کر آنحضرتؐ کے پاس پہنچے کہ یہ کافر ہو گیا، مجھ کو اجازت دیجئے کہ اسکو قتل کر دوں آنحضرتؐ نے فرمایا ابن الخطاب! مجھ کو کیا معلوم ہے۔ خدا نے شاید اہل بدر سے کہدیا ہو کہ تم جو چاہو کرو میں سب معاف کر دوں گا۔ ذوالنورینہ ایک شخص تھا ایک دفعہ آنحضرتؐ سے گستاخانہ کہا کہ ”محمد! عدل اختیار کر“ حضرت عمرؓ غصے سے بیتاب ہو گئے اور چاہا کہ اسکو قتل کر دیں لیکن حضرت نے منع کیا۔ ان واقعات سے تم کو اندازہ ہو گا کہ کس طرح ہر موقع پر انکی تلوار

نیام سے نکلی پڑتی تھی، اور کافر تو کافر خود مسلمانوں کے ساتھ انکا کیا سلوک تھا، لیکن اسلام کی بکیت اور عمر کے انحطاط، اور خلافت کی تہات نے انکو رفتہ رفتہ نہایت نرم اور عظیم بنا دیا یہاں تک کہ خلافت کے زمانہ میں وہ کافروں کے ساتھ جس رحمدلی اور لطافت سے برتاؤ کرتے تھے، آج مسلمان سے مسلمان نہیں کرے۔

اُنکی خانگی زندگی کے حالات کم معلوم ہیں، قراین سے اس قدر ثابت ہے کہ وہ ازواج و اولاد کے بہت مالدار نہ تھے اور خصوصاً ازواج کے ساتھ انکو بالکل شغف نہ تھا، جسکی وجہ زیادہ یہ تھی کہ وہ عورتوں کی جہت قدر و رغبت کرنی چاہتے نہیں کرتے تھے صحیح بخاری باب اللباس میں خود انکا قول مذکور ہے کہ ہم لوگ زمانہ جاہلیت میں عورتوں کو بالکل بیچ بھختے تھے۔ جب قرآن نازل ہوا اور اس میں عورتوں کا ذکر آیا تو ہم سمجھے کہ وہ بھی کوئی چیز ہیں تاہم ہم انکو معاملات میں بالکل دخل نہیں دیتے تھے، اسی روایت میں ہے کہ ایک دفعہ انھوں نے اپنی بیوی کو سخت کہا، انھوں نے بھی برابر کا جواب دیا۔ اسپر کہا کہ اب تمھارا یہ رتبہ پہنچا وہ پولیس کہ تمھاری بیٹی تو رسول اللہ سے دو بدو ایسی باتیں کرتی ہے۔

حضرت عمر کی ایک بیوی جمیلہ تھیں اُنکے بطن سے عاصم پیدا ہوئے۔ عاصم ابھی صغیر سن ہی تھے کہ کسی وجہ سے حضرت عمر نے انکو طلاق دیدی۔ یہ حضرت ابو بکر کا زمانہ تھا، اور حضرت عمر قبا سے جہاں پہلے رہا کرتے تھے۔ اُنھکو مدینے میں آگئے تھے۔ ایک دن اتفاق سے قبا کی طرف جانگلے۔ عاصم بچوں کے ساتھ کھیل رہے تھے، حضرت عمر نے انکو پکڑ کر اپنے گھوڑے پر بٹھالیا اور ساتھ لیجا ناچا۔ عاصم کی ماں کو خبر ہوئی، وہ آن کر مزاحم ہوئیں کہ میرا لڑکا ہے میں اپنے ساتھ رکھوں گی، جھگڑا طویل کھنچا اور وہ حضرت ابو بکر کے پاس فریادی آئیں۔ حضرت ابو بکر نے، حضرت عمر کے خلاف فیصلہ کیا اور اس لیے وہ مجبور رہ گئے، یہ واقعہ موطا

ابام مالک وغیرہ میں مذکور ہے۔ ان واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے ساتھ انکا سلوک محبت اور رحم کے اُس پایہ پر نہ تھا جیسا اور ہزرگوں کا تھا۔ اولاد اور اہل خاندان سے بھی انکو غیر معمولی محبت نہ تھی۔ البتہ زید سے جو حقیقی بھائی تھے نہایت الفت بھی چنانچہ جب وہ بیمار کی لڑائی میں تہید ہوئے تو بہت روتے اور سخت

قلق ہوا فرمایا کرتے تھے کہ جب پیام کی طرف سے ہو چلتی ہے تو مجبوراً یہی کی جوتہواتی ہے۔ عرب کا متہور فرنگی شاعر مہتمم بن نویرہ جب انہی خدمت میں آیا تو فرمائش کی کہ زید کا مرثیہ کہو لکھو تھا اس کا کہنا آتا تو میں خود کہتا۔ حضرت عمرؓ نے جیسا کہ ہم پہلے حصے میں لکھ آئے ہیں مکہ سے جب ہجرت کی تو دعائی میں اگر مقیم ہوئے جو مدینہ منورہ سے دو تین میل ہے۔ لیکن خلافت کے بعد غالباً وہاں کی سکونت بالکل چھوڑ دی اور شہر میں آئے یہاں جس مکان میں وہ رہنے لگے وہ مسجد نبویؐ سے متصل باب اسلام اور باب الرحمہ کے بیچ میں واقع تھا چونکہ مرتبہ وقت وصیت کی تھی کہ مکان بیکرا نکاح فرض او اکیا جائے چنانچہ امیر معاویہؓ نے اسکو خریدا اور قربت سے قرض او اکیا گیا ایسے یہ مکان مدت تک دارالقضا کے نام سے مشہور رہا۔

ابو جابر
رب

معاش کا اصلی ذریعہ تجارت تھا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے کہ حدیث استیدان کے اعلیٰ کا انھوں نے یہی عذر کیا کہ میں خرید و فروخت میں مشغول ہونے کی وجہ سے آنحضرتؐ کی خدمت میں کم حاضر ہوتا تھا لیکن اور فتوحات بھی کبھی حاصل ہو جاتی تھیں۔ قاضی ابویوسفؒ نے کتاب الخراج میں لکھا ہے کہ رسول اللہؐ نے مدینہ میں پینچر لو بکر و عمر و جاگیر میں عطا کیں۔ خیبر جب فتح ہوا تو آنحضرتؐ نے تمام صحابہ کو جو معرکہ میں شریک تھے تقسیم کر دیا۔ حضرت عمرؓ کے حصے میں جو زمین آئی اس کا نام تمنع تھا اور وہ نہایت سیر حاصل زمین تھی۔ منہج بلاذری نے لکھا ہے کہ آنحضرتؐ نے خیبر کے تمام حصہ داروں کے نام ایک کتاب میں قلمبند کر دیئے تھے، یہودی حاکم سے بھی انکو ایک تین ماٹہ آئی تھی اور اس کا نام بھی تمنع تھا لیکن انھوں نے یہ دونوں زمینیں خدا کی راہ وقف کر دیں۔ خیبر کی زمین کے وقف کا واقعہ صحیح بخاری باب التمرط فی الوقف میں مذکور ہے۔ وقف میں چتریں کیں یہ تھیں یہ زمین نہ بیچی جائیگی۔ نہ ہبہ کی جائیگی۔ نہ وراثت میں منتقل ہوگی، جو کچھ اس سے حاصل ہوگا وہ فقرا و ذوی القربی غلام مسافر اور جہان کا حق ہے۔

ابو جابر

ابو جابر

خلافت کے چند برس بعد انھوں نے صحابہ کی خدمت میں مصارف ضروری کے لئے درخواست کی پھر حضرت علیؓ کی رائے کے موافق اسقدر تنخواہ مقرر ہو گئی جو معمولی خوراک اور لباس کے لئے کافی ہو۔ مہتمم میں

جب تمام لوگوں کے رویے مقرر ہوئے تو اوراکا بڑھابہ کے ساتھ اس کے بھی پانچ ہزار درہم سالانہ مقرر ہو گئے۔

معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ پہنچ کر اول اول زرعیت بھی کی تھی لیکن اس طرح کہ کھیت بٹائی پر دیدیتے تھے۔
ستم بھی خود ہتیا کرتے تھے اور کبھی اسکا ہم پہنچانا بھی شریک کے ذمہ ہوتا تھا چنانچہ صحیح تجارتی باب الاثر غلہ
یہ واقعہ تبصرع مذکور ہے۔

غدا نہایت سادہ تھی، سموار، روٹی اور روغن زیتون دسترخوان پر ہوتا تھا۔ روٹی اکثر کپھوں کی ہوتی تھی
لیکن آٹا چھانا نہیں جاتا تھا۔ عام القحط میں جو کالترام کر لیا تھا۔ کبھی کبھی متعدد چھیدیں دسترخوان پر ہوتی تھیں اور
وہ یہ ہوتی تھیں گوشت، روغن زیتون، دودھ، ترکاری، سرکہ۔ جہاں یا سفراء آتے تھے تو کھانے کی اگلو تکلیف
ہوتی تھی کیونکہ وہ ایسی سادہ اور معمولی غذا کے عادی نہیں ہوتے تھے۔

لباس بھی معمولی ہوتا تھا۔ اکثر صرف قمیص پہنتے تھے۔ برنس ایک قسم کی ٹوپی تھی جو عیسائی و یونانیوں کا
تھے۔ مدینہ منورہ میں بھی اسکا رواج ہو چلا تھا چنانچہ حضرت عمرؓ بھی کبھی استعمال کرتے تھے۔ جوئی دہی عربی
وضع کی ہوتی تھی جس میں تسمہ لگا ہوتا تھا۔

تہایت بے تکلفی اور سادگی سے رہتے تھے۔ کپڑوں میں اکثر پیوند ہوتا تھا۔ ایک دفعہ دیر تک گھڑیں
ہے باہر آئے تو لوگ انتظار کر رہے تھے، معلوم ہوا کہ پہنے کو کپڑے نہ تھے اسلئے انہی کپڑوں کو دھو کر سوکھنے
کو ڈال دیا تھا۔ خشک ہو گئے تو وہی پہنکر باہر نکلے۔

لیکن ان تمام باتوں سے یہ نہیں خیال کرنا چاہیے کہ وہ رہبانیت اور تقشف کو پسند کرتے تھے اسباب
میں انکی رائے کا اندازہ اس سے ہوتا ہے کہ ایک دفعہ ایک شخص جسکو انھوں نے مین کا عامل مقرر کیا تھا۔
اس صورت سے ان سے ملنے کو آیا کہ لباس فاعرہ زیب بدن تھا اور بالوں میں خوب تیل پڑا ہوا تھا حضرت
عمرؓ نہایت ناراض ہوئے اور وہ کپڑے اتروا کر مٹا بھونکا پھرا پھرایا۔ دوسری دفعہ آیا تو پریشان ہوا اور پٹے
پر اسے کپڑے پہن کر لایا۔ فرمایا کہ یہ بھی مقصود نہیں آدمی کو نہ پرگندہ مورہنا چاہیے نہ پٹیاں جمائی چاہئیں

حاصل یہ کہ وہ نہ یہود و نصاریٰ اور آرائش کو پسند کرتے تھے نہ اسبابہ زندگی کو اچھا سمجھتے تھے
 حلیمہ یہ تھا۔ رنگ گندمگون، قد نہایت لائیاں تھاں تک کہ بکڑوں نہاروں آدمیوں کے مجمع میں کھڑے ہو کر
 تھے تو انکا قد سب سے نکلا ہوتا تھا۔ رخسارے کم گوشت۔ گھن کی ڈاڑھی۔ مونچھیں بڑی بڑی سرک بال
 سامنے سے اڑ گئے تھے۔

حضرت عمرؓ نے ہر صنیعہ میں جو جو باتیں نئی ایجاد کیں انہیں موعین نے بھی لکھا ہے اور انکو اولیاءت سے تعبیر
 کرتے ہیں چنانچہ ہم ان کے حالات کو انہی اولیات کی تفصیل پر ختم کرتے ہیں اول باختر بستے وارو۔



(۱) بیت المال یعنی خزانہ قائم کیا۔

(۲) عدالتیں قائم کیں اور قاضی مقرر کیے۔

(۳) تاریخ اور سنہ قائم کیا جو آج تک جاری ہے۔

(۴) امیر المومنین کا لقب اختیار کیا۔

(۵) فوجی دفتر ترتیب دیا۔

(۶) والینٹروں کی تنخواہیں مقرر کیں۔

(۷) دفتر مال قائم کیا۔

(۸) پیمائش جاری کی۔

(۹) مردم شماری کرائی۔

(۱۰) نمروں کھدوائیں۔

(۱۱) شہر آباد کر لئے یعنی کوفہ۔ بصرہ۔ جیزہ۔ فسطاط۔ موصل۔

(۱۲) ممالک مقبوضہ کو صوبوں میں تقسیم کیا۔

(۱۳) عسور یعنی وہ بھی مقرر کی (اسکی تفصیل صنیعہ محل میں گزری چکی ہے)

(۱۴) دریائی پیداوار مثلاً عنبر وغیرہ پر محصول لگایا اور محضل مقرر کیے۔

(۱۵) حربی تاجروں کو ملک میں آنے اور تجارت کرنے کی اجازت دی۔

(۱۶) جیلخانہ قائم کیا۔

(۱۷) درہ کا استعمال کیا۔

(۱۸) راتوں کو گشت کر کے رعایا کے دریافت حال کا طریقہ نکالا۔

(۱۹) پولیس کا محکمہ قائم کیا۔

(۲۰) جا بجا فوجی چھاؤنیاں قائم کیں۔

(۲۱) گھوڑوں کی نسل میں ایل اور محبس کی تمیز قائم کی جو اس وقت تک عرب میں تھی۔

(۲۲) پرچہ نویس مقرر کیے۔

(۲۳) مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ تک مسافروں کے آرام کے لیے مکانات بنوائے۔

(۲۴) راہ پر پڑے ہوئے بچوں کی پرورش اور پرورش کے لیے روزینے مقرر کیے۔

(۲۵) مختلف شہروں میں مہمان خانے تعمیر کرائے۔

(۲۶) یہ قاعدہ قرار دیا کہ اہل عرب رگوں کا قریہوں (غلام نہیں بنائے جاسکتے۔

(۲۷) منفلوک الحال عیسائیوں اور یہودیوں کے روزینے مقرر کیے۔

(۲۸) مکاتب قائم کیے۔

(۲۹) معلموں اور تدریسوں کے مشاہیر مقرر کیے۔

(۳۰) حضرت ابوبکر کو اصرار کے ساتھ قرآن مجید کی ترتیب آدہ کیا اور اپنے اہتمام سے اس کا کم کو پورا کیا۔

(۳۱) قیاس کا اصول قائم کیا۔

(۳۲) فرائض میں عول کا مسئلہ ایجاد کیا۔

(۳۳) فجر کی اذان میں الصلوٰۃ خیر من النوم ادا نہ کیا۔ چنانچہ موطا امام مالک میں اسکی تفصیل مذکور ہے۔

(۳۴) نماز اوج جماعت سے قائم کی

(۳۵) مبین طائفوں کو جو ایک ساتھ بیجا میں طلاق بائن فرار دیا۔

(۳۶) شرب کی حد کے لیے اسی کوٹے مقرر کیے

(۳۷) تجارت کے گھوڑوں پر زکوٰۃ مقرر کی۔

(۳۸) بنو تہلب کے پیسائیوں پر بجائے خبریہ کے زکوٰۃ مقرر کی

(۳۹) وقف کا طریقہ ایجاد کیا۔

(۴۰) نماز جنازہ میں چار گیسروں پر تمام لوگوں کا اجماع کر دیا۔

(۴۱) مساجد میں غنطہ کا طریقہ قائم کیا چنانچہ انکی اجازت سے یتیم داری نے وغنطہ اور یہ سلام میں پہلا غنطہ تھا۔

(۴۲) اماموں اور مؤذنین کی تختہ اہیں مقرر کیں۔

(۴۳) مساجد میں راتوں کو روشنی کا انتظام کیا۔

(۴۴) ہجو کہنے پر غزیر کی سزا قائم کی۔

(۴۵) مزلیہ اشعار میں عورتوں کے نام لینے سے منع کیا حالانکہ یہ طریقہ عرب میں مدتوں سے جاری تھا ان کے سوا اور بہت سی انکی اولیات ہیں۔ جنکو ہم طوالت کے خوف سے قلم انداز کرتے ہیں۔

ازواج و اولاد

حضرت عمرؓ نے جاہلیت و اسلام میں متحد و مناج کیے۔ پہلا مناج عثمان بن مظعون کی بن و زینب کے ساتھ ہوا عثمان بن مظعون سابقین صحابہ میں سے تھے۔ یعنی اسلام لائے والوں میں انکا چودھواں نمبر تھا انھیں وفات پائی اور جناب رسول اللہ کو انکی وفات کا استعد صد یہ ہوا کہ آپ انکے لاشہ کو بوسہ دیتے تھے اور انکی اختیار روئے جاتے تھے۔ عثمان کے دوسرے بھائی قدامتہ بھی اکابر صحابہ میں سے تھے۔ زینب سلمان ہو کر

ایک سہ ماہ میں میں حضرت عبداللہ اور حضرت حفصہؓ انہی کے بطن سے ہیں۔

دوسری بیوی فریثہ بنت ابی تہہ الحزومی تھیں جو آنحضرتؐ کی زوجہ مبارک ام سلمہؓ کی بہن تھیں، چونکہ اسلام انہیں لایا، اس لئے کہ عورت سے نکاح جائز نہیں، اس لئے صلح حدیبیہ کے بعد سہ ماہ میں انکو طلاق دیدی۔
تیسری بیوی میکہ بنت جبرول انحرای تھیں انکو ام کلثوم بھی کہتے ہیں، یہ بھی اسلام نہیں لائیں اور اس وقت سے سہ ماہ میں انکو بھی طلاق دیدی۔ عبداللہ انہی کے بطن سے ہیں۔

زینب اور قریبہ قریش کے خاندان سے۔ اور میکہ خزاعہ کے قبیلہ سے تھیں مدینہ منورہ میں آکر انصار میں قرابت پیدا کی، یعنی سہ ماہ میں عاصم بن ثابت بن ابی اللاح جو ایک مغز انصاری تھے اور غزوہ بدر میں شریک تھے، انکی بیٹی جمیلہ سے نکاح کیا۔ جمیلہ کا نام پہلے عاتبہ تھا۔ جب وہ ہلام لائیں تو آنحضرتؐ نے بلکہ جمیلہ نام رکھا۔ لیکن انکو بھی کسی وجہ سے طلاق دیدی۔

انیر عمر میں انکو خیال ہوا کہ خاندان نبوہ سے تعلق پیدا کریں جو مدینہ شریف اور بکث کا سبب تھا چنانچہ جالب میر سے حضرت ام کلثوم کے لیے زوجہ ست کی خواب مدوح نے پہلے ام کلثوم کی صغریٰ کے سبب انکار کیا لیکن جب حضرت عمرؓ نے زیادہ متناظر کی اور کہا کہ اس سے مجھ کو حصول شرف مقصود ہے تو جواب میر نے منظور فرمایا اور سہ ماہ میں ۴۰ ہزار ہر پہ نکاح ہوا۔

سہ ماہ میں ام کلثوم سے فاطمہؓ کی زوجہ کا واقعہ عام مسودہ میں مسجل تھا جو علامہ طبری نے تاریخ کتب میں اس حوالہ سے کیا ہے کہ میں اس آیت میں عمرؓ کے ساتھ تھا جو کہ ام کلثوم سے فاطمہؓ کی زوجہ تھیں ایک دوسری ام کلثوم بھی تھی جو بعض کہیں اس دونوں میں تو فرق کیا صاف لغوی کی ہے، علامہ طبری و ابن حبان و ابن قتیبہ کی تصانیف میں عمرؓ کی عمر سے گری ہیں اور ان کے لئے عمر کا لفظ ہی استعمال کیا ہے جو میں وہ خاص ہیں اس موقع پر نقل کرتا ہوں، اتفاقاً ابن حبان نے عمر کا لفظ عمر و انقباشہ میں ہی مدونہ و عمر ام کلثوم مدب علی بن ابی طالب ہی میں داخل ہے اور مدب ہما فی شہودی القعدۃ معاد بن قتبہ ذکر اور لا عمر میں جو مدونہ و ذیل و امھما ام کلثوم مدب علی بن ابی طالب میں فاطمہ مدب رسول اللہ ﷺ علیہ السلام تھیں فاطمہ ام کلثوم کا حال تھا جو تفسیر کے ساتھ اسی روئے کا واقعہ نقل کیا ہے اس طرح طبری نے بھی اس کا حوالہ کیا ہے کہ یہ حکم بطریق کے عہد کی ہے حکومت بطریق کے عہد کے لئے لازم کر کے ہیں سب سے بڑے بڑے صحابہ میں انکے ہی میں حضرت ام کلثوم کا ذکر آگیا ہے حکم واقعہ یہ ہے کہ عمرؓ نے ایک دفعہ عروں کو پادشہ تہم کیا ایک کج روی اسکی نسبت انکو رد تھا کہ اس کو دیکھئے کہ کس سے اس سے فاطمہ جو کر کہا یا امیر المؤمنین عطا ہوا پس رسول اللہ ﷺ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دین و ام کلثوم مدب عمرؓ کی باب انہما مدب عمرؓ صفحہ ۴۲، اس صاف تصریح ہے کہ ام کلثوم جو عمرؓ کی زوجہ تھیں مدب ہوتے ہیں۔

حضرت عمر کے اور بیویاں بھی تھیں یہ ام کلثوم بنت ابی اسحاق بن اسام انصاریؓ کی بیٹی تھیں۔ مائیکہ بنت زید بن عمرو بن نفیل۔ مائیکہ حضرت عمر کی چھری بہن تھیں انکا نکاح پہلے حضرت ابوبکر کے فرزند عبداللہ سے ہوا تھا اور چونکہ مائیکہ نہایت خوبصورت تھیں عبداللہ انکو بہت چاہتے تھے عبداللہ غزوہ کربلا میں شہید ہو گئے مائیکہ نے انکا نہایت درد انگیز مرتبہ کھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

فَالَيْتَ لَا تَنفَلَتْ عَيْنِي حَزِينَةً	عَذِيكَ لَا يَنْفَلِكُ جِلْدِي أَهْلًا
میں نے سوچا کہ میں ہوں کہ میری آنکھ ہمیشہ	تیرے اوپر ٹھکین رہے گی اور بدن نہ کہ تو دور رہے گا

حضرت عمر نے سترہ میں اُن سے نکاح کیا۔ دعوتِ ولید میں حضرت علیؓ بھی شریک تھے۔ حضرت عمر کے اولاد کثرت سے ہوئی۔ جن میں سے حضرت حفصہؓ اس لیے زیادہ ممتاز ہیں کہ وہ ازدواجِ مطہرات میں داخل ہیں۔ انکا نکاح پہلے خنیس بن حذافہ کے ساتھ ہوا تھا جو مہاجرین صحابہ میں سے تھے۔ خنیس جب نوزدہ اُحد میں شہید ہوئے تو وہ سترہ میں جناب سول اللہ کے عقد میں آئیں اُن سے بہت سی حدیثیں مروی ہیں اور بہت سے صحابہ نے اُن سے حدیثیں روایت کی ہیں سترہ میں ۶۳ برس کی عمر پا کر انتقال کیا۔

اولادِ مذکور کے یہ نام ہیں عبداللہ عبداللہ عاصم۔ ابوحمزہ عبدالرحمن۔ زید۔ مجیر ان میں تین سابق الفکر زید نامور ہیں حضرت عبداللہ ثقہ و حدیث کے بڑے رکن مانے جاتے ہیں۔ بخاری و مسلم میں اُن کے سائل اور روایتیں کثرت سے مذکور ہیں وہ حضرت عمر کے ساتھ مکہ میں اسلام لائے اور اکثر غزوات میں حضرت کے ہمراہ رہے۔ علامہ ذہبی نے تذکرۃ الصحابہ میں اور ابن خلکان نے وفيات الاعیان میں انکا حال تفصیل کے ساتھ لکھا ہے جس سے اُن کے علم و فضل اور زہد و تقدس کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ علم و فضل کے علاوہ حق گوئی میں نہایت مبیاک تھے ایک دفعہ حجاج بن یوسف۔ کعبہ میں خطبہ پڑھ رہا تھا، عین اُسی حالت میں اُنھوں نے کھڑے ہو کر کہا ”یہ خدا کا دشمن ہے کیونکہ اس نے خدا کے دوستوں کو قتل کیا ہے“ چنانچہ اسی کے انتقام میں حجاج نے ایک آدمی کو متعین کیا جس نے انکو مسموم آلہ سے زخمی کیا اور اسی زخم سے بیمار ہو کر وفات پائی۔

اولادِ مذکور

عمر بن عمر

علامہؒ نے لکھا ہے کہ جب حضرتؒ نے اپنا معاملہ حکم کے ہاتھ میں دیا تو لوگوں نے حضرتؒ عبد اللہؒ سے اگر کمالہ تمام مسلمان آپ کو رافضی پر راضی ہیں آپ آمادہ ہو جائیں تو ہم لوگ آپ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں انہوں نے انکار کیا اور کہا کہ میں علمائوں کے خون سے خلافت کو خریدنا نہیں جانتا۔

حضرت عبد اللہؒ کے بیٹے سالمؒ قحطائے سبعہؒ مدینہ منورہ کے اُن سات فقہاء میں محسوب ہیں جنہ مدینہ و فہم کا مدار تھا اور جن کے فتوے کے بغیر کوئی قاضی فیصلہ کرنے کا حجاز نہ تھا۔ سالمؒ کے علاوہ باقی تین فقہاء کے تمام ہیں۔ خارجہ بن زید۔ حوفہ بن الزبیر۔ سلیمان بن ایسار۔ عبید اللہ بن عبد اللہ سعید بن مسیب۔ قاسم بن محمد۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ تمام محدثین کے نزدیک حدیث کے دو سلسلے۔ سب زیادہ مستند ہیں اور محدثین اس سلسلے کو زنجیر زکینہؒ کہتے ہیں یعنی اول۔ وہ حدیث جسکی روایت کے سلسلے میں امام مالک تانق عبد اللہ بن عمر ہوں۔ دوسری وہ حدیث جسکے سلسلے میں زہری۔ سالم اور عبد اللہ بن عمر واقع ہوں امام مالک اور زہری کے سوا باقی تمام لوگ حضرت عمرؓ ہی کے گھرانے کے ہیں۔ عبد اللہ ان کے بیٹے۔ اور سالم پوتے۔ اور تانق غلام تھے۔ حضرت عمرؓ کے دوسرے بیٹے عبد اللہ تجارت اور سیلابی میں مشہور ہیں۔ تیسرے بیٹے حاصم نہایت پاکیزہ نفس اور عالم و فاضل تھے۔ سنہ ۸۰ھ میں جب انھوں نے انتقال کیا تو حضرت عبد اللہ بن عمرؓ نے انکا مراثیہ لکھا جسکا ایک شعر یہ ہے۔

قَعْنَنَا حَمْبَعًا اَوْ ذَهَبًا سَامِعًا

تجھ کو ہم سب ساتھ پیسے یا چاندی دے دوں گا

فَلَمَّا كُنَّا كُنَّا خَلْقًا عَاصِمًا

میں نے تو تجھ کو چھوڑ دیا

حاصم نہایت بلند قامت اور عظیم تھے۔ اور شعر خوب کہتے تھے، چنانچہ اہل ادب کا قول ہے کہ ہر شاعر کو کچھ نہ کچھ وہ الفاظ بھی لانے پڑتے ہیں مقصود نہیں ہوتے لیکن حاصم اس سے مستثنیٰ ہیں۔ حضرت عمرؓ بن عبد العزیز انہی کے نواسے تھے ابن قتیبہ نے کتاب المعارف میں حضرت عمرؓ کے پوتوں پر توں اور نواسوں کا حال بھی لکھا ہے لیکن ہم اختصار کے لحاظ سے قلم انداز کرتے ہیں۔

خاتمہ

لَيْسَ لِلَّهِ مُشْتَرِكٌ
ان يَجْمَعَ الْعَالَمُ فِي وَاحِدٍ

خدا کی قدرت سے یہ کیا بد؟ کتنا عام ایک فرد میں سما جائے

حضرت عمر کے سوانح اور حالات تفصیل کے ساتھ اور اس صحت کے ساتھ لکھتے جا چکے جو تاریخی تصنیف کی صحت کی اخیر حد ہے، دنیا میں اور جب قدر بڑے بڑے نامور گزرے ہیں، ان کی غفلت سوانح عمریاں پہلے سے موجود ہیں، یہ دونوں چیزیں اب تمہارے سامنے ہیں اور تم کو اس بات کے فیصلہ کرنے کا موقع ہے کہ تمام دنیا میں حضرت عمر کا کوئی ہمایہ گزرا ہے یا نہیں؟

قانون فطرت کے نکتہ شناس جانتے ہیں کہ فضائل انسانی کی مختلف انواع میں اور ہر فضیلت کا جدار استہ ہے۔ ممکن بلکہ کثیر الوقوع ہے کہ ایک شخص ایک فضیلت کے لحاظ سے تمام دنیا میں اپنا جواب نہیں رکھتا تھا، لیکن اور فضائل سے اس کو بہت کم حصہ ملتا تھا۔ سکندر سب سے بڑا فاتح تھیں لیکن حکیم نہ تھا۔ ارسطو حکیم تھا۔ لیکن کشورستاں نہ تھا۔ بڑے بڑے کمالات ایک طرف چھوٹی چھوٹی فضیلتیں بھی ایک شخص میں شکل سے جمع ہوتی ہیں۔ بہت سے نامور گزرے ہیں جو بہادر تھے لیکن پاکیزہ اخلاق نہ تھے، بہت سے پاکیزہ اخلاق تھے لیکن صاحب تدبیر نہ تھے، بہت سے دونوں کے جامع تھے لیکن علم و فضل سے بے بہرہ تھے۔

اب حضرت عمر کے حالات اور ان کی مختلف حیثیتوں پر نظر ڈالو، اوصاف نظر آئے گا کہ وہ سکندر بھی تھے اور ارسطو بھی، سیج بھی تھے اور سلیمان بھی، تیمور بھی تھے اور نوشیرواں بھی، امام ابو حنیفہ بھی تھے اور ابراہیم ادہم بھی۔

سب سے پہلے حکمرانی اور کشورستانی کی حیثیت کو لو۔ دنیا میں جب قدر حکمران گزرے ہیں ہر ایک کی حکومت کی تہ میں کوئی نہ کوئی مشہور تدبیر یا سپہ سالار مخفی تھا۔ یہاں تک کہ اگر اتفاق سے وہ تدبیر یا

یاسپ سالار رہا تو دفعۃً فتوحات بھی ترک کیں یا نظام حکومت کا ڈھانچہ بگڑ گیا۔

سکندر ہر موقع پر راسطو کی ہدایتوں کا سہارا لے کر چلتا تھا۔ اکبر کے پردے میں ابوالفضل اور

ٹوڈرل کام کرتے تھے۔ عباسیہ کی عظمت و شان برائے کہ دم سے تھی لیکن حضرت عمر کو صرف اپنے دست

و بازو کا بل تھا۔ خالد کی عجیب غریب معرکہ آرائیوں کو دیکھ کر لوگوں کو خیال پیدا ہو گیا تھا کہ فتح و فتح کی

کلید اہی کے ہاتھ میں ہے۔ لیکن جب حضرت عمر نے انکو مغزول کر دیا تو کسی کو حساس تک نہ ہوا کہ کل

میں سے کونسا بڑا نکل گیا ہے، سعد و قاص فاتح ایران کی نسبت بھی لوگوں کو اسی قسم کا وہم پیدا ہو چلا

تھا، وہ بھی الگ کر دیئے گئے اور کسی کے کان پر جوں بھی نہ چلی۔ یہ سچ ہے کہ حضرت عمر خود سارا کام نہیں

کرتے تھے اور نہ کر سکتے تھے لیکن جن لوگوں سے کام لیتے تھے ان میں سے کسی کے پابند نہ تھے، وہ

حکومت کی گل کو اس طرح چلاتے تھے کہ بس پُرزے کو جہاں سے چاہا نکال لیا اور جہاں چاہا لگا دیا،

صلحت ہوئی تو کسی پُرزے کو سرے سے نکال دیا اور ضرورت ہوئی تو نئے پُرزے تیار کر دیئے۔

دنیا میں کوئی ایسا حکمران نہیں گذرا جسکو ملکی ضرورتوں کی وجہ سے عدل انصاف کی حدود سے

بچاؤ نہ کرنا پڑا ہو۔ نو شیرواں کو زمانہ عدل انصاف کا پیغمبر تسلیم کرتا ہے لیکن اُس کا وہن بھی اس دماغ

سے پاک نہیں۔ بخلاف اسکے حضرت عمر کے تمام واقعات کو چھان ڈالو، اس قسم کی ایک نظیر بھی نہیں مل سکتی۔

دنیا کے اور مشہور سلاطین جن ممالک میں پیدا ہوئے، وہاں مدت سے حکومت کے قواعد اور آئین

قائم تھے۔ اور اس لیے ان سلاطین کو کوئی نئی بنیاد نہیں قائم کرنی پڑتی تھی، قدیم انتظامات باخود کافی ہو

تھے یا کچھ اضافہ کرنا پڑتا تھا۔ بخلاف اسکے حضرت عمر جس خاک سے پیدا ہوئے وہ ان چیزوں کے نام سے آشنا

نہ تھی خود حضرت عمر نے ۴۰ برس تک حکومت و سلطنت کا خواب بھی نہیں دیکھا تھا اور آغاز شباب اُوٹھنے کے

چرنے میں گذرنا تھا ان حالات کے ساتھ ایک وسیع مملکت قائم کرنی اور ہر قسم کے ملکی انتظامات مثلاً تقسیم

صوبجات و اضلاع، انتظام محفل، صیغہ عدالت، قوجداری اور پولیس۔ پبلک ورکس۔ تعلیمات۔ صیغہ فوج،

کو استعد ترقی دینی اور ان کے اصول اور ضابطے مقرر کرنے حضرت عمر کے سوا اور کس کا کام ہو سکتا تھا؟۔

تمام دنیا کی تاریخ میں کوئی ایسا حکمران دکھائی دے گا جسکی معاشرت یہ ہو کہ قمیص میں دس دس پیوند لگے ہوں، کاندھے پر مشک لکھ کر غریب عورتوں کے ہاں پانی بھراتا ہو، فرش خاک پر پڑ رہتا ہو، بازاروں میں پڑا پھرتا ہو۔ جہاں جاتا ہو جریدہ و تنہا چلا جاتا ہو اونٹوں کے بدن پر اپنے ہاتھ سے تیل ملتا ہو در و در بارہ تعقیب و چاؤش چشم و خدم کے نام سے آستانہ ہو اور پھر یہ عجب داب ہو کہ عیب و عجم اس کے نام سے لرزتے ہوں اور جس طرف رخ کرتا ہو زمین دہل جاتی ہو۔ سکندر و تیمور تین تین سو ہزار فوج رکاب میں لے کر نکلتے تھے جب انکا عیب قائم ہوتا تھا۔ عمر فاروق کے ستر شام میں سواری کے ایک اونٹ کے دل اور کچھ نہ تھا لیکن چاروں طرف غل پڑا ہوا تھا کہ مرکز عالم بخش میں آگیا ہے۔

اب علمی حیثیت پر نظر ڈالو۔ صحابہ میں سے جن لوگوں نے خاص اہم کام کو کیا تھا اور رات دن

اسی شغل میں بسر کرتے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس۔ زید بن ثابت۔ ابو ہریرہ۔ عبداللہ بن عمر

عبداللہ بن مسعود لکھے مسائل اور اجتہادات کا حضرت عمر کے مسائل اور اجتہاد سے موازنہ کرنا صاف مجتہد مقلد کا فرق نظر آئے گا

زمانہ مابعد میں اسلامی علوم نے بے انتہا ترقی کی اور بڑے بڑے مجتہدین و ائمہ فن پیدا ہوئے مثلاً

امام ابو حنیفہ۔ شافعی۔ بخاری وغالی۔ رازی۔ لیکن انصاف سے دیکھو حضرت عمر نے جس باب میں جو کچھ

ارشاد کیا اس پر کچھ اضافہ ہو سکا؟ مسئلہ قضا و قدر۔ تعظیم شعار اہل بیت۔ حیثیت نبوت۔ احکام شریعت کا عقلی یا

نقلی ہونا۔ احادیث کا درجہ اعتبار۔ خبر احادیث کی قابلیت احتجاج۔ احکام خمس و غنیمت۔ یہ مسائل شروع اسلام

سے آج تک معرکہ آرا رہے ہیں اور ائمہ فن نے ان کے متعلق ذہانت اور طباعی کا کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا جو

لیکن انصاف کی نگاہ سے دیکھو حضرت عمر نے ان مسائل کو جس طرح حل کیا تھا تحقیق کا ایک قدم بھی

اُس سے آگے بڑھ سکا؟ تمام ائمہ فن نے یا ان کی پیروی کی یا انحراف کیا تو علانیہ غلطی کی۔

اخلاق کے لحاظ سے دیکھو تو انبیاء کے سوا اور کون شخص ان کا ہم پایہ مل سکتا ہے؟ زہد و قناعت۔

واضع و انکسار خاکساری و سادگی۔ راستی و حق پرستی۔ صبر و رضا۔ شکر و توکل۔ یہ اوصاف اُن میں جس کمال کے ساتھ پائے جاتے تھے کیا۔ لقمان۔ ابراہیم اودہم۔ ابوبکر تبلی۔ معروف کنجی میں اس سے بڑھ کر پائے جاتے تھے۔

شاہ ولی اللہ صاحب نے حضرت عمر کی اس خصوصیت راہبنی جامعیت کمالات کو نہایت خوبی سے بیان کیا ہے اور ہم اسی پر اپنی کتاب کو ختم کرتے ہیں وہ تحریر فرماتے ہیں۔

”سینہ فاروق اعظم را بمنزلہ خانہ تصور کن کہ درہائے مختلف وارو
در ہر درے صاحب کما لے نشستہ در یک در شملہ اسکندریہ و القہرین

بانہمہ سلیقہ ملک گیری و جہاں ستانی و جمع جیوش و برہم زدن
اعدا و در دیگر نوشیروانے بان ہمہ رفق ولین و رعیت پروری و

دا گستری (اگرچہ ذکر نوشیروان در بحث فضائل حضرت فاروق

سور ادب ست) و در دیگر امام ابو حنیفہ یا امام مالکے بان ہمہ

قیام بہ علم فتوے و احکام و در دیگر مشدے شل سیدی عبدالقادر

جیلانی یا خواجہ بہاء الدین و در دیگر محدثے بروزن ابو ہریرۃ و

ابن عمرو در دیگر حکیمے مانند مولانا جلال الدین برومی یا شیخ
 فرید الدین عطار و مردمان گرد اگر داین خانہ استادہ اند و ہر
 محتاجے حاجت خود را از صاحب فن و درخواست مینماید کامیاب
 مے گردد

شہلی نمان
 مقام کشمیر { ۵ جولائی ۱۹۰۰ء
 ادین



<p>۱۲۱</p>	<p>نمبر</p>
<p>۱۲۱</p>	<p>نمبر</p>
<p>۱۲۱</p>	<p>نمبر</p>
<p>۱۲۱</p>	<p>نمبر</p>
<p>۱۲۱</p>	<p>نمبر</p>
<p>۱۲۱</p>	<p>نمبر</p>

NO. 1

121

مکہ و خواتین تیموریہ جس میں
 نامور و مشہور خاندان تیموری
 وہن اور عفت و عصمت
 شایر بیگیات کے علاوہ بہت سی
 کی و دیویوں اور تریف خاتونوں
 کے نہایت دل چسپ و نہرت آمیز
 اور نچر واقعات اور حیرت انگیز حالات
 شرح کے ساتھ سلسلہ وار
 مذکور ہے۔ یہ سچی اور حقیقی مقبول
 و محبوب پیرائے میں لکھے گئے ہیں
 اور یہ عظیم الشان خاندان کے سلسلہ
 دہکتے ہیں قیمت ۷/۸
دولت درانیہ
 یہ احمد شاہ درانی والی افغان
 مفصل حالات زندگی۔ آغاز حکومت
 بستان پرستو اثر حلقے سکوں
 انیسوں کی مشہور معرکہ آرائیاں
 بستان کی فتوحات وغیرہ وغیرہ
 کے بسط و توضیح کے ساتھ ذکر
 ہے اس کے نامور فرزند تیمور شاہ
 کے بیدار بخت زمان شاہ کے
 سلطنت کے تمام واقعات نہایت
 سچی اور عمدگی کے ساتھ بیان کیے

گئے ہیں۔ اور ساتھ ہی ان پر زور
 بغاوتوں اور باہمی خانہ جنگیوں کا
 بھی مذکور ہے جو ان تینوں ناموں
 حکمرانوں کے عہد حکومت میں ہوئیں
 اور فرو ہوئیں۔ غرض کہ یہ سچی
 سے ۱۳۱۳ ہجری تک کے تمام واقعات
 ہایت خوبی سے درج ہیں قیمت ۷/۸
مثنوی تشریح غم
 یعنی سید حسن شاہ اوزاعی کا
 وہ دردناک۔ سچا۔ اور تاریخی قصہ ہے
 جو ناول تشریف لیکر مثنوی گلزار
 نسیم کی محرمیں ہایت ہی مصفیٰ خیر
 اختصار کے پیرایے میں بطر جید
 نظم کیا گیا ہے قیمت صرف ۷/۸
حیات ولی
 حیات ولی ایک جدید اور قابل قدر
 کتاب ہے جس میں عارف ہامد شہر
 مولانا شاہ ولی اللہ صاحب محدث
 دہلوی اور مولانا محترم اور مفر خاندان
 کی سوانح عمری کا دلچسپ اور مفصل
 حال اور بابرکت اور عالی خاندان کی
 بالکل سچی تاریخ ہے جو نہایت مستند
 تذکروں اور معتبر ذریعوں سے منتخب کی گئی ہے

شاہ ولی اللہ صاحب اور ان کے
 خاندان کے متعلق تقریباً دو سو
 حضرات کے واقعات اور ان کے
 سچے۔ تاریخی مستند اور دلچسپ
 اور ان کے چاروں چمکتے ستاروں یعنی
 مولانا شاہ عبدالغفری صاحب۔ مولانا
 شاہ رفیع الدین صاحب۔ مولانا شاہ
 عبدالقادر صاحب۔ مولانا شاہ عبدالغفری
 صاحب رحمۃ اللہ علیہم اجمعین کے مکمل و
 مفصل سوانح و درج ہوئے ہیں
 جو دیکھنے سے متعلق ہیں۔ اس کتاب کا
 مطالعہ کچھ ایسا پردہ غفلت اٹھاتا ہے
 گویا دیکھنے والا خود ان بزرگوں کے متبرک
 حلقے میں داخل ہو جاتا ہے۔ اس پر
 یہ کہ جا بجا مفید نوٹ دیے ہیں اور
 بلحاظ ضخامت شائقین سے بہت کم
 قیمت لی جاتی ہے یعنی فی جلد ۷/۸
قرآن شریف ترجمہ
 یہ قرآن شریف متوسط تفسیر کا بہت
 خوش خط لکھا یا گیا ہے اور نہایت
 محنت اور جاافتدائی سے تیار کیا گیا
 ہے۔ کاغذ بہت دیر اور سفید ہے
 ترجمہ اردو۔ یہ صرف ایک مقرر ہے

